تکفیر کے لیے شرعی معیار پر ایک معرکۃ الآراء تحریر

اُصولِ تکفیر

جدید ایڈیشن مع اضافات

مصنف

شیخ المشائخ، پیرِ طریقت رہبر شریعت

پیر محمد چشتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

جامعہ غوثیہ معینیہ پشاور شہر، پاکستان

گلف پبلشرز محلہ جنگی قصہ خوانی پشاور

Cell: 091-2580188 0312-9172552

Marfat.com

التماس

اس کتاب کی تدوین واشاعت میں قرآن کریم کی آیات اور احادیث نبوی ﷺ کے حوالہ جات میں ہر ممکن احتیاط برتی گئی ہے تاہم ادارہ کسی بھی نادانستہ غلطی کے لیے معذرت خواہ ہے اور اس کی نشان دہی کے لیے قارئین کا ممنون ہوگا۔

اس کتاب کے حوالہ سے قاری کے ذہن میں کوئی اشتباہ ہو تو اس کو دور کرنے کے لیے بھی ادارہ ہٰذا سے رابطہ کیا جا سکتا ہے تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اُس کا ازالہ کیا جا سکے۔

ادارہ ہٰذا اپنے قارئین کی آراء اور مفید مشوروں پر سنجیدگی سے غور کرنے کے ساتھ تہہ دل سے اُن کا شکرگزار ہوگا۔

منجانب:۔

گلف پبلشرز

Marfat.com

کتاب پڑھنے کی دعا

دینی یا اسلامی کتاب پڑھنے سے پہلے ذیل میں دی ہوئی دعا پڑھ لیجئے ان شاء اللہ جو کچھ پڑھیں گے یاد رہے گا۔ دعا یہ ہے:

اللھم افتح علینا حکمتک وانشر علینا رحمتک یاذالجلال والاکرام

ترجمہ: اے اللہ ہم پر علم وحکمت کے دروازے کھول دے اور ہم پر اپنی رحمت نازل فرما! اے عظمت اور بزرگی والے۔ (مستطرف، ج ۱، ص ۴۰، دار الفکر بیروت)

قیامت کے روز حسرت

فرمان مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم: سب سے زیادہ حسرت قیامت کے دن اس کو ہوگی جسے دنیا میں علم حاصل کرنے کا موقع ملا مگر اس نے حاصل نہ کیا اور اس شخص کو ہوگی جس نے علم حاصل کیا اور دوسروں نے تو اس سے سن کر نفع اٹھایا لیکن اس نے نہ اٹھایا (یعنی اس علم پر عمل نہ کیا)۔ (تاریخ دمشق لابن عساکر، ج ۵۱، ص 138، دار الفکر بیروت)

کتاب کے خریدار متوجہ ہوں

کتاب کی طباعت میں نمایاں خرابی ہو یا صفحات کم ہوں یا بائنڈنگ میں آگے پیچھے ہو گئے ہوں تو ناشر ادارہ سے رجوع فرمائیں۔

Marfat.com

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ۝ يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا۔

(الاحزاب، 71-70)

اُصولِ تکفیر

جدید ایڈیشن

مع اضافات

از

شیخ المشائخ، پیر طریقت، رہبر شریعت

مولانا پیر محمد چشتی چترالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

جامعہ غوثیہ معینیہ پشاور

Marfat.com

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں

نام کتاب	:	اُصول تکفیر
مصنف	:	شیخ المشائخ پیر محمد چشتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
کمپوزر	:	عاطف شہزاد چشتی
پروف ریڈنگ	:	صاحبزادہ صدیق علی چشتی
ناشر	:	گلف پبلشرز
قیمت	:	530
تعدادواشاعت اول ایڈیشن	:	1100، 2009ء
تعدادواشاعت دوم ایڈیشن	:	1100، 2010ء
تعدادواشاعت سوم ایڈیشن	:	1100، 2012ء
تعدادواشاعت چہارم ایڈیشن	:	1100، 2014ء
تعدادواشاعت پنجم ایڈیشن	:	1100، مارچ 2016ء

نوٹ:۔مجاز فرد جگر گوشۂ شیخ المشائخ صاحبزادہ مولانا ڈاکٹر صدیق علی چشتی، مہتمم اعلیٰ جامعہ غوثیہ معینیہ، کی تحریری اجازت کے بغیر کسی فرد یا ادارے کو بھی حضرت شیخ المشائخ پیر محمد چشتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کوئی بھی کتاب چھاپنے کی ہرگز اجازت نہیں۔ بصورت خلاف ورزی سخت قانونی کاروائی کی جائے گی۔

Marfat.com

کتاب پڑھنے کے آداب

(۱) باوضو ہونا۔ (۲) حمد وصلوٰۃ پڑھنا۔ (۳) تعوذ پڑھنا۔

(۴) تسمیہ پڑھنا۔ (۵) قبلہ رُو پڑھنا۔

(۶) جہاں جہاں اللہ کا نام پاک آئے وہاں عزوجل پڑھنا۔

(۷) اور جہاں جہاں "سیدِ عالم رحمتِ عالم" کا اسم مبارک آئے وہاں صَلَّی اللّٰہُ تعالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم پڑھنا۔

(۸) اور جہاں جہاں صحابہ کرام اور صحابیات کے نام آئیں وہاں رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُم پڑھنا۔

(۹) جہاں جہاں اولیاءِ کرام کے نام آئیں وہاں رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ پڑھنا۔

کتاب سے مستفید ہونے کی نیتیں

(۱) رضائے الٰہی عزوجل کے لیے اس کتاب کا اول سے آخر کتاب کا مطالعہ کرنا۔

(۲) قرآنی آیات اور احادیث مبارکہ کی زیارت کرنا۔

(۳) فرض علوم کو سیکھ کر اُس پر عمل کرنا۔

(۴) دوسروں کو یہ کتاب پڑھنے کی ترغیب دلانا۔

(۵) حضرت سفیان بیعیہ رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ کے اس قول "عند ذکر الصالحین تنزل الرحمۃ" یعنی نیک لوگوں کے ذکر کے وق رحمت نازل ہوتی ہے۔ پر عمل کرتے ہوئے ذکرِ صالحین کی برکتیں لوٹنا۔

(۶) اس کتاب کے مطالعہ کا ثواب ساری اُمت کو ایصال کرنا۔

(۷) سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل اور مشائخ کرام رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِم کے نقشِ قدم پر چلنے کی کوشش کرنا۔ (انشاء اللہ عزوجل)

Marfat.com

کتاب ملنے کے پتے

☆ مکتبہ آوازِ حق، دارالعلوم جامعہ غوثیہ معینیہ بیرون یکہ توت پشاور، 0316-9567661

☆ المکتبۃ النظامیہ مسجد حضرت ابوایوب انصاریؓ گھنٹہ گھر پشاور 0300-5893316

☆ مکتبہ امام ابوحنیفہ محلہ جنگی قصہ خوانی پشاور 0313-5957184

☆ نظامیہ کتاب گھر۔ زبیدہ سنٹر ۴۰ اُردو بازار لاہور 0301-4377868

☆ دارالنور دکان نمبر ۴ مرکز الاویس دربار مارکیٹ لاہور 04237247702

☆ مکتبہ غوثیہ۔ یونیورسٹی روڈ، بالمقابل عسکری پارک کراچی 021-34926110

☆ مکتبہ اعلیٰ حضرت دربار مارکیٹ لاہور 04237247301

☆ مکتبہ المصطفیٰ چیدرہ 0343-9070902

☆ شبیر برادرز زبیدہ سنٹر ۴۰، اردو بازار لاہور 042-37246006

☆ زاویہ پبلشرز دربار مارکیٹ لاہور 04237300642

☆ مکتبہ امام احمد رضا مری روڈ راولپنڈی 0514907446

☆ اہل السنہ پبلی کیشنز دینہ جہلم 03335833360

☆ مکتبہ دارالاحناف کامران مارکیٹ نیو اڈہ مردان 03119231283

☆ مکتبہ غفوریہ قادریہ طارق آباد تندو ڈاک سوات 03449294923

☆ مکتبہ عمر فاروق جنگی محلہ قصہ خوانی 03018845717

☆ مکتبہ اہلسنت مکہ سنٹر دوکان نمبر ۳، بیسمنٹ نزد لوئر مال تھانہ اُردو بازار لاہور

☆ مکتبہ رضائے مصطفیٰ چپیل منڈی پشاور محمد علیم شاہ۔ 0300-5864762

☆☆☆☆☆

Marfat.com

فہرست

صفحہ نمبر	عنوانات	نمبر شمار
13	حالاتِ مصنف بقلم مصنف	1
16	مذہبی تعلیم میں آنے کے غیبی اسباب	2
27	افتتاحیہ	3
33	متوسط ذہن والوں کے لیے منطق کے ناگزیر ہونے کا فلسفہ	4
35	حقیت کا اظہار	5
36	تکفیر کے لیے شرعی اُصول کی اہمیت	6
39	مشکل ترین ذمہ داری	7
45	افسوس بالائے افسوس	8
51	معاصر علماء کرام سے گزارش	9
53	سوال نامہ	10
57	جواب نامہ	11
63	اِلتزام کُفر اور لزُوم کُفر کی تعریفوں کا بیان	12
73	علماء کرام ومفتیان اسلام کے لیے اہم ترین محل توجہ	13
77	التزام کفر کی 28 مثالیں	14
87	لوازمات خمسہ ایمان کی ترتیب وتناسب	15
88	ترتیب رُتبی کے فوائد	16
94	دوسرا فائدہ	17
97	تیسرا فائدہ	18
101	ایک تنبیہ اور ضروری اصلاح	19
102	ایک ضروری وضاحت	20

Marfat.com

21	خوف ورجاء سے متعلقات کی وضاحت	109
22	خلاصۃ التفصیل	111
23	مزید مغالطہ در مغالطہ کا اِزالہ	115
24	خلاصۃ البحث بعد التحقیق	118
25	منشاء غلطی اور وجہ اشتباہ	119
26	کمالیت شئی کا کلی مشکک ہونا	120
27	ایک خاص قابل توجہ مسئلہ	122
28	ایک اور مغالطہ کا ازالہ	124
29	مغالطہ کا تفصیلی جواب وتحقیقی مقام	125
30	ایک اور غلط فہمی کا ازالہ	128
31	ایک اور اشتباہ کا ازالہ	129
32	ایک اور مغالطہ کا ازالہ	132
33	ایک اور مغالطہ اور اس کا جواب	138
34	ایک اور اشتباہ کا ازالہ	141
35	ضرورت دینی وضرورت مذہبی کا فرق	145
36	علماء کی خاص توجہ کے لیے حاشیتی اضافہ	146
37	ایک اور اشتباہ کا ازالہ	147
38	ایک ضروری وضاحت علماء کرام کی توجہ کے لیے	152
39	ایک اور اشتباہ کا ازالہ	154
40	تعارض کا اشتباہ اور اس کا ازالہ	156
41	کفر کا ضرورت دینی کے انکار کے ساتھ خاص ہونے کا فلسفہ	161
42	ایک اور ضروری وضاحت	163

Marfat.com

43	تعصب کے برے اثرات کا ایک کرشمہ	168
44	مذہبی تعصب کے خلاف تبلیغ کا افضل جہاد ہونے کا فلسفہ	172
45	ایک اور اشتباہ کا ازالہ	174
46	ضمنی فوائد اور نتائج	180
47	ارادی اور غیر ارادی کفر کے شرعی حکم یکساں ہونے کا فلسفہ	183
48	ایک متوقع اشتباہ کا ازالہ	192
49	ایک اہم سوال کا جواب	203
50	ایک اور اشتباہ کا ازالہ	204
51	ایک اور اشتباہ کا ازالہ	207
52	مفاہیم ثلاثہ اجتہاد میں ایک بنیادی فرق	215
53	لزوم کفر کی عملی صورتوں کی وضاحت	223
54	لزومِ کفر اور التزامِ کفر کے مابین بنیادی فرق	229
55	مفتیانِ کرام کی توجہ کے لیے مزید وضاحت	230
56	ایک اشتباہ کا ازالہ	235
57	قیاس استثنائی اتصالی کا نتیجہ خیز ہونے کے لیے استثناء رفع تالی کا رفع مقدم کے منتج ہونے اور استثناء وضع مقدم کا وضع تالی کا منتج ہونے کا فلسفہ	239
58	لزوم کفر اور التزام کفر کی کچھ اور مثالیں	244
59	شیطانی وسوسہ پر دوسرا رد	245
60	قضیہ مفروضہ کے مغالطہ کا ازالہ	246
61	قرآن شریف میں قضیہ مفروضہ کی دوسری مثال	249
62	قرآن شریف میں قضیہ مفروضہ کی تیسری شکل	250
63	خلاصۃ الکلام بعد التحقیق	252

Marfat.com

107	ایک اہم سوال اوراس کا جواب	429
108	حاشیتی وضاحت	436
109	ایک عامتہ الورود اشتباہ کا ازالہ	441
110	ایک اور سوال کا جواب اور اضافی فائدہ	445
111	ایک قابل توجہ نکتہ سے بے توجہی پر افسوس	450
1112	اصحاب محراب ومنبر کو ملنے والا سبق	453
113	ایک اور سوال کا جواب	454
114	ایک متوقع سوال کا پیشگی جواب	456
115	ایک اشتباہ کا ازالہ	458
116	الشئ المطلق اور مطلق الشئ کی حقیقت	461
117	تقلید جامد کی افسردہ روایت	466
118	خلاصۃ التحقیق بعد التفصیل	469
119	درس نظامی پڑھنے اور پڑھانے والوں کو ملنے والا سبق	471
120	خلاصۃ الجواب بعد التدقیق	472
121	اختتامیہ	479
122	ایک اشتباہ کا ازالہ اور مزید وضاحت	480
123	وضاحت در وضاحت	490
124	توضیح در توضیح	491
125	ایک ضروری وضاحت اور تنبیہ	503
126	لوازمات خمسہ پر عقلی دلائل	504
127	مزید وضاحت	511
128	خلاصۃ الکتاب	515

Marfat.com

حالاتِ مصنف بقلمِ مصنف

﴿نوٹ:۔زیرنظر مضمون حضرت شیخ المشائخ قبلہ پیر محمد چشتی صاحب نے اپنی حیات میں ہی آج سے قریباً پانچ (۵) سال قبل سپردِ قلم کیا تھا۔لہٰذا قارئین سے گزارش ہے کہ اس مضمون کو اُسی تناظر میں دیکھا اور پڑھا جائے۔﴾

آج 2010ء سے تقریباً 73 سال قبل شاگروم میں پیدا ہوا۔شاگروم نام کا یہ وسیع وعریض گاؤں درہ تریچ کی آخری آبادی ہے ضلع چترال تحصیل ملکھو کا یہ درہ میری پیدائش سے پہلے بھی مردم خیزی میں مشہور تھا جس میں نوابی دور کے علم دشمن ماحول میں بھی محمد جناب شاہ اور قاضی بدر الدین خواجہ جیسی ہستیاں بالترتیب عصری اور مذہبی علوم کی روشنی پھیلا رہی تھیں۔ نوابوں کے تعلیم دشمن ماحول سے آزادی اور ریاست کا پاکستان کے ساتھ الحاق ہو جانے کے بعد بھی چترال کے اِس درہ سے اچھے خاصے اہل علم پیدا ہوئے میری پیدائش ریاستی دور کے جس ماحول میں ہوئی وہ کچھ اِس طرح تھا کہ نوابوں کے بچوں کیلئے ابتدائی تعلیم کا انتظام مقامی طور پر میسّر تھا جبکہ قرآن شریف ناظرہ پڑھنے اور نماز وروزہ جیسے ضروری احکام سے روشناس ہونے کے ساتھ مڈل تک دُنیوی تعلیم حاصل کرنے کے بعد مزید تعلیم کے لیے پشاور، دہلی، لاہور اور انگلینڈ کا رُخ کیا کرتے تھے جبکہ رعایا کے بچوں کی تعلیم کا قطعاً کوئی انتظام ہی نہیں تھا مگر یہ کہ نوابوں کے کارندوں سے چھپ کر ریاست کی حدود سے نکلنے میں کامیاب ہوتا تو سفر وغربت اور بے وطنی کی صعوبتیں برداشت کر کے مذہبی یا عصری تعلیم کی کچھ روشنی پاتا جن کی تعداد اکا ئیوں سے زیادہ نہ ہوتی تھی۔

فقدانِ تعلیم کی اِس بدحالی کے ساتھ معاشی زبوں حالی کا یہ عالم تھا کہ نوابوں کی گزر اوقات رعایا سے ظلماً وصول کیے جانے والے غلّہ ہائے عشر پر ہوا کرتی تھی تو عام آدمیوں کی معیشت کا کہنا ہی کیا تھا درہ تریچ میں سب سے زیادہ قطعہ اراضی کے مالک ہونے کے باوجود ہمارے

Marfat.com

خاندان میں بھی عمومی خوراک جو کی روٹی یا باجرہ کی روٹی ہوا کرتی تھی لیکن اِس کے ساتھ ہمارے خاندان پر ربّ کریم جلَّ جلالُهٗ وَعَمَّ نوالُهٗ کا خاص کرم یہ تھا کہ ہرن کے گوشت سے ہمارا گھر کبھی خالی نہ ہوتا تھا، میرے دادا جان (نام رحیم ولد عبدالکریم) جو اپنے وقت کے خدا رسیدہ بزرگ تھے۔ وفاداری، امانتداری، سخاوت، شجاعت اور صدقِ لہجہ میں مشہور تھے جن کی وفاشعاری کو دیکھ کر مہتر چترال نواب محمد ناصر الملک رَحْمَةُ اللّٰہِ تعالٰی عَلَیْہِ نے اُنہیں امین دربار کے عہدے پر فائز کیا تھا جسکی بدولت اُنکے بیٹوں کو شاگروم سے ملحق بالائی شکار گاہوں کی اختیار داری اور ہر جگہ سے شکار کی اجازت تھی۔ میرے تایا شہزادہ رحیم (مرحوم) سرکاری شکاری ہونے کی بنا پر پورے چترال میں شکاری کے نام سے ہی مشہور تھے میرے (مرحوم) والد اُن سے عمر میں تقریباً تین سال چھوٹے تھے، گھریلو ذمہ داریوں سے زمینوں کی دیکھ بھال تک جملہ انتظامات کے نگران تھے جبکہ میرے چھوٹے چچا امام رحیم (مرحوم) اُن کے نائب و معاون تھے۔ میرے والد محمد رحیم ولد نام رحیم ہرن کے شکار سے لے کر ہر موسم کے پرندوں تک کا شکار کرنے میں پورے درہ تریچ میں اپنی مثال آپ تھے۔ شانِ قدرت ہے کہ شکار کر کے کھانے اور کھلانے والے اس عظیم شکاری کو اس حوالہ سے وہ شہرت نہیں ملی جو اُن کے بڑے بھائی شہزادہ رحیم کو ملی۔

علاقائی ماحول اور خاندانی روایات کا شعور پانے کے بعد میں بھی اُس راہ پر چلنے لگا جس پر چلتے ہوئے اپنے بڑوں کو دیکھا تھا لیکن شکار کے حوالہ سے میرے اور میرے بڑے بھائی جان مولانا شیر محمد مدظلہ العالی کا معاملہ اپنے بزرگوں سے مختلف رہا کیوں کہ ہمارے والد مرحوم و مغفور نوّرَاللّٰہُ مَرْقَدَہُ الشَّرِیف اپنے بڑے بھائی سے کئی گنا زیادہ فعّال اور ہر موسم کے شکار کا بہترین شکاری ہونے کے باوجود اپنے بڑے بھائی جیسی شہرت اس حوالہ سے نہ پا سکے جبکہ میرے بڑے بھائی میرے مقابلہ میں کئی گنا اچھا شکاری ہوتے ہوئے بھی اِس حوالہ سے میری شہرت کو نہ پہنچ پائے حالانکہ وہ ہر موسم کے اچھے شکاری تھے چھوٹے پرندوں کے شکار کے

Marfat.com

حوالہ سے میری فنکاری کا یہ عالم تھا کہ ایک ہی درخت کے نیچے بیٹھ کر گھنٹہ سے دو گھنٹے کے دورانیہ میں پچاس ساٹھ کی تعداد میں پرندے مار گراتا تھا مجھے مواد پہنچانے اور ذبح کرنے پر مقرر لڑکوں کا کہنا ہے کہ روزانہ کی یہ تعداد دو سو سے بھی زیادہ ہوا کرتی تھی۔ صحیح تعداد کے متعلق حتمی صورت مجھے یاد نہیں ہے۔ (وَاللّٰہُ اَعْلَمُ)

یہاں پر شاید قارئین کو اُن پرندوں سے متعلق تعجب ہو کہ اِس کثرت سے آنے والے وہ کیسے پرندے ہونگے اور وہ شکارگاہ کیسی ہوگی؟ تو اِس کے متعلق یہ ہے کہ اُن دِنوں میں یعنی آج سے تقریباً نصف صدی قبل ہر قسم شکار کی بہتات ہونے کی طرح گندم اور باجرہ کی فصل جب پکنے کے قریب ہوتی تھی تو اُسے کھانے کے لیے پرندوں کی یہ نسل کثیر تعداد میں آیا کرتی تھی۔ جس کو کھوار زبان میں شوبیچ کہا جاتا ہے جو جسامت میں اندازاً تین چڑیوں کے برابر ہوتا ہے اور رنگت کے اعتبار سے اُن کی دو قسمیں ہوتی ہیں۔ ایک خاکستری سفید، دوسری وہ جس کا سر اور گردن سمیت سینے کا بالائی حصہ سرخ باقی سارا حصہ خاکستری جو خوبصورتی و دلکشی میں اپنی مثال آپ ہے اور گوشت اُس کا بہت لذیذ ہوتا ہے۔ درہ تریچ سمیت چترال کے بالائی حصہ کی تینوں تحصیلوں میں اُس کی کثرت کیساتھ آمد کا موسم ماہ ستمبر ہوا کرتا تھا لیکن دُنیا کی ارتقائی زندگی کے دوسرے شعبوں میں نمایاں تبدیلیاں آنے کی طرح ہر موسم کے شکار میں بھی کافی حد تک تبدیلیاں آچکی ہیں۔ کیمیائی کھاد کی وجہ سے گندم کی پیداوار زیادہ ہونے کی بناء پر باجرہ کی کاشت ہی ہمارے علاقہ سے ناپید ہو چکی ہے یہ باجرہ بھی خاص نسل کا ہوتا تھا جس کو کھوار زبان میں اُڑین کہا جاتا تھا جو آج سے نصف صدی قبل ہماری عمومی خوراک ہوا کرتا تھا اور گندم کی فصل ستمبر میں پکنے کے بجائے ترقی کر کے اگست کے اوائل میں ہی تیار ہوتی ہے جس وجہ سے شوبیچ کی اُس کثرت سے آمد رہی نہ اُس کے شکار کا رواج۔ اگر کوئی اکّا دُکّا دانہ اُڑتا ہوا نظر آتا ہے اُسے ماضی کی یادگار تصور کیا جاتا ہے۔ جس درخت کو میں نے شکارگاہ بنایا ہوا تھا وہ شتلک کی درمیانہ سائز کی لمبائی والا درخت تھا جس کی لمبائی اندازاً ۱۵ سے ۲۰ فٹ تک ہوگی

Marfat.com

جس کے نیچے اندازاً آٹھ کنال میں پھیلی ہوئی گندم کی فصل اور بعض سالوں میں اُڑین کی فصل ہوا کرتی تھی۔ وہ دلکش وحسین منظر میرے لئے بھولنے کی چیز نہیں ہے جب لیسِرک وَاشپیرُ و سِرک شوپچ کا روم (سیل) آکر اُوپر سے درخت کو ڈھانپتا تھا اور نیچے سے میں شونجور سے اُنہیں مار گرایا کرتا تھا۔ الغرض اُس وقت کے شکار کے حوالہ سے اپنے ماضی کے کِن کِن حسین جھروکوں کا تصور نہیں کرتا بلکہ ایک ایک کے تصور پر کلام اقبال بے ساختہ زبان پر آتا ہے کہ ؏

یاد آتا ہے مجھ کو گزرا ہوا زمانہ

مذہبی تعلیم میں آنے کے غیبی اسباب:۔ برادری کی بزرگ ہستی صوفی گل محمد مرحوم کے پاس دوسرے لڑکوں کے ہمراہ قرآن شریف کا ناظرہ سبق پڑھ رہا تھا۔ ایک دن سبق یاد نہ ہونیکی وجہ سے اُن کے ہاتھوں مار پڑی اُنہوں نے کہا کہ ''شیر ڈشمن بیَ گوئے تہ کریتو کتابان برے تان اَچا کسیر''، جس کا ترجمہ یہ ہے کہ شیر محمد عالم دین بن کر آئے گا تجھ پر کتابیں لاد کر اپنے پیچھے پھیرائے گا۔ مزید وضاحت اس کی یہ ہے کہ میرے بڑے بھائی صاحب کا نام شیر محمد ہے جس کو لڑکپن میں شیر کہہ کر پکارا جاتا تھا اور وہ مذہبی تعلیم کے لیے مسافرت میں تھا۔ صوفی گل محمد کی اِس بات کا مجھ پر اتنا گہرا اثر ہوا کہ میں نے بھی مذہبی تعلیم کے لیے مسافرت اختیار کی، عرصہ ایک سال تک انگور کلی علاقہ ورسک چارسدہ میں ترکی حاجی صاحب مرحوم کے مدرسہ میں اپنے بڑے بھائی مولانا شیر محمد اور گاؤں کے اور چند لڑکوں کے ہمراہ مولانا عبدالعزیز چترالی (مرحوم) کے درس میں ابتدائی تعلیم حاصل کرتا رہا۔ دوسرے سال میں پشاور شہر میں آکر اُس وقت کے دارالعلوم سرحد واقع مسجد غلام جیلانی میں داخلہ لیا تقریباً تین سال تک یہیں پر ابتدائی کتابیں حضرت مولانا مفتی عبداللطیف، حضرت مولانا پائندہ محمد عرف کابل اُستاذ، حضرت مولانا محمد عمر چکسر استاذ جیسے کہنہ مشق و مشفق اساتذہ سے پڑھی۔ اِس

Marfat.com

دوران کے میرے رفقاء درس میں سے مولانا محمد وزیر سکنہ نشکو چترال (مرحوم)، مولانا کبیر شاہ سکنہ مدک چترال (حیات)، مولانا حاجی ابراہیم سکنہ ورکوپ چترال (حیات)، مجھے یاد ہیں جو ہر اعتبار سے قابل ستائش طلباء تھے۔ اللہ تعالیٰ کی خصوصی مہربانی سے اِن تین سالوں میں دارالعلوم کے تمام طلباء میں نمایاں حیثیت رہی کسی بھی کتاب اور کسی بھی امتحان میں کوئی اور مجھ سے زیادہ نمبر حاصل کرنے نہیں پایا۔ اِس پر مستزاد یہ کہ دارالعلوم کے سالانہ جلسہ میں طلباء کی نمائندگی کرتے ہوئے عربی زبان میں جو تقریر کیا کرتا تھا وہ مزید شہرت کا سبب بنی۔

تین سال یہیں پر اوسط درجہ تک کتابیں پڑھنے کے بعد اُس وقت کے جامعہ اشرفیہ واقع ہندو متروکہ بلڈنگ نیلا گنبد لاہور چلا گیا لیکن لیٹ پہنچنے کی وجہ سے داخلہ نہ مل سکا تو مدرسہ تعلیم القرآن راجہ بازار راولپنڈی میں داخلہ لیا لیکن اسباق میں تسلی نہ ہونے کی وجہ سے چھوڑ کر اُس وقت کے احسن المدارس واقع جامع مسجد الحنفیہ راولپنڈی میں جاکر داخلہ لیا اور مولانا اللہ بخش نَوَّرَاللّٰهُ مَرْقَدَهُ الشَّرِيْفَ اور سید عارف اللہ شاہ رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی عَلَيْهِ کی نگرانی میں چند کتابیں پڑھ کر سالانہ ماہ رمضان کی تعطیلات میں دورہ تفسیر پڑھنے کے لیے وزیر آباد ضلع گوجرانوالہ حضرت ابوالحقائق مولانا عبدالغفور ہزاروی کے درس تفسیر میں شامل ہوا۔ جس میں (40) شرکاء درس میں سے جن رفقاء کے نام مجھے یاد ہیں، اُن میں:

❶ پیر طریقت رہبر شریعت مولانا علاء الدین صدیقی مالک النور چینل انگلینڈ (حیات)۔

❷ مولانا عبداللہ شاہ (مرحوم) مہتمم مدرسہ انوار الابرار ملتان۔

❸ مولانا حافظ فضل احمد حال امریکہ۔

❹ مولانا شیخ الحدیث نور حسین شیخ الدرس جامعہ مراڑیاں شریف گجرات۔

❺ مولانا صادق شاہ کشمیری جن کی حیات وممات کا علم نہیں ہے۔

❻ پیر طریقت رہبر شریعت مولانا عابد حسین شاہ م (مرحوم) جو حضرت جماعت علی شاہ محدث علی پوری نارووال پنجاب کے سجادہ نشین تھے۔

Marfat.com

7 مولانا مفتی عبدالشکور جو حضرت ابوالحقائق نورَاللّٰہُ مَرْقَدَہٗ کے صاحبزادے تھے جواب مرحوم ہو چکے ہیں۔

وزیر آباد کے دورہ تفسیر میں چالیس (40) دن کا دورانیہ کامیابی کیساتھ گزارنے اور امتیازی پوزیشن حاصل کرنے کے بعد دوسرے سال مولانا غلام رسول رضوی شیخ الحدیث و بانی جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور کے درس میں شامل ہوا اس دوران اُن سے استفادہ کرنے کے علاوہ اُس وقت کے متعدد مشاہیر علماء لاہور سے بھی مستفیض ہونے کا اچھا موقع مل گیا۔ تعلیمی سال یہیں پر کامیابی کے ساتھ گزارنے اور امتیازی پوزیشن پانے کے بعد حضرت استاذ العلماء دُنیائے تدریس کے تاجدار مولانا عطاء محمد چشتی نورَاللّٰہُ مَرْقَدَہُ الشَّرِیْفَ کے درس میں سیال شریف حاضر ہوا یہیں پر ایک سال کامیابی کے ساتھ گزارنے کے بعد جب استاذ مکرم بندیال کو منتقل ہوئے اُنکی ہمراہی میں وہیں جا کر دو سال تک حضرت کی کفش برداری کی سعادت پائی۔ سیال شریف سے لیکر بندیال شریف تک اِس دورانیہ میں حضرت مولانا صاحبزادہ عبدالحق بندیالوی، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد اشرف سیالوی، حضرت شیخ المعقولات والمنقولات مولانا غلام محمد تونسوی جیسے قابل فخر رفقاء درس کی معیت رہی، بحمدہ سبحانہٗ وتعالیٰ ابتک یہ سب کے سب حیات ہیں، جو علمی امانت کی روشنی پھیلا رہے ہیں۔

درس نظامی کی آخری کتابوں کے اختتام پر غالباً 1961ء تھا، ملتان جا کر دورہ حدیث شریف کی تکمیل کے لیے شیخ الحدیث مولانا السید احمد سعید الکاظمی نورَاللّٰہُ مَرْقَدَہُ الشَّرِیْفَ کے درس حدیث میں شامل ہوا، اُسی سال تنظیم المدارس اہل سنت پاکستان کی بنیاد بھی رکھی گئی تھی جس کے صدر حضرت غزالی زماں اور ناظم اعلیٰ مولانا غلام جہانیاں سکنہ ڈیرہ غازی خان مقرر ہوئے تھے اُن ہی کی کوششوں سے 1961ء میں تنظیم المدارس پاکستان کے زیر انتظام مدارس کے اُن طلباء کا تحریری امتحان لیا گیا تھا جو دورہ حدیث پڑھ کر فارغ تحصیل ہونے والے تھے وَن

Marfat.com

یونٹ کا زمانہ تھا موجودہ پاکستان کے چاروں صوبوں کو ملا کر مغربی پاکستان کہا جاتا تھا، سیاسی آزادی نہیں تھی، فیلڈ مارشل جنرل ایوب خان (مرحوم) کا دور تھا، ذوالفقار علی بھٹو (مرحوم) ایوب خان کے وزیر خارجہ تھے۔ تنظیم المدارس پاکستان کے اُس تاریخی امتحان میں مجھے ملک بھر سے فارغ تحصیل ہونے والوں میں پہلی پوزیشن پانے کا شرف حاصل ہوا تھا۔ جس کے بعد میری تدریسی خدمات حاصل کرنے کیلئے جامعہ غوثیہ کہروڑپکا ملتان، جامعہ نعیمیہ لاہور، جامعہ سراج العلوم خانپور رحیم یار خان کے منتظمین ایک دوسرے سے آگے بڑھنے لگے جبکہ میرے شیخ فی الحدیث حضرت غزالی زماں نَوَّرَاللّٰہُ مَرْقَدَہُ الشَّرِیْف مجھے اپنے مدرسہ انوار العلوم ملتان میں ہی مقرر کرنا چاہتے تھے لیکن خانپور کے حافظ سراج احمد رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ کی طلب کو اپنی پسند پر ترجیح دیتے ہوئے مجھے خانپور ضلع رحیم یار خان بھیج دیا۔ جہاں پر تقریباً دو سال تک منتہی طلباء کو پڑھانے کی سعادت نصیب ہوئی جن میں سے مولانا سید محمد فاروق القادری سجادہ نشین خانقاہ قادریہ، گڑھی اختیار خان ضلع رحیم یار خان، مولانا عزیز الرحمٰن درانی سکنہ خانپور، مولانا حافظ محمد خان، مولانا محمد احمد سکنہ خاص رحیم یار خان حال انگلینڈ، مولانا نذیر احمد حال مقیم مکہ معظمہ، مولانا حبیب الرحمٰن مرحوم سکنہ دنین چترال کے نام اِس وقت یاد ہیں جبکہ حافظ سراج احمد مرحوم اور اُن کے صاحبزادے مولانا مختار احمد درانی مہتمم مدرسہ سراج العلوم جس اخلاص ومحبت سے پیش آتے رہے، وہ اب بھی مجھے یاد ہے۔

1964ء میں جب جامعہ عباسیہ بہاولپور اسلامی یونیورسٹی میں تبدیل ہو کر تخصّص فی التفسیر والحدیث کے لیے اُمیدواروں کو امتحان کے لیے بلایا گیا میں بھی اپنے شیخ فی الحدیث کی ہدایات کے مطابق سراج العلوم خانپور کی تدریس سے استعفیٰ دے کر اُس میں شامل ہوا۔ اللہ تعالیٰ کی غیبی توفیق سے اُس تاریخی امتحان میں اوّل پوزیشن حاصل کی جس کا ملک بھر میں چرچا ہوا، سکالرشپ کے خصوصی اعزاز کے ساتھ تخصّص فی التفسیر والحدیث کی کلاسوں سے مستفیض

Marfat.com

ہونے کے ابھی صرف چھ (6) ماہ گزرے تھے کہ جامعہ انوار العلوم ملتان کے طلباء نے کچھ داخلی سازشیوں کے دخل عمل سے ہنگامہ برپا کیا تو حضرت غزالی زماں نے حالات کنٹرول کرنے کے لیے شیخ الدرس بنا کر انوار العلوم ملتان بھیج دیا۔ شبانہ وروز محنت کر کے جب یہاں پر خوشگوار علمی فضا قائم کرنے میں کامیاب ہوا تو یہاں کے کچھ کہنہ مشق سازشیوں نے میری سادگی اور نوجوانی کی ناتجربہ کاری سے فائدہ اُٹھا کر اعتماد کا ایسا دھوکہ دیا کہ حضرت غزالی زماں اور مفتی مسعود علی القادری رَحِمَهُمَا اللّٰهُ تَعَالٰی سے ہدایات لیے بغیر محض سازشیوں کے دھوکہ میں آ کر موسم گرما کی تعطیلات کا اعلان کر دیا۔ میرا یہ فیصلہ نہ صرف دینی مدارس کے مزاج و روایت کے منافی تھا بلکہ ہر اعتبار سے نامناسب وغلط تھا مجھے اپنی اِس غلطی کا احساس تب ہوا جب حضرت غزالی زماں نَوَّرَ اللّٰهُ مَرْقَدَهُ الشَّرِيْف کی طرف سے تفصیلی خط گھر کے پتہ پر وصول ہوا، جس میں اس کے پس منظر سے مجھے آگاہ کرنے کے ساتھ اِس کو نوجوانی کی ناتجربہ کاری اور حاسدوں کی سازش سے بے علمی کا نتیجہ قرار دے کر مجھے جلد از جلد انوار العلوم واپس پہنچنے کا فرمایا گیا تھا۔ حضرت کا یہ مکتوب گرامی اُس وقت مجھے وصول ہوا جب میں بیماری سے نڈھال تھا اور علاج کے لیے میو ہسپتال لاہور جانے کی تیاری تھی جس کے بعد حضرت مفتی اعجاز ولی شیخ الحدیث جامعہ نعمانیہ لاہور نَوَّرَ اللّٰهُ مَرْقَدَهُ الشَّرِيْف کی وساطت سے میو ہسپتال لاہور کے ایک بڑے ڈاکٹر جو پیر محمد کرم شاہ الازہری مرحوم کے برادر محترم تھے جن کا نامِ گرامی یاد نہیں آ رہا۔ اللہ تعالیٰ اُس جہاں میں اُنہیں اعلیٰ مقام نصیب فرمائے کی نگرانی میں زیر علاج رہا۔ تقریباً تین ماہ لاہور میں علاج کے اِس دورانیہ میں جامعہ نظامیہ لاہور میں بڑی کلاسوں کو چند اسباق بھی پڑھاتا رہا، اس دوران مجھ سے استفادہ کرنے والوں میں سے قاری خوشی محمد مرحوم اور مولانا حکیم اللہ اوگی مانسہرہ (ابھی حیات ہے) کے نام اس وقت یاد ہیں۔

علاج سے فائدہ نہ ہونے پر کچھ تجربہ کار حضرات کے مشورے اور حضرت غزالی زماں کی نگرانی

Marfat.com

میں حضرت کے ہمسایہ حکیم عطاء اللہ مرحوم سکنہ محلّہ قدیر آباد ملتان کے پاس پہنچا۔ نبض دیکھ کر اُنہوں نے مجھے تسلی دی اور فرمایا کہ جگر کی حرارت حد اعتدال سے تجاوز کیے ہوئے ایک سال سے زیادہ عرصہ ہو چکا ہے، ڈاکٹروں کی غلط تشخیص اور بے مصرف گرم دوائیوں نے ''جلتے پر تیل کا کام'' کیا ہے۔ انجام کار حکیم عطاء اللہ مرحوم کے علاج سے چند ہفتوں میں بیماری سے نجات پانے کے بعد تصوف کی جان ''فُصوص الحِکَم'' شریف پڑھنے کا دیرینہ شوق پورا کرنے کے لیے حضرت غزالی زماں کی اجازت سے مہر آباد شریف گوگڑاں، ضلع لودھراں امام الواصلین، افضل العالمین، سند الکاملین، جامع المعقول والمنقول سیدی وسندی ومرشدی امام شاہ نَوَّرَ اللّٰہُ مَرْقَدَہُ الشَّرِیْفَ کی خدمت میں مہر آباد شریف پہنچا۔ صحیح النسب بخاری سادات کی یہ بستی کسی وقت ''چاہ نئی والا'' کے نام سے مشہور تھی، لیکن حضرت امام الواصلین کی علمی شخصیت، قال اللہ قال الرسول کی تعلیم وتبلیغ اور خلق خدا کی روحانی تربیت کی بدولت آہستہ آہستہ بستی کا نام تبدیل ہو کر سیدوں کی بستی مشہور ہونے لگی اور جس روز حضرت پیر مہر علی شاہ نَوَّرَ اللّٰہُ مَرْقَدَہُ الشَّرِیْفَ نے اپنے چہیتے خلیفہ کی احوال پرسی کے لیے یہاں پر قدم رنجہ فرمایا اُس دن سے اِس کا نام مہر آباد شریف پڑ گیا اور یہ دلکش نام اتنا مشہور ہوا کہ نئی نسل کو پرانے نام کا پتہ ہی نہیں ہے یہیں پر ڈیڑھ ماہ میں حضرت امام الواصلین نَوَّرَ اللّٰہُ مَرْقَدَہُ الشَّرِیْفَ سے فصوص الحکم شریف کا درس سبقاً سبقاً پڑھا۔

درس کے اختتام پر عید الفطر کی صبح کو عید گاہ جانے سے قبل اپنے مبارک ہاتھوں سے میری دستار بندی فرمائی۔ یہاں پر اگر مہر آباد شریف میں قیام کے دوران حضرت کے لیل والنہار کے حوالہ سے اپنے حسین مشاہدات کا تذکرہ کروں یا فصوص الحکم شریف کے درس کے حوالہ سے فیوضات وبرکات اور مکاشفات کی تفصیل میں جاؤں تو اِس سے مستقل کتاب تیار ہو سکتی ہے لیکن میں نے یہیں پر اپنے ماضی کے جھروکوں کی صرف اور صرف اجمالی جھلک ضبط تحریر

Marfat.com

میں لانے کے سوااور کچھ نہ کرنے کا التزام کیا ہوا ہے ورنہ مہرآباد شریف سے میری کافی سے زیادہ حسین یادیں وابستہ ہیں۔ تاہم فرمانِ الٰہی "وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّکَ فَحَدِّثْ "(۱) پر عمل کرتے ہوئے اس حقیقت کا اظہار کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ حضرت کے فیض رساں درس میں فصوص الحکم شریف پڑھنے کے بعد شرح صدر کی وہ توفیق مجھے میسر ہوئی جس کے بعد الٰہیات کے مشکل سے مشکل مسائل آسان ہونے لگے، درسِ نظامی کے جملہ فنون وکتب میں پوشیدہ رموز کا عقدہ کھلنے لگا اور بالخصوص قرآن وسنت کے معارف تک رسائی کی سبیل میسر ہوئی جسکے بعد فتاویٰ درالمختار کی اُس بات پر مجھے حق الیقین کا درجہ حاصل ہوا جو اُنہوں نے امام مجدالدین فیروز آبادی صاحب القاموس فی اللغۃ سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے:

"وَمِنْ خواص کُتُبِہ اَنَّ مَنْ واظَبَ علی مطالعتھاانشرحَ صدرُہ لفکِ المعضلاتِ وحلِّ المشکلات"(۲)

جس کا مفہوم یہ ہے کہ شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کی کتابوں کی خصوصیات میں سے ہے کہ جو ہمیشہ اُن کا مطالعہ کرتا ہے اُس کو لاینحل اور مشکل مسائل کا عقدہ کھولنے کے لیے شرح صدر کی توفیق نصیب ہوتی ہے۔

اس کے بعد حضرت غزالی زماں نَوَّرَاللّٰہُ مَرْقَدَہُ الشَّرِیْف کی طرف سے جامعہ غوثیہ سکھر جاکر شیخ الدرس کا منصب سنبھالنے کا حکم ملا۔ تقریباً دوسال تک وہیں پر حضرت مولانا مفتی محمد حسین قادری نَوَّرَاللّٰہُ مَرْقَدَہُ الشَّرِیْف کی نگرانی میں خدمات انجام دینے کی سعادت نصیب ہوئی۔ اس دوران حضرت مفتی صاحب مرحوم کی کمالِ شفقت ومحبت کیساتھ نواب وحید احمد خان ایڈووکیٹ مرحوم کا اخلاص اور حاجی محمد یعقوب مرحوم اور اُن کے بیٹوں کی میری ساتھ محبت

۱۔ الضحیٰ، 11۔

۲۔ فتاویٰ الدر المختار، ج 1، ص 358، مطبوعہ مجتبائی دھلی۔

Marfat.com

بھولنے کی چیز نہیں ہے۔

یہاں پر مجھ سے درس پڑھنے والے حضرات میں صرف مولانا شمیم الحسن القادری حال خطیب کشمور، مولانا محمد فاروق مرحوم، مولانا مفتی محمد شریف خطیب روہڑی سکھر، مولانا حبیب احمد شیخ الحدیث جامعہ نوریہ کوئٹہ بلوچستان کے نام یاد ہیں۔

بعدازاں حضرت غزالی زمان کی ہدایات کے مطابق جامعہ غوثیہ معینیہ پشاور کی بنیاد 31 دسمبر 1966ء کو رکھ کر حسب استطاعت مذہبی خدمات انجام دے رہا ہوں۔ اب تک میرے حلقہ درس سے بلاواسطہ علم وعمل کی تربیت حاصل کرنے کے بعد نمایاں خدمات انجام دینے والے حیات حضرات میں مندرجہ ذیل کے نام یاد ہیں:

(1) مولانا ڈاکٹر صدیق علی چشتی انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد۔

(2) مولانا سید محمد فاروق القادری، سجادہ نشین خانقاہ قادریہ غفوریہ گڑھی اختیار خان، ضلع رحیم یار خان۔

(3) مولانا شاہ منیر چشتی، شیخ الحدیث دارالعلوم جامعہ جنیدیہ کارخانو خیبر روڈ پشاور۔

(4) مولانا سید محمد عرفان المشہدی خطیب یورپ۔

(5) مولانا حبیب احمد نقشبندی شیخ الحدیث جامعہ نوریہ کوئٹہ بلوچستان۔

(6) مولانا محمد قاسم چشتی شیخ الدرس دارالعلوم جامع مسجد العربی النہان، خاران بلوچستان۔

(7) مولانا مفتی غلام صدیق قادری خطیب اعظم کوہ دامن اضاخیل متنی سرحد۔

(8) مولانا محمد صدیق نقشبندی شیخ الدرس دارالعلوم غوثیہ خالو غازی ہری پور۔

(9) مولانا پیر سید شیخ الدرس دارالعلوم قادریہ غفوریہ طارق آباد سوات۔

(10) مولانا قاری محمد انور بیگ امجدی چشتی قادری خطیب الجامع السنہری مسجد پشاور و مہتمم مدرسہ حدیقۃ القرآن پشاور۔

(11) مولانا محمد یعقوب القادری خطیب بروٹھہ اٹک۔

Marfat.com

(12) مولانا سید منیر اللہ شاہ قادری خانقاہ قادریہ گڑھی بلوچ پشاور۔

(13) مولانا محمد درود پکتیا افغانستان

(14) مولانا محب الرحمٰن فاروقی ملکھو چترال۔

(15) مولانا قاری عطاء اللہ خطیب بلیم چترال۔

(16) مولانا جہاں شاہ رائین چترال۔

(17) مولانا محمد ضیاء الدین کراچی، اُستاذ جامعہ وقاریہ نارتھ ناظم آباد کراچی۔

(18) مولانا اخونزادہ عبدالرحمٰن لوگر افغانستان۔

(19) مولانا سید محمد صدیق بخاری خطیب شاہور جنوبی وزیرستان۔

(20) مولانا سید افضل مہتمم مدرسہ اسلامیہ حیات العلوم جلال آباد افغانستان۔

(21) مولانا حبیب اللہ خان شیخ الدرس دار العلوم قادریہ اسبنڑ لوئر دیر۔

(22) مولانا عزیز الرحمٰن درانی خان پور ضلع رحیم یار خان۔

(23) مولانا نعمت اللہ استاذِ جامعہ شمس العلوم نقشبندیہ خاران بلوچستان۔

(24) مولانا شادی خان چشتی خطیب ڈوڈا لکی مروت۔

(25) مولانا صاحبزادہ عبدالولی مہتمم مدرسہ جامعہ مومنیہ قادریہ ماشوگگر ضلع پشاور۔

(26) مولانا صاحبزادہ حمدُ اللہ سجادہ نشین حاجی محمد امین عمرزئی چارسدہ۔

(27) مولانا میاں محمد عمر انبار مہمند ایجنسی۔

(28) مولانا محمد اسحاق صدیقی شیخ الدرس فیضان مدینہ ایبٹ آباد۔

(29) مولانا الشیخ محمد عبداللہ خطیب داوٗدزئی پشاور۔

(30) مولانا محمد صاحب الحق کٹھانہ پاتراک کوہستان ضلع دیر۔

(31) مولانا عبدالقادر چشتی خطیب کالام ضلع سوات۔

(32) مولانا احسان الملک باچا خطیب راموڑہ چکدرہ۔

Marfat.com

(33) مولانا صاحبزادہ فضلِ منان خطیب کوہاٹ۔

(34) مولانا نورعزیز چشتی لیکچرار ڈگری کالج بروک وسپور چترال۔

(35) مولانا حبیب اللہ چشتی خطیب پڑانگ غارتنگی۔

(36) مولانا کلیم اللہ اُستاذ دارالعلوم جامعہ غوثیہ معینیہ پشاور۔

(37) مولانا قاری محمد حکیم مہتمم وخطیب جامعہ نجم النساء، گلبہار پشاور،......الحمدللہ علی توفیقہ اِفاضہ وتربیت کا یہ سلسلہ تاہنوز جاری ہے۔

عمر کی اِس منزل میں ماضی کے نشیب وفراز کے آئینہ سبق سے جن تلخ وشیرین تجربات کا احساس کررہاہوں اُنہیں آئندہ کی امانتِ حیات کو بامقصد بنانے کے لیے رہنما اُصول سمجھ کر سفرِ حیات طے کررہاہوں، جن کی کچھ جھلکیاں یہ ہیں۔

جوانی کی عمر میں جو کام مجھے کرنے چاہئے تھے اور جن کو بہتر انداز میں انجام دے سکتا تھا وہ نہ کر پایا، جس کی سب سے بڑی وجہ مذہبی تعصب سے آلودہ معاشرہ ہے، تحقیق دشمن ماحول اور محدودیت کا زندان ہے، سیاست ناآشنا معاشرہ کا حصہ ہونا ہے، اپنے وجود میں موجود خداداد صلاحیتوں سے بے اعتنائی اور زنگ آلود ماحول کی خرابی سے ناتجربہ کاری تھی۔ اے کاش! عمر کی اس منزل میں پہنچ کر تجربہ کی جو روشنی محسوس کررہاہوں یہ اگر جوانی میں مجھے حاصل ہوتی تو ؎

ہم بھی آدمی تھے بڑے کام کے

○ اللہ تعالیٰ جل جلالہ کا بے حد احسان ہے کہ عصبیت کے اُس حصار سے نکال کر حق پرستی، حق جوئی اور حق بینی کی شاہراہِ استقامت پر چلنے کی توفیق دی، لقمۂ حلال نصیب فرمایا، صبرواستقامت اور قناعت کی دولت سے سرفراز فرمایا۔

○ اللہ تعالیٰ کی خصوصی عنایت مجھ پر یہ بھی ہوئی کہ ابناءِ جنس کی روش کے برعکس کسی مذہبی ادارہ، انجمن، مدرسہ اور کسی بھی فورم کو حصولِ دُنیا کا ذریعہ نہیں بنایا بلکہ عائلی مصارف سے

Marfat.com

اضافی وسائل کو دینی مدرسہ سے لے کر تبلیغِ حق کی راہ میں صرف کرنے کی توفیق شامل حال رہی، تقریر سے لے کر تحریر تک اور خطابت سے لے کر تدریس تک حسبِ استطاعت جس کی توفیق مل رہی ہے۔ اُسے دُنیاوی لالچ، شہرت، معاوضہ، نام ونمود وغیرہ کسی بھی دُنیوی مفاد سے بالاتر رہ کر حِسبۃً لِلّٰہ انجام دینے کی بھی توفیق مل رہی ہے۔ جس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے احسان در احسان اور کرم بالائے کرم سمجھتا ہوں۔

○ رب کریم جل جلالہ کی مجھ پر خصوصی عنایت یہ بھی رہی کہ قناعت کی توفیق سے مجھے نوازا ہے کہ عائلی زندگی میں ما بہ الکفاف سے زیادہ کی خواہش کبھی نہیں کی۔ ضروریاتِ زندگی کے تمام گوشوں میں کفایت شعاری کی اس توفیق کا ثمرہ ہے کہ کئی بار گزراوقات مشکل سے ہونے کے باوجود کسی کو بھی اپنی بے استطاعتی پر مطلع ہونے نہیں دیا، اپنے کسی بھی قریبی دوست احباب اور عقیدت کیشوں کا زیرِ احسان نہ ہوا، ہر حال میں ورثہ نبوت، محراب ومنبر کے تقدس اور علمی وقار کے تحفظ کو پیشِ نظر رکھا۔ یہاں تک کہ اپنے ہاتھ سے قائم کردہ دار العلوم کے مصارف کے لیے حکومتی امداد یا اہل ثروت کی زکوٰۃ وخیرات کو بھی کبھی خاطر میں نہیں لایا، دُنیا سے استغناء کی یہ توفیق رب کریم جلَّ جلالہ وعم نوالہ کی مجھ پر خصوصی عنایت کے سوا اور کچھ نہیں ہے ورنہ ؎

من انم کہ من دانم

وصلَّی اللّٰہ علی خیرِ خلقِہٖ مُحمَّد وَّاٰلِہٖ الطیِّبِیْنَ الطاھِرِیْنَ وَصَحابَتِہٖ اَجْمَعِیْنَ

وَاَنَاالْعَبْدُالضَّعِیْفُ

پیر محمد

چِشتی طرِیقۃً، وَالْحنفی مَسْلکًا، وَالْمُسْلِم مَذْھبًا،

وَالْچترالِی مولدًا، وَالْبشاوِری مَسْکنًا

☆☆☆☆☆

Marfat.com

اِفتتاحیہ

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ

نَحمُدُہٗ وَنُصَلِّی وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُولِہِ الکَرِیمِ اَمَّابَعدُ فَقَد قَالَ اللّٰہُ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی ''وَلَا یَجرِ مَنَّکُم شَنَاٰنُ قَومٍ عَلٰی اَلَّا تَعدِلُوا اِعدِلُوا ھُوَ اَقرَبُ لِلتَّقوٰی وَاتَّقُوا اللّٰہَ اِنَّ اللّٰہَ خَبِیرٌ بِمَا تَعمَلُونَ''(۱)

اِس دورِ انحطاط میں اُمتِ مسلمہ کو جہاں اور بہت سے فتنوں کا سامنا ہے وہاں ایک بڑا فتنہ و فساد ایک دوسرے کو کافر قرار دینے کا مسئلہ بھی ہے جس کے حوالہ سے معروضی حالات کچھ ایسے ہیں کہ فقہی اختلاف کی وجہ سے ایک دوسرے کی تکفیر کرنے کے علاوہ اپنے مخصوص نظریات اور ذہنی ترجیحات کے ساتھ اختلاف کرنے والوں پر بھی کفر سے کم فتویٰ لگانے پر اکتفا نہیں کیا جاتا۔ اُصول وفروع کی عدم تفریق کی اِس کساد بازاری میں قطعیات وظنیات کی تمیز کی جاتی ہے نہ ضروریاتِ دینیہ اور ضروریاتِ مذہبیہ کی تفریق، دارالافتاء کے احتیاطی تقاضوں کا خیال رکھا جاتا ہے نہ محراب ومنبر کی ذمہ داریوں کا احساس، تکفیر مسلم بجائے خود خطرۂ عظیم اور گناہ کبیرہ ہے۔ اللہ کے رسول سید عالم ﷺ نے اِس سے بچنے کے لیے بایں الفاظ تہدید فرمائی ہے:

''اِذا کفر الرجل اخاہ فقد باء بہا احدھما''(۲)

پھر یہ بھی ہے کہ اِس کا وبال وبدانجامی صرف تکفیر کرنے والے بے اعتدالوں تک محدود نہیں رہتی بلکہ اُس کے منحوس اثرات پورے معاشرہ کو اپنی لپیٹ میں لیتے ہیں جس سے رنجش،

(۱) المائدہ،8۔

(۲) مسلم شریف، ج1، ص57۔

Marfat.com

عداوتیں اور مذہبی فرقہ واریت جیسی بُرائیاں بھی جنم پاتی ہیں، جس کی واضح مثالیں موجودہ معاشرہ میں بدرجہ اتم نظر آ رہی ہیں۔ جس کو دیکھ کر اسلام کے ساتھ مخلص اور مذہبی اقدار کے ساتھ وابستگی رکھنے والے ہر دردمند کا دل نالاں ہے۔ مسلمانوں کی بے محل تکفیر کرنے والے نہ صرف اُن پر ظلم ڈھا رہے ہیں جن کو وہ کافر کہہ رہے ہیں بلکہ اسلام پر اور اُس کی اجتماعیت پر بھی وار کر رہے ہیں کیوں کہ اسلام نے دوسرے مذاہب کے برعکس صرف اور صرف نظام مصطفیٰ ﷺ کے ماننے والوں کو اُمت واحدہ کہہ کر سب کو ایک کنبہ کے افراد قرار دیا ہے۔ رنگ و نسل سے قطع نظر سب کو ایک بدن کے اعضاء واجزاء کہا ہے اور ہر ایک کی بقاء وتحفظ کو سب پر ایسا ہی فرض کیا ہے جیسے ہر انسان اپنے اعضاء بدن کے تحفظ کو ضروری سمجھتا ہے۔ بے محل و بے مصرف تکفیر مسلم کرنے والا شخص گویا اپنے ہی بدن سے ایک عضو کاٹ کر جدا کر رہا ہے، بیت الاسلام کے اجتماعی کنبہ کے فرد کو اُس کے اجتماعی احکام وحقوق سے نکال رہا ہے اور بیضۃ الاسلام کی اجتماعیت میں سوراخ پیدا کر رہا ہے کیوں کہ کسی مسلمان کو کافر قرار دینے کا مطلب اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ اُسے مسلم معاشرہ میں رہنے، مسلمانوں والے حقوق و احکام پانے، جان و مال، عزت و آبرو کے تحفظ کے لیے نا اہل کہہ کر واجب القتل قرار دیا جا رہا ہے۔ ایسے میں بے محل و بے مصرف تکفیر مسلم کرنے والے دانستہ یا نادانستہ بیضۃ الاسلام کو ڈھا رہے ہیں، اُس کی اجتماعیت میں تفرقہ پیدا کر رہے ہیں اور توحید کلمہ کے برعکس تفریق کلمہ کے جرم عظیم کا ارتکاب کر رہے ہیں۔ اِس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ کافر کو بھی کافر نہ کہا جائے اور کفر و ارتداد کے اسلامی احکام کو بھی ظاہر نہ کیا جائے بلکہ اسلام اور کفر کی سرحدیں ایک دوسرے سے ایسے جدا ہیں جیسے زمین و آسمان کی حدیں جدا ہیں۔ قرآن وسنت کی روشنی میں مسلم کے حقوق واحکام بھی غیر مسلم سے جدا ہیں جبکہ کافر و مرتد کے احکام کو بھی اللہ اور اُس کے رسول نے یکساں نہیں رکھا۔

Marfat.com

قرآن وسنت کے مطابق مسلم کے احکام کو غیر مسلم پر جاری کرنا جرم عظیم ہونے کی طرح کافر کے احکام کو مرتد پر یا مرتد کے احکام کو کافر پر جاری کرنا بھی نا قابلِ تصور جرم ہے۔ یہ بھی مسلمہ حقیقت ہے کہ جملہ خلائق میں جن وانس کے ماسوا کسی اور جنس میں غیر مسلم نہیں پایا جاتا، نوع بنی آدم کے مختلف اقوام میں غیر مسلموں کی سینکڑوں قسمیں پائی جاتی ہیں۔ اُن کے باہمی اختلاف اور کفر کی نوعیت جدا جدا ہونے کے باوجود اسلام کی نگاہ میں اُن سب کو ملت واحدہ قرار دیا گیا ہے جبکہ مرتد کی نوعیت اور اُس پر اسلام کی طرف سے لاگو ہونے والے احکام دُنیا بھر کے غیر مسلموں کے احکام سے جدا ہیں۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ کفر وارتداد میں سے ہر ایک کا تعلق ضرورت دینی کی تکذیب کے ساتھ ہے یعنی کسی ضرورت دینی کی تکذیب و انکار کے بغیر کسی شخص کو کافر کہا جاسکتا ہے نہ مرتد چاہے بڑے سے بڑے گناہوں، جہالتوں اور بے اعتدالیوں کا مرتکب ہی کیوں نہ ہو اور کسی بھی ضرورت دینی سے انکار و تکذیب کرنے والے کی اِس شنیع حرکت پر مطلع ہو جانے کے بعد اُس کے کفر وارتداد کا اظہار کرنا، اُسے کافر سمجھنا اور کافر و مرتد والے احکام اُس پر لاگو کرنا لازم ہو جاتا ہے یہاں تک کہ اِس تکذیبی صورت حال سے مکمل آگاہی کے بعد اُس کو کافر و مرتد نہ جاننے یا اُس کے کفر وارتداد میں شک کرنے والے کا اپنا ایمان بھی خطرہ میں پڑ جاتا ہے کیوں کہ ''مَنْ شَکَّ فِیْ کُفْرِہٖ وَعَذَابِہٖ فَقَدْ کَفَرَ'' والا حکم جو ہے یہ بھی بجائے خود ضروریاتِ دین کے قبیل سے ہے، اور یہ بھی نا قابل انکار حقیقت ہے کہ قرآن وسنت کے مطابق دُنیا بھر میں موجود انسانوں کی بشمول اعتقادی منافق کے تین ہی قسمیں ہیں؛

❶ مومن مسلمان جو تمام ضروریات دین کو اُن کے جملہ لوازمات کے ساتھ تسلیم کرنے والے سے عبارت ہے، چاہے عادل ہو یا فاسق۔

❷ کافر جس میں مشرک ومجوسی اور نصاریٰ و یہودی جیسے تمام غیر مسلم شامل ہیں جو کسی بھی ضرورت دینی کی تکذیب کرنے والے سے عبارت ہے، عمل کے اعتبار سے چاہے

Marfat.com

جیسا بھی ہو۔

❸ مرتد جو اسلام لانے کے بعد اُس کے کسی ضروری حکم کی تکذیب کرنیوالے سے عبارت ہے، چاہے جس نوعیت کا بھی ہو۔

پھر یہ بھی ہے کہ کفر اپنے مذکورہ مفہوم میں کوئی ضروری نہیں ہے کہ عنداللہ وعندالشرع اور عندالناس ہو بلکہ حقیقت کی نگاہ میں اِس کی مندرجہ ذیل چار قسمیں پائی جاتی ہیں؛

❶ عنداللہ وعندالشرع اور عندالناس یعنی ہر اعتبار سے کفر ہی کفر ہو۔

❷ صرف لوگوں کی نظر میں کفر ہو جبکہ عندالشرع اور عنداللہ اُسے کفر نہیں کیا جاسکتا۔

❸ عنداللہ وعندالشرع کفر ہو جبکہ لوگ اُسے کفر نہ سمجھتے ہوں۔

❹ عندالشرع وعندالناس اُس پر کفر کے دنیوی احکام جاری نہیں کیے جاسکتے جبکہ عنداللہ کفر ہی کفر ہے۔

ان میں سے ہر ایک کے مواقع کو سمجھ کر اُس کے مطابق احکام کا اظہار کرنا صرف اور صرف علماء کرام اور دارالافتاء کی ذمہ داری ہے۔ جس کے تمام پہلوؤں کو اِس کتاب میں ہم نے پیش نظر رکھ کر دارالافتاء کے لیے سہولت کا سامان کر دیا ہے۔ مومن مسلمان سے متعلقہ اسلامی احکام کی جانب اعلیٰ کا یہ عالم کہ اُس کا مقام ورتبہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک لوح وقلم اور بیت اللہ وعرش الٰہی سے بھی افضل واعلیٰ ہے اور جانب ادنیٰ میں یہ کہ ہر شخص پر اُس کی تعظیم لازم اور توہین کرنا حرام ہے جبکہ ان دونوں کے مابین والے احکام سب پر عیاں ہیں۔

کافر سے متعلقہ شرعی احکام کے سلسلہ دراز میں جانب اعلیٰ یہ کہ اُس کا کوئی اچھا سے اچھا عمل بھی آخرت کے حوالہ سے قابل قبول نہیں ہے کہ اُس کے لیے نجات وفلاح کا سبب بن سکے۔ جانب ادنیٰ یہ کہ جب وہ مرجائے تو اُس کے ورثاء شرعاً اِس بات کے پابند ہیں کہ نجس کپڑا کو دھونے کی طرح اُسے غسل دیں، کفن پہنائیں، جذبہ احترام آدمیت کے تحت اُس کے لیے قبر کھودیں، اُسکے جملہ ماترکہ کو اُس کے مذہب کے مطابق تقسیم کریں، چارپائی میں

Marfat.com

ڈال کر لے جا کے قبر میں دفنانے کے بعد اُس کے کافر مرنے پر افسوس کرتے ہوئے واپس گھروں کو لوٹیں۔ اِن دونوں کے مابین جو احکام ہیں وہ کافی سے زیادہ ہونے کے باوجود پہچان میں آسان ہیں جن کو عام اہل علم جانتے ہیں اور مرتد سے متعلقہ جو شرعی احکام ہیں وہ ایک سے ایک سخت ہے۔ عبرتناک ہے اور سبق آموز ہے۔ مثال کے طور پر مرتد جب مرجاتا ہے تو اُس کے ورثاء پر اُسے نہلانا حرام و ناجائز ہے، چارپائی پر ڈال کر لے جانا حرام و گناہ ہے، اُس کے لیے قبر کھودنا حرام و ناجائز ہے اور اُسکے ماترکہ کو میراث کے طور پر تقسیم کرنا گناہ و ناجائز ہے اور کفن پہنانا حرام و ناجائز ہے بلکہ بغیر نہلائے اور بغیر کفن پہنائے پاؤں میں رسی ڈال کے لیجا کر گڑھا میں ڈال کر اُوپر سے مٹی ڈالے اور یہ سب کچھ اِس نیت کے ساتھ کریں کہ ایک مردار کے تعفن و نجاست سے ماحول کو پاک کیا جائے۔

الغرض مسلمان و کافر کے مابین اُن کی ذات و انسانیت کے ماتحت احترام آدمیت کے ماسوا باقی کسی بھی حکم میں اشتراک نہیں ہے۔ اِسی طرح کافر و مرتد کے مابین اِس بات کے سوا اور کسی بھی حکم میں اشتراک نہیں ہے کہ ان دونوں کے انکار و تکذیب کا تعلق ضروریات دین کے ساتھ ہوتا ہے کہ دونوں کی یہ بدانجامی ضروریات دین سے انکار کی بناء پر اُن کا مقدر ہو رہی ہے۔ اِس کے علاوہ باقی سب اِس کے فروع و نتائج ہیں اور اُخروی عذاب بھی دونوں کے کفر کا لازمہ ہے۔

اِن حقائق کی روشنی میں ہر انسان کا ذہن ضروریات دین کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے کہ وہ کیا چیز ہیں؟ اُن کی حقیقت و پہچان کیا ہے کہ اُنہیں مِن وعَن تسلیم کرنے والے مومن مسلمان کہلا کر اعلیٰ سے اعلیٰ مقام و رتبے پر فائز ہو جاتا ہے جبکہ اُسکی تکذیب کرنے والا کافر و مرتد کہلا کر اسفل السافلین مقام قرار پاتا ہے۔ اِس کے بعد انسان کا ذہن اِس بات کی طرف بھی متوجہ ہو جاتا ہے کہ ضروریاتِ دین سے یکساں انکار و تکذیب کرنے کے باوجود وہ کون سا فلسفہ ہے جس کی بنیاد پر مرتد ہونے والا شخص کافر و مشرک سے بھی زیادہ بدتر ہو کر سخت سے سخت احکام کا مستحق

Marfat.com

قرار پاتا ہے؟اِس کتاب میں ہم نے اِن تمام باتوں کا شرعی فلسفہ واضح کرنے کے ساتھ زیادہ توجہ لزوم کفر اور التزامِ کفر کے مابین تفریق کی وضاحت پر دی ہے۔ ہمارے نصف صدی کے تجربہ میں تھا کہ ہر دینی مدرسہ کے منتہی طلباء سے لے کر اساتذہ کرام تک، اصحاب محراب ومنبر سے لیکر دارالافتاء کے ذمہ داروں تک اِن اصطلاحی کلمات کو استعمال کرتے رہتے ہیں جبکہ اِن کی حقیقت تک رسائی بہت کم کسی کو نصیب ہوتی ہے اور سلف صالحین میں جن حضرات نے ان کے مابین تفریق سمجھانے کی کوششیں کی ہیں۔ اُنہوں نے بھی عملی مثالوں کے بغیر نہایت اختصار سے کام لیا تھا۔ اِس حوالہ سے ابتک وجود میں آنیوالی جملہ تحریروں کے اختصار کے برعکس اس کتاب میں ہماری کوشش رہی ہے کہ لزُوم کفر اور التزامِ کفر کی تفریق کو مثالی صورتوں میں واضح کرنے کے ساتھ ہر ایک کی قسموں کو بھی جدا جدا مثالوں میں پیش کیا جائے۔ اِس موضوع سے متعلق ایک مشکل مسئلہ کتب فتاویٰ میں تکفیری تضادات کے حوالہ سے بھی تھا کہ بعض اوقات ایک ہی مسئلہ سے متعلق تکفیر وعدم تکفیر، تکفیر معلق اور تکفیر غیر معلق، مشروط تکفیر اور علی الاطلاق تکفیر تک اقوال پائے جاتے ہیں جن کو دیکھ کر دارالافتاء کے کم تجربہ والے ذمہ دار شش وپنج میں پڑ جاتے ہیں۔ جس کی بنیادی وجہ فقہی کفر اور کلامی کفر کے مابین عدم تمیز ہے جس سے بچنے کے لیے ہم نے اِس کتاب میں تکفیر عند الفقہاء اور تکفیر عند المتکلمین کی حقیقتیں واضح کر دیں اور ثابت کیا کہ فقہاء کرام جس بات کو تکفیر کے لیے معیار قرار دیتے ہیں وہ متفقہ نہیں ہے بلکہ اُن کے اپنے ماحول میں بھی اِس پر اختلاف ہے جبکہ متکلمین اسلام کی نگاہ میں جو معیار ہے وہ سب کے نزدیک متفقہ ولا ریب فیہ ہے۔ دارالافتاء کے ذمہ داروں کے لیے ایک اہم مسئلہ لزُوم کفر اور التزامِ کفر کے جدا جدا احکام کو سمجھنا بھی تھا جس سے غفلت کی بناء پر التباس الحق بالباطل کی بے اعتدالیاں ہوتی رہتی تھیں۔ جس سے بچنے کے لیے ہم نے اِن کے خانے ایک دوسرے سے جدا کر کے اِس حوالہ سے ہونے والی بے اعتدالیوں کی بنیادیں ختم کر دی۔

Marfat.com

متوسط ذہن والوں کے لیے منطق کے ناگزیر ہونے کا فلسفہ:۔

قارئین کرام کی سہولت فہم کے لیے یہ بھی واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ مسئلہ لزُوم کفر کا ہو یا التزامِ کفر کا بہر حال تعلق اِس کا علم کلام سے ہے اور علم کلام کی پوری طرح فہم متوسط ذہن والوں کے لیے منطق کے بغیر ناممکن ہے۔ اِن حقائق کی روشنی میں التزامِ کفر کی جدا جدا قسموں کی فہمائش کے سلسلہ میں ہم نے اُن پر تفصیلی دلائل کو بھی ذکر کیا ہے جو اُصول منطق کے بغیر ممکن نہیں تھا جس وجہ سے منطق ناشناس اور علم کلام کے رموز سے ناآشنا حضرات اِس قسم مخصوص مقامات سے پوری طرح استفادہ کے لیے حقیقی اہل علم کی طرف رجوع کریں کیوں کہ اِس پوری تحریر میں میرے اصلی مخاطب علماء کرام اور مختلف المسالک دارالافتاء کے مفتیان کرام ہی ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ سب سے زیادہ قابل اصلاح یہی طبقہ ہے۔ اِس کی اصلاح ہو جائے تو پوری دنیا کی اصلاح آسان ہے۔

دُنیا کی ہر شے کی پہچان اُس کی ذاتیات سے ہوتی ہے یا لوازمات سے لیکن اکثر دارالافتاء کے ذمہ داروں کی کوتاہ بینی کا یہ عالَم کہ اُنہوں نے ایمان کی پہچان کو صرف اور صرف اُس کی ذات پر منحصر سمجھا کہ جہاں پر اقرار باللسان وتصدیق بالقلب نہیں ہے وہاں پر ایمان بھی نہیں ہے یا اقرار باللسان وتصدیق بالقلب کی ضد اور نقیض کی موجودگی کو ہی انتفاءِ ایمان کی آخری سرحد تصور کر کے لوازمات ایمان سے صرف نظر کیا جس کے نتیجہ میں کفر وارتداد کی 2/3 سے زیادہ قسموں کی پہچان مشکل ہو رہی تھی۔ ہم نے اِس تحریر میں ''انتفاء الازم انتفاء الملزوم'' کے فطری اُصول کو اول سے آخر تک پیش نظر رکھا اور اُس کے تقاضوں کی تکمیل کرتے ہوئے ایمان کے پانچوں لوازمات کی تفصیل پیش کی اور ہر ایک کے منتفی ہونے کی صورت میں ایمان منتفی ہونے کی عملی صورتوں کو واضح کیا۔ نیز ''وجود احد الضدین دلیل عدم الآخر'' اور ''وجود احد النقیضین دلیل عدم الآخر'' کے فطری اُصولوں کے مطابق لازمہ

Marfat.com

ایمان کی ہر ضد یا ہر نقیض کی موجودگی کا التزامِ کفر پر صریح دلیل ہونے کو بے غبار کر دیا جس کے نتیجہ میں نہ صرف لزُومِ کفر اور التزامِ کفر کی پہچان واضح ہوگئی بلکہ التزامِ کفر کی اٹھائیس قسموں (28) کے خانے بھی ایک دوسرے سے جدا ہوکر دارالافتاء کے لیے سہولت پیدا ہوگئی۔ ہمیں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے سو فیصد اُمید ہے کہ اُصول تکفیر کی اِس تحریر کو سمجھ کر پڑھنے والے کسی بھی دارالافتاء یا اصحاب محراب ومنبر حضرات کو لزُومِ کفر اور التزامِ کفر کے حوالہ سے کوئی اشتباہ واقع ہوسکتا ہے نہ ایک کا حکم دوسرے پر جاری کرنے کا خبط۔ نہ التزامِ کفر کی قسموں میں خلط ہوسکتا ہے نہ بے محل تکفیر مسلم کرنے کا جرم۔

التزامِ کفر کے ماسوا کسی بھی بے اعتدالی کی وجہ سے کسی کو کافر قرار دینے والوں کے خود کافر ہونے کے امکان پر اور التزامِ کفر کرنیوالوں کے کفر میں شک وتردد کرنیوالوں کے بالیقین کافر ہونے پر شرعی دلائل کی تفصیل بیان کرنے کیساتھ اس کتاب میں فقہاء کرام کی مشہور عبارت ''مَنْ شَکَّ فِیْ کُفْرِہٖ وَعَذَابِہٖ فَقَدْ کَفَرَ'' یعنی جس نے بھی التزامِ کفر کرنے والے کے کفر میں شک کیا تو بالیقین وہ خود کافر ہوا'' کے فلسفہ کی طرف آج تک کسی فتاویٰ میں توجہ نہیں دی گئی تھی۔ ہم نے اس کا شرعی فلسفہ واضح کرنے کے ساتھ کفر اور التزامِ کفر کا تعلق صرف اور صرف ضروریاتِ دین کے ساتھ ہونے کا فلسفہ بھی اِس کتاب میں واضح کر دیا۔ ضرورت دینی اور ضرورت مذہبی کی جدا جدا حقیقتوں کو واضح کرنے کیساتھ اُن کے مختلف شرعی احکام کی مثالی صورتوں کی نشان دہی بھی کر دی۔ ہم اُمید رکھتے ہیں کہ التزام اسلام اور التزامِ کفر کی تفریق کیساتھ لزُومِ کفر اور التزامِ کفر اور ان کے شرعی احکام کے مابین تمیز کے متلاشی حضرات کیلئے ہماری یہ کاوش چراغ ہدایت ہونے کیساتھ بے محل کفربازی کی موجودہ روش کی حوصلہ شکنی کے انسداد میں بھی مفید ثابت ہوگی۔ بشرطیکہ مختلف مسالک کے دارالافتاء والے مذہبی تعصب وتنگ نظری کی عینک اُتار کر اِس کا مطالعہ کریں ورنہ اپنے ذہنی رجحان کو اصل

Marfat.com

الاصول سمجھنے والے تقلید جامد کے اسیر اور تعصب کے زنگ میں رنگین حضرات کو صبغۃ اللہ سے اثر لینا نصیب نہیں ہوتا۔ جس کے سامنے یہ کوئی شے نہیں ہے۔

حقیت کا اظہار:۔ مسئلہ تکفیر سے متعلق چترال سے آیا ہوا ایک سوال نامہ کا جواب جب ہم نے ماہنامہ ''آوازِ حق'' میں شائع کیا تو حلقہ اہل علم میں اُس کو اتنی پذیرائی ملی کہ ہر مکتبہ فکر کے اہل مدارس اور علماء کرام نے ہمیں تبریکی کلمات کے ساتھ نوازا۔ وہ چونکہ اصل سوال نامہ کا اجمالی جواب تھا جس میں آئندہ کسی وقت اُس پر تفصیلی روشنی ڈالنے کا ہم نے وعدہ کیا تھا لیکن جذبہ ایفاء عہد کے باوجود کتنے ایسے وعدے اور جذبات تشنہ تکمیل رہ جاتے ہیں یہاں پر بھی شاید ایسا ہی ہوتا کیوں کہ اُس کے بعد ہم **''ولایت وکرامت اور شریعت وعوام''** اور **''پیری مریدی کی شرعی حیثیت''** کو موضوع تحریر بنا کر ایسے مصروف ہو گئے کہ اس اہم موضوع کے لیے وقت نکالنا ممکن ہی نہیں رہا۔ اللہ تعالیٰ اجر عظیم دے اُن علماء کرام کو جو ایفاء عہد کی یاددہانی کراتے رہے اور بندہ ناچیز کو اِس موضوع کی تکمیل پر مجبور کرتے رہے۔ خاص کر چترال ہی کے ایک عظیم سماجی کارکن، مخلص علم دوست ہستی مولانا قاری فیض اللہ صاحب سرفہرستِ مرغبین رہے۔ انجام کار مذکورہ دونوں موضوعات کی تکمیل کے بعد دوسرے تمام زیر تجویز موضوعات کو موخر کر کے اِس کو شروع کرنا پڑا۔ جو قسطوں میں ڈیڑھ سال تک مجلّہ **''آوازِ حق''** پشاور سے شائع ہوتا رہا۔ اِس اثناء میں جن باتوں سے، جن لوگوں سے اور جس نشیب وفراز سے گزرنا پڑا اُس کی ایک جھلک یہ ہے کہ مجلّہ **''آوازِ حق''** پشاور، جو کثیر الاشاعت جریدہ ہے، چونکہ ملک کے چاروں صوبوں اور ہر ڈسٹرکٹ میں پڑھا جاتا ہے۔ جس وجہ سے اُس کی قسطوں میں شائع ہو کر قارئین تک پہنچنے والی اس تحریر کا بھی خوب تعارف ہوا اور اِس میں تکفیر کے لیے شرعی معیار سے متعلق مباحث کا تعلق علم فقہ سے لے کر علم کلام تک، علم حدیث سے لیکر علم تفسیر تک اور منطق وفلسفہ سے لیکر علم بلاغت وتصوف تک مختلف النوع علوم وفنون کے ساتھ

Marfat.com

ہونے کی وجہ سے ان میں سے ہرفن کے کچھ ضروری مسائل کا حقِ تحقیق بھی انجام پذیر ہوتا رہا جس میں اِن فنون کے شائقین کے لیے ضیافت طبع کا سامان ہونے کی وجہ سے ہرفن کے قدر شناسوں نے دعائیہ کلمات کیساتھ ہمارا حوصلہ بڑھایا۔ (فَجزَاھُمُ اللّٰہُ اَحْسَنَ الْجزَاء)

تکفیر کے لیے شرعی اُصول کی اہمیت:۔ یہ موضوع کسی خاص فن یا کسی خاص مسلک کے ساتھ مختص مسئلہ تو ہے نہیں کہ اُس کی کتابوں سے مدد لی جائے بلکہ قرآن وسنت اور علم کلام کے مختلف المسالک اسلاف کی کتابوں سے روشنی لے کر ہی اِسے ترتیب دیا جا سکتا ہے۔

اگر چہ اِس کا زیادہ تر تعلق علم کلام سے ہے تاہم متکلمین اسلام کا فقہاء کرام کے متضاد آراء سے متاثر ہونے کی بناء پر اُن کے ہاں سے بھی کوئی حتمی اور جامع ومانع بات سامنے نہیں آتی جبکہ فقہاء کرام کے متضاد آراء سے کسی اطمینان بخش نتیجہ پر پہنچنا تو ممکن ہی نہیں تھا پھر یہ بھی ہے کہ اِس فقہی اختلاف میں تضاد عملی صرف تکفیر وعدم تکفیر تک محدود نہیں ہے بلکہ اکثر کتب فتاویٰ میں ''یلزم الکفر ولا یلزم الکفر'' اور بعض میں ''التزم الکفر ولم یلتزم الکفر'' جیسے اختلافات بھی بکثرت پائے جاتے ہیں جس کو دیکھ کر دار الافتاء کے ناپختہ حضرات پر لزُوم کفر اور التزام کفر کا اشتباہ ہوتا ہے۔ اُن میں شاذ ونادر کسی کو لزُوم والتزام کی حقیقتیں معلوم ہوتی ہیں۔ اس اشتباہ کی بناء پر لزُوم کفر کے احکام کو التزام کفر پر جاری کر کے یا التزام کفر کے احکام کو لزُوم کفر پر جاری کر کے ''مفتی کی ایک غلطی جہاں کی تباہی'' کا منظر پیش کر رہا تھا۔

نیز بعض کتب فتاویٰ وکلام میں شریعت کے کسی قطعی حکم کی مخالفت کو یا ضرورت مذہبی کی تکذیب کو جو کفر کہا گیا ہے اُس سے ضرورت دینی اور ضرورت مذہبی کے مابین عدم تفریق کا اشتباہ ہو رہا تھا جسکے نتیجہ میں ایک کے احکام کو دوسرے پر جاری کر کے انجانے میں التباس الحق بالباطل کا ارتکاب کیا جا رہا تھا اور ہر قطعی کی تکذیب کو ہر جگہ، ہر وقت اور ہر کسی سے سن کر کفر کا فتویٰ صادر کرنے کی غلطی کی جا رہی تھی۔

Marfat.com

نیز بعض کتب کلام وفتاویٰ میں اجماع کی تکذیب کو کفر قرار دیتے ہوئے دیکھ کر ہر اجماع کی مخالفت پر تکفیر مسلم کی بے اِعتدالیاں ہو رہی تھیں۔ جو خلاف حقیقت ہونے کے ساتھ التباس الحق بالباطل کا منظر پیش کر رہا تھا۔ تکفیر کے حوالہ سے معروضی حالات کی اِن بے اعتدالیوں، دارالافتاء کی اِن بے احتیاطیوں اور التباس الحق بالباطل کی اِن اندھیر نگریوں کو دیکھ کر جہاں اسلام کے سچے ہمدردوں کو پریشانی ہو رہی تھی وہاں اسلام آزاد اور غیر مسلموں کو اسلام کے خلاف انگشت نمائی کرنے کا بھی موقع مل رہا تھا جبکہ قرآن وسنت اور دین اسلام کے مسلمہ اُصولوں کے مطابق لزُوم کفر پر التزام کفر کے احکام جاری کرنا جائز ہے نہ اِس بنیاد پر کسی کو کافر ومرتد قرار دینے کا جواز، ہر قطعی حکم کی تکذیب پر کسی کو اسلام سے نکال کر سرحد کفر میں داخل کرنا روا ہے نہ ہر اجماعی مسئلہ سے انکار پر کسی کو کافر ومرتد کہنے کی گنجائش، نہ ہر ضرورت شرعی کی تکذیب پر کفر وارتداد کا فتویٰ دینے کی گنجائش ہے نہ ہر کافر عندالناس کو کافر عنداللہ وعندالشرع قرار دینے کا جواز جبکہ ایک شخص کا ایک وقت میں مسلم وغیر مسلم ہونے کا امکان بھی نہیں ہے اور اِن دونوں صفتوں سے خالی ہونے کا بھی تصور نہیں ہے کیوں کہ اسلام وکفر اپنے آپس خاص ضدین ہونیکی وجہ سے اِن میں سے ایک کی موجودگی آپ ہی دوسرے کی نفی ہے اسی طرح ایک کی نفی آپ ہی دوسرے کا وجود ہے۔ اسی طرح ایمان کے کسی بھی لازم بیّن کی نفی آپ ہی ایمان کی نفی ہے۔ یہ تقابل تضاد کی صورت میں ہے اگر ان کے مابین عدم وملکہ والا تقابل ہو تب بھی یہی حال ہے کیوں کہ عدم وملکہ میں سے ہر ایک کا محل وموضوع ایک ہوتا ہے۔ جیسے کسی انسان کا اندھا ہونا آپ ہی اُس کے انکھیارا نہ ہونے کی دلیل ہے جس کے بعد اُس کے انکھیارا نہ ہونے پر کوئی اور دلیل تلاش کرنے کی ضرورت نہیں ہے اسی طرح اُس کا انکھیارا ہونا آپ ہی اُسکے اندھے نہ ہونیکی دلیل ہے، جس کے بعد اُس کے اندھے نہ ہونے پر کوئی اور دلیل تلاش کرنیکی ضرورت نہیں ہے، ایمان وکفر کے مابین عدم وملکہ کا تقابل ہونے پر ان کا حال عمی وبصر سے مختلف نہیں ہے۔

Marfat.com

اور یہ بھی اسلام کے مسلمات میں سے ہے کہ کسی مومن ومسلمان کہلانے والے کو یا کسی مدعی اسلام کو اُس کے کسی قول وعمل، تقریر وتحریر یا عقیدہ کی وجہ سے تکفیر کرنے کا مطلب ومفہوم اِس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ اُس کو اسلام کی چار دیواری سے خارج کر کے کفر میں داخل کیا جاتا ہے، مسلمانوں والے احکام وحقوق سے نکال کر کافر کی مخصوص قسم یعنی مرتد کے احکام کا حامل قرار دیا جاتا ہے اور دُنیا بھر کے کسی بھی گوشہ میں زندگی گزارنے کے لیے اَن فِٹ کہہ کر واجب القتل ٹھہرایا جاتا ہے۔ ایسے میں انصاف کا تقاضا یہی ہے کہ کسی مدعی اسلام کی تکفیر اُس وقت تک جائز قرار نہ دی جائے جب تک اُس کے بلا جبر واکراہ وجود میں آنے والے کسی اختیاری قول وعمل، تقریر وتحریر اور عقیدہ کا ایمان کے منافی ہونے پر سو فیصد یقین حاصل نہ ہو جائے اور مومن مسلمان رہنے کے لیے ایک فیصد بھی اور کمزور سے کمزور احتمال یا مجال تاویل کا امکان بھی باقی نہ رہے یعنی جب تک صریح التزام کفر نہ ہو اُس وقت تک تکفیر کے جواز کا کوئی تصور اسلام میں نہیں ہے۔ اسلام کے اِسی اصول کی روشنی میں جملہ اسلاف نے متفقہ طور پر کہہ دیا کہ؛

''لا یجوز تکفیر اهل القبلة'' یعنی اہل قبلہ کی تکفیر جائز نہیں ہے۔

مقصد یہ کہ جب تک اُس کے قول وعمل، تقریر وتحریر اور عقیدہ میں کفر سے بچنے کا احتمال باقی ہے یا تاویل کی گنجائش ممکن ہے تو وہ اہل قبلہ میں سے ہی شمار ہوگا یعنی اُمت اجابت کے افراد جو ملت اسلام اور اُس کے تحت آنے والے تمام ضروریاتِ دین کا التزام کرنے والوں میں شمار ہوگا۔ نیز کہہ دیا؛

''اِذَا کَانَتْ فِی الْمَسْئَلَةِ وُجُوْهٌ تُوْجِبُ الْکُفْرَ وَوَجْهٌ وَاحِدٌ یَمْنَعُ فَعَلَی الْمُفْتِیْ اَنْ یُرَجِّحَ الْوَاحِدَ عَلَی الْوُجُوْہِ''

یعنی جس مسئلے میں زیادہ سے زیادہ موجبات کفر موجود ہوں اور کفر سے بچنے کیلئے صرف ایک وجہ موجود ہو تو مفتی پر لازم ہے کہ اُس ایک کو ترجیح دیکر متعلقہ شخص کو کفر سے بچائے۔

Marfat.com

اسلاف سے منقول اِن دونوں اُصولوں کا سب کے نزدیک مسلمہ اور قرآن وسنت کے مطابق ہونے کی واضح دلیل یہ ہے کہ جہاں پر بھی ان میں سے کسی ایک کے خلاف بھی کوئی فتویٰ تکفیر پایا گیا ہے اُس کو سب نے مسترد کر دیا ہے یا اس پر منطبق کرنے کے لیے تاویلات وتوجیہات بعیدہ کا سہارا لیا گیا ہے۔ ایسے میں فتویٰ تکفیر کے حوالہ سے دارالافتاء کے ذمہ داروں کی رہنمائی کے لیے قرآن وسنت اور سلف صالحین کی روشنی میں ایسے اُصول ومعیار دُنیائے علم کے سامنے لانے کی ضرورت تھی جو اِن دونوں اُصولوں کے مطابق ہونے کے ساتھ ہر خاص وعام کے لیے قلبی طمانیت کا سامان بھی ہو، مختلف مکاتب فکر اہل اسلام کے لیے قابل تسلیم ہونے کے ساتھ مقتضائے فطرت بھی ہو اور التزام اسلام والتزام کفر کے مابین واضح حد فاصل کا مظہر ہونے کے ساتھ اسلام کا دین فطرت ہونے کی عملی تصدیق بھی ہو جس کو ہم نے اِس کتاب میں آسان تر نداز میں پیش کرنیکی کوشش کی ہے۔ جس کی تحریر میں اول سے آخر تک ہمارے مخاطب دارالافتاء کے ذمہ دار حضرات ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اگر یہ حضرات دارالافتاء کے احتیاطی تقاضوں کو نبھائیں تو بے محل تکفیر مسلم کی بے اعتدالیوں کا انسداد ہونے کیساتھ التزام کفر کرنے والوں سے صرف نظر کرنے کے جرم پر بھی قابو پایا جا سکتا ہے۔ کیوں کہ ”مفتی کی ایک غلطی جہاں کی تباہی“

مشکل ترین ذمہ داری:۔ کتاب کی تدوین کے دوران ہمیں قدم بہ قدم موضوع کی پیچیدگی کا احساس ہوتا رہا کیوں کہ اِس سے پہلے کوئی ایسی جامع تحریر اس موضوع سے متعلق موجود نہیں تھی کہ جس سے مدد لی جاتی۔ مفتی محمد شفیع کی اس موضوع پر وہ تحریر جو ”جواہر الفقہ“ کی پہلی جلد میں چھپی ہے۔ جس پر اشرف علی تھانوی کی تصدیق وتقریظ بھی موجود ہے نہایت مجمل اور فقہاء کرام کی بجائے خود قابل تشریح عبارات پر بلاتشریح مشتمل ہونے کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ جس سے حنفی المذہب کہلانے والوں کو بھی تسلی واطمینان نہیں ہوتا چہ جائیکہ کہ مختلف المسالک اور عام انسانوں کو تسلی ہو سکے۔

Marfat.com

سید ابوالاعلیٰ مودودی کی وہ تحریر جو اُنہوں نے اِس موضوع سے متعلق ماہنامہ ''ترجمان القرآن'' شمارہ مئی 1935ء میں شائع کیا تھا۔عوام الناس اور تعصب زدہ علماء کو تکفیر بازی سے بریک لگانے کے لیے کافی حد تک مفید ہونے کے باوجود دارالافتاء کے ذمہ داروں کے حق میں نہ صرف غیر مفید بلکہ مغالطہ کا موجب ونقصان ہے۔حقیقی معیار سے متصادم اور اسلاف سے منقول مسلمات سے برعکس ہے۔

اِس سلسلہ میں مولانا سید انور شاہ کشمیری کی لکھی ہوئی ''اکفار الملحدین'' کی کافی شہرت سنی تھی اور مختلف المسالک ہم عصر علماء کی تحریروں میں اُس کا حوالہ پڑھ کر اُمید پیدا ہونے لگی تھی کہ اُس سے کافی مدد ملے گی لیکن تلاش بسیار کے بعد پیدا کر کے جب مطالعہ کیا تو افسوس وتعجب کے سوا اور کچھ ہاتھ نہیں آیا کیوں کہ اُس کی عبارۃ النص ولُب لباب اِس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ شاہ جی نے اپنے وقت کے کذّاب متنبّی مرزا غلام احمد قادیانی علیہ ما علیہ کے کفر وارتداد میں شک کرنے اور اُس کی کفری عبارات کی تاویل کرنیوالے جاہلوں کی تکفیر کے لیے یہ لکھی تھی۔ جو اُس وقت کے تقاضوں کے مطابق اور قادیانی کی تکفیر کے حوالہ سے مفید ہونے کے باوجود اسم بامسمٰی نہیں ہے، کسی مدعی اسلام کے قول وعمل، تقریر وتحریر یا فاسد عقیدہ کی بنیاد پر تکفیر کیلئے جامع ومانع اور معیاری ہرگز نہیں ہے کیونکہ اِس میں کسی ضرورت شرعی کی تکذیب کو کفر وارتداد قرار دینے کے ساتھ ضرورت شرعی کی تکذیب پر مشتمل قول میں تاویل کرنے کو بھی کفر وارتداد قرار دینے پر فقہاء کرام کے حوالہ جات کا انبار لگانے کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ضرورت دینی اور ضرورتِ مذہبی کے مابین تفریق کو چھیڑا ہی نہیں۔

نیز شریعت کے ہر قطعی حکم کو ضروری کہہ کر اُس کے منکر کو کافر ومرتد قرار دیا ہے جو خلاف واقعہ ہے کیوں کہ حقیقت میں قطعی اور ضروری کے مابین وہ نسبت ہرگز نہیں ہے جو شاہ جی نے سمجھا ہے بلکہ عموم وخصوص من وجہ کی نسبت ہے یعنی ہر قطعی ہمیشہ ضروری نہیں ہوتا نہ ہر ضروری ہمیشہ قطعی ہوتا ہے۔

Marfat.com

نیز لزُوم کفر اور التزام کفر کی جدا جدا حقیقتوں کو واضح کرنا دارالافتاء کی ناگریز ضرورت ہے جس کو چھیڑا ہی نہیں۔

نیز لزُوم کفر اور التزام کفر کے ایک دوسرے سے جدا جدا شرعی احکام کی تمیز بھی دارالافتاء کی ناگزیر ضرورت ہے، جس سے قطعاً بے اعتنائی فرمائی ہے۔

نیز لزُوم کفر میں لازم کے بیّن ہونے کی صورت میں واجب التکفیر قرار دیا ہے جو تکفیر کے حوالہ سے دارالافتاء کے احتیاطی تقاضوں کے سراسر خلاف ہونے کے ساتھ جمہور اسلاف کے خلاف ہے کیوں کہ اسلاف کی نگاہ میں لزُوم کفر اور التزام کفر کے مابین بنیادی نکتہ تفریق یہی ہے کہ لزُوم کفر میں لازم غیر بین ہوتا ہے جس وجہ سے واسطہ فی الاثبات کی ضرورت پڑتی ہے جبکہ التزام کفر کی بعض صورتوں میں لازم بیّن ہوتا ہے جس وجہ سے ''انتفاء الازم انتفاء الملزوم'' کے بدیہی وفطری تقاضوں کے مطابق لازم بیّن کا انتفاء آپ ہی ملزوم کے انتفاء پر دلیل ہوتا ہے جس کے بعد کسی اور دلیل کی ضرورت محسوس نہیں کی جاتی۔ حقیقت یہ ہے کہ اکفار الملحدین کے اِس قسم مندرجات سے دارالافتاء کے نوخیز ذمہ داروں کی رہنمائی ہونے کے بجائے معکوس نمائی ہوتی ہے۔ اِس کے باوجود اکفار الملحدین کی شہرت میرے لیے باعث تعجب نہ ہوگی تو اور کیا ہوگی۔ اِس سے بڑھ کر قابل افسوس شاہ صاحب کے ساتھ عقیدت رکھنے والے اُن حضرات کا کردار ہے جو اِن کمزوریوں، بے اعتدالیوں اور معکوس نمائیوں کے باوجود احساس زیاں نہیں رکھتے ہیں۔

ہم تسلیم کرتے ہیں کہ اکفار الملحدین کے مصنف ایک سنجیدہ عالم دین اور علمی شخصیت تھے، جس نے اسلامی جذبہ کے تحت ایک حقیقی ملحد ومرتد کے خلاف اسلامی دُنیا میں بیداری لانے کی غرض سے یہ کتاب لکھی تھی۔ جو تقاضاء وقت کے مطابق مفید تھی۔ جس سے عبدالماجد دریا آبادی اور اُس کے پیر اشرف علی تھانوی تک کو فائدہ پہنچا تھا اس لیے کہ اِس سے پہلے اُن کو مرزا غلام احمد قادیانی کے کفر وارتداد پر تسلی نہیں تھی جیسے اُن کی کتابوں سے ثابت ہے تاہم ''اَلْاِنْسَانُ

Marfat.com

مُرَكَّبٌ مِنَ الْخَطَاءِ وَالنِّسيَانِ'' کی فطری کمزوریوں کے تقاضاء سے اُن سے غفلت و خطائیاں ہونا ممکن تھا جو ہوئیں ہیں لیکن اُن کے اخلاف کا اُس سرے سے لے کر اِس سرتک اِن تمام کوتاہیوں سے غفلت برتنا قابل صد افسوس ہے۔ اکفار الملحدین کے مصنف کی غفلت خیزیوں کا افسوس ناک دائرہ کار صرف اِس حد تک محدود نہیں ہے بلکہ شاہ صاحب کی ایک اور تصنیف ''فیض الباری شرح صحیح البخاری'' اِس سے بھی زیادہ غفلت کاریوں پر مشتمل ہے۔

مثال کے طور پر فیض الباری میں اسم معرب کو مبنی قرار دیتے ہوئے لکھا ہے:

''لفظ الباب مضاف او مبنی کمثنی وثلاث''(۱)

علم نحو کی ابتدائی کتابیں پڑھنے والے طلباء بھی جانتے ہیں کہ ثنی وثلاث کے الفاظ اسم غیر منصرف کے قبیل سے ہیں اور اسم غیر منصرف اسم معرب کی قسم ہے جو مبنی کے مقابلہ میں ہے، جبکہ یہاں پر مولانا صاحب نے اِن کو مبنی قرار دیا ہے۔ ایک اور مقام پر صحت کو افعال عامہ میں سے قرار دیتے ہوئے لکھا ہے:

''وقدر الشافعية الصحت لان متعلقات الظروف لا تكون الامن الافعال العامة والصحة منها''(۲)

وہ کون ہوسکتا ہے جو لُغت عربی اور علم نحو سے شناسائی رکھتا ہو اور افعال عامہ وخاصہ کی تمیز کرتا ہو محدث کشمیری کے اِس قول پر دو وجہ سے تعجب نہ کرے:

پہلی وجہ:۔ اُنہوں نے فعل صحت کو افعال عامہ میں شمار کیا ہے اور صحت الفعل سے مراد اُس کا موجب اجر ہونا بتایا ہے جبکہ صحت الفعل بمعنی موجب اجر اُن افعال کے ساتھ خاص ہے جواز قبیل عبادت ہیں جو عبادات کے ماسوا کسی اور فعل کو شامل ہی نہیں ہے تو پھر افعال عامہ کے قبیل سے ہونے کا کوئی مطلب ہی نہیں رہتا کیوں کہ افعال عامہ اُن ہی افعال کو

(۱) فیض الباری، ج 1، ص 1، الطبقہ الاولیٰ مطبوعہ حجازی بالقاہرہ۔

(۲) فیض الباری، ج 1، ص 5۔

Marfat.com

کہتے ہیں جو صحیح، غیر صحیح، موجب اجر، غیر موجب اَجر، موجب ثواب، موجب عذاب اور عبادات و غیر عبادات سب کو شامل ہو جیسے کون وثبوت جن کو علم نحو کی کتابوں میں افعال شاملہ اور کون مطلق بھی کہا گیا ہے۔

دوسری وجہ:۔ اِس عبارت میں محدث کشمیری نے ''**لان متعلقات الظروف لا تکون الا من الافعال العامة**'' کہہ کر ظرف اور قائم مقام ظرف کے متعلق جو حقیقت میں اِسکے اندر عمل کرنے والا ہوتا ہے کو افعال عامہ میں منحصر کر دیا ہے جو علم نحو سے انحراف ہونے کے ساتھ حقیقت کے بھی منافی ہے۔کاش کشمیر کے یہ شہرہ آفاق محدث علم نحو میں اِس حوالہ سے واجب الحذف اور جائز الحذف مقامات کے مابین تفریق کو پیش نظر رکھتے تو یہ غلطی کبھی نہ کرتے۔جیسے مغنی اللبیب میں ہے؛

''**واشتراط النحويين الكون المطلق انماهو لوجوب الحذف لا لجوازه**''(۱)

اِس کے علاوہ محدث کشمیری نے ظروف کے عامل کو افعال عامہ میں منحصر بتاتے ہوئے یہ لکھتے وقت قرآن شریف کی مندرجہ ذیل آیات کی ترکیب پر بھی غور نہ فرمایا جن میں مذکور ظروف کا عامل فعل خاص ہی متعین ہیں۔جیسے؛

''**فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ**''(۲)

اہل علم جانتے ہیں کہ یہاں پر فعل عام اور کون مطلق مقدر کرنے کی کوئی تک ہی نہیں ہے۔اسی طرح آیت کریمہ ''**اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنثٰى بِالْاُنثٰى**''(۳) میں فعل خاص

---

(۱) مغنی اللبیب عن کتب الاعاریب،ج2،ص500،الباب الثالث فی احکام شبه الجملة۔

(۲) الطلاق،1۔

(۳) البقرہ،178۔

Marfat.com

''یقتل'' کے سوا کوئی اور فعل متصور ہی نہیں ہے چہ جائیکہ کون مطلق مقدر کیا جائے۔ الغرض قرآن وحدیث میں درجنوں مقامات ایسے ہیں جن میں فعل عام مقدر کرنے کا امکان ہی نہیں ہے، ایسے میں شاہ جی کا ظروف اور قائم مقامِ ظروف سے متعلق وعامل کو افعال عامہ کے ساتھ خاص قرار دینا باعث تعجب نہیں تو اور کیا ہے۔

یہ تو مشتے نمونہ از خروارے ہے ورنہ اکفار الملحدین کے مصنف کی غفلت کاریوں کا دائرہ بہت وسیع ہے جس کی تفصیل میں جانا ہمارے موضوع کے ساتھ میل نہیں رکھتا البتہ اظہارِ حقیقت کی غرض سے اتنا ضرور کہوں گا کہ محدث کشمیری کی غفلت کاریوں کا یہ وسیع سلسلہ کسی ایک فن کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ جس فن کے حوالہ سے بھی کلام کیا ہے اُس میں ہمارے سامنے موجود ان دونوں کتابوں میں اپنی محدثانہ شہرت کے منافی کچھ ایسی کمزوریاں چھوڑی ہیں جو نہ ہونی چاہئے تھیں۔ اسی طرح جزئیات کے ادراک کو علم سے نکالتے ہوئے لکھا ہے:

''لِاَنَّ علم الجزئیات لَیسَ بعلم فِی الْحَقِیقَۃ''(۱)

افسوس کہ محدثِ کشمیری علم وفضل ہوتے ہوئے اس قسم کی فحش غلطیوں کا ارتکاب کرتے رہے۔ جزئیات کے علم کو حقیقی علم سے نکالنے کے عواقب ونتائج کی پرواہ نہیں کر رہے ہیں کہ اِس سے فقہ کے باب القیاس سمیت اجتہاد کی راہ بھی مسدود ہونا لازم آتی ہے اور کسی نامعلوم چیز کو معلوم کرنے کے لیے فطرت کی طرف سے مقرر کردہ طرق ثلاثہ میں استقراء وتمثیل کے راستے بھی بند ہو رہے ہیں کیوں کہ اِن میں بالترتیب جزئیات کے حکم سے کلی کا حکم حاصل کیا جاتا ہے اور ایک نوع کے دو جزئیات میں سے ایک کو بمع حکم وعلت جاننے کے وسیلہ سے دوسرے جزئی کے حکم کو سمجھا جاتا ہے جس کو فقہاء کرام قیاس بھی کہتے ہیں۔ انجام کار شاہ جی انجانے میں استقراء وتمثیل سے انکار فرما رہے ہیں جو کسی طرح بھی قابل تسلیم ومعقول نہیں ہے۔

تقلید جامد اور اکابر پرستی کے خول سے نکل کر آزاد ذہن سے دیکھنے والا ہر سلیم الفطرت شخص

---

(۱) فیض الباری، ج1، ص151۔

Marfat.com

فیض الباری میں اِس قسم درجنوں اغلاط کا مشاہدہ کرسکتا ہے۔اکفار الملحدین کے شہرہ آفاق محدث کشمیری کی یہ غلطیاں اللہ بہتر جانے کن حالات میں اُن کے زیرِ قلم ہو کر دستاویز کی شکل اختیار کر چکی ہیں۔ بہر حال وہ انسان ہی تھے معصوم ہرگز نہیں تھے، قابل تغریب اُن کے بعد والے وہ حضرات ہیں جو اُن کے ساتھ نسبت تلمذ رکھتے ہیں' عقیدت رکھتے ہیں اور اِن کتابوں کو دیکھتے رہتے ہیں لیکن اِن اغلاط کا احساس تک اُنہیں نہیں ہوتا۔ اِن میں کوئی رجل رشید نظر نہیں آ رہا جو اِن غلطیوں کی اصلاح کر کے اُن کی روح کو راحت پہنچائے ایسے میں اکفار الملحدین کے مصنف کی مذکورہ بے اعتدالیوں پر تعجب سے اُن حضرات کی بے حسی زیادہ قابل افسوس ہے جو عرصہ دراز سے محدث کشمیری کی اِن کتابوں کو وردِ جان بنائے ہوئے ہیں، صبح و شام تلاوت کر رہے ہیں اور دادِ تحسین دیتے نہیں تھکتے لیکن بتقضائے بشریت اُن سے سرزد شدہ اِن بدیـــــــــہ الاغلاط باتوں پر توجہ دے کر ریکارڈ درست کرنے کی توفیق نہیں پا رہے ہیں۔(فَاِلَی اللہِ الْمُشْتَکٰی)

جس کی اصل وجہ ہمارے تجربہ کے مطابق اکابر پرستی اور اُنہیں معصوم عن الخطاء والنسیان تصور کرنے کے سوا اور کچھ نہیں ہے یہ بیماری صرف محدث کشمیری کے مکتبہ فکر تک محدود نہیں ہے بلکہ ہر مکتبہ فکر کے علماء اِس میں مبتلا نظر آ رہے ہیں۔(اِلامن وفقه اللّٰه عَزَّوَجَلَّ)

افسوس بالائے افسوس:۔اُصولِ تکفیر کے حوالہ سے اکفار الملحدین کے اندر موجود مذکورہ معکوس نمائیوں سے رنجیدہ ہونے سے بڑھ کر افسوس مجھے مفتی محمد شفیع کی تحریر سے ہوا کہ اُنہوں نے اِس موضوع پر لکھے گئے اپنے 70 صفحات پر مشتمل رسالہ بنام **"تکفیر کے اُصول"** میں اپنے پیر کی ایک ایسی بات کی تصدیق وتوثیق اور تحسین کی ہے جو نہ صرف اہل سنت عقیدہ کے خلاف ہے بلکہ خرق اجماع اور عقل ونقل سے بھی متصادم ہے۔محولہ بالا رسالہ جو جواہر الفقہ جلد اول میں مکتبہ دار العلوم کراچی نمبر 14 سے مولانا محمد رفیع عثمانی کی تقدیم ونگرانی میں شائع ہوا

Marfat.com

ہے۔ اُس کے صفحہ نمبر 37 پر مفتی محمد شفیع صاحب نے **"تتمہ مسئلہ از امداد الفتاویٰ، جلد سادس"** کا عنوان لے کر اُس کے تحت لکھا ہے:

"یہ کُل بیان اُس صورت میں تھا جب کہ کسی شخص یا جماعت کے متعلق عقیدہ کفریہ رکھنا یا اقوال کفریہ کا کہنا متیقن طریقے سے ثابت ہو جائے لیکن اگر خود اِسی میں کسی موقع پر شک ہو جائے کہ یہ شخص اِس عقیدہ کا معتقد یا اِس قول کا قائل ہے یا نہیں ہے تو اِس کے لیے اَحوَط واَسلَم وہ طریقہ ہے جو امداد الفتاویٰ میں درج ہے جس کو بعینہٖ ذیل میں بطور تتمہ نقل کیا جاتا ہے۔

اگر کسی خاص شخص کے متعلق یا کسی جماعت کے متعلق حکم بالکفر میں تردد ہو خواہ تردد کے اسباب علماء کا اختلاف ہو، خواہ قرائن کا تعارض ہو یا اُصول کا غموض تو اسلم یہ ہے کہ نہ کفر کا حکم کیا جاوے نہ اسلام کا، اسلام کا حکم اول میں تو خود اُس کے معاملات کے اعتبار سے بے احتیاطی ہے اور حکم ثانی میں دوسرے مسلمانوں کے معاملات کے اعتبار سے بے احتیاطی ہے، پس احکام میں دونوں احتیاطوں کو جمع کیا جائے گا۔ یعنی اُس سے نہ عقد مناکحت کی اجازت دیں گے نہ اُس کی اقتداء کریں گے نہ اُس کا ذبیحہ کھائیں گے اور نہ اُس پر سیاست کافرانہ جاری کریں گے۔ اگر تحقیق کی قدرت ہو اُس کے عقائد کی تفتیش کریں گے اور اُس تفتیش کے بعد جو ثابت ہو ویسے ہی احکام جاری کریں گے اور اگر تحقیق کی قدرت نہ ہو تو سکوت کریں گے اور اُس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کریں گے اس کی نظیر وہ حکم ہے جو اہل کتاب کی مشتبہ روایات کے متعلق حدیث میں وارد ہے۔

"لَا تُصَدِّقُوا اَهْلَ الْكِتَابِ وَلَا تُكَذِّبُوْهُمْ وَقُوْلُوْا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا اُنْزِلَ اِلَيْنَا... الاٰیہ" (۱)

"نہ اہل کتاب کی تصدیق کرو نہ تکذیب بلکہ یوں کہو کہ ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور اُس

(۱) بخاری شریف۔

Marfat.com

وحی پر جو ہم پر نازل ہوئی''۔

دوسری فقہی نظیر احکام خنثیٰ کے ہیں: ''یُوخذُ فِیهِ بِالاحوطِ وَالاوثقِ فِیْ اُمُورِ الدِّیْنِ وَاَنْ لَایُحکمُ بِثُبُوتِ حُکْمٍ وَقَعَ الشَّکُ فِیْ ثُبُوتِهِ وَاِذَا وَقَفَ خلفَ الْاِمَامِ قَامَ بَیْنَ صَفِّ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَیُصَلِّیْ بِقِنَاعٍ وَیَجْلِسُ فِیْ صَلَاتِهِ جُلُوسَ الْمَرْأَةِ وَیُکْرَهُ لَهٗ فِیْ حَیَاتِهِ لُبْسُ الحلی وَالْحَرِیْرِ وَاَنْ یَخْلُوابِهٖ غَیْرُ مُحْرِمٍ مِنْ رَجُلٍ اَوْاِمْرَأَةٍ اَوْ یُسَافِرَ مَعَ غَیْرِمُحْرِمٍ مِنَ الرِّجَالِ وَالْاِنَاثِ وَلَایَغْسِلُهٗ رَجُلٌ وَلَااِمْرَأَةٌ وَ یُتَیَمَّمُ بِالصَّعِیْدِ وَیُکَفَّنُ کَمَا یُکَفَّنُ الْجَارِیَةِ وَ اَمْثَالُهٗ مِمَّا فَصَّلَهُ الْفُقَهَاءُ.''(۲)

خنثیٰ مشکل کے بارے میں اُمورِ دین میں وہ صورت اختیار کی جاوے جس میں احتیاط ہو اور کسی ایسی چیز کے ثبوت کا اُس پر حکم نہ کیا جاوے جس کے ثبوت میں شک ہو اور جب وہ امام کے پیچھے نماز کی صف میں کھڑا ہو تو مردوں اور عورتوں کی صف کے درمیان کھڑا ہو۔ اور عورتوں کی طرح دوپٹہ اوڑھ کر نماز پڑھے اور قعدہ میں اس طرح بیٹھے جیسے عورتیں بیٹھتی ہیں اور اُس کے لیے زیور اور ریشمی کپڑا، پہننا مکروہ ہے اور یہ بھی مکروہ ہے کہ کوئی مرد یا عورت غیر محرم اُس کے ساتھ خلوت میں بیٹھے یا ایسے مرد یا عورت کے ساتھ سفر کرے جو اس کا محرم نہ ہو اور مرنے کے بعد اُس کو نہ کوئی مرد غسل دے نہ عورت بلکہ تیمّم کرا دیا جائے اور کفن ایسا دیا جاوے جیسا لڑکیوں کو دیا جاتا ہے اور اسی طرح دوسرے احکام جن کو فقہاء نے مفصل لکھا ہے۔''

امداد الفتاویٰ کی یہی عبارت مفتی محمد شفیع کے مذکورہ رسالہ کے صفحہ 63 پر بھی بطور قند مکرر مذکور ہے جس میں مفتی صاحب نے اپنے پیر کے بتائے ہوئے اس اُصول کی پیروی وتقلید کرنے کی ترغیب دیتے ہوئے پہلے سے بھی زیادہ ترغیبی کلمات لکھے ہیں۔ امداد الفتاویٰ والے کا مسئلہ

(۱) 11 شعبان، 51 ھجری۔

Marfat.com

تکفیر کو احکام خُنثٰی پر قیاس کرنا یا اہل کتاب کی تصدیق و تکذیب ہر دونوں سے سکوت اختیار کرنے کے اشباہ و نظائر کے زمرہ میں شمار نا فضاو ہوا کو زمین پر قیاس کرنے سے مختلف نہیں ہے کیوں کہ تکفیر کا تعلق صرف اور صرف ضروریات دین کیساتھ ہے جبکہ اِن دونوں میں سے ایک بھی ضرورت دینی نہیں ہے تو پھر قیاس کرنیکا کیا جواز اور اشباہ و نظائر کے قبیل سے قرار دینے کی کیا تُک ہے جبکہ اشباہ و نظائر قرار دینے اور قیاس کرنے کے لیے وحدت نوعی ضروری ہے جو یہاں پر مفقود ہے۔ دُنیائے کتب بجائے خود عجائب خانہ ہے، جس میں ہر قسم کی باتیں پڑھنے کو ملتی ہیں امداد الفتاویٰ والے کی اِس بات کو کہ "نہ کفر کا حکم کیا جاوے نہ اسلام کا" اہل علم کے لیے مخصوص عجائب گھر کے شوکیس میں فریم کیے جانے کے لائق قرار دیا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا۔ اس کے لکھنے والے نے اتنا بھی نہیں سوچا کہ ایمان اور کفر اپنے آپس مخصوص ضدین ہیں جو بیک وقت کسی شخص میں جمع بھی نہیں ہو سکتے اور رفع بھی نہیں ہو سکتے کہ دُنیا بھر کا کوئی شخص اِن دونوں سے خالی ہو سکے۔ جیسے اہل سنت کے نزدیک متفقہ ہے اور یہ بھی نہیں سوچا کہ تکفیر کے لیے سو فیصد یقین، صریح الدلالتہ اور نا قابل تاویل ہونا شرط ہے جس کے بغیر محض شک اور تردد کی بناء پر کسی کو بین الایمان والکفر معلق اور منزل بین المنزلتین قرار دے کر کسی کے ساتھ نکاح کرنے کو اُس پر ممنوع قرار دینے کا تصور اسلام میں نہیں ہے جبکہ اِس نا معقول اُصول میں اُس بے چارہ کو ممنوع النکاح کہہ کر انجانے میں مرتد قرار دیا جا رہا ہے کیوں کہ ممنوع النکاح ہونے کا حکم صرف اور صرف مرتد کے ساتھ خاص ہے کہ اُس کا نکاح دُنیا بھر میں کسی کے ساتھ بھی جائز نہیں ہے۔ اور اتنا بھی نہیں سوچا کہ احتیاطوں کو جمع کرنے کے اٹکل پچو کی بنیاد پر کسی کو ایمان سے نکال کر ممنوع النکاح، ممنوع الاقتداء اور ممنوع الذبیحہ قرار دینے کی گنجائش اسلام میں نہیں ہے کیوں کہ تکفیر کا تعلق صرف اور صرف ضروریاتِ دین کے ساتھ ہے جس میں فقہی اجتہاد اور جائز قیاس کی بھی مجال نہیں ہے چہ جائیکہ اِس قسم اٹکل پچو کی گنجائش ہو سکے۔

Marfat.com

پھر یہ بھی ہے کہ جس اٹکل پچو کو تقاضائے احتیاط قرار دیا جارہا ہے وہ عین بے احتیاطی ہے کیوں کہ احتیاط سلف صالحین کی تصریحات کے مطابق صرف اِسی میں ہے کہ کسی مشکوک کلام یا کسی متردد بین الایمان والکفر کردار کے حامل شخص کو ایمان سے نہ نکالا جائے، ممنوع النکاح، ممنوع الاقتداء، ممنوع الذبیحہ قرار نہ دیا جائے، معلق بین الایمان والکفر، منزل بین المنزلتین نہ ٹھہرایا جائے اور سو فیصد یقین، صریح الدلالۃ اور نا قابل تاویل جب تک نہ ہو تب تک اُس پر احکام ایمان ہی جاری کیے جائیں۔ جیسے اللہ کے حبیب ﷺ نے فرمایا؛

''اَلْاِسْلَامُ یَعْلُوْ''

''یعنی اسلام کفر پر غالب ہے کہ شک کی بناء پر کسی کو اسلام سے خارج نہیں کیا جاسکتا''

اور کل مکاتب فکر اہل اسلام علماء کرام و مفتیان عظام نے بیک آواز کہا ہے کہ؛

''کسی کے قول میں 99 باتیں کفر کی ہوں صرف ایک کمزور سا احتمال کفر سے بچنے کے لیے موجود ہو۔ ایسے میں مفتی پر لازم ہے کہ اُس ایک کو کثیر پر ترجیح دے کر متعلقہ شخص کو کفر سے بچائے''۔

کل مکاتب فکر علماء اسلام کے اِس احتیاطی اُصول کی موجودگی میں امداد الفتاویٰ کے مصنف کا احتیاط کے نام سے مذکورہ اُصول کا اختراع کرنا احتیاط ہرگز نہیں بلکہ عین بے احتیاطی ہے، بدعت فی الاصول اور بے اعتدالی ہے، جملہ اسلاف سے انحراف اور مزاج اسلام سے ایسی معکوس العملی ہے کہ معتزلہ بھی اِس کو قبول کرنے سے انکاری ہیں جبکہ مزعومہ احتیاط اور منزلہ بین المنزلتین ہونے میں امداد الفتاویٰ والے کا یہ اُصول عین اعتزال ہے اِس کے باوجود وہ اِس کے قبول کرنے سے انکاری اِس لیے ہیں کہ اُنکے نزدیک گناہ کبیرہ کا مرتکب مسلمان ایمان سے نکل کر کفر میں داخل نہیں ہوتا۔ تو ایمان و کفر کے مابین واسطہ آجاتا ہے جس کو وہ منزلہ بین المنزلتین کہتے ہیں جبکہ اِس میں گناہ کبیرہ کے ارتکاب کا کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے بلکہ مشکوک الایمان والکفر قول کے قائل کو احتیاط کے نام پر معلق بین الایمان والکفر رکھا جارہا

Marfat.com

ہے۔ جو منزلہ بین المنزلتین عند المعتزلہ اہلسنت عقیدہ سے برخلاف ہونے کے باوجود مرجوح احتمال کی اسلام میں گنجائش رکھتا ہے جبکہ فتاویٰ امدادیہ والے کے اِس نامعقول اُصول سے لازم آنیوالے منزلہ بین المنزلتین کی گنجائش ہی اسلام میں نہیں ہے، اہل قبلہ میں اُس کا قائل ہی ان کے سوا کوئی اور نہیں ہے، ایسے میں اِس کی حیثیت بدعت فی الاصول ہونے کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ جو دارالافتاء کے نوخیز اور ناپختہ مفتیوں کے لیے مثل سوٗ اور التباس الحق بالباطل کا سبب ہے۔ اللہ ہی بہتر جانے اسے دیکھ کر دارالافتاؤں کے ناپختہ مفتیوں نے اور ناواقف حال اصحاب محراب ومنبر حضرات نے اب تک کتنے مسلمانوں کو معلق بین الایمان والکفر بنا رکھا ہے، کتنوں کو ممنوع النکاح، ممنوع الاقتداء اور ممنوع الذبیحہ قرار لیکر التباس الحق بالباطل کیا ہوگا۔ سچ کہا گیا ہے ''مفتی کی ایک غلطی جہاں کی تباہی''

اِس سے بھی زیادہ قابلِ افسوس مفتی محمد شفیع کا اُصول تکفیر کے حوالہ سے اس کی تحسین کرنا ہے، اِس عجیبہِ زمان بے احتیاطی وناأسلمی کو اَحوط واسلم کہہ کر اُس پر عمل کرنیکی ترغیب دینا ہے۔ الٰہیات کے حوالہ سے جب ہمارے دینی مدارس کیساتھ وابستہ اکابر کی بے اعتدالیوں، بے احتیاطیوں اور معکوس عملیوں کا یہ عالم ہے تو پھر اصاغر کا خدا ہی حافظ۔ سچ کہا گیا ہے۔

عمل اصاغر معکوس شدہ　　　ھمیں اکابر وھمیں رھنما

اکفار الملحدین سے لے کر مفتی محمد شفیع کی ''وصول الافکار الی اصول الاکفار'' تک اِس موضوع میں لکھی گئی مذکورہ تصنیفات سے ملنے والی افسردگیوں سے برعکس جن سینکڑوں تصنیفات سے اِس کتاب کی تدوین میں ہم نے رہنمائی لی اُن میں قرآن وسنت کے بعد حضرت ابن ہمام کی مسامرہ، امام احمد رضا خان کی تمہید ایمان اور فتاویٰ رضویہ، میر سید السند کی شرح مواقف، امام سعد الدین تفتازانی کی شرح عقائد وشرح مقاصد اور حافظ ابن تیمیہ کی فتاویٰ کبریٰ اور کتاب الایمان، مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی سرفہرست ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ کی رحمت سے اُمید کرتے ہیں کہ ہماری یہ کاوش جملہ مکاتب فکر اہل اسلام کے لیے بالعموم اور

Marfat.com

دارالافتاء کے ذمہ داروں کیلئے بالخصوص اُصولِ تکفیر کے طور پر کامل رہنما ثابت ہوگی۔ (انشاء اللہ تعالیٰ)

معاصر علماء کرام سے گزارش:۔ خصوصیتِ مسلک سے قطع نظر جملہ مکاتب فکر معاصر علماء کرام سے ہماری گزارش ہے کہ باریک سے باریک نظر سے اِس کے مندرجات کو دیکھا جائے بشری کمزوریوں کی وجہ سے اگر کوئی سُقم رہ گیا ہو تو دلیل کے ساتھ ہمیں آگاہ کیا جائے تاکہ صدیوں بعد ظاہر کی جانے والی کمزوریوں کی اصلاح ابھی سے ممکن ہو سکے۔ علماء کرام سے یہ گزارش اِس لیے کی جاتی ہے کہ تکفیر کا مسئلہ کسی ایک فقہ یا کسی ایک مسلک کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ سب کا مشترکہ مسئلہ ہونے کی بناء پر سب پر لازم ہے کہ اِس کو منقح و مصفیٰ کر کے آئندہ نسلوں کو منتقل کیا جائے جس کے بعد بے جا تکفیرِ مسلم کی غلطی کا انسداد ہونے کے ساتھ بالیقین مرتد قرار پانے والے کسی مجرمِ اسلام کو داخلِ اسلام قرار دینے کے کفر سے بھی بچا جا سکے۔

اِس کے علاوہ یہ بھی ہے کہ اِس کتاب میں اول سے آخر تک میرے مخاطب علماء کرام ہی ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ ورثۃ الانبیاء کا یہ طبقہ اگر سمجھ جائے تو باقی دُنیا کو سمجھانا آسان ہے، علماء کرام میرے مخاطب ہونے کی بناء پر اُن ہی کی زبان میں اور اُنہی کی آسانی کے لیے اِس پوری تحریر میں ہم نے ہر متعلقہ فن کے اصطلاحی الفاظ استعمال کیے ہیں جن کو سمجھنا اُن فنون کے ساتھ مناسبت رکھنے والے حضرات کے لیے ہی ممکن ہے۔ مثال کے طور پر لزُومِ کفر کے مقابلہ میں التزامِ کفر کی فہرست میں جن چودہ قسموں کو بالتفصیل مثالوں کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اُن میں ''وجود احد الضدین دلیل عدم الآخر'' کہا ہے، جو بجائے خود بدیہی بلکہ بدیہی اوّلی ہونے کے باوجود منطق نا آشنا حضرات کے لیے سہل الفہم نہیں ہے۔ اسی طرح التزامِ کفر کی آخری دس قسموں میں ''انتفاء اللازم دلیل انتفاء الملزوم'' کہا ہے جو اپنی جگہ بدیہی ہونے کے باوجود علمِ کلام اور منطق و معقول سے بے خبر حضرات کے لیے سہل الفہم نہیں ہے۔

☆ اجتماعِ نقیضین کے محال ہونے یا اِرتفاعِ نقیضین کے ناممکن ہونے پر کچھ مسائل کی بنا بتائی ہے۔

☆ قیاس اقترانی یا قیاس استثنائی کے نتائج بتائے ہیں۔

Marfat.com

☆ ضروریاتِ دینیہ اور ضروریاتِ مذہبیہ کی ضرورت بمعنی حاجت کے ساتھ مناسب بتاتے ہوئے بداہت اور اُس کی ضد اِسی طرح علمِ نظری کے تذکرہ کے ساتھ اُس کی ضد کا تذکرہ کیا ہے۔

☆ دلیلِ تفصیلی کے اجزاء کی تفہیم کرتے ہوئے مقدم وتالی، رفع مقدم، رفع تالی، استثناء مقدم استثنائی تالی، صغریٰ، کبریٰ، حدِ اصغر، حدِ اکبر، حدِ اوسط، العلم المطلق، مطلق العلم، لازم بیّن، لازم غیر بیّن، تقلیدِ مخطی، جہلِ مرکب، تقلیدِ مُصیب، مانعۃ الخلو، مانعۃ الجمع، یستحیل وجود الملزوم بدون لازمہ وجود الملزوم دلیل علی وجود لازمہ، کلی مشکک، کلی متواطی جیسے خالص اصطلاحی الفاظ جو استعمال کیے ہیں یہ مجبوری کی بنا پر ہے کہ اُردو زبان میں اُن کے متبادل اور عام فہم الفاظ کا فقدان ہے۔

اِس کی ایسی مثال ہے جیسے سائنسی ایجادات کے نام جن کے لیے دوسری زبان میں متبادل اور عام فہم نام موجود نہ ہونے کی وجہ سے ہر زبان میں اُن ہی کو استعمال کیا جاتا ہے، اِس کے باوجود ہم نے کتاب کے مندرجات کو عام فہم کرنے کی حتی المقدور کوشش کی ہے کہ جس کے اندر ذرہ برابر علمی استعداد واہلیت ہوگی وہ اِس کے مندرجات سے مستفید ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا جبکہ معکوس الفطرت نااہلوں کا معاملہ ہی کچھ جدا ہے۔ ایسے میں اِس پوری کتاب کو ممنوع عن غیر اہلہ کہا جائے تو بے محل نہ ہوگا۔

وَمَاتَوْفِیْقِی اِلَّابِاللّٰہِ عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَاِلَیْہِ اُنِیْب.

یلوح الخط فِی الْقِرْطَاسِ دھراً وَکاتبہ رمیم فی التراب

وَصَلَّی اللّٰہ عَلٰی سَیِّدِنَا وَسَیِّدُالْاَوَّلِیْن وَالْآخِرِیْن رَحْمَۃ لِّلْعٰلَمِیْنَ

ھٰذَااِخْتَام مَاقَدَّمتہ وَجعلتہ تَبْصِرَۃً لِفَھْمِ الْکتُبِ

وَاَنَاالْعَبْدُالضَّعِیْفُ

پیر محمد چشتی......19/09/2008

☆☆☆☆☆☆

Marfat.com

سوال نامہ

6/7 سالوں سے چند مسائل میراث کے بارے میں علماء چترال، دارالعلوم کراچی، دارالعلوم سرحد پشاور، دارالعلوم اشرفیہ (مسجد مہابت خان) پشاور کے ساتھ رابطہ رکھا۔ مگر کوئی بھی زبان اور قلم کو حرکت دینے پر تیار نہیں۔ اصل مسئلہ یہ ہے جو پریشان کن اور تشویشناک بھی ہے کہ؛

❶ جو فرد میراث سے عورتوں کو محروم رکھتا ہے وہ ظالم' غاصب اور حرام خور ہے کہ نہیں؟

❷ جو فرد اس حرام مال کو بسم اللہ کر کے کھاتا ہے (صرف حرام خور نہیں) وہ کافر ہے کہ نہیں؟

❸ جو اس بسم اللہ کر کے حرام خور کو کافر نہ کہے یا اسکے کفر میں شک کرے وہ کافر ہے کہ نہیں؟

❹ جو سنتِ رسول ﷺ (داڑھی) کو پسند نہ کرے، اگر پسند کرتا تو روز و شب اس کو نیست و نابود کرنے میں اپنا وقت اور مال ضائع نہ کرتا یا حد شرعی ایک قبضہ سے کم داڑھی رکھے اور اس کو بھی سنت رسول ﷺ قرار دے وہ کافر ہے کہ نہیں؟

❺ جو ان موجبات کفر کے مرتکب شخص کو کافر نہ کہے وہ کافر ہے کہ نہیں؟

❻ جو حرام مال سے صدقہ بہ نیت ثواب کرے وہ کافر ہے کہ نہیں؟ جبکہ شرعی حکم اس بارے میں یہ ہیں؛

1 ''اگر مردی بسم الله گفته شراب خورد یا زنا کرد کافر شود، هم چنین اگر بسم الله گفته حرام خورد۔''(۱)

2 ''اگر مردی صدقه کرد از مال حرام به امیدواری ثواب کافر شود۔''(۲)

---

(۱) فتاویٰ عالمگیری بحواله مالا بدمنه، ص156۔

(۲) مالا بد منه، ص154۔

Marfat.com

3 ''اگر کوئی شخص حرام مال کسی فقیر کو ثواب کی نیت سے دے اور ثواب کی نیت رکھے تو وہ کافر ہو جاتا ہے۔''(۱)

4 ''تمام اہل سنت والجماعت کا متفقہ عقیدہ ہے کہ جس نے کسی سنت کا انکار کیا یا اس کی تحقیر کی تو وہ کافر ہے۔''(۲)

5 ''هر که پسند نه کند یکی سنت را از سنن مرسلین بدرستی که آن کس کافر است''(۳)

6 ''اہانت حکم شرعی کی کفر ہے۔''(۴)

حکمِ رسول ﷺ ہے ''خُذُوا شَوَارِبَكُمْ وَاعْفُوا لُحَاكُمْ''

حکمِ خداوندی ہے ''وَمَآ آتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَانَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا''(۵)

دین کے ساتھ قصداً استہزاء خواہ بداعتقادی سے ہو یا بدون بداعتقادی کے ہو کفر ہے۔اور ''اِسْتِهْزَاءً بِاللّٰهِ وَاٰيَاتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ'' باہم تینوں متلازم ہیں۔(۶)

7 اسی طرح درمختار باب المرتدین میں اس شخص کے متعلق جس نے کسی نبی کی توہین کی ہو تصریح کرتے ہیں ''اور جو شخص اسکے کفر اور معذب ہونے میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔''(۷)

(۱) مظاهر حق جدید، ج3، ص 522۔

(۲) مظاهر حق جدید، ج1، ص436۔

(۳) مالابدمنه، ص148۔

(٤) امداد الفتاویٰ، ج1، ص550۔

(٥) الحشر، 7۔

(٦) اشرف علی تهانوی۔

(٧) جواهر الفقه، ج1، ص58، مفتی محمدشفیع۔

Marfat.com

8 اور ایسے ہی ہم اس شخص کے کفر کا یقین رکھتے ہیں جو کوئی ایسا قول اختیار کرے جس سے تمام اُمت مرحومہ اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تکفیر لازم آتی ہو۔"(۱)

9 موجبات کفر کے ہوتے ہوئے بعض کا دعوئے اسلام، صلوٰۃ وصیام اور استقبال بیت الحرام ترتیب احکام اسلام کے لیے کافی نہیں جب تک ان موجبات سے تائب نہ ہو۔"(۲)

10 اس میں کسی کا اختلاف نہیں کہ اہلِ قبلہ میں سے اس شخص کو کافر کہا جائے گا جو اگرچہ تمام عمر اطاعات وعبادات میں گزارے مگر عالم کے قدیم ہونیکا اعتقاد رکھے یا قیامت و حشر کا یا اللہ تعالیٰ کے عالم جزئیات ہونے کا انکار کرے۔ اسی طرح جس سے موجبات کفر صادر ہوں۔"(۳)

11 "پس جب کسی کافر کو جس کا کفر کھلا ہوا اور صاف ہو نہ صرف مسلمان کہنا بلکہ اس کے کفر میں شک کرنا بھی کفر ہے۔"(۴)

12 اہل سنت کے نزدیک اہل قبلہ کی تکفیر نہ کرنے سے مراد یہی ہے کہ ان میں کسی شخص کو اس وقت تک کافر نہ کہیں جب تک اس سے کوئی ایسی چیز سرزد نہ ہو جو علامات یا موجبات کفر میں سے ہے۔"(۵)

---

(۱) جواھر الفقه، ج 1، ص 57۔

(۲) جواھر الفقه، ج 1، ص 69۔

(۳) جواھر الفقه، ج 1، ص 33۔

(٤) جواھر الفقه، ج 1، ص 57۔

(٥) جواھر الفقه، ج 1، ص 33۔

Marfat.com

13 خطرناک اور تشویشناک بات یہ ہے کہ ایک آدمی نہ حرام خور ہے نہ شراب خور مگر ایک بسم اللہ کر کے حرام خور کو کافر نہ کہتا ہے تو وہ خود کافر ہوتا ہے۔ ''جو منکر ضروریات دین کو معظم دینی جانے یا کافر نہ کہے خود کافر ہے۔''(۱)

از روئے شریعت ان ''بِسْمِ اللّٰہِ'' کر کے حرام کھانے والوں کی حیثیت کیا ہے؟ جو کہ خود کو اہل سنت والجماعت کہتے اور کہلواتے ہیں؟ اور جو اُن کو ایسا ہی سمجھے اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اندریں بارہ (12) شرعی احکام سے مشکور فرمادیں۔۔۔۔ شکریہ

والسلام قاضی عبدالرؤف D.S.P(R)

معرفت فراز میڈیکل سٹور ڈسٹرکٹ ہیڈ کوارٹر ہسپتال روڈ ضلع چترال

☆☆☆☆☆☆

(۱) نظام شریعت از امام اہل سنت مولانا سید غلام جیلانی میرٹھی، ص 182۔

Marfat.com

جواب نامہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اِس سوالنامہ کو دیکھنے سے محسوس ہورہا ہے کہ اس کے مرتب کو صرف اس وجہ سے تشویش والجھن کا سامنا ہو رہا ہے کہ اسے التزام کفر اور لزوم کفر کا فرق معلوم نہیں ہے، حقیقی کفر اور فقہی کفر میں تمیز نہیں ہے ورنہ نظام شریعت، مظاہر حق، فتاویٰ درمختار کے مذکورہ فی السوال حوالہ جات جو خالصتاً التزام کفر کے خواص واحکام سے متعلق ہیں کو لزوم کفر کا حکم سمجھ کر اپنے لیے ذہنی الجھن نہ بناتے۔ نیز یہ کہ سائل ہٰذا نے حلال کے ساتھ مخلوط حرام کو شرعی حرام ٹھہرانے کی غلطی کر کے بناء الغلط علی الغلط کا ارتکاب کیا ہے۔ ورنہ مذکور فی السوال حرام کو شراب وزنا جیسے قطعی ویقینی اور خالص محرمات پر قیاس کر کے ان جیسے احکام اس پر چسپاں نہ کرتے سائل ہٰذا کی مذکورہ فی السوال مسئلہ کے حوالہ سے چھ سات سالوں پر محیط تشویش والجھن کی اصل بنیاد ونکتہ آغاز یہی دو غلطیاں ہیں جس کے نتیجہ میں بناء الغلط علی الغلط کے طور پر مذکور فی السوال حوالہ جات کے مندرجات اوران کے مواقع کو یکساں سمجھا جو سراسر غلط ہے۔

فقہ کی درجنوں کتابوں میں لکھے ہوئے اس قسم فتویٰ ہائے کفر کو دیکھ کر نہ صرف سائل ہٰذا کو مغالطہ ہو رہا ہے بلکہ ہزاروں نیم خواندہ علماء بھی اس اشتباہ میں مبتلا ہیں۔ بالخصوص موجودہ دور کے ہمارے مدارس ہائے اسلامیہ سے فارغ التحصیل ہونے والوں کی غالب اکثریت ایسے ہی جزئیات کو دیکھ کر بات بات پر اُٹھتے بیٹھتے کفر کی مشین چلاتی نظر آ رہی ہے۔ جس پر جتنا افسوس کیا جائے کم ہے۔

Marfat.com

پیش نظر سوالنامہ میں جس حرام پر بسم اللہ پڑھ کر کھانے والوں کو کافر قرار لے کر ان پر ''مَنْ شَکَّ فِیْ کُفْرِہٖ وَعَذَابِہٖ فَقَدْ کَفَر'' جیسے فقہی احکام جاری کرنے کی کوشش کی گئی ہے مذکورہ حوالہ جات سے ایسا کفر ہرگز ثابت نہیں ہو رہا کیوں کہ ''مَنْ شَکَّ فِیْ کُفْرِہٖ وَ عَذَابِہٖ فَقَدْ کَفَر'' جیسے احکام صرف اس کفر کے خواص ہیں جو التزامی ہو جبکہ مذکورہ حوالہ جات ماسوا نظام شریعت اور فتاویٰ درالمختار و مظاہر حق کے باقی سب کے سب لزومی کفر سے متعلق ہیں اور اہل بصیرت جانتے ہیں کہ کفر التزامی و کفر لزومی کے مابین زمین و آسمان کا فرق ہے۔ جس کی مکمل تفصیل آگے چل کر ہم پیش کریں گے۔ (انشاء اللہ تعالیٰ)

اِس کے علاوہ یہ بھی ہے کہ عورتوں کو ان کی جائز میراث سے محروم کر کے ان کے حاصلات سے تیار ہونے والے طعام پر بسم اللہ پڑھ کر کھانے والوں پر کفر لزومی بھی صرف اس وقت لاگو ہو سکتا ہے جبکہ اس کے ساتھ حلال کی آمیزش نہ ہو ورنہ کسی حلال کا اس میں شامل ہونے کی صورت میں فقہاء اسلام اس طعام کو حرام نہیں بلکہ حلال ہی قرار دیتے ہیں۔ جیسے فتاویٰ عالمگیری، جلد پنجم، صفحہ 342، کتاب الکراہتہ میں حلال و حرام خوراکوں کے حلال یا حرام یا مکروہ ہونے سے متعلق تفصیلی گفتگو کرنے کے بعد حضرت امام محمد رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ کا فتویٰ نقل کرتے ہوئے لکھا ہے؛

''بِہٖ نَأْخُذُ مَالَمْ نَعْرِفْ شَیْأً حَرَامًا بِعَیْنِہٖ وَھُوَ قَوْلُ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ وَاَصْحَابِہٖ''

ترجمہ:۔ جب تک کسی چیز کے خالص حرام ہونے کا ہمیں یقین نہ ہو جائے اس وقت تک ہم اسے حلال ہی سمجھیں گے یہی امام ابو حنیفہ اور ان کے ساتھیوں کا مذہب ہے۔

یہ الگ مسئلہ ہے کہ علماء کرام اور روحانی شخصیات کو ایسے ظالم و غاصب کے ہاں کھانا نہیں کھانا چاہئے ورنہ ان حضرات کی بے قدری اور اس ظالم کی حوصلہ افزائی ہونے کا اندیشہ ہے جو بجائے خود گناہ ہے۔ جیسے فتاویٰ عالمگیری میں فتاویٰ الملتقط کے حوالہ سے موجود ہے؛

Marfat.com

''عَنِ الْمُلْتَقَطِ یَکْرَہُ لِلْمَشْھُوْرِ الْمُقْتَدٰی بِہِ الْاِ خْتِلَاطُ اِلٰی رَجُلٍ مِنْ اَھْلِ الْبَاطِلِ وَالشَّرِ اِلَّا بِقَدْرِ الضَّرُوْرَۃِلِاَنَّہٗ یَعْظُمُ اَمْرُہٗ بَیْنَ اَیْدِی النَّاسِ''(۱)

ترجمہ:۔فتاویٰ الملتقط سے نقل کیا جاتا ہے کہ کسی مشہور روحانی پیشوا کے لیے اہل باطل کے ہاں ضرورت کے بغیر آمد ورفت رکھنا مکروہ ہے کیوں کہ اس کی وجہ سے لوگوں کے سامنے اس ظالم کا حوصلہ بڑھے گا۔

لیکن خواص کے لیے تقاضا احتیاط ہونا اور چیز ہے اور کسی طعام کا حق غیر،غصب،رشوت، مال ربوی، حرام کاری کی اُجرت اور مال سرقہ جیسے کسی بھی واقعی حرام کا حصہ ہونے کی بناء پر حرام نہ ہونا اور چیز ہے۔جب اس کا خالص حرام ہونا یقینی نہیں ہے تو پھر بسم اللہ پڑھکر اسے کھانے والے کو بھی حرام خور کہنا ازروئے شرع درست نہیں ہے چہ جائیکہ التزام کفر کا مورد ٹھہرانا جائز ہو سکے۔جب اس پر لزوم کفر بھی نہیں ہے تو پھر التزام کفر کے احکام کو اس پر لاگو سمجھنا انصاف کے منافی ہونے کے ساتھ ساتھ بجائے خود ظلم ہے کیوں کہ جس شخص کے قول وفعل سے لزوم کفر ثابت ہو رہا ہو اس پر بھی التزام کفر کے احکام جاری کرنا جائز نہیں ہے۔چہ جائیکہ حرام کی آمیزش والے طعام کو بسم اللہ پڑھ کر کھانے والوں پر ایسے احکام لاگو کرنے کا تصور اسلام میں ہو سکے۔بلکہ التزام کفر اور لزوم کفر کی حقیقتیں ایک دوسرے سے جدا جدا ہونے کی طرح ہی ان کے احکام بھی ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔

❶ من جملہ ان میں سے یہ کہ التزام کفر کرنے والے شخص کو کافر کہنا اس کے کفر کا فتویٰ دینا اور اس کے ساتھ غیر مسلموں والا معاملہ کرنے کے واجب ہونے پر تمام اہل اسلام کا اتفاق و اجماع ہے، جس میں قطعاً کوئی اختلاف نہیں ہے۔بخلاف لزوم کفر کے کہ ان احکام کو اس پر لاگو کرنے کا قول چند علماء احناف کے سوا کسی اور نے نہیں کیا۔

❷ التزام کفر کرنے والے کے کفر وعذاب میں شک وتوقف کرنے والا بھی کافر ہو جاتا

(۱) فتاویٰ عالمگیری، ج5،ص346۔

Marfat.com

ہے۔ بخلاف لزوم کفر کے کہ اس کے مرتکب کو کافر نہ جاننے یا اس کے کفر میں شک کرنے والوں پر کسی قسم کی ملامتی و گناہ بھی نہیں ہے چہ جائیکہ کفر جیسی لعنت اُن کی طرف منسوب کرنا جائز ہو سکے۔

۳ خود کو مسلمان کہلاتے ہوئے التزام کفر کرنے والا شخص بالیقین مرتد ہو جاتا ہے جس کے لیے اصلی کافر پر لاگو ہونے والے احکام کے علاوہ کچھ اور شدید احکام بھی مقرر ہیں۔ من جملہ ان میں سے واجب القتل ہونا اور حرمت غسل و حرمت تکفین بھی ہیں جبکہ اصلی کافر کے مسلم عزیز واقرباء اس کی فوتگی کی صورت میں اس کے لیے قبر کھودنے، غسل دینے، کفن پہنانے، اور چارپائی پر ڈال کر لے جا کر قبر میں اتارنے جیسے احکام کے شرعاً پابند ہیں۔ لزومِ کفر کے موجب کسی قول وعمل کے مرتکب سے متعلق مرتد ہونے یا مرتد کے احکام کے حامل ہونے کا تصور بھی اسلام میں نہیں ہے۔

۴ التزام کفر کرنے والے کو غیر مسلم کہنے کا جو شرعی اور قطعی حکم ہے وہ ضروریاتِ دینیہ کے قبیل سے ہے کہ اس پر دلیل طلب کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ جبکہ لزوم کے مرتکب کو غیر مسلم کہنا محض چند علماء احناف کا مرجوح قول اور ظنی ہونے کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ چہ جائیکہ ضروریاتِ دینیہ کے قبیل سے ہو۔

اِن حقائق کی روشنی میں حرام کی آمیزش والی خوراک پر بسم اللہ پڑھنے والوں کو اسلام سے نکالنے کا قطعاً کوئی تصور اسلام میں نہیں ہو سکتا۔ چہ جائیکہ "مَنْ شَکَّ فِیْ کُفْرِہٖ وَعَذَابِہٖ فَقَدْ کَفَرَ" جیسے احکام ان پر چسپاں کرنا جائز ہو سکے۔ ہاں صرف ایک صورت میں ان پر صرف لزوم کفر کا قول بعض علماء احناف کے مرجوح قول کے مطابق کیا جا سکتا ہے وہ یہ ہے کہ جس خوراک پر بسم اللہ پڑھ کر کھایا جا رہا ہے وہ خالص حرام ہو یعنی حلال کی اُس میں آمیزش تک نہ ہو اور کھانے والے کو اس کے خالص حرام ہونے پر یقین ہونے کے باوجود ارادتاً بسم اللہ پڑھ کر اسے کھا رہا ہو جبکہ اس کا بسم اللہ کے محل نہ ہونے کا بھی اسے علم ہو تو اس صورت میں

Marfat.com

لزوم کفر یقینی امر ہے کیوں کہ اسکے مستلزم کفر ہونے پر اس طرح فقہی استدلال کیا جا سکتا ہے کہ:

مدعا و فقہی مسئلہ:۔ بسم اللہ پڑھ کر خالص حرام کو کھانا اسم اللہ کی توہین ہے جو کفر ہے۔

صغریٰ:۔ کیوں کہ یہ جان بوجھ کر اسم اللہ کو بے محل استعمال کرنا ہے۔

کبریٰ:۔ جان بوجھ کر اسم اللہ کو بے محل استعمال کرنیکی ہر صورت اسم اللہ کی توہین و کفر ہے۔

حاصل نتیجہ:۔ لہٰذا جان بوجھ کر بسم اللہ پڑھ کر خالص حرام کھانا بھی اسم اللہ کی توہین و کفر ہے۔

پیش نظر سوالنامہ میں مالا بد منہ اور عالمگیری کے حوالہ سے جس حرام پر بسم اللہ پڑھنے والے کو کافر کہا گیا ہے اس سے بھی یہی خالص حرام مراد ہے۔ جیسے فتاویٰ عالمگیری سے معلوم ہو رہا ہے، نیز ان کتابوں میں اس مسئلہ کو بسم اللہ پڑھ کر شراب پینے اور زنا کرنیوالے کے حکم میں ذکر کیا گیا ہے تو ظاہر ہے کہ زنا کاری اور شراب خوری خالص حرام ہیں جس میں حلال کی آمیزش نہیں ہے اور اس کے حرام ہونے میں شک کی بھی گنجائش نہیں ہے لہٰذا زنا کاری و شراب نوشی جیسے قطعی و یقینی حرامِ خالص کو جان بوجھ کر بسم اللہ پڑھ کر کھانے والے پر بھی اسی انداز استدلال سے کفر لازم آتا ہے۔ جس طرح خالص حرام پر بسم اللہ کرنے کے حوالہ سے ابھی ہم بیان کر چکے ہیں اور حرام مال صدقہ کر کے اس پر ثواب کی امید کرنے والے پر مالا بد منہ کے حوالہ سے جو حکم کفر لگایا گیا ہے اس کا بھی یہی حال ہے کہ خالص حرام ہونے پر یقین ہونے کے باوجود اسے اٹھا کر صدقہ کر کے امیدوارِ ثواب ہو جاتا ہے۔ اس میں لزُوم کفر پر استدلال اس طرح ہے۔

مدعا و شرعی حکم:۔ جانتے ہوئے خالص حرام کو صدقہ کر کے امیدوار ثواب ہونا ضرورت دینی کی تکذیب ہے جو کفر ہے۔

صغریٰ:۔ کیوں کہ یہ جان بوجھ کر حلال و حرام میں عدم تمیز کرنا ہے۔

کبریٰ:۔ جان بوجھ کر حلال و حرام میں عدم تمیز کرنے کی ہر شکل ضرورت دینی کی تکذیب ہے، جو کفر ہے۔

Marfat.com

نتیجہ: ۔لہٰذا جان بوجھ کر خالص حرام کو صدقہ کر کے اس پر امیدوارِ ثواب ہونا بھی ضرورت دینی کی تکذیب و کُفر ہے۔

اِس سے یہ واضح ہوا کہ جن علمائے احناف نے لزومِ کفر کی صورتوں میں حُکمِ کفر کیا ہے اُنہوں نے واسطہ فی الاثبات کالحاظ کیے بغیر انجام کار کو دیکھا ہے۔مثال کے طور پر شراب نوشی یا زنا کاری یا خالص حرام خوری کرنے پر جان بوجھ کر بسم اللہ پڑھنے کو اسم اللہ کی توہین کو مستلزم ثابت کرنے کے لیے حلال وحرام میں عدم تمیز کو جو واسطہ بنایا گیا ہے یہ حضرات اس کالحاظ نہیں کرتے بلکہ صرف اور صرف انجام کو دیکھ کر ایسے لوگوں کے کافر ہونے کا فتویٰ دیتے ہیں جبکہ کل متکلمین اسلام وجمہور فقہاء دین اس واسطے کو پیش نظر رکھتے ہوئے ایسے لوگوں کی تکفیر کرنے میں احتیاط کرتے ہیں اور بالواسطہ کے بجائے بلاواسطہ کسی ضرورت دینی سے صریح انکار یا تکذیب وغیرہ کو معیار قرار دیتے ہیں۔مثال کے طور پر شراب نوشی' زنا کاری،حرام خوری جیسے کسی بھی عمل سے متعلق حرام ہونے کے شرعی حکم سے آ گاہی کے باوجود اس کو حرام تسلیم کرنے سے انکار کو یا اس کی تکذیب کو بحیثیت شرعی حکم اس پر استہزاء کرنے کو،اس کی توہین کرنے کو یا ان میں سے کسی کی یقینی علامت کے ارتکاب کرنے کو کفر کہتے ہیں اور یہی التزام کفر ہے۔

☆☆☆☆☆

Marfat.com

اِلتزامِ کُفر اور لُزُومِ کُفر کی تعریفوں کا بیان

ہمارے اِس بیان سے التزام کفر اور لزوم کفر کے مابین فرق کا بھی پتہ چل گیا کہ التزام کفر میں بلاواسطہ کسی ضرورت دینی سے انکار یا تکذیب یا توہین یا استہزاء یا اِن میں سے کسی ایک کی یقینی علامت کا ارتکاب ہوتا ہے جبکہ لزوم کفر میں یہ سب کچھ بالواسطہ ہوتا ہے۔اس واسطہ سے مراد وہی واسطہ ہے جس کو فلسفہ ومنطق میں واسطہ فی الاثبات اور حداوسط کہتے ہیں۔تاہم ان دونوں کی مکمل تعریف اور علی وجہ البصیرت فرق کو تفصیلی طور پر جاننے کے لیے بطور تمہید مندرجہ ذیل باتوں کو سمجھنا ضروری ہے۔

❶ متکلمین اسلام اور فقہاء کرام کی اصطلاح میں اہل قبلہ صرف ان ہی لوگوں کو کہا جاتا ہے جو ''الف سے لے کر یا'' تک تمام ضروریات دینیہ کو بطورِ نظام مصطفیٰ ﷺ تسلیم کرے۔جو ایمان مجمل یعنی ''اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ کَمَا ھُوَ بِاَسْمَآئِہٖ وَصِفَاتِہٖ وَ قَبِلْتُ جَمِیْعَ اَحْکَامِہٖ اِقْرَارٌ بِاللِّسَانِ وَتَصْدِیْقٌ بِالْقَلْبِ '' کا حاصل مقصد ہے تمام متکلمین اسلام و جمہور فقہاء عظام کی زبان میں بیک آواز اہل قبلہ سے یہی کچھ مراد ہے۔اسی چیز کو دوسرے لفظوں میں اہل ایمان بھی کہتے ہیں۔اہل قبلہ کے اِس اصطلاحی وشرعی معنی میں جملہ متکلمین اسلام وفقہاء کرام کے ساتھ مفسرین ومحدثین اور صوفیاء کرام بھی متفق ہیں۔جس کے نتیجہ میں اسلامی کتابوں میں جہاں پر بھی اہل قبلہ کا لفظ بولا جاتا ہے، اِس سے مراد صرف یہی مفہوم ہوتا ہے۔جیسے شرح فقہ اکبر میں ہے؛

''اَلْمُرَادُ بِاَھْلِ الْقِبْلَۃِ الَّذِیْنَ اتَّفَقُوْا عَلٰی مَاھُوَ مِنْ ضَرُوْرِیَاتِ الدِّیْنِ''

ترجمہ:۔اہل قبلہ سے مراد وہ لوگ ہیں جو تمام ضروریات دین کو تسلیم کرنے پر متفق ہیں۔

Marfat.com

شرح عقائد کی شرح نبراس میں ہے: ''مَعْنَاهُ اللُّغَوِیُّ مَنْ یُصَلِّیْ اِلَی الْکَعْبَةِ اَوْ یَعْتَقِدُهَا قِبْلَةً وَفِیْ اِصْطِلَاحِ الْمُتَکَلِّمِیْنَ مَنْ یُّصَدِّقُ بِضَرُوْرِیَّاتِ الدِّیْنِ''

ترجمہ:۔ اہل قبلہ کے لغت میں دو معنی ہیں ایک قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے والا اور دوسرا کعبہ کو قبلہ سمجھنے والا جبکہ متکلمین اسلام کی اصطلاح میں اس سے مراد صرف وہی لوگ ہیں جو تمام ضروریات دین کی تصدیق کرتے ہیں۔

❷ ضروریاتِ دین متکلمین اسلام اور فقہاء کرام کی متفقہ اصطلاح کے مطابق اُن مسائل و احکام کو کہا جاتا ہے جن کا نظام مصطفی ﷺ کا حصہ ہونا اہل علم کے خواص و عوام کی نگاہ میں مسلمہ، غیر متنازعہ اور قطعی و یقینی طور پر مشہور و معروف اور متواتر ہو، چاہے اوامر سے متعلق ہو یا نواہی سے یعنی مطلوب الفعل ہو یا مطلوب الترک۔

نیز فرائض کے قبیل سے ہو یا واجبات و مستحبات یا مباح کے قبیل سے، محرمات کے قبیل سے ہو یا اسائت و مکروہات کے قبیل سے یعنی نظام مصطفی ﷺ کا حصہ ہونے میں محتاج دلیل نہ ہونے کی حد تک مسلمہ و مشہور اور غیر متنازعہ ہونے کے بعد اپنے دلائل اور اصل ثبوت کے اعتبار سے قطعی ہونے پر موقوف نہیں ہے۔ جیسے شرح مقاصد میں ہے:

''اَیْ فِیْمَا اشْتَهَرَ کَوْنُهٗ مِنَ الدِّیْنِ بِحَیْثُ یَعْلَمُهُ الْعَامَّةُ مِنْ غَیْرِ افْتِقَارٍ اِلٰی نَظَرٍ وَّاسْتِدْلَالٍ''

ترجمہ:۔ یعنی ضرورت دینی سے مراد وہ احکام ہیں جن کا دین اسلام کا حصہ ہونا اس حد تک مشہور ہو کہ عوام و خواص کسی نظر و استدلال کے محتاج ہوئے بغیر اسے سمجھتے ہوں۔

اسی طرح نبراس میں ہے: ''اَیِ الْاُمُوْرُ الَّتِیْ عُلِمَ ثُبُوْتُهَا فِی الشَّرْعِ وَاشْتَهَرَ''(۱)

ترجمہ:۔ ضرورت دینی سے مراد وہ احکام ہیں جن کا ثبوت فی الشرع نظام مصطفی ﷺ کا حصہ ہونے کے طور پر مشہور ہو۔

---

(۱) نبراس، ص 572۔

Marfat.com

شرح شفاء ملا علی القاری میں ہے:

''مِمَّا عُلِمَ مِنَ الدِّیْنِ بِالضَّرُوْرَۃِ عَنِ الْخَاصِ وَالْعَامِ''(۱)

ترجمہ:۔ضرورت دینی سے مراد وہ احکام ہیں جن کا حصہ دین ہونا ہر خاص و عام کو معلوم ہو اور اس پر دلیل دینے کی ضرورت پیش نہ آئے۔

ضروریات دین کا خواص وعوام کے نزدیک مسلمہ، غیر متنازعہ اور بداہت کی حد تک حصہ دین مشہور ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ مذہبی اقدار سے لاتعلق عوام بھی انہیں سمجھتے ہوں، نہیں ایسا ہرگز نہیں ہے بلکہ اسلاف کی کتابوں میں موجود اس خواص وعوام سے مراد بالترتیب علماء دین اور ان کی صحبت پانیوالے عوام ہیں۔جیسے المستند المعتمد میں لکھا ہوا ہے:

''وَمَا یُقَالُ لِبَعْضِھَا اِنَّھَا مِنْ ضَرُوْرِیَاتِ الدِّیْنِ فَمَعْنَاہُ اَنَّہٗ اشْتَرَکَ فِیْ مَعْرِفَۃِ اِضَافَتِہٖ اِلَی الدِّیْنِ خَوَاصُ اَھْلِ الدِّیْنِ وَعَوَامُھُمْ مَعَ عَدَمِ قَبُوْلِ التَّشْکِیْکِ''(۲)

ترجمہ:۔بعض احکام کو جو ضروریات الدین کہا جاتا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ دین کے حصہ کے طور پر ان کی اضافت الی الدین کو جاننے میں اہل دین کے خواص اور ان کے ساتھ مربوط عوام کسی شک وتردد کے بغیر شریک ہو۔

❸ ضرورت بمعنی بداہۃ جو علم کی صفت ہے اور علم استدلالی کے مقابلہ میں استعمال ہوتی ہے ہر وقت اور ہر شخص کے لیے یکساں نہیں ہوتی بلکہ انسانوں کی قوت فہم اور ماحول وحالات کے مختلف ہونیکی بنیاد پر اس میں بھی اختلاف ہوسکتا ہے۔جسکے مطابق ایک حکم کا علم ایک شخص کے نزدیک بدیہی اور غیر محتاج دلیل ہوسکتا ہے۔جبکہ دوسرے شخص کو نامساعد ماحول یا ذہنی کمزوری کی وجہ سے استدلال کی کلفت اٹھائے بغیر اس کا علم نہیں آسکتا۔جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

---

(۱) شرح شفاء ملاعلی القاری، ج2،ص225۔

(۲) المستند المعتمد،ص16۔

Marfat.com

''اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ کُفْراً وَّنِفَاقاً وَّاَجْدَرُ اَلَّا یَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ''(۱)
اِسی بنیاد پر تکفیر کے لیے مقررہ اسلامی اصول میں یہ بات بھی ضروری ہے کہ اسلامی ماحول اور اہل علم کی صحبت سے محروم کوئی شخص اگر کسی ضرورت دینی سے اس کو نا سمجھنے، بے خبری یا غفلت کی وجہ سے انکار کرے تو ایسی صورت میں اس کی تکفیر جائز نہیں ہے۔ کیوں کہ اس کا یہ انکار بظاہر کفر لگنے کے باوجود حقیقت میں ضرورت دینی سے انکار نہیں ہے بلکہ جہالت و بے خبری کا مظہر ہے اور ''اَلْاِنْسَانُ عَدُوٌّ لِّمَا جَھِلَ'' کا عکس ہے۔ جس وجہ سے علماء دین پر فرض بنتا ہے کہ اس کی تکفیر کر کے گناہ کمانے کے بجائے اسے تبلیغ کر کے جہالت نگری سے نکال کر ضروریاتِ دینی سے آشنا کریں۔ اِس نکتہ سے غفلت کے نتیجہ میں اچھے خاصے علماء بھی ایسے قابل رحم جاہل مسلمانوں کی تکفیر کا بوجھ اپنے سر اُٹھاتے ہیں۔ ایسے مواقع پر ان حضرات کو ایمان مجمل اور ایمان مفصل کی تفریق کا شرعی مفاد بھی بھول جاتا ہے۔ جس پر ہم افسوس کیے بغیر نہیں رہ سکتے ہیں۔ اُصولِ تکفیر سے متعلق اس اہم نکتہ کی وضاحت کرتے ہوئے امام تفتازانی نوّرَاللّٰہُ مَرْقَدَہُ الشَّرِیْفَ نے شرح مقاصد میں فرمایا؛

''اِنَّ التَّصْدِیْقَ بِجَمِیْعِ مَا جَآءَ بِہٖ النَّبِیُّ ﷺ اِجْمَالاً کَافٍ فِیْ صِحَّۃِ الْاِیْمَانِ وَاِنَّمَا یُحْتَاجُ اِلٰی بَیَانِ الْحَقِّ فِی التَّفَاصِیْلِ عِنْدَ مُلَاحَظَتِھَا وَاِنْ کَانَتْ مِمَّا لَا خِلَافَ فِیْ تَکْفِیْرِ الْمُخَالِفِ فِیْھَا کَحُدُوْثِ الْعَالَمِ فَکَمْ مِنْ مُّؤْمِنٍ لَمْ یَعْرِفْ مَعْنَی الْحَادِثِ وَالْقَدِیْمِ اَصْلاً وَلَمْ یَخْطُرْ بِبَالِہٖ حَدِیْثُ حَشْرِ الْاَجْسَادِ قَطْعاً لٰکِنْ اِذَا لَاحَظَ ذَالِکَ فَلَوْلَمْ یُصَدِّقْ کَانَ کَافِراً''(۲)

مفہوم اس کا یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے لائے ہوئے تمام احکام پر اجمالی تصدیق صحت ایمان کے لیے کافی ہے اور تفصیلی طور سے ایک ایک حکم پر تصدیق ظاہر کرنے

(۱) التوبہ، 97۔

(۲) شرح مقاصد، ج2، ص270۔

Marfat.com

کی ضرورت صرف اس وقت پیش آتی ہے جب ان میں سے ایک ایک کو جدا سمجھنے کا مسئلہ درپیش ہو۔ اگرچہ یہ تفصیلی احکام ان مسائل کے قبیل سے ہیں جن کے منکر کے کفر میں اختلاف نہیں ہے جیسے حدوث عالم اور اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کے قدیم ہونے کے ساتھ تصدیق ایمان مجمل کا حصہ ہے۔ اس کے باوجود کتنے مومن مسلمان ایسے ہیں جو حادث وقدیم ہونے کے معنوں کو جانتے ہی نہیں ہیں۔ اسی طرح آخرت میں انسانوں کے جسمانی حشر کا تصور بھی انہیں نہیں ہوتا لیکن ان میں سے جس کو وہ نہیں جانتا اسے مستقل طور پر سمجھنے کا موقع اسے دینے کے بعد بھی اگر اسے نہیں مانے گا تب کافر ہوگا۔

فتاویٰ ردالمحتار میں بعض فقہاء کرام کے نزدیک جن مسائل کے انکار وتکذیب یا تحقیر واستخفاف کی وجہ سے اکفار ضروری ہوتا ہے۔ یعنی فتویٰ کفر دینا فرض ہو جاتا ہے ان کو ذکر کرنے کے بعد اس انکار وتکذیب کے مبنی بر غفلت و بے خبری نہ ہونے کو شرط بتاتے ہوئے لکھا ہے:

''وَيَجِبُ حَمْلُهٗ عَلٰى مَااِذَا عَلِمَ الْمُنْكِرُ ثُبُوْتَهٗ قَطْعاً لِاَنَّ مَنَاطَ التَّكْفِيْرِ هُوَ التَّكْذِيْبُ اَوِ الْاِسْتِخْفَافُ عِنْدَ ذَالِكَ يَكْفُرُ اَمَّا اِذَا لَمْ يَعْلَمْ فَلَا اِلَّا اَنْ يَّذْكُرَ لَهٗ اَهْلُ الْعِلْمِ ذَالِكَ فَيَلِجَّ''(۱)

اس کا مفہوم یہ ہے کہ جس جگہ میں بھی فقہاء نے کفر کا حکم کیا ہے وہیں پر اسے اس صورت پر حمل کرنا واجب ہے جب انکار کرنیوالے کو اس کے ثبوت کا قطعی علم ہو۔ کیوں کہ تکفیر کا دارو مدار جو تکذیب یا تخفیف پر ہے اسی صورت میں ثابت ہو سکتی ہے اگر وہ اسے جانتا ہی نہ ہو تو پھر تکفیر کا جواز نہیں ہے۔ مگر یہ کہ اہل علم کے سمجھانے کے باوجود وہ تسلیم کرنے کے بجائے ضد پکڑے تو اس وقت اس کی تکفیر لازم ہوگی۔

(۱) فتاویٰ ردالمحتار، ج3، ص311۔

Marfat.com

ابن ہمام کے حوالہ سے یہ سب کچھ بیان کرنے کے بعد حضرت ابن عابدین نَوَّرَاللّٰہُ مَرْقَدَہُ الشَّرِیْف نے اپنی طرف سے اس کے متصلاً بعد لکھا ہے؛

''وَھٰذَامُوَافِقٌ لِمَا قَدَّمْنَاہُ عَنْہُ مِنْ اَنَّہٗ یَکْفُرُ بِاِنْکَارِ مَااُجْمِعَ عَلَیْہِ بَعْدَالْعِلْمِ بِہٖ''(۱)

الغرض تکفیر کے اُصول عند بعض الفقہاء ہو یا عند جمہور الفقہاء والمتکلمین بہر تقدیر اور ہر فریق کے نزدیک اس انکار و تکذیب کا مبنی بر غفلت نہ ہونا بھی شرط جواز تکفیر ہے۔ جس کو سمجھنا ہر مفتی کے لیے ناگزیر ہے۔ کیوں کہ ایمان کے شرعی مفہوم میں جو تصدیق ہے یعنی ''ھُوَ تَصْدِیْقُ النَّبِیِ صلی اللہ علیہ وسلم فِیْ جَمِیْعِ مَا عُلِمَ بِالضَّرُوْرَۃِ مَجِیْئُہٗ بِہٖ'' کے اندر جو تصدیق معتبر ہے وہ صرف علم ہی نہیں ہے جو تصور کے مقابلہ میں ہوتا ہے بلکہ اس سے مراد شرعی تصدیق ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا؛

''وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِہٖٓ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ''(۲)

ترجمہ:۔ جو یہ سچا دین لے کر آئے اور جنہوں نے ان کی تصدیق کی وہی اہل تقویٰ ہیں۔

یعنی جملہ ضروریات دین کو بطور نظام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح ماننا ہے کہ جس میں جذبہ عمل کے ساتھ مکمل تسلیم و رضا اور تعظیم بھی موجود ہو اور جملہ کفری مذہبوں سے بیزاری بھی۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا؛

''فَلَا وَرَبِّکَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَھُمْ ثُمَّ لَا یَجِدُوْا فِیْٓ اَنْفُسِھِمْ حَرَجاً مِّمَّا قَضَیْتَ وَیُسَلِّمُوْا تَسْلِیماً''(۳)

اور فرمایا: ''اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْکُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ''(۴)

(۱) ردالمحتار، ج3، ص311۔

(۲) الزمر، 33۔

(۳) النساء، 65۔

(٤) الممتحنہ، 4۔

Marfat.com

اور فرمایا: ''وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ''(۱)

شرعی ایمان میں ان چیزوں کے معتبر ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ ان کے منافی کسی قول وعمل کے پائے جانے کی صورت میں تصدیق بالقلب اور اقرار باللسان کالعدم قرار پاکر ایسے شخص کا کفر یقینی ہو جاتا ہے۔ مثال کے طور پر کوئی شخص خود کو مومن مسلمان کہلاتے ہوئے ذات اللہ، افعال اللہ، صفات اللہ، اسماء اللہ اور احکام اللہ میں سے کسی کی جان بوجھ کر توہین کرے یا اس پر استہزاء وتضحیک کرے یا کسی بھی شعائر اللہ کی تعظیم کے منافی کردار کا جان بوجھ کر ارتکاب کرے یا کسی غیر اسلامی مذہب کے مخصوص ومشہور شعار پر عمل کرے تو اس قسم تمام صورتوں میں اس کا کفر یقینی ہو جاتا ہے۔ ایسی صورتوں میں اس کا اقرار باللسان و تصدیق بالقلب کا دعویٰ کرنا ہرگز اسے کفر سے نہیں بچا سکتا۔ جیسے سرکش بنی اسرائیل نے اپنے پیغمبروں پر ایمان بمعنی اقرار باللسان وتصدیق بالقلب کے دعویدار ہونے کے باوجود محض نفس امارہ کے ہاتھوں مغلوب ہونے کی بناء پر انہیں قتل کیا تو جہنمی قرار پائے، ان کا اقرار باللسان وتصدیق بالقلب کی ظاہری صورت ان کے کام نہ آئی کیوں کہ تسلیم ورضا اور تعظیم کے منافی کردار کی موجودگی میں نفس اقرار باللسان و تصدیق بالقلب کا دعویٰ کسی بھی دور تاریخ میں اور کسی بھی پیغمبر کی شریعت میں قابل اعتبار نہیں سمجھی گئی ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے دعویٰ ایمان کو کالعدم قرار دیتے ہوئے فرمایا؛

''قُلْ بِئْسَمَا يَاْمُرُكُمْ بِهٖ اِيْمَانُكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ''(۲)

یہ سب کچھ اس لیے کہ کسی چیز کی ضد کا وجود مشاہدہ کی حد تک یقینی ہونے کی صورت میں اس کی دوسری ضد یا نقیض کی موجودگی کا دعویٰ کرنا نہ صرف اس مسئلہ میں بلکہ ہر جگہ فضول و کالعدم ہوتا

(۱) الحج، 32۔

(۲) البقرۃ، 93۔

Marfat.com

ہے۔ جب ایمان کے معنی تصدیق کے ہیں یعنی ''اَلْاِیْمَانُ هُوَ التَّصْدِیْقُ بِجَمِیْعِ مَا عُلِمَ بِالضَّرُوْرَةِ مَجِیْئُهٗ علیہ الصلوٰۃ والسلام بِهٖ'' اور یہ تصدیق چونکہ لغوی اور منطقی تصدیق سے بچند وجوہ مختلف اور خاص ہے۔

پہلی وجہ:۔ اس کا متعلق صرف اور صرف ضروریاتِ دینیہ ہیں جبکہ لغوی اور منطقی تصدیق کا متعلق کوئی بھی نسبت تامہ خبریہ ہوسکتی ہے۔

دوسری وجہ:۔ اس تصدیق سے مراد علم الیقین ہے جس میں مخبر صادق علیہ وسلم صلی اللہ کے حکم وخبر کو دخل ہوتا ہے جبکہ لغوی اور منطقی تصدیق ظن سے لے کر تقلید مخطی ومصیب سمیت عین الیقین وحق الیقین تک متعدد شکلوں کو شامل ہے۔

تیسری وجہ:۔ شریعت کی زبان میں اس کے وجود کا اعتبار تب ممکن ہوسکتا ہے جبکہ اس میں جذبہ عمل کے ساتھ مکمل تسلیم ورضا اور تعظیم ومحبت بھی موجود ہو یعنی جملہ ضروریات دین کو بطور نظام مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح ماننا کہ جس میں جذبہ عمل کے ساتھ مکمل تسلیم ورضا اور تعظیم ومحبت کی موجودگی کے ساتھ جملہ کفری مذاہب سے بیزاری بھی موجود ہو جبکہ تصدیق لغوی ومنطقی میں ان قیودات کی ضرورت نہیں ہے۔ تو ایسے میں ایمان وتصدیق کو منقول شرعی کہے بغیر چارہ نہیں رہتا۔ جیسے لفظ صلوٰۃ کو اس کے لغوی معنی (دعا) سے منقول کر کے شریعت کی زبان میں مخصوص قیودات میں محصور بدنی عبادت کے لیے وضع کیا گیا ہے اور زکوٰۃ کو اس کے لغوی معنی (پاکیزگی) سے منقول کر کے شریعت کی زبان میں مخصوص قیودات میں محصور مالی عبادت کیلئے وضع کیا گیا ہے۔ اسی طرح شریعت مقدسہ کی زبان میں ایمان وتصدیق کو بھی اس کے لغوی معنی (عمومی تصدیق) سے منقول کر کے مذکورہ شرعی معنی کے لیے وضع کیا گیا ہے۔ یعنی تمام ضروریاتِ دینیہ کو بطورِ نظام مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح

Marfat.com

ماننا کہ جس میں جذبہ عمل کیساتھ مکمل تسلیم ورضا اور تعظیم ومحبت کے ساتھ جملہ کفری مذاہب سے بیزاری بھی موجود ہو۔

ایمان وتصدیق کا اس مخصوص معنی میں منقول شرعی ہونے کے لیے ان قیودات کا ایمان کے لیے اجزاء ہونا ضروری نہیں کہ ایمان ان سب سے مجموع مرکب ہو بلکہ اس کے شرعی وجود کے لیے شرط ہونا بھی کافی ہے۔ ان کے مابین جو فرق ہے اس سے ایمان وتصدیق کا مذکورہ مخصوص معنی میں منقول شرعی ہونے پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ مثال کے طور پر ان چیزوں کا ایمان کے اجزاء وابعاض ہونے کی صورت میں ان میں سے کسی ایک کا معدوم ہونا ایمان کے معدوم ہونے کو مستلزم ہے کیوں کہ کل کا وجود بغیر جزء کے ناممکن ہے اور شرط ہونے کی صورت میں بھی ان میں سے کسی ایک کا معدوم ہونا ایمان کے معدوم ہونے کو مستلزم ہے۔ کیوں کہ شرط کے بغیر مشروط کا وجود ناممکن ہے۔ جیسے المسایرہ میں فرمایا؛

''فَيُمْكِنُ اعْتِبَارُ هٰذِهِ الاُمُوْرِ اَجْزَاءً لِمَفْهُوْمِ الْاِ يْمَانِ فَيَكُوْنُ انْتِفَاءُ ذَالِكَ لَازِماً عِنْدَ انْتِفَائِهَا وَاِنْ وُجِدَ التَّصْدِيْقُ وَغَايَةُ مَا فِيْهِ اَنَّهُ نُقِلَ عَنْ مَوْضُوْعِهِ اللُّغَوِيِّ الَّذِیْ هُوَ مُجَرَّدُ التَّصْدِيْقِ اِلٰى مَجْمُوْعٍ هُوَ مِنْهَا''(۱)

ترجمہ:۔ پس ان چیزوں کا ایمان کے مفہوم کے لیے اجزاء معتبر قرار دینا بھی ممکن ہے تو اس صورت میں ان کے منتفی ہونے کے وقت ایمان کا منتفی ہونا لازم ہوگا اگر چہ تصدیق پائی جاتی ہے اور اس کا آخری نتیجہ یہ ہے کہ ایمان اپنے لغوی مفہوم جو مجرد تصدیق کے لیے وضع کیا گیا ہے سے مجموع مرکب کی طرف منقول کیا گیا ہے جس کا ایک جز وتصدیق بھی ہے۔

حضرت ابن ہمام نَوَّرَاللّٰهُ مَرْقَدَهُ الشَّرِيْفَ کی اس آخری عبارت ''الی مجموع'' کی تشریح کرتے ہوئے اس کی شرح (المسامرہ) کے مصنف امام کمال الدین محمد ابن محمد نے لکھا ہے؛

---

(۱) المسایرہ، ص283۔

Marfat.com

''اَیْ اُمُوْرُ اُعْتُبِرَتْ جُمْلَتُهَا وَوُضِعَ بِاِزَائِهَا لَفْظُ الْاِیْمَانِ''(۱)

اس کے بعد حضرت امام ابن ہمام نے فرمایا؛

''وَیُمْکِنُ اِعْتِبَارُ هَا شُرُوْطاً لِا عْتِبَارِهٖ شَرْعاً فَیَنْتَفِیْ اَیْضاً لِا نْتِفَائِهَا مَعَ وُجُوْدِ التَّصْدِیْقِ بِمَحَلَّیْهِ''(۲)

ترجمہ:۔شریعت میں ایمان کے معتبر ہونے کے لیے ان چیزوں کو شروط قرار دینا بھی ممکن ہے۔تو اس صورت میں بھی ان کے منتفی ہوتے وقت ایمان بھی منتفی ہوگا جبکہ تصدیق اپنے دونوں محلوں میں موجود ہے۔

اسلاف کی یہ عبارات صاف صاف بتا رہی ہیں کہ تصدیق قلبی ولسانی دونوں کی موجودگی میں ایمان کے لوازمات کا منتفی ہوکر کفر کے لوازمات کا ثابت ہونا اس کے سوا کوئی اور پس منظر نہیں رکھتا کہ ان چیزوں کے منتفی ہونے کی بناء پر اصل ایمان ہی منتفی ہو چکا ہوتا ہے۔چاہے انتفاء شرط کی وجہ سے ہو یا انتفاء جزو کی وجہ سے۔

☆☆☆☆☆

---

(۱) المسامرہ،ص284۔

(۲) المسامرہ شرح المسایرہ،ص284۔

Marfat.com

علماء کرام ومفتیان اسلام کے لیے اہم ترین محل توجہ

علماء کرام کی توجہ کے لیے مزید تاکید ہے کہ تکفیر کے لیے اصول مقررہ فی الاسلام کو سمجھنے کے لیے سلسلہ تمہیدات کا یہ حصہ سب سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے جس سے غفلت کی بناء پر بسا اوقات علماء کرام ومفتیان عظام ذہنی اضطراب میں مبتلا ہوتے ہیں جس سے بچنے کے لیے مندرجہ ذیل مسلمات کو پیش نظر رکھنا ہر مفتی کے لیے ناگزیر ہے؛

❶ ایمان وکفر کا تعلق ضروریات دین کے ساتھ ہونے کی وجہ سے یہ ایک دوسرے کے متناقض یا متضاد خاص ہیں کہ ایمان کی ضد کفر کے سوا کچھ اور نہیں ہے۔ اسی طرح کفر کی ضد میں اسلام کے سوا کوئی اور چیز نہیں ہے۔ لہٰذا ان میں سے ایک کا وجود آپ ہی دوسرے کی نفی ہے جس پر کوئی اور دلیل تلاش کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔

❷ کفر ایمان کا نقیض ہو یا ضد بہر تقدیر وہ بجائے خود ایک جنس ہے جو اعتقادی نفاق، الحاد، زندیقیت وارتداد اور اصلی وعارضی جیسے کسی بھی نوع کی شکل میں ظاہر ہوسکتا ہے۔

❸ خیر القرون کے بعد سے لے کر اب تک بلکہ قیامت تک شرعی احکام کی تین قسمیں ہیں؛

پہلی قسم:۔ اُن کا دین محمدی ﷺ کا حصہ ہونے میں اہل قبلہ کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔ یعنی متفقہ ''فِیْمَا بَیْنَ اَھْلِ الْاِسْلَامِ'' ہیں، جن کا حصہ اسلام ہونا کسی سے پوشیدہ بھی نہیں ہے، جیسے نماز پنجگانہ اور حج وروزہ کی فرضیت جیسے ہزاروں مسائل۔ اِس قسم مسائل و احکام کو ضروریات دین کہا جاتا ہے۔

دوسری قسم:۔ ان کا دین محمدی ﷺ کا حصہ ہونا اہل قبلہ کے مابین اختلافی ہے۔ جس کے بعد ہر فریق کے پیروکار نسلاً بعد نسل اپنے اسلاف کے مؤقف کو اپنے آپس اختلاف کے

Marfat.com

بغیر متفقہ طور پر آگے منتقل کرتے کرتے وہ بطور مذہب اتنے مشہور ہوئے کہ مذہب کے خواص وعوام کو انہیں مذہب کا حصہ سمجھنا بالبداہۃ معلوم ہو رہا ہے۔ جس کے بعد انہیں حصہ مذہب ثابت کرنے کے لیے کسی اور دلیل کی ضرورت نہیں ہے۔ جیسے اہل سنت کے نزدیک حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا برحق خلیفۃ الرسول بلافصل ہونا اور اہل تشیع کے نزدیک حضرت مولیٰ علی نور اللہ وجہہ الکریم کا برحق خلیفۃ الرسول بلافصل ہونا۔ اِسی طرح اہل سنت کے نزدیک خلافۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فرشی مسئلہ ہونا کہ مسلمانوں کے اہل حل وعقد کے شوریٰ سے ہوسکتا ہے اور اہل تشیع کے نزدیک اس کا عرشی مسئلہ ہونا جس کے مطابق اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مخصوص شخص کی تعیین ضروری ہے۔

عہد صحابہ رضی اللہ عنہم میں ظاہر ہونیوالے اس اختلاف کو ہر دو مذہبوں کے پیروکاروں نے اپنے اپنے دائرہ اثر میں نسلاً بعد نسل اور قرناً بعد قرن اتنا مشہور کیا کہ مسئلہ خلافت کا عرشی مسئلہ ہونا اور مولیٰ علی کَرَّمَ اللّٰہ وَجْهه الْكَرِيْم کا خلیفۃ الرسول بلافصل ہونا ضروریاتِ مذہب اہل تشیع قرار پایا۔ جس کے نتیجہ میں اب کسی شیعہ کو اپنے دائرہ اثر میں اس کو ثابت کرنے کے لیے دلیل تلاش کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اِسی طرح خلافت الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فرشی مسئلہ ہونا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا بلافصل برحق خلیفۃ الرسول ہونا ضروریاتِ مذہب اہل سنت قرار پایا ہے۔ جس کے نتیجہ میں اہل سنت حلقہ اثر میں اس کو ثابت کرنے کیلئے دلیل تلاش کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیوں کہ وہ بجائے خود ضروریاتِ مذہبیہ کے قبیل سے ہے۔

سوم:۔ وہ خالصتاً فقہی واجتہادی ہیں جن کے جواز وعدم جواز اور حلال وحرام وغیرہ نوعیتوں سے متعلق متضاد آراء مجتہدین کرام کے مابین پائی جاتی ہیں جو عین مقتضائے فطرت ہونے کے ساتھ اصل مسئلہ کی حقانیت اور اہل اجتہاد حضرات کی فی سبیل اللہ مجاہدہ کے مظاہر ہیں۔ جس کی روشنی میں حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی وجعفری وغیرہ مذاہب وجود میں آئے ہوئے ہیں۔ شرعی احکام کی ان تینوں قسموں میں سے ہر ایک کے احکام ونتائج ایک

Marfat.com

دوسرے سے مختلف ہیں۔

مثال کے طور پر تیسری قسم میں اپنے کسی فقہی مخالف کی تضلیل وتفسیق کرنا بجائے خود فسق وگناہ ہے کیوں کہ اس قسم میں اپنے مسلک کے حق ہونے پر راجح گمان اور مد مخالف کے ناحق ہونے پر راجح گمان ہونے کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا۔ جس کے مطابق ایک دوسرے کے خلاف منفی پروپیگنڈا کرنے کا قطعا کوئی جواز نہیں ہے۔ اور دوسری قسم میں دائرہ تہذیب کے اندر رہتے ہوئے علمی زبان میں ایک دوسرے کی صرف اور صرف تضلیل کا جواز ہو سکتا ہے، تکفیر ہرگز نہیں۔ اور پہلی قسم کی مخالفت کرنیوالے چونکہ التزام کفر یا لزوم کفر سے خالی نہیں ہوسکتے۔ لہٰذا ان مسلمات کو سمجھنے کے بعد اب لزوم کفر اور التزام کفر کی جدا جدا حقیقتوں کو مع مثالوں کے سمجھنا آسان ہو جاتا ہے۔

گزشتہ صفحات میں التزام کفر اور لزوم کفر کی جدا جدا حقیقتوں کے اجمالی بیان کے بعد مسئلہ کی نزاکت اور علماء کرام کے لیے محل اشتباہ ہونے کی بناء پر مناسب سمجھتا ہوں کہ اس کی مکمل وضاحت وتفصیل پیش کروں، وہ یہ ہے کہ التزام کسی بھی چیز کا ہو اسلام کا یا کفر کا، جائز کا یا ناجائز کا بہر تقدیر از روئے لغت اس کے مفہوم ومعنی اُس چیز کو گلے لگانے اور ارتکاب کرنے کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ جس کی طرف اِس کو مضاف کر کے استعمال کیا جا رہا ہے چنانچہ المنجد میں ہے:

''اَلتزَمَهُ بِمَعْنٰی لَازَمَهُ وَ فُلَا نًا اِعْتَنَقَهُ''(۱)

یعنی ''اِلتزَم الشئی'' کے معنی ''اِعْتَنَقَهُ'' کے ہیں یعنی اسے گلے لگایا۔

فقہاء کرام اور متکلمین اسلام کی زبان میں استعمال ہونے والا ''التزام کفر'' کا لفظ بھی اس مفہوم لغوی کے عین مطابق ہے کہ کفر کی کسی شکل کا ارتکاب کرنے والا شخص گویا اسے گلے لگاتا ہے یعنی اثبات کفر کے لیے اس کا یہ کردار خود اپنے آپ پر دلیل ہے۔ جس کے بعد کسی اور دلیل کی

---

(۱) المنجد، مادہ (ل، ز، م)

Marfat.com

ضرورت نہیں رہتی عام اس سے کہ یہ کردار از قبیل عقیدہ ہو یا قول و عمل کے قبیل سے ہو۔ التزام اسلام میں بھی ملت اسلام اور اس کے جملہ مسائل ضروریہ کو گلے لگانا ہوتا ہے اور اسلام و کفر کے مابین تقابل تضاد ہونے کی بنا پر التزام کفر و التزام اسلام کے مابین بھی تقابل تضاد کا ہی ہے یعنی اسلام کا وجود آپ ہی نفی کفر ہے اور کفر کا وجود آپ ہی اسلام و ایمان کی نفی ہے۔ جسکے بعد کسی اور دلیل کی ضرورت نہیں رہتی۔ فقہاء کرام اور متکلمین اسلام کی زبان میں التزام کفر اور لزوم کفر کے الفاظ و فتویٰ کا تعلق چونکہ کفر بعد الاسلام سے ہے لہٰذا اس کو درست طریقے سے سمجھنے کے لیے اولاً التزام اسلام و ایمان کو جاننا ضروری ہے وہ یہ ہے کہ شریعت مقدسہ کی زبان میں التزام اسلام اسے کہتے ہیں کہ ملت اسلام اور اس کے جملہ مسائل ضروریہ کو دل و جان سے اس طرح تسلیم کیا جائے جس میں جذبہ عمل، تعظیم، رضا و محبت اور اس کے خلاف جملہ نظریات سے نفرت و بیزاری شامل ہونے کے ساتھ اس کی ضد و نقیض اور اس کے اِن لوازمات میں سے کسی کی ضد و نقیض کا ارتکاب نہ ہو۔ التزام ایمان کی اس حقیقت کو شرعی ایمان کہنے کے علاوہ اِس کردار کے حامل حضرات کو اہل قبلہ بھی کہتے ہیں۔ اس کردار کا انسان یعنی مومن مسلمان جب تک اس وصف التزام کے ساتھ متصف رہتا ہے یعنی جس ملت اسلام اور اس کے تمام مسائل ضروریہ کا التزام کیا ہوا ہے۔ اس کے منافی کسی کردار کا ارتکاب نہیں کرتا اس وقت تک اسے مومن مسلمان' اہل قبلہ سمجھنا اور کہنا اور اسلام کے جملہ احکام اس پر لاگو کرنا تمام مسلمانوں پر لازم ہے اور اس کی جان و مال، عزت و آبرو کو نقصان پہنچانا اور اسے کافر کہنا ایسا ہی حرام ہے جیسا کسی غیر مسلم کو مسلمان کہنا حرام ہے لیکن اس کے منافی کسی کردار کا بلا واسطہ ارتکاب کرنے کی صورت میں وہ اہل قبلہ کہلانے کے استحقاق سے نکل کر مرتد قرار پاتا ہے۔ التزام کفر کا یہ مفہوم بمنزلہ جنس ہے۔ جس کے ماتحت بنیادی طور پر مندرجہ ذیل انواع واقسام شامل ہیں۔

☆☆☆☆☆

Marfat.com

التزامِ کفر کی 28 مثالیں

1. ملت اسلام سے منکر ہونا۔
2. ملت اسلام کے کسی ضرورت دینی حکم سے منکر ہونا۔
3. ملت اسلام کی کسی ضد یا نقیض کا بلا واسطہ ارتکاب کرنا۔
4. ملت اسلام کے کسی ضرورت دینی حکم کی ضد یا نقیض کا بلا واسطہ ارتکاب کرنا۔

ضروری وضاحت:۔ التزام کفر کی ان چار قسموں میں بنیادی فرق یہ ہے کہ؛

اول:۔ ایمان اجمالی کی ضد ہے۔

دوم:۔ ایمان تفصیلی کی ضد ہے۔

سوم:۔ ایمان اجمالی کی تکذیب کی یقینی علامت ہے۔

چہارم:۔ ایمان تفصیلی کی تکذیب کی یقینی علامت ہے۔

اور اہل علم سے مخفی نہیں ہے کہ حقیقی ایمان کا جہاں پر بھی التزام ہوتا ہے تو اُس کے جملہ لوازمات شرعیہ بھی اُس کے ساتھ ہوتے ہیں جن کے بغیر شریعت کی زبان میں ایمان کا کوئی اعتبار ہی نہیں ہے اور لازم کی نفی ملزوم کی نفی پر یقینی علامت و دلیل ہوتی ہے جس کے بعد ملزوم کی نفی پر کوئی اور دلیل تلاش کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہوتی لہٰذا ایمان کے لوازمات خمسہ کی نفی سے ایمان مجمل اور ایمان مفصل کی نفی ہونے سے التزام کی دس قسمیں مزید وجود میں آ رہی ہیں۔ جن کی تفصیل اس طرح ہے کہ؛

Marfat.com

1 ایمان مجمل کے لازمہ یعنی ملت اسلام پر ایمان کے لازمہ ''جذبہ عمل کی ضد یا اُس کی نقیض'' کا بلاواسطہ ارتکاب کرنا۔

2 ایمان مجمل کے لازمہ ''اُس کی تعظیم'' کی ضد یا نقیض کا بلاواسطہ ارتکاب کرنا۔

3 ایمان مجمل کے لازمہ ''اُس کی تسلیم ورضا'' کی ضد یا نقیض کا بلاواسطہ ارتکاب کرنا۔

4 ایمان مجمل کے لازمہ ''اُس کے ساتھ محبت'' کی ضد یا نقیض کا بلاواسطہ ارتکاب کرنا۔

5 ایمان مجمل کے لازمہ ''اُس کے مقابلہ میں جملہ مذاہب باطلہ اور متضاد کردار سے نفرت وبیزاری کا اظہار کرنے'' کی ضد ونقیض کا بلاواسطہ ارتکاب کرنا۔

6 ایمان مفصل کے لازمہ یعنی ملت اسلام کے کسی ضروری حکم پر ایمان کے لازمہ ''جذبہ عمل'' کی ضد یا اُس کے نقیض کا بلاواسطہ ارتکاب کرنا۔

7 ایمان مفصل کے لازمہ ''اُس کی تعظیم'' کی ضد یا نقیض کا بلاواسطہ ارتکاب کرنا۔

8 ایمان مفصل کے لازمہ ''تسلیم ورضا'' کی ضد ونقیض کا بلاواسطہ ارتکاب کرنا۔

9 ایمان مفصل کے لازمہ ''اُس کے ساتھ محبت'' کی ضد یا نقیض کا بلاواسطہ ارتکاب کرنا۔

10 ایمان مفصل کے لازمہ ''اُس کے منافی مذاہب سے نفرت وبیزاری'' کی ضد یا نقیض کا بلاواسطہ ارتکاب کرنا۔

التزام کفر کی ان دس قسموں کی سابق الذکر چار قسموں کے ساتھ بالترتیب ایمان مجمل اور ایمان مفصل کے منافی ہونے میں یکساں ہونے کے ساتھ ایک مناسبت صریح الدلالۃ ہونا بھی ہے کیوں کہ اِن سب کی دلالت ایمان کے منتفی ہونے پر صریح ہے، بدیہی ہے اور استدلالی و محتاج دلیل نہیں ہے، التزام کفر کی ان چودہ کی چودہ قسموں میں سے کوئی ایک قسم بھی ایسی نہیں ہے جس میں بقاء ایمان کے لیے کوئی احتمال موجود ہو یا کسی تاویل کی گنجائش باقی ہو نہیں ایسا ہرگز نہیں ہے کیوں کہ پہلی دو قسموں میں صراحتاً تکذیب وانکار ہے جس میں تاویل کا تصور بھی نہیں ہو سکتا اور تیسری و چوتھی قسم میں بالترتیب ایمان مجمل اور ایمان مفصل کی ضد یا نقیض کا

Marfat.com

ارتکاب آپ ہی ایمان کی نفی پر قطعی ویقینی اور فطری دلیل ہے کیوں کہ ضدین یا نقیضین میں سے ایک کا وجود آپ ہی دوسرے کی نفی ہونا اولیات کے قبیل سے ہے جس میں تاویل کا امکان ہی نہیں ہوتا۔اسی طرح باقی دس قسموں میں بھی ''انتفاء الازم دَلِیْلُ صَرِیْحٌ عَلٰی اِنْتِفَاءِ الْمَلْزُوْم'' کے فطری اُصول کے قبیل سے ہونے کی بناء پر اِس کے بعد بقاء ایمان کے لیے کسی احتمال وتاویل کا امکان ہی نہیں ہے۔ایسے میں انتفاء ایمان پر اِن سب کی دلالت صریح، بدیہی، اوّلی اور غیر محتاج دلیل کیوں نہ ہو۔پھر یہ بھی ہے کہ اِن سب کی دو، دو قسمیں ہیں کیوں کہ التزام کفر کی اِن میں سے کوئی بھی قسم ہو کبھی دانستہ ہوتا ہے جس کو کفر عنادی کہتے ہیں،کبھی غیر دانستہ ہوتا ہے جس کو کفر اشتباہی اور خطائی کفر کہتے ہیں،اِس طرح التزام کفر کی کل 28 قسمیں قرار پاتی ہیں۔اب پیش نظر مسئلہ کی مزید وضاحت کے لیے التزام کفر کی مذکورہ قسموں کی عملی صورتوں کی مثالوں کو جدا جدا سمجھنا چاہئے، جو مندرجہ ذیل ہیں؛

1 التزام کفر کی مثال بشکل تکذیب نظام مصطفیٰ ﷺ جیسے مسلم گھرانے کے کسی فرد کا ملت محمدی ﷺ سے منکر ہو کر مرتد ہونا۔(العیاذ باللہ)

2 التزام کفر کی مثال بشکل تکذیب ضرورتِ دینی۔جیسے مسلم گھرانے کے کسی فرد کا کسی بھی ضرورتِ دینی سے انکار کرنا۔مثال کے طور پر نبی آخر الزماں رحمت عالم ﷺ کی نبوت کو ختم زمانی ماننے سے انکار کرنا۔﴿یا﴾ اللہ کے علم غیب ذاتی سے انکار کرنا۔﴿یا﴾

اہل حق کے استمراری وجود مسعود سے انکار کرنا۔مثال کے طور پر یہ کہنا کہ پوری روئے زمین میں اہل حق کا وجود ختم ہو چکا ہے اور انسانوں کے جتھے کفر وشرک اور بدعات میں مبتلا ہو کر ان میں دیندار و اہل حق کا وجود ناپید ہو چکا ہے۔(العیاذ باللہ)

3 التزام کفر کی مثال بشکل ارتکاب ضد نظامِ مصطفیٰ ﷺ، جیسے نظامِ مصطفیٰ ﷺ کے مقابلہ میں کسی اور نظام کو ترجیح دینا کیوں کہ مقابلہ کی صورت میں نظامِ مصطفیٰ ﷺ کی طرف پشت

Marfat.com

کر کے اس کی ضد کو اختیار کرنا نظامِ مصطفیٰ ﷺ کی تکذیب کی یقینی علامت ہے کیوں کہ ایک ضد کا وجود آپ ہی دوسرے کی نفی ہے۔

4 التزام کفر کی مثال کسی ضرورت دینی کی ضد یا نقیض کے ارتکاب کی صورت میں جیسے نبی آخرالزمان رحمت عالم ﷺ کے زمانہ میں۔ ﴿یا﴾

آپ ﷺ کے بعد کسی دوسرے نبی کے پیدا ہونے کے جواز کا قول کرنا کیوں کہ یہ دوسرے نبی کی پیدائش کے عدم جواز جو ضرورت دینی ہے کا نقیض ہے اور نقیضین میں سے ایک کا ارتکاب آپ ہی دوسرے کے عدم و انکار کی دلیل ہے۔ ﴿یا﴾

کسی ایسے حرام کو حلال جاننا جس کی حرمت کا علم اسلامی معاشرہ میں کبھی بھی کسی سے پوشیدہ نہ رہا ہو، مثال کے طور پر کُتے کو حلال جاننا۔ ﴿یا﴾

کسی ایسی حلال چیز کو حرام جاننا جس کے حلال ہونے کا علم اسلامی معاشرہ میں کبھی بھی کسی سے پوشیدہ نہ رہا ہو، مثال کے طور پر مسلم گھرانے کا کوئی فرد مرغی کو حرام جانے کیوں کہ معلوم ہونے کے باوجود استحلال حرام اور استحرام حلال ضرورت دینی کی ضد ہے جس کا وجود وارتکاب آپ ہی اصل کی تکذیب کی یقینی علامت ہے کیوں کہ ضدین یا نقیضین میں سے ایک کا ارتکاب آپ ہی دوسرے کی نفی ہے۔ جس کے بعد کسی اور دلیل کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں ہوتی۔

5 التزام کفر کی پانچویں قسم کی مثال جیسے کسی مدعی اسلام کا یہ کہنا کہ مومن مسلمان ہونے کے لیے کلمہ پڑھنا ہی کافی ہے عمل کی اہمیت نہیں ہے۔ ﴿یا﴾

یہ کہنا کہ اسلام عمل کیلئے نہیں آیا بلکہ اقرار باللسان اور تصدیق بالقلب پر زور دیتا ہے۔ ﴿یا﴾

یہ کہنا کہ اسلام اگر عمل کی پابندی سے آزادی دے کر صرف ماننے کی حد تک پابند کرتا کیا اچھا ہوتا کہ ہم بھی یورپ کی طرح آزاد زندگی کے مزے اڑاتے۔ اِن سب میں لازمہ ایمان یعنی جذبہ عمل کی ضد موجود ہے۔

Marfat.com

6 التزام کفر کی چھٹی قسم کی مثال جیسے؛ کوئی مدعی اسلام ملت اسلام پر یا قرآن شریف پر یا نظام مصطفیٰ علیہ السلام پر استہزاء کرے۔ (العیاذ باللہ) اس میں لازمہ ایمان یعنی تعظیم کی ضد موجود ہے۔

7 التزام کفر کی ساتویں قسم کی مثال جیسے کوئی مدعی اسلام یہ کہے کہ نظام مصطفیٰ علیہ السلام اور ملت اسلام کو حق جاننے کا یہ مطلب نہ ہونا چاہئے کہ انسان اُس کے سامنے اپنے ذاتی جذبات کو پس پشت ڈال کر خود کو مجبور کرے۔ اِس میں لازمہ ایمان یعنی تسلیم ورضا کی ضد موجود ہے۔

8 التزام کفر کی آٹھویں قسم کی مثال جیسے کسی دعویدار اسلام کا یہ کہنا کہ قرآن شریف اپنے وقت کے لیے تھا جبکہ ہمیں موجودہ تقاضوں کے مطابق نظامِ حیات درکار ہے۔ ﴿یا﴾
یہ کہنا کہ نظام مصطفیٰ علیہ السلام دقیانوسی چیز ہے ہمیں جدید دور کے تقاضوں کے مطابق نظام چاہئے۔ ﴿یا﴾
یہ کہنا کہ ملت اسلام صرف عرب قوم اور دیارِ عرب کی اصلاح کے لیے وجود میں آئی تھی اب دنیا کا نقشہ بدل چکا ہے اب بھی اُس کے ساتھ چمٹے رہنا عقل مندی نہیں ہے۔ (العیاذ باللہ) اِن سب میں لازمہ ایمان یعنی ''مَا یُؤمَنُ بِهِ'' کے ساتھ محبت کی ضد موجود ہے۔

9 التزام کفر کی نویں قسم کی مثال جیسے کسی دعویدار اسلام کا یہ کہنا کہ ''دنیا کے حالات اور سائنسی ایجادات میں اقوام عالم کا مقابلہ کرنے کیلئے مسلمانوں کو چاہئے کہ اسلام کے دقیانوسی نظام کے بجائے جدید نظام ترتیب دیں''۔ (العیاذ باللہ) اس میں لازمہ ایمان یعنی اسلام کے مقابلہ میں ہر دوسرے نظام سے نفرت وبیزاری کی ضد موجود ہے۔

10 التزام کفر کی دسویں قسم کی مثال جیسے کوئی بدبخت شخص مدعی اسلام ہوتے ہوئے یہ کہہ دے کہ ''بہن کیساتھ نکاح کے عدم جواز کا حکم اگر اسلام میں نہ ہوتا تو کتنا اچھا ہوتا''۔ ﴿یا﴾
یہ کہہ دے کہ ''غیر مذبوحہ جانوروں کا گوشت کھانا اگر حرام نہ ہوتا تو کیا اچھا ہوتا'' اِن میں

Marfat.com

لازمہ ایمان یعنی جذبہ عمل کی ضد موجود ہے۔

11 التزام کفر کی گیارہویں قسم کی مثال جیسے کوئی مدعی اسلام شخص جملہ خلائق میں اللہ کے حبیب رحمۃ للعالمین ﷺ کا سب سے زیادہ وسیع العلم ہونے کے اسلامی عقیدہ جو ضرورت دینی ہے، کو جانوروں اور پاگلوں کے علم کے ساتھ تشبیہ دے۔ ﴿یا﴾ ان حقیر چیزوں کے علم کے برابر کہہ دے۔ (العیاذ باللہ) ﴿یا﴾

شیطان کے علم کو سرور کائنات رحمت للعالمین ﷺ کے علم سے زیادہ کہہ دے۔ (العیاذ باللہ) ﴿یا﴾

ذوات قدسیہ انبیاء و مرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم سے منسوب ہر چیز اور ہر عمل کے قابل تعظیم ہونے کے اسلامی عقیدہ جو ضروریات دین کے قبیل سے ہے کو کسی قابل نفرت چیز کے ساتھ تشبیہ دے۔ ان میں ضرورت دینی کے ساتھ ایمان کے لازمہ یعنی "مَا یُؤمَنُ بِہٖ" کی تعظیم کی ضد موجود ہے۔

12 التزام کفر کی بارہویں قسم کی مثال جیسے کسی بے باک مدعی اسلام کا یہ کہنا کہ "اسلام نے شراب کو ممنوع قرار دے کر اچھا نہیں کیا ہے"۔ ﴿یا﴾

یہ کہنا کہ "اسلام نے غیر مسلموں کے ساتھ مودت کو حرام قرار دینے میں بین الاقوامی حالات کو پیش نظر رکھا ہے نہ حریت فکر کی آزادی دی ہے"۔ ان میں ضروریات دینی کے ساتھ ایمان کے لازمہ یعنی تسلیم و رضا کی ضد پائی جاتی ہے۔

13 التزام کفر کی تیرہویں قسم کی مثال جیسے کوئی دعویدار اسلام یہ کہہ دے کہ "اسلام میں اگر نمازوں کی پابندی نہ ہوتی تو کیا اچھا ہوتا"۔ ﴿یا﴾

پیغمبر ﷺ کے مبعوث نہ ہونے کی تمنا کرے۔ ﴿یا﴾

ماہ رمضان المبارک سے نفرت کرتا ہوا یہ کہہ دے کہ "روزہ رمضان فرض نہ ہوتے تو کیا اچھا

Marfat.com

ہوتا''اِن سب میں ضرورت دینی کے ساتھ ایمان کے لازمہ یعنی''مَا یُوْمَنُ بِہٖ'' کے ساتھ محبت کی ضد پائی جاتی ہے۔

14 التزام کفر کی چودھویں قسم کی مثال جیسے کسی غیر مسلم کو ماہ رمضان المبارک میں کھاتے پیتے ہوئے دیکھ کر یہ کہنا کہ''ہم بھی اگر اِس کے مذہب پر ہوتے تو کیا اچھا ہوتا روزہ کی پابندی سے تو آزاد ہوتے''۔اِس میں ضرورت دینی کے ساتھ ایمان کے لازمہ یعنی جملہ غیر مذاہب سے نفرت و بیزاری کی ضد پائی جاتی ہے۔

ضروری وضاحت:۔ التزام کفر کی ہر قسم اور ہر مثال کا دوسری قسموں سے جدا اور ناقابل اجتماع ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ متعدد قسموں کا ایک ایک مثال میں جمع ہونا بھی ممکن ہے یعنی اِس باب میں مانعۃ الخلو ہے، مانعۃ الجمع نہیں اِس لیے اہل علم اور دارالافتاء کے نوخیز مفتیوں کو اِس حوالہ سے کسی قسم کا اشتباہ نہ ہونا چاہیے۔

التزام کفر جہاں پر بھی ہوگا(اَعَاذَنَا اللّٰہُ مِنْہُ) اِن صورتوں سے خارج کبھی نہیں ہوگا،ان میں سے ہرصورت اِرتداد اور خارج اسلام قرار دینے اور مرتد کے جملہ احکام اس پر لاگو کرنے کی ایسی واضح دلیل ہے کہ اس کے بعد ایسے شخص کو کافر کہنے میں تردد کرنے والا اور اس کے کفرو عذاب میں شک کرنے والا بھی اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔جیسے فتاویٰ مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر میں ہے:

''مَنْ شَکَّ فِیْ کُفْرِہٖ وَعَذَابِہٖ فَقَدْ کَفَرَ''(۱)

اب علماء کرام کے لیے قابل توجہ مسئلہ یہ ہے کہ التزام کفر کی مذکورہ صورتوں میں سے کسی کا ارتکاب کرنے والا تو اس وجہ سے مرتد قرار پایا کہ اس نے ملت اسلام کی یا اس کے کسی ضروری حکم کی تکذیب کی جیسے التزام کفر کی مذکورہ صورتوں میں سے پہلی اور دوسری صورتوں میں ہوتا

(۱) فتاویٰ مجمع الانہر،شرح ملتقی الابحر،ج 1،ص 677۔

Marfat.com

ہے۔ ﴿یا﴾

تکذیب وانکار کی کسی یقینی وفطری علامت کا ارتکاب کیا جو بالیقین ذی علامت کی جگہ پر واقع ہے جیسے باقی بارہ (12) صورتوں میں ہوتا ہے۔ لیکن مرتد قرار پانے والے اس شخص کے کفرو ارتداد میں توقف یا شک کرنے والے کا خارج از اسلام ہونے کی بظاہر کوئی وجہ معلوم نہیں ہو رہی تو پھر ''مَنْ شَکَّ فِیْ کُفْرِہٖ وَعَذَابِہٖ فَقَدْ کَفَرَ'' کے احکام اس پر جاری کرنے کا کیا فلسفہ ہوسکتا ہے؟

یہ وہ مسئلہ ہے جس کی طرف اسلاف کے ذخیرہ کتب میں نہ اپنے ہم عصر علماء کرام میں کسی کا ذہن متوجہ ہوتا ہوا ہم نے دیکھا، کہنے کی حد تک تو کتب فتاویٰ میں بھی موجود ہے اور ہمارے ہم عصر علماء کرام بھی اسلاف کے عین مطابق ''مَنْ شَکَّ فِیْ کُفْرِہٖ وَعَذَابِہٖ فَقَدْ کَفَرَ'' کہتے نہیں تھکتے بالخصوص ''حسام الحرمین علی منحر الکفرو المین'' جو عرب وعجم کے چاروں مذاہب کے علماء کرام کے فتوؤں کی مجموعہ ہے، کے ایک ایک صفحہ پر متعدد بار شریعت مقدسہ کا یہ حکم لکھا ہوا موجود ہے لیکن اس کے فلسفہ وپس منظر پر توجہ دے کر شرعی احکام کی تبلیغ کو موثر بنانے کی توفیق۔

این سعادت بازور باز ونیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

حقیقت یہ ہے کہ ہمارے علماء ومفتیان کرام محض نقل درنقل اور تقلید در تقلید کی سہولت پسندی میں مبتلا ہوکر غور وفکر کی تکلیف اٹھانے سے کنارہ کش ہو چکے ہیں۔ تن آسانی کے عادی ہوکر فلسفہ جوئی اور احکام کی تبلیغ کو موثر بنانے کی تدبیر سے عاری ہو چکے ہیں۔ جس کے نتیجہ میں اگر وہ شخص جس پر ''مَنْ شَکَّ فِیْ کُفْرِہٖ وَعَذَابِہٖ فَقَدْ کَفَرَ'' کے احکام جاری کر کے اسے مرتد قرار دیا جاتا ہے۔ اگر ان کے خلاف ہتک عزت کا مقدمہ دائر کرے تو ان حضرات کے پاس قرآن وسنت سے اس فتویٰ کو ثابت کرنے کی استطاعت نہیں ہوتی اور ''قال فلان و

Marfat.com

فــلاں '' کہنے کے سوا ان کے پاس اور کوئی چارہ کار نہیں ہوتا، ایسے میں کفر و ارتداد کے خلاف تبلیغ کے غیر موثر ہونے کے ذمہ دار اِن کے سوا کوئی اور نہیں ہے۔ اِس نکتہ کا تذکرہ اس لیے کر رہا ہوں کہ کتب فتاویٰ میں جن جن باتوں پر حکم کفر کیا گیا ہے وہ سب کے سب درست نہیں ہیں کہ ان کے خلاف قانونی چارہ جوئی کرنا ممکن نہ ہو بلکہ ان میں سے کچھ خلاف حقیقت بھی ہیں، کچھ مبنی بر مغالطہ کچھ مبنی بر تعصب اور کچھ اندازِ تبلیغ کے زجر و ترہیب کی جوازی صورتوں پر بھی مبنی ہو سکتے ہیں۔ جن کے پس منظر اور حقیقتوں کو سمجھے بغیر ان کے اشباہ و نظائر کے ارتکاب کرنے والوں پر '' مَنْ شَکَّ فِیْ کُفْرِہٖ وَ عَذَابِہٖ فَقَدْ کَفَرَ '' جیسا فتویٰ جاری کرنا خطرناک ہو سکتا ہے۔ کیوں کہ ایک غیر مسلم کو مسلمان کہہ کر مسلمانوں والے احکام اس پر جاری کرنا حرام و معصیت کاری ہونے کی طرح ہی ایک مومن مسلمان کو کافر کہہ کر مرتد والے احکام کا سزاوار قرار دینا بھی حرام و معصیت کاری ہے۔ اِس لیے اسلامی ذخیرہ کتب میں موجود تکفیری صورتوں کے جدا جدا مواقع کو ان کے پس منظر و فلسفہ کے ساتھ سمجھنا اس غلطی سے بچنے کی اولین شرط ہے۔

وضاحتی تفصیل کے اس نکتہ سے التزام کفر کرنے والے شخص کے کفر میں شک اور توقف کرنے والوں پر مرتد کے احکام جاری ہونے کے فلسفہ کو سمجھنا آسان ہو گیا، اِس لیے کہ اس نے ایمان شرعی کے لوازمات میں سے ایک لازمہ کے نقیض کا ارتکاب کیا ہے، جو بجائے خود التزام کفر کی مذکورہ صورتوں میں سے ایک صورت ہے۔ وہ لازمہ یہاں پر نظامِ مصطفیٰ ﷺ اور اس کی جملہ ضروریات کی ضد یا نقیض اور اس کے خلاف کرنے والے جملہ اشخاص و مذاہب باطلہ سے بیزاری ہے تو ظاہر ہے کہ مرتد کو مرتد کہہ کر اس سے بیزار ہونا بھی اس لازمہ کا حصہ ہے جو شک و توقف کی صورت میں مفقود ہے کیوں کہ بیزاری کا نقیض عدم بیزاری ہے جو شک

Marfat.com

اور توقف کی شکل میں پایا جاتا ہے اور نقیضین میں سے ایک کا وجود آپ ہی دوسرے کی نفی ہے لہٰذا التزام کفر کی مذکورہ صورتوں میں سے کسی کا ارتکاب کرنے والے شخص کے کفر و استحقاق عذاب میں توقف یا شک کرنے والوں کے لیے فقہاء کرام کی یہ عبارت؛

''مَنْ شَکَّ فِیْ کُفْرِہٖ وَعَذَابِہٖ فَقَدْ کَفَرَ''

التزامی کفر کی مذکورہ صورتوں سے خارج کوئی اور چیز نہیں ہے کہ اس کے فلسفہ کو سمجھنا مشکل ہو بلکہ مذکورہ صورتوں کی فہرست میں شامل چودھویں قسم کی ایک مثال و جزئیہ ہے۔

دوسری وجہ اس کی یہ بھی ہے کہ التزام کفر کرنے والوں سے بیزاری اور ان کو خارج اسلام سمجھنے کا جو شرعی حکم ہے یہ بجائے خود ضروریاتِ دینیہ کے قبیل سے ہے جس میں شک یا توقف کرنا ایمان وتسلیم کی ضد ہونے کی بناء پر عدم ایمان کی دلیل ہے اس لیے کہ نقیضین یا ضدین میں سے ایک کا وجود آپ ہی دوسرے کی نفی ہے۔ اس صورت میں ''مَنْ شَکَّ فِیْ کُفْرِہٖ وَعَذَابِہٖ فَقَدْ کَفَرَ'' کا فتویٰ التزامِ کفر کی دوسری قسم پر منطبق ہوگا۔

☆☆☆☆☆

Marfat.com

لوازماتِ خمسہ ایمان کی ترتیب وتناسب

اِس طرح ہے کہ ایمان کے لیے ناگزیر لازم ہونے میں مساوات کے بعد اِن میں ترتیب زمانی اور تقدم وتاخر کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور نہ ہی ایک دوسرے کے بغیر پائے جانے کا کوئی امکان ہے کیوں کہ ''یستحیل وجود الملزوم بدون لازمہ'' کی بداہت و اَولویت کے تقاضے کا اِن میں سے ہر ایک کے اندر موجود ہونا آپ ہی ترتیب زمانی کے منافی ہے جس کے بعد اِن میں سے کسی ایک کا دوسرے کے بغیر پائے جانے کے عدم جواز پر کوئی اور دلیل تلاش کرنے کی قطعاً ضرورت ہی نہیں ہے۔ ورنہ اُس غفلت سے مختلف نہیں ہوگا جیسے کوئی شخص عشَر کی عدد کو ذوج الفرد کے طور پر سمجھنے کے بعد ذوجین پر اُس کے عدم جواز تقسیم کے لیے کوئی اور دلیل تلاش کرتا پھرے۔ لیکن اِس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ ان کے مابین عقلی اور رُتبی ترتیب بھی نہ ہو نہیں ایسا ہرگز نہیں ہے بلکہ لوازمات ایمان کے اِس خوبصورت سلسلہ میں محبت اَصل الاُصول ہے کہ اُس کا رُتبہ سب سے پہلے، سب سے مقدم اور سب کی بنیاد ہے کیوں کہ انسانی فطرت کے مطابق کوئی بھی محبت کسی سبب کے بغیر نہیں ہوتی، حَسین کے حُسن، محسن کے احسان، نافع کے نفع اور مُفید کے افادہ جیسے کوئی نہ کوئی سبب ضرور ہوتا ہے حُبّ محبّ کے دل کے لیے بمنزلہ مقناطیس ہوتا ہے اور مقناطیس کی کشش اُس کے حجم کے مطابق ہونے کی طرح ہی محبت کی کمی وزیادتی بھی اسباب کے شرح تناسب کے مطابق ہوتی ہے۔ فطرت کے اِس اُصول کو سمجھنا محض الٰہیات میں ہی نہیں ہے بلکہ گمراہ شعراء تک عام لوگوں نے بھی اِس کا اظہار کیا ہے۔ اِس ادراک کے حوالہ سے مختلف طبقاتِ حیات کے عام لوگوں کا اور الٰہیات کے ماہرین کا فرق صرف اتنا ہے کہ عام لوگ اپنے اپنے دائرہ کار میں اِس کے مادی

Marfat.com

اسباب کوذکر کرتے ہیں جبکہ الٰہیات سے کلام کرنے والے حضرات ایمان سے متعلقہ مؤمَن بِہ کے اندر موجود روحانی اسباب کا حوالہ دیتے ہیں مثال کے طور پر ہر حقیقی مومن مسلمان کے دل میں اللہ تعالیٰ کی جو محبت موجود ہے اُس کے لیے سبب اللہ تعالیٰ کا انسانوں کے خالق و مالک، محسن و مہربان اور ہر دم و ہر لحظہ انسانوں کے لیے حاجت روا محتاج الیہ علی الاطلاق ہونے کا احساس ہے۔ اسی طرح رسول اکرم رحمت عالم ﷺ پر ایمان لانے والے مومن مسلمان کے دل میں جو محبت موجود ہے اُس کے لیے سبب آپ ﷺ کا خلیفۃ اللہ ہونے کی حیثیت سے مفید و محسن، نافع و مہربان اور رحمت ہونے کا احساس ہے۔ اللہ جل جلالہ اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ محبت کے اسباب کا احساس ہونے کے ساتھ دل میں محبت پیدا ہو جاتی ہے جس کے بعد ہی محبت ایمان کے دوسرے لوازمات یعنی تعظیم و اجلال، تسلیم و رضا، فرامین پر جذبہ عمل اور منافی اشیاء سے کراہت و نفرت کی موجب بنتی ہے گویا ایمان کے حقیقتاً لازمہ ہونے میں یہ سب برابر ہونے کے باوجود ان کے اپنے آپس کی رُتبی ترتیب اِس طرح ہے کہ مؤمَن بِہ کے ساتھ محبت باقی چاروں کے لیے اَصل الاُصول قرار پا کر بمنزلہ ملزوم ہے جبکہ تعظیم و اجلال سے لے کر تسلیم و رضا تک اور جذبہ عمل سے لے کر منافی اشیاء سے نفرت و کراہت تک سب کے سب اُس پر مرتب ہونے کی حیثیت سے بمنزلہ لوازم کے ہیں۔

ترتیب رُتبی کے فوائد:۔ ایمان کے لوازمات خمسہ کے مابین ترتیب رُتبی کی اِس حقیقت کو سمجھنے سے نہ صرف یہ کہ ایمان اور اُسکے ان لوازمات کے مابین اور خود اِن لوازمات کے مابین رُتبی مراتب سے آگاہی ہوتی ہے، حقیقی لازم و ملزوم کی تمیز ہو جاتی ہے اور بمنزلہ لازم و ملزوم کی تفریق ہو کر تحقیقِ مقام کا حق ادا ہو جاتا ہے بلکہ قارئین کو اس سے مزید حقائق کا انکشاف و فوائد بھی حاصل ہو جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر کچھ محدثین کرام کی طرف سے قاضی عیاض پر کیے گئے اِس اعتراض کی بے ثباتی کا بھی پتہ چل گیا کہ اُس نے **الشفاء بتعریف**

Marfat.com

حقوق المصطفیٰ میں نبی اکرم رحمت عالم ﷺ کے ساتھ محبت کو ایمان کے لیے ناگزیر شرط قرار دے کر اُس سے مراد تعظیم لی ہے جبکہ ''لَایُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْهِ مِنْ وَالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ'' جیسی حدیثوں میں محبت کو تعظیم پر محمول کرنا اور اُس سے مراد تعظیم لینا درست نہیں ہوسکتا۔ معترضین کا اندازِ کلام اِس طرح ہے؛

''قَالَ القاضی ومن محبته نصرة سنته والذَّبُّ عن شریعته وتمنی حضور حیاته فیبذل نفسه وماله دونه وبهٰذا یتبین ان حَقِیْقَة الایمان لاتتم الابه ولا یصح الایمان الا بتحقیق افاقة قدر النبی ﷺ ومنزلته علیٰ کل والد وولده ومحسن ومتفضل ومن لم یعتقد ذالک واعتقد سواه فلیس بمومن واعترضه الامام ابو العباس احمد القرطبی المالکی صاحب المفهم فقال ظاهر کلام القاضی عیاض صرف المحبة الی اعتقاد تعظیمه واجلاله ولا شک فی کفر من لا یعتقد ذالک غیر انه لیس المراد بهٰذا الحدیث اعتقاد الاعظمیة اذا اعتقاد الاعظمیة لیس بمحبةٍ ولا مستلزماً لها اذ قد یجد الانسان اعظام شئی مع خلوه عن محبته قال فعلیٰ هٰذا من لم یجد من نفسه ذالک لم یکمل ایمانه علی ان کل من آمن ایمانا صحیحاً لا یخلو عن تلک المحبة''

عمدة القاری شرح صحیح البخاری، نیز فتح الباری میں ہے:

''وفی کلام القاضی عیاض ان ذالک شرط فی صحة الایمان لانه حمل المحبة علی معنی التعظیم والاجلال وتعقبه صاحب المفهم بان ذالک لیس مراداًهنا لان اعتقاد الاعظمیة لیس مستلزماً للمحبة اذ قد یجد الانسان اعظام شئی مع خلوه عن محبته قال فعلیٰ هٰذا من لم یجد من

Marfat.com

نفسه ذالک المیل لم یکمل ایمانه والی هذایؤمی قول عمر''(۱)

ہم نے قارئین کی سہولت کے لیے اعتراض پر مشتمل عبارت کو مع سابق ولاحق اِس لیے یہاں پر بمع حوالہ لکھ دیا تاکہ اہل علم پر مندرجہ حقائق کا انکشاف ہو جائے؛

(۱) قاضی عیاض پر کیے جانے والے اعتراض کی حقیقت کہ وہ بناء الغلط علی الغلط کے سوا اور کچھ نہیں ہے اس لیے کہ معترض نے الشفاء میں مذکور قاضی عیاض کی عبارت سے یہ مفہوم لیا ہے کہ محبت الرسول کا ایمان کے لیے ناگزیر ہونے سے متعلقہ حدیثوں میں مذکور محبت کو قاضی عیاض نے تعظیم واجلال پر محمول سمجھا ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے کیوں کہ الشفاء میں تعظیم واجلال کی فرضیت و ناگزیر ہونے کو ایک فصل میں ذکر کیا ہے اور محبت کی فرضیت ناگزیر ہونے کو الگ فصل کے تحت ذکر کیا ہے۔ ایسے میں ایک کے ماتحت آئے ہوئے الفاظ کو دوسرے پر محمول سمجھنا صاحب مُفہم نَوَّرَ اللّٰہُ مَرْقَدَہُ الشَّرِیْفَ کی غفلت کے سوا اور کچھ نہیں ہے شاید اُسے مغالطہ الشفاء کی اِس عبارت سے لگا ہو'' ولا یصح الایمان الا بتحقیق افاقة قدر النبی ﷺ ومنزلته علی کل والد و ولده و محسن ومتفضل ومن لم یعتقد ذالک و اعتقدسواه فلیس بمومن ''جبکہ یہ ایک ضمنی عبارت ہے جس میں محبت کے لازمہ کو ذکر کیا گیا ہے جس کا واضح مفہوم اِس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ جس کے دل میں ایمان ہوگا اُس میں رسول اللہ ﷺ کی سب سے زیادہ محبت ہوگی، جس کا تقاضا یہ ہے کہ والد و مولود سے لے کر جملہ خلائق اور ہر محسن و مہربان پر آپ ﷺ کو ترجیح لے کر تعظیم واجلال کرے گا جس میں یہ چیز نہیں وہ مومن و مسلمان بھی نہیں ہے۔

جب اِس عبارت کی دلالت ہی اِس بات پر نہیں ہے کہ حدیثوں میں مذکور محبت سے مراد تعظیم و اجلال ہے تو پھر اُس پر اعتراض کرنے کا کیا جواز ہے؟ پھر یہ بھی ہے کہ اعتراض کے یہ الفاظ

(۱) (i) عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری، ج 1، ص 144۔

(ii) فتح الباری شرح صحیح البخاری، ص 59۔

Marfat.com

''اذ اعتقاد الاعظمیة لیس بمحبة ولا مستلزمالھا ''بطور صُغری غلط ہے، نیز اعتقاد اعظمیت کو محبت کو مستلزم ہونے کی نفی کرنا بھی غلط ہے کیوں کہ یہ بجائے خود غلط و ناممکن بلکہ برعکس ہے کہ حقیقت میں محبت تعظیم و اجلال کو مستلزم ہوتی ہے جس کو پیش نظر رکھ کر قاضی عیاض نے مذکورہ کلام کیا ہے جو عین حقیقت ہے۔ ایسے میں صاحب مُفہم نور اللہ مرقدہ کے اعتراض کو بناء الغلط علی الغلط کے سوا اور کیا کہا جاسکتا ہے جس پر جتنا افسوس کیا جائے کم ہے۔ اُس سے بھی زیادہ افسوس صاحب فتح الباری اور صاحب عمدۃ القاری جیسے محدثین پر ہو رہا ہے کہ اُنہوں نے اصل صورتحال کا کُھلے ذہن سے جائزہ پیش کرنے کے بجائے صاحب مُفہم کا اعتراض نقل کرکے اپنے قاریوں کے لیے مغالطہ کا سامان کر دیا بالخصوص اس جملہ ''اذقد یجد الانسان اعظام شئی مع خلوہ من محبتہ ''سے اللہ بہتر جانتا ہے اب تک کتنے نیم خواندہ حضرات کو مغالطہ لگ چکا ہوگا، اِس پر آنکھیں بند کرکے ایمان لانے والے کتنے سطحی ذہنوں میں مُومَن بہ کی تعظیم بغیر محبت کے پائے جانے کا تصور بیٹھا ہوا ہوگا اور بخاری پڑھنے یا پڑھانے والے کتنے شیوخ الحدیث کہلانے والے اِس سے مغالطہ کھا گئے ہوں گے۔ نیز صاحب مُفہم نے خدا جانے کس حال میں اِس غفلت کا ارتکاب کیا ہوگا قاضی عیاض کے حقیقی اور برمحل کلام کو اُس کی مرضی کے خلاف پر محمول سمجھ کر اعتراض لکھ دیا ہے۔

اِن حضرات نے اِس بے محل اعتراض کو نقل کرتے وقت اتنا بھی نہیں سوچا کہ قاضی عیاض نے متعلقہ حدیث شریف کی تشریح کرتے ہوئے ''ومن محبتہ نصرۃ سنتہ والذبُّ عن شریعتہ وتمنی حضور حیاتہ فیبذل نفسہ ومالہ دونہ و بھذا یتبین ان حقیقۃ الایمان لاتتم الابہ '' کہہ کر محبت الرسول ﷺ کا لازمہ ایمان ہونے کو بیان کیا کہ اس کے بغیر حقیقت ایمان ناتمام ہے اور جو ناتمام ہے وہ لاشئی ولایعباء بہ ہے اور اسلام کی نظر میں غیر معتبر ہے کہ اُس کا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔ شریعت مقدسہ کی نظر میں ایمان کے معتبر ہونے کے

Marfat.com

لیے مُومَن بــه کی اِس محبت کو ناگزیر قرار دینے کے بعد اِس کے دوسرے حصے ''و لا یصح الایمان الا بتحقیق افاقة قدر النبی صلی اللہ علیہ وسلم ومنزلته علی کل والد و ولده و محسن ومتفضل و من لم یعتقد ذالک و اعتقد سواہ فلیس بمومن '' کہہ کر دوسرے لازمہ ایمان یعنی تعظیم و اجلال کی اہمیت بتائی کہ جیسے مُومَن بــه کے ساتھ سب سے زیادہ محبت حاصل ہوئے بغیر حقیقت ایمان کی تکمیل نہیں ہوتی، اِسی طرح سب سے زیادہ تعظیم حاصل ہوئے بغیر بھی صحت ایمان ممکن نہیں ہے۔ مزید برآں قابل افسوس یہ کہ اِن حضرات نے صاحب مفہم کے اِس بے محل اعتراض کو نقل کرتے ہوئے ما علیہ الاعتراض یعنی قاضی عیاض کے مذکورہ کلام کے معطوف و معطوف علیہ والے حصوں کے باہمی تناسب پر بھی غور نہیں فرمایا کہ ''و بھذایتبین اَن حقیقة الایمان لا تتم الا به '' کا تعلق اہمیت محبت کے ساتھ ہے جس کو اصل الاُصول اور باقی لوازمات ایمان سے رُتبۃً مقدم ہونے کی بناء پر یہاں پر بھی مقدم رکھا گیا ہے جبکہ اُس کے متصلاً بعد والا حصہ یعنی ''و لا یصح الایمان الا بتحقیق افاقة قدر النبی صلی اللہ علیہ وسلم و منزلته علی کل والدوولده ومحسن ومتفضل و من لم یعتقدذالک و اعتقد سواہ فلیس بمومن '' کا تعلق اہمیت تعظیم کے ساتھ ہے جو محبت کے ساتھ مساوی الوجود ہونے کیساتھ رُتبۃً اُس کے لیے بمنزلہ لازم ہے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ حضرات اگر علم بلاغت کی بحث فصل، وصل کی اہمیت کو اور اُس کے مواقع استعمالات کو پیش نظر رکھ کر قاضی عیاض کے اِس کلام کے دونوں حصوں کی ترتیب پر غور فرماتے تو صاحب مُفہم کے اعتراض کو بے محل قرار دے کر قاضی عیاض کی تحسین کیے بغیر نہ رہتے لیکن افسوس کہ اُنھوں نے نظر دقیق کی کُلفت اُٹھانے سے کنارا فرمایا۔

نیز اگر یہ حضرات تعظیم و محبت کے مابین مادہ افتراق کے سلسلہ میں صاحب مُفہم کی اِس عبارت پر غور فرماتے کہ ''اذقدیجدالانسان اعظام شئی مع خلوہ عن محبته '' کہ افتراق کا

Marfat.com

یہ قصہ ضروریاتِ دینیہ اور مُومَن بہ کے ماسوا میں ہے جبکہ قاضی عیاض کا کلام نہ صرف ضروریاتِ دینیہ میں بلکہ جملہ ضروریاتِ دینیہ کی بنیاد اور ہر مُومَن بہ کی پہچان کے لیے اصل الأصول یعنی ذاتِ پاک سید الانبیا ﷺ میں ہے۔ جہاں پر محبت و تعظیم کا افتراق ممکن نہیں ہے، ایک دوسرے کے بغیر اِن کے وجود کا تصور ہی نہیں ہے اور مساوات فی الوجود کے سوا کوئی اور نسبت ہی نہیں ہے جبکہ مُومَن بہ کے ماسوا یعنی ذات پاک سید الانبیا ﷺ کے ماسوا دوسرے خلائق میں نہ صرف وہی نسبت عموم وخصوص مطلق جو صاحب مُفہم کے حوالہ سے اِن حضرات نے بیان کی ہیں کہ تعظیم کا وجود بغیر محبت کے پایا جاسکتا ہے بلکہ اِس کے برعکس بھی ہو سکتا ہے کیوں کہ اِس صورت میں اِن دونوں کے مابین عموم وخُصُوص من وجہ کی نسبت ہے جس کے مطابق ہر ایک دوسرے کے بغیر بھی پائی جاسکتی ہے، جیسے برادر خورد کے ساتھ محبت ہوتی ہے ''طبعی بھی اختیاری بھی'' جبکہ تعظیم ہمیشہ نہیں ہوتی، جیسا کہا گیا ہے۔ ''سگ باش لکن برادرِ خورد مے باش''

اِسی طرح معاشرہ کے یزیدی، فرعونی اور طاغوتی صاحب اقتدار کی تعظیم تو کی جاتی ہے جبکہ تعظیم کرنے والے مجبور ومقہور بندوں کے دلوں میں اُن کے ساتھ محبت نام کی کوئی چیز نہیں ہوتی۔ جس کی مثال پنجاب کے کچھ چوہدری، سندھ کے وڈیرے، بلوچستان کے سردار اور صوبہ سرحد کے خوانین جیسے کج کلاہوں کے سامنے مجبور زمینداروں، مزدوروں اور ماتحتوں کی شکل میں دیکھی جاسکتی ہے۔ لیکن ایمان وایمانیات کا مسئلہ دوسرے خلائق کی طرح نہیں ہے کہ تعظیم ومحبت میں سے کوئی ایک بھی دوسرے کے بغیر موجود ہوسکیں نہیں ایسا ہرگز نہیں ہے بلکہ اِس حوالہ سے ایمان کے دوسرے لوازمات کی طرح اِن دونوں میں بھی نسبت مساوات فی الوجود کے سوا اور کچھ نہیں ہے، ایک دوسرے کے بغیر اِن کے وجود کا تصور بھی نہیں ہے یہ کوئی ایسا مسئلہ نہیں ہے جس میں کسی الٰہیات شناس کو کبھی کچھ تردد ہوا ہو چہ جائیکہ اختلاف ہوسکے۔

Marfat.com

سطحی ذہنوں میں عینی شرح بخاری اور فتح الباری شرح بخاری کے اندر موجود صاحب مُفہم کے اِس بے محل کلام کو پڑھ کر سطحی ذہنوں میں تو شکوک شبہات پیدا ہو سکتے ہیں جبکہ حقیقت کے ساتھ اِس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خود صاحبِ مُفہم نے بھی اپنے مذکورہ کلام میں اِن دونوں کا ایمان کے لیے ناگزیر ہونے اور اِن کے بغیر ایمان کی حقیقت ناتمام و نامکمل اور غیر صحیح ہونے کی تصریح کر دی ہے جیسے عینی و فتح الباری کی نقل کے مطابق اُس کے بالترتیب یہ کلام'' وبھٰذایتبین ان حقیقة الایمان لاتتم الابه و لا یصح الایمان الا بتحقیق افاقة قدر النبی ﷺ ومنزلته علٰی کل والد وولده و محسنٍ ومتفضل ومن لم یعتقد ذالک واعتقد سواه فلیس بمومن ''اِن دونوں کا لازمہ ایمان اور مساوی فی الوجود ہونے پر یکساں دلالت کر رہا ہے۔

دوسرا فائدہ:۔ ایمان کے لوازماتِ خمسہ کے مابین رُتبی ترتیب کو واضح کرنے کا دوسرا فائدہ یہ کہ اس سے اُن احادیث طیبہ کا فلسفہ آپ ہی واضح ہو جاتا ہے جن میں فرمایا ہے؛

''ثلاث من کن فیه وَجَدَ بِهِنَّ حلاوة الایمان ان یکون اللّٰہ تعالیٰ ورسوله احب الیه مما سواهما وان یحب المرء لا یحبه الاللّٰہ تعالیٰ وان یکره ان یعود فی الکفر کما یکره ان یقذف فی النار''(۱)

ایمان کی مٹھاس محسوس کرنے کے اِن تین اسباب میں سے اول یعنی اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول اعظم ﷺ کی محبت کا سب سے زیادہ ہونا حلاوۃ ایمان کو پانے کا سبب اِس لیے ہے کہ یہ مقتضائے فطرت ہے کیوں کہ محبت کا حجم یعنی کمی و زیادتی اور شدت وضُعف اپنے اسباب کے مطابق ہوتا ہے جب اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت کے اسباب ہر اعتبار سے نہ صرف زیادہ بلکہ ماوراء الحد والعد ہیں تو اُن کا تقاضا بھی اسی شرح تناسب سے ہوگا جس کی عملی صورت مومن

---

(۱) مسلم و بخاری، کتاب الایمان۔

Marfat.com

مسلمان کی طرف سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ علی الاطلاق سب سے زیادہ محبت کے سوا اور کچھ نہیں ہے جس کو مطابقہ اُلمُقتَضیٰ لِلمُقتَضِی بھی کہا جا سکتا ہے، جو صراط مستقیم اور فطری اعتدال کا ظہور ہونے کے ساتھ اللہ کے فرمان ''وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ''(۱) کا مظہر بھی ہے۔ یہی حال رسول اعظم ﷺ کے ساتھ جملہ کائنات میں سب سے زیادہ محبت کا ایمان کی مٹھاس کو محسوس کرنے کیلئے سبب ہونے کا بھی ہے کہ محبوبِ اعظم سیدِ عالم ﷺ کے ساتھ محبت کے جو اسباب ہیں وہ دائرہ خلائق کے اندر نہ صرف یہ کہ سب سے زیادہ ہیں بلکہ حدوعد سے ماوراء ہیں ایسے میں سید عالم ﷺ کے ساتھ سب سے زیادہ محبت کرنا مقتضاء فطرت نہ ہوگا تو اور کیا ہوگا۔

اہل علم جانتے ہیں کہ جو چیز بھی فطری اعتدال اور مقتضاء فطرت کے مطابق ہوتی ہے مٹھاس بھی اُسی میں ہوتی ہے چاہے حسی و مادی ہو یا معنوی و روحانی حسی و مادی کی مثال جیسے طعام میں نمک کے اعتدال سے اُس کی لذت کا محسوس کیا جانا۔ کون نہیں جانتا کہ یہی نمک اعتدال سے زیادہ یا کم ہونے کی صورت میں حلاوت و مٹھاس کڑواہٹ و پھیکا پن میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ معنوی و روحانی حلاوت کی مثال جیسے گھرانے کے جملہ افراد کا حقوق اللہ سے لے کر حقوق العباد تک شرعی احکام کی پابندی کرنے کے اعتدال میں زندگی گزارنے کی صورت میں اُس گھرانے کو روحانی سکون کا میسر ہونا۔ کون نہیں جانتا کہ اعتدالِ فطری کے برعکس زندگی گزارنے والے گھرانوں میں روحانی سکون کا نام ونشان نہیں ہوتا۔ حدیث شریف کے پہلا حصہ ''من كان الله ورسوله احب اليه مما سواهما '' کے اِس فلسفہ کو سمجھنے کے بعد آخری حصہ ''وان يكره ان يعود فی الكفر كما يكره ان يقذف فی النار '' کے فلسفہ کو سمجھنا بھی آسان ہو گیا کیوں کہ یہ ایمان کے لوازمات خمسہ میں سے پانچویں لازم کی عملی صورت ہے، اِس لازمہ یعنی مُومَن بِہ کے منافی مذاہب، اشخاص و کردار سے نفرت و کراہت

---

(۱) التوبہ، 165۔

Marfat.com

کی اہمیت کا بیان ہے اور معقول کو محسوس کے ساتھ تشبیہ کی تبلیغ علی وجہ البلیغ ہے کہ جیسے دُنیا محسوسات کے اندر آگ میں ڈالے جانے سے نفرت وکراہت کیا جانا لازمہ فطرت ہے۔ اسی طرح ایمان کی ضد میں جانے سے نفرت وکراہت بھی لازمہ ایمان ومقتضاءِ فطرت ہے، جیسے آگ میں جانے سے کراہت نہ کرنے والے معکوس الفطرت وبے اعتدال ہوتے ہیں، ویسے ہی ایمان کی ضد سے نفرت وکراہت نہ کرنے والے بھی معکوس الفطرت وبے اعتدال ہوتے ہیں، آگ میں جانے سے کراہت نہ کرنے والوں کا لذت حیات سے محروم ہونے کی طرح ہی ایمان کی ضد سے کراہت نہ کرنیوالے بھی لذت ایمان سے محروم ہوتے ہیں اور اُن کا نتیجہ معدوم الحیاۃ ہونے کی طرح ان کا نتیجہ بھی معدوم الایمان ہونا ہے۔ حدیث شریف کا یہ حصہ اور یہ مفہوم درحقیقت مندرجہ ذیل آیات کریمہ کی عملی تفسیر ہے، جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا؛

''اِسۡتَجِیۡبُوۡا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوۡلِ اِذَا دَعَاكُمۡ لِمَا يُحۡيِيۡكُمۡ''(۱)

''اَوَمَنۡ كَانَ مَيۡتًا فَاَحۡيَيۡنٰهُ وَجَعَلۡنَا لَهٗ نُوۡرًا يَّمۡشِىۡ بِهٖ فِى النَّاسِ كَمَنۡ مَّثَلُهٗ فِى الظُّلُمٰتِ لَيۡسَ بِخَارِجٍ مِّنۡهَا''(۲)

''مَنۡ عَمِلَ صَالِحًا مِّنۡ ذَكَرٍ اَوۡ اُنۡثٰى وَهُوَ مُؤۡمِنٌ فَلَنُحۡيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً''(۳)

حدیث کے درمیانی حصہ ''وان یحب المرء لا یحبه الا لِلّٰهِ تَعَالٰی'' کے فلسفہ کی سمجھ بھی آسان ہوگئی کیوں کہ دُنیا میں اسباب محبت کے مطابق کسی سے بھی محبت کی جاسکتی ہے اور یہ محبت جائز وبامصرف بھی ہوسکتی ہے اور ناجائز وبے مصرف بھی ناجائز اس حدیث میں موضوع سخن ہی نہیں ہے۔ اِس لیے کہ یہاں پر جائز محبت کا معیار اور اُس کے فردِ اعلیٰ کا کمال بتانے

---

(۱) الانفال،24۔

(۲) الانعام،122۔

(۳) النحل، 97۔

Marfat.com

کے ساتھ اُس کی دست آوری کی ترغیب دینا مقصد ہے، معیار یہ کہ اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول معظم ﷺ کے سوا کسی بھی مخلوق کے ساتھ بامصرف اور اللہ کی رضا کے مُوجب بننے والی محبت کُلی مشکک ہے جس کے افراد میں سب سے کامل اور سب سے اعلیٰ وہ ہے جس میں محبوب کے اور اللہ تعالیٰ کے مابین موجود روحانی کنکشن کا لحاظ ہو، اِس کو اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اُس کا احسان سمجھا جائے اور اِس میں اللہ تعالیٰ کی رضا کو دوسرے اسباب سے فائق سب سے زیادہ موجب وموثر، اور سب سے مقدم ہونے کو پیش نظر رکھا جائے۔ اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول معظم ﷺ کے ماسوا کسی بھی مخلوق کے ساتھ جائز محبت کا یہ وہ فرد کامل، فرد اعلیٰ اور فرد تمام ہے جس کو الٰہیات کے ماہرین اور بالخصوص صوفیاء کرام نے فنا فی اللہ کے لقب سے ملقب کیا ہے، جو منازل عشرہ سلوک کے منزل توبہ سے لے کر منزل رضا تک سب سے اعلیٰ اور سب کی منتہاء ہے۔ قرآن وسُنت میں مختلف انداز سے اس کو ذکر کیا گیا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"وَمَالِاَحَدٍعِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰٓى o اِلَّاابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَ عْلٰى "(۱)

حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے؛

"مَنْ اَحَبَّ لِلّٰهِ وَاَبْغَضَ لِلّٰهِ وَاَعْطٰى لِلّٰهِ وَمَنَعَ لِلّٰهِ فَقَدِ اسْتَكْمَلَ الْاِيْمَانَ"(۲)

تیسرا فائدہ:۔ اِس کے علاوہ ایمان کے لوازمات خمسہ کے مابین رُتبی ترتیب کی اِس وضاحت سے تیسرا فائدہ یہ کہ اِس سے بخاری شریف کی اُس روایت کا فلسفہ بھی واضح ہو جاتا ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ اللہ کے رسول سید عالم ﷺ سے ایک موقع پر حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ "یا رسول اللہ ﷺ میری اپنی جان کے سوا باقی ہر چیز سے زیادہ محبت میرے دل میں آپ کے ساتھ ہے" تو اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ "جب تک اپنی جان

(۱) اللیل،19،20۔

(۲) مشکوٰۃ شریف، کتاب الایمان، ص92۔

Marfat.com

سے بھی زیادہ محبت مجھ سے نہیں ہوگی اُس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا''۔تب حضرت عمرؓ نے کہا کہ ''یارسول اللہ ﷺ اب آپ کے ساتھ مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ محبت ہے'' اِس کے جواب میں اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ ''ایمان کی بات اب ہوگئی''۔حدیث شریف کے الفاظ حضرت عبداللہ ابن ہشام کی روایت سے اِس طرح ہیں؛

''قال کنا مع النبی ﷺ وھو آخذ بید عمر ابن الخطاب فقال له عمر یا رَسُول الله لانت احب الی من کل شی ء الا من نفسی فقال النبی ﷺ لا والذی نفسی بیده حتّٰی اکون احب الیک من نفسک فقال له عمر فانه الآن واللّٰه لا نت احب الی من نفسی فقال النبی ﷺ الآن یا عمر''(۱)

فلسفہ اِس کا یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنی فطری اور غیر اختیاری محبت سے متعلق جو دل میں تھا وہی ظاہر کردیا کہ میری اپنی جان کے سوا کوئی چیز ایسی نہیں ہے جس کے ساتھ میرے دل میں طبعی محبت آپ سے زیادہ ہو۔یہ بات اپنی جگہ درست ہونے کے باوجود مغالطہ کا موہم ہوسکتی تھی کہ عام لوگوں کے سامنے اگر ایسا کہا جائے تو اُن کے لیے مغالطہ کا موجب بن سکتی ہے کہ اختیاری محبت میں اپنی جان کو رسول اللہ ﷺ پر ترجیح دینے والا بھی مومن مسلمان ہوسکتا ہے حالاں کہ اپنی جان کو اختیاری محبت کے حوالہ سے رسول اللہ ﷺ پر ترجیح دینے والے کے مومن ہونے یا مومن رہنے کا کوئی امکان اسلام میں نہیں ہے۔اِس لیے حضرت عمرؓ کی زبان سے اِس کو سُننے کے فوراً بعد از روئے اصلاح فرمایا کہ یہ جو تم کہہ رہے ہو اِس کا انداز غلط ہے،موجب مغالطہ ہے اور نا مناسب ہے بلکہ یوں کہو کہ مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ محبت رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہے یہ توجیہہ اس لیے کہ محبت اختیاری اور غیر اختیاری

---

(۱) حدیث نمبر 6236،کتاب الایمان والنذور بخاری مع الکرمانی،ج 23، ص 96۔

Marfat.com

دونوں کو شامل ہے جبکہ ایمان کے لیے جو ضروری ہے وہ اختیاری ہے جس کو ایمانی، اور عقلی بھی کہتے ہیں یہی موجب ثواب اور مدار ایمان ہے جبکہ غیر اختیاری محبت اپنی جان، اولاد وغیرہ کے ساتھ ہر شخص کی فطرت میں شامل ہوتی ہے جس وجہ سے اُسے طبعی محبت بھی کہتے ہیں جو مدار ایمان ہے نہ مدار ثواب۔ اِن دونوں کے احکام جدا ہونے کی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا طبعی محبت سے متعلق یہ کہنا کہ ''لانت احب الی من کل شی ء الا من نفسی'' بجائے خود درست ہونے، اہل فہم کے سامنے نا قابل اعتراض ہونے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہونے کے باوجود قابل اصلاح تھا کیوں کہ اگر اللہ تعالیٰ کے رسول سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم اِس کی اصلاح نہ فرماتے اور مدار ایمان محبت کی راہ کو طبعی محبت کی راہ سے جدا نہ کرتے اور عام لوگوں کے لیے مغالطہ واشتباہ کا سبب بننے والے اُس کلام کی تبدیلی نہ فرماتے تو حدیث تقریری بن کر بعد والوں کے لیے ایسا کہنے کا جواز پیدا ہوتا، ہر شخص یہ کہتا پھرتا کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ محبت مجھے اپنی ذات سے ہے'' کیوں کہ حدیث تقریری کا اس کے سوا کوئی اور مطلب ہی نہیں ہے کہ سرور کائنات رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور کسی صحابی نے کوئی بات کی ہو جس کو دیکھ کر اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار نہ فرمایا ہو، تغییر و تبدیلی نہ کی ہو اور منع نہ فرمایا ہو جبکہ طبعی اور اختیاری محبتوں میں تمیز کرنے سے قاصر عوام کا یا ایسے عوام کے ماحول میں کسی اہل علم کا اپنی ذات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ محبوب کہنے کی یہ روش ایمان کے ہی منافی ہے۔ آیت کریمہ ''اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ''(۱) کے ساتھ متصادم اور آیت کریمہ ''وَلَا یَرْغَبُوْا بِاَنْفُسِهِمْ عَنْ نَّفْسِهٖ''(۲) سے انحراف ہے، تمام اُمت مسلمہ کے اجماعی و قطعی عقیدہ سے برعکس و ناجائز ہے۔

---

(۱) الاحزاب، 6۔

(۲) التوبہ، 120۔

Marfat.com

باقی رہا یہ سوال کہ ایمان طبعی واختیاری کی یہ تفریق اور حضرت عمرؓ کا "الا من نفسی" کہنے کا طبعی محبت پر محمول ہونے پر دلیل کیا ہے؟

اِس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عمرؓ اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کے ساتھ اِس انداز کا کلام کرنا انسانوں کے عرف عام کے مطابق ہے کہ لوگ طبعی محبت کے اظہار کے لیے اِس انداز کا کلام کرتے رہتے ہیں کہ فلاں میرے دل کے زیادہ قریب، فلاں کو زیادہ چاہتا ہوں اور فلاں کی میرے ساتھ یا میری اُس کے ساتھ زیادہ محبت ہے۔

دوسرا قرینہ:۔ حضرت عمرؓ اُس وقت مومن تھے اگر محبت کو طبعی پر محمول نہ سمجھا جائے تو یقیناً اختیاری پر محمول ہوگی جو منافی ایمان ہے جس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

تیسرا قرینہ:۔ اس کلام میں زیادہ محبت کا تقابل ہے کہ پہلے حضرت عمرؓ نے "الا من نفسی" کہہ کر احبیت رسول کی نفی کی جب اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ نے اُنہیں سمجھایا پھر "الآن واللہ لانت احب الی من نفسی" کہہ کر احبیت رسول کے ثبوت کا اظہار کیا حالانکہ طبعی عمل کی تبدیلی ممکن ہے نہ اُس کا سلب ہونا۔

باقی رہا یہ سوال کہ جب اتنا بڑا فرق تھا تو پھر اللہ کے رسول ﷺ نے سختی کے ساتھ اُنہیں کیوں منع نہیں کیا؟

اِس کا جواب یہ ہے کہ یہاں پر دونوں نہ صرف یہ کہ اہل لسان تھے بلکہ اہل لسان وسخن دان ہونے کیساتھ فصاحت وبلاغت کے اعلیٰ قدروں کے حامل بھی تھے جس کی بدولت کسی طویل تردیدی کلام یا سخت لہجہ اختیار کیے بغیر ہی نہایت مختصر اور جامع انداز میں اللہ کے رسول ﷺ کے سمجھانے سے حضرت عمرؓ سمجھ گئے کہ اللہ کے رسول ﷺ مجھے اپنی ذات کے حوالہ سے اُس احبیت کے اظہار کا فرما رہے ہیں جو میرے اختیار میں ہے، جو مدار ایمان ہے، جس کے بغیر ایمان کا تصور ہی نہیں ہے اور جو پہلے سے میرے اندر موجود ہے۔

Marfat.com

اِسی نکتہ کی بناء پر جملہ شارحین حدیث نے بھی اپنے اپنے انداز اور مختلف الفاظ میں اِسی بات کو مقصد کلام قرار دیا ہے۔ جیسے فتح الباری میں ہے؛

''والمراد بالمحبة هنا حب الاختيار لا حب الطبع''(۱)

کرمانی میں ہے: ''وانما اراد صلی اللہ علیہ وسلم حب الاختيار اذ لا سبيل الى قطع الطباع ای لا تصدق فی حبی حتی تفدی فی طاعتی نفسک''(۲)

ایک تنبیہ اور ضروری اصلاح:۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ اختیاری محبت کے حوالہ سے اپنی جان سے بھی زیادہ احبیت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اظہار کر چکے تب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''الآن'' اہل علم جانتے ہیں کہ یہ لفظ ظرف زمان کا ہے جس کے لیے عامل کا ہونا ضروری ہے جس کی تشریح کرتے ہوئے بعض محدثین کرام نے تقدیر کلام ''الآن تم ایمانک'' کہا ہے، یعنی ظرف کے لیے عامل ''تـمّ'' مقدر سمجھا ہے جس کا مفہوم ہے ''اب تیرا ایمان تمام ہوا''۔ جبکہ بعض محدثین نے تقدیر کلام ''الآن کمل ایمانک'' کہا ہے یعنی ظرف کے لیے عامل ''کَمُل'' مقدر سمجھا ہے جس کا مفہوم ہے ''اب تیرا ایمان کامل ہوا''۔

شارحین حدیث کی یہ دونوں تعبیریں اپنی جگہ درست اور بے غُبار ہونے کے باوجود عرصہ دراز سے ہم اپنے معاشرہ کے علماء کرام اور حدیث پڑھنے اور پڑھانے والے شیوخ الحدیث کہلانے والوں کو اِس حوالہ سے مغالطہ کا شکار دیکھ رہے ہیں کہ شارحین کرام کے اِن الفاظ کو وہ ایمان کے کامل اور غیر کامل اور تمام و ناتمام پر محمول کر کے دو قسمیں بتاتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو نفس ایمان تو پہلے سے حاصل تھا اب کامل ہوا۔ اِسی طرح نفس ایمان تو پہلے سے تھا اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سمجھانے کے بعد تمام ہوا۔

---

(۱) فتح الباری شرح صحیح البخاری، ج 1، ص 59۔

(۲) کرمانی علی البخاری، ج 23، ص 97۔

Marfat.com

ایک ضروری وضاحت:۔ التزامِ کفر اور ارتداد کی یہ تمام قسمیں ایمان مجمل اور ایمان مفصّل کی ضد یا نقیض ہیں یعنی ملتِ اسلام سے انکار یا اُس کے لوازماتِ خمسہ میں سے کسی کی ضد یا نقیض کے ارتکاب ہیں، اِسی طرح ملتِ اسلام کے تحت مندرج کسی بھی ضرورتِ دینی سے انکار یا اُس کے ساتھ ایمان کے لوازماتِ خمسہ میں سے کسی کی ضد یا نقیض کا ارتکاب ہیں جبکہ بالخصوص ذاتِ الٰہی کے ساتھ ایمان کے حوالہ سے مذکورہ لوازمات کے علاوہ دو اور بھی ضروری ہیں؛ **ایک:** رجآء۔ **دوسرا:** خوف۔

رجآء سے مطلب یہ کہ مؤمن بہ ہونے کی حیثیت سے ذاتِ الٰہی سے اُمید کی جائے۔

خوف سے مطلب یہ کہ مؤمن بہ ہونے کی حیثیت سے ذاتِ الٰہی سے اندیشہ کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "یَرْجُوْنَ رَحْمَتَه وَیَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ "(۱)

اُس کی رحمت کی اُمید رکھتے ہیں اور اُس کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔

عام حالات میں ضدین کا اجتماع ناممکن ہونے سے برعکس یہ ایسی ضدین ہیں جن کا اجتماع ضروری ہے یعنی "کل مؤمنٍ یجتمع فیه رجاءُ رحمة الله وخوف عذابه بالضرورة مادام مومنًا" یعنی ہر مومن میں اللہ تعالیٰ سے خوف ورجآء کا جمع ہونا ضروری ہے جب تک وہ مُومن ہے ورنہ ایک کے عدم سے بھی ایمان کالعدم ہوگا اِس لیے کہ انتفاء لازم ہمیشہ انتفاء ملزوم پر منتج ہوتا ہے جس کے بعد انتفاء ملزوم پر کوئی اور دلیل تلاش کرنے کی ضرورت نہیں رہتی۔

اِسی فلسفہ کے تحت پیشروانِ اسلام نے اِن دونوں کو ایمان کے لیے ایسے ہی ضروری سمجھا ہے جیسا پرندہ کے لیے دونوں پَر ضروری ہوتے ہیں جیسا دونوں پَروں کے اجتماعی وجود کے بغیر کسی پرندے کا وجود متصور ہوسکتا ہے نہ اُسکی پرواز کا اِسی طرح اِن دونوں کے اجتماعی وجود کے

---

(۱) الاسراء، 57۔

Marfat.com

بغیر ایمان یعنی اقرار باللسان وتصدیق بالقلب کا شرعی وجود متصور ہوسکتا ہے نہ اُس کی صحت۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان کے اِس لازمہ کی نوعیت اگرچہ مختلف ہے کہ کسی میں زیادہ ہوتی ہے کسی میں کم، کیوں کہ اہل ایمان کے درجات ایک جیسے نہیں ہوتے جن کے مطابق ایمان مجمل اور ایمانِ مفصّل کے لوازماتِ خمسہ میں کمی وبیشی اور شدت وضُعف ہونے کی طرح ذاتِ الٰہی پر ایمان کے اِس لازمہ میں بھی اہل ایمان کے درجات کے مطابق اِس طرح فرق ہوتا ہے کہ عام اہل ایمان کے دل میں جوخوف ورجآء ہوتی ہے اُس کے مقابلہ میں خواص کے دل میں موجود خوف ورجآء کہیں زیادہ اور قوی ہوتی ہے۔ جیسا اللہ تعالیٰ نے فرمایا؛

''اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا''(۱)

اللہ کے دوسرے بندوں کے مقابلہ میں بے شک علماء ہی اُس سے ڈرتے ہیں۔

نیز فرمایا:''وَالَّذِیْنَ یُؤْتُوْنَ مَآاٰتَوْا وَّ قُلُوْبُھُمْ وَجِلَۃٌ اَنَّھُمْ اِلٰی رَبِّھِمْ رٰجِعُوْنَ''(۲)

اور وہ جو دیتے ہیں جو کچھ دیں اور اُن کے دل ڈر رہے ہیں یوں کہ اُن کو اپنے رب کی طرف پھرنا ہے۔

اِس کی تفسیر میں اللہ کے رسول سید عالم ﷺ نے فرمایا؛

''اَلَّذِیْنَ یَصُوْمُوْنَ وَیُصَلُّوْنَ وَیَتَصَدَّقُوْنَ وَھُمْ یَخَافُوْنَ اَنْ لَا یُقْبَلَ مِنْھُمْ اُولٰئِکَ الَّذِیْنَ یُسَارِعُوْنَ فِی الْخَیْرَاتِ''(۳)

یہ وہ ہیں جو روزے رکھتے ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں اور تصدق کرتے ہیں یہ سب کچھ

---

(۱) فاطر،28۔

(۲) المومنون،60۔

(۳) مشکوۃ شریف،ص457،باب البکاء الخوف،فصل ثانی بحوالہ ترمذی وابن ماجہ۔

Marfat.com

کرتے وقت ڈرتے بھی ہیں کہ کہیں ان کے یہ عمل مقبول نہ ہوں یہی وہ لوگ ہیں جو بہتری کی طرف آگے بڑھتے ہیں۔

جبکہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایمان رکھنے والے عام اہلِ ایمان کے خوف سے متعلق فرمایا؛

''اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَجِلَتْ قُلُوْبُھُمْ''(۱)

ایمان والے وہی ہیں کہ جب اللہ کو یاد کیا جائے اُن کے دل ڈر جائیں۔

اور خواص کے مقابلہ میں اخص الخواص کے دل میں موجود خوف ورجآء اور بھی زیادہ قوی ہوتی ہے۔ جیسا اللہ تعالیٰ نے فرمایا؛

''وَلَا یَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰہَ''(۲) اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے ہیں۔

اِسی طرح اخص الخواص میں بھی مختلف درجات اور متفاوت طبقے ہیں ہر اعلیٰ طبقہ کے دل میں موجود خوف ورجآء کی قوت وترقی کی یہ رفتار نبی الانبیاء والمرسلین خاتم النبیین ﷺ پر جاکر منتہی ہوتی ہے کہ آپ ﷺ کے دل میں موجود خوف رجآء سب سے زیادہ قوی، سب سے اعلیٰ اور سب میں بے مثال ہے۔ جیسا فرمایا؛

''اِنِّی لَسْتُ مِثْلُکُمْ''(۳) بے شک میں تمہاری طرح نہیں ہوں۔

ظاہر ہے کہ یہاں پر مثلیت کی نفی اپنے عموم کی بنا پر ایمان سے متعلقہ جملہ کمالات کو شامل ہے چاہے مُقتضیاتِ ایمان ہو یا لوازماتِ ایمان۔ نیز فرمایا؛

''اِنِّی اَتْقَاکُمْ وَاَعْلَمُکُمْ بِاللّٰہِ''(۴)

بے شک میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں اور تم سب سے زیادہ اللہ کو

---

(۱) الانفال، 2۔

(۲) الاحزاب، 39۔

(۳) بخاری شریف، کتاب الاعتصام، ج2، ص1084۔

(٤) بخاری شریف، کتاب الایمان، ج1، ص7۔

Marfat.com

جاننے والا ہوں۔

نیز فرمایا: "إِنَّهُ لَيُغَانُ عَلَى قَلْبِي وَإِنِّي لَأَسْتَغْفِرُ اللَّهَ فِي الْيَوْمِ مِائَةَ مَرَّةٍ" (۱)

جس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ کے خوف سے میرے دل کو بے خودی لاحق ہوتی ہے اور دن میں سو بار اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتا ہوں۔

نیز فرمایا؛ "وَاللَّهِ لاَ أَدْرِي وَأَنَا رَسُولُ اللهِ مَا يُفْعَلُ بِي وَلاَ بِكُمْ" (۲)

اللہ کی قسم میں نہیں جانتا حالاں کہ میں اللہ کا رسول ہوں کہ میرے ساتھ کیا ہوگا اور نہ یہ کہ تمہارے ساتھ کیا ہوگا۔

جبکہ تمام انبیاء و مرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم مامون العاقبۃ ہوتے ہیں اور نبی اکرم سیدِ عالم ﷺ کو اپنے حُسنِ انجام پر یقین ہونے کے ساتھ کفار و مشرکین کے بُرے انجام پر بھی یقین ہے۔

حقائق کی اِس روشنی میں نبی اکرم سیدِ عالم ﷺ کے فرمان ﴿وَاللَّهِ لاَ أَدْرِي وَأَنَا رَسُولُ اللهِ مَا يُفْعَلُ بِي وَلاَ بِكُمْ﴾ کا فلسفہ مُقتضائے خوف کے سوا اور کچھ نہیں ہے جبکہ اِس کا مقتضِی یعنی خوفِ نبوی ایمان باللہ کے دوسرے لوازمات کے اَوجِ کمال کی طرح ترقی و عروج کی حدِ اعلیٰ پر ہے جس کے وُفور و غلبہ کے تقاضے کبھی دل کی بے خودی، کبھی کثرت، استغفار اور کبھی شانِ الٰہی کے سامنے عجز و انکسار جیسی صورتوں میں ظاہر ہوتے رہے ہیں۔ آیت کریمہ ﴿وَمَآ أَدْرِيْ مَا يُفْعَلُ بِيْ وَلَا بِكُمْ﴾ (۳) کا بھی یہی فلسفہ ہے۔ اِس کے اشباہ و نظائر میں درج ذیل احادیث بھی شامل ہیں؛

1 حضرت عثمان ابن مظعون رضی اللہ عنہ جو رسول اللہ ﷺ کے رضاعی بھائی اور مہاجرین اولین

---

(۱) الانفال، 2۔

(۲) مشکوۃ شریف، باب البکاء والخوف، فصل اول، ص 456۔

(۳) الاحقاف، 9۔

Marfat.com

کے زمرہ میں اللہ تعالیٰ کی رضا پانے والے صحابی رسول تھے جب وفات ہوئے اُن کے مقام ودُرتبے سے آگاہ کسی صحابیہ نے اُنہیں جنت کی مبارکباد دی اور اُن کے خاتمہ بالخیر ہونے کی شہادت دی جس پر اللہ کے رسول سید عالم ﷺ نے اُنہیں ٹوکا اور فرمایا؛

''مَارئینا اِلَّا خَیرًا'' ہم نے اُس میں خیر کے سوا کچھ دیکھا ہی نہیں۔

نیز فرمایا: ''اَرْجُولَهُ رَحْمَةَ رَبِّهِ تَعَالٰى وَاَخَافُ عَلَيْهِ ذَنْبَهُ'' (۱)

میں اُس کے لیے رحمتِ الٰہی کی اُمید کرتا ہوں اور اُس کے گناہ کا خوف کرتا ہوں۔

اہل علم اور بالخصوص دارالافتاء کے ذمہ داروں کے لیے مقامِ غور ہے کہ اللہ کے رسول سید عالم ﷺ اپنے جس عظیم صحابی کے لیے ''مارئینا الاخیرا'' جیسے موکّد اور زوردار الفاظ میں بے گناہی کی خبر دینے کے ساتھ گناہ کا خوف بتا رہے ہیں جو بظاہر تضاد نظر آرہا ہے جبکہ حقیقت میں ایمان باللہ کا لازمہ ہے جس میں معصوم وغیر معصوم اور اہل ایمان کے خواص وعوام کی قطعاً کوئی تفریق نہیں ہے، مگر یہ کہ معصوم وخواص کی عظمتِ شان کے مطابق اُن میں ایمان کے یہ جڑواں لازم بھی دوسرے اہل ایمان سے زیادہ ہوتے ہیں جس کے مطابق سید الانبیاء والمرسلین ﷺ کا خوف رجآء من اللہ بھی سب سے زیادہ، سب سے عظیم اور سب سے بے مثل ہیں جس کے تقاضوں میں نہ صرف مذکورہ آیت وحدیث بلکہ ﴿إِنَّهُ لَيُغَانُ عَلَى قَلْبِي فِي الْيَوْمِ مِائَةَ مَرَّةٍ﴾ اور ﴿لَا يَنْبَغِي إِلَّا لِعَبْدٍ مِنْ عِبَادِ اللَّهِ وَأَرْجُو أَنْ أَكُونَ أَنَا﴾ جیسے واقعات بھی شامل ہے۔

ایمان باللہ کے سلسلہ میں خوف ورجآء کے اِس تلازم کو پیشِ نظر رکھنے کے بعد ایسے نصوص کے فلسفہ کو سمجھنا ہر ایک کے لیے آسان ہو جاتا ہے ورنہ تسلی واطمینان دور کی بات ہے اِن کے پڑھنے اور دیکھنے والوں کے دلوں میں قسما قسم شکوک وشبہات بھی جنم پاتے ہیں۔ انجام کار بعض عاقبت نااندیش پیغمبر اکرم سیدِ عالم ﷺ سے متعلق منفی سوچ کا مظاہرہ کرنے لگ جاتے

---

(۱) تفسیر روح المعانی، ج26، ص10، مطبوعہ دارالاحیاء التراث العربی بیروت۔

Marfat.com

ہیں جو اِس فلسفہ کو نہ سمجھنے کا نتیجہ ہے اور ہر لحاظ سے قابلِ مذمت ہے جبکہ مثبت سوچ رکھنے والے کچھ حضرات نا قابلِ فہم تاویلات کے چکر میں پڑ جاتے ہیں جس کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اللہ کے رسول سید عالم ﷺ ایمان باللہ کے اِن جڑواں لازمہ ''خوف ورجآء'' میں سب سے زیادہ، سب سے عظیم اور سب سے بے مثل ہونے کی طرح اِنابت الی اللہ، اِستغفار اور توبہ کے احکام پر عمل کرنے میں بھی بے مثل ہیں۔

❶ حضرت عبداللہ ابن عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا سے مروی ہے؛

''قَالَ إِنْ كُنَّا لَنَعُدُّ لِرَسُولِ اللهِ ﷺ فِي الْمَجْلِسِ يَقُولُ رَبِّ اغْفِرْ لِي وَ تُبْ عَلَيَّ إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الْغَفُورُ مِائَةَ مَرَّةٍ''(۱)

بے شک ہم ایک ہی مجلس میں رسول اللہ ﷺ سے سو بار توبہ واستغفار شمار کرتے تھے جو کہتے اے رب میرے مجھے بخش دے اور میری توبہ قبول فرما، بے شک تو ہی توبہ قبول فرمانے والا بخشنے والا ہے۔

❷ حضرت جابر ابن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے؛

''قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ لَا يُدْخِلُ أَحَدًا مِنْكُمْ عَمَلُهُ الْجَنَّةَ وَلَا يُجِيرُهُ مِنَ النَّارِ وَلَا أَنَا إِلَّا بِرَحْمَةٍ مِنَ اللهِ''(۲)

اِس کا مفہوم یہ ہے کہ میرے سمیت تم میں سے کسی کا عمل بھی اُسے جنت میں داخل نہیں کر سکتا اور نہ ہی دوزخ کی آگ سے اُسے پناہ دے سکتا ہے مگر اللہ تعالیٰ کی رحمت سے۔

❸ حضرت عبداللہ ابن عمرو ابن العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اللہ کے رسول سیدِ عالم ﷺ نے

---

(۱) مشکوۃ شریف، باب الاستغفار و التوبہ، فصل ثانی بحوالہ ابن ماجہ و ابو داؤد، ص 205۔

(۲) مشکوۃ شریف، باب الاستغفار و التوبہ، بحوالہ مسلم، ص 207۔

Marfat.com

اذان کی فضیلت اور اُس کا جواب دینے اور اُس کے بعد درود شریف پڑھنے سے متعلق احکام صادر فرمانے کے بعد فرمایا:

''ثُمَّ سَلُوا اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ لِيَ الْوَسِيلَةَ فَإِنَّهَا مَنْزِلَةٌ فِي الْجَنَّةِ لَا تَنْبَغِي إِلَّا لِعَبْدٍ مِنْ عِبَادِ اللّٰهِ تَعَالَى وَأَرْجُو أَنْ أَكُونَ أَنَا هُوَ فَمَنْ سَأَلَ اللّٰهَ لِيَ الْوَسِيلَةَ حَلَّتْ عَلَيْهِ الشَّفَاعَةُ''(۱)

پھر میرے لیے اللہ تعالیٰ سے وسیلہ کا سوال کرو بے شک وہ جنت میں ایک ایسا رُتبہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے صرف ایک بندہ کو ہی مناسب ہے اُمید کرتا ہوں کہ وہ بندہ میں ہی ہوسکتا ہوں پھر جس نے بھی میر لیے اللہ سے وسیلہ کا سوال کیا اُس کے لیے میری شفاعت لازم ہوگی۔

الغرض ایمان باللہ کے اِن جڑواں لازمہ یعنی خوف رجآء کی اہمیت سے متعلق اس قسم کے جتنے بھی نصوص قرآن وسنت میں مذکور ہوئے ہیں ان سے استدلال کر کے اللہ کے معصوم پیغمبر کی طرف گناہ، لغزش، دوسروں کی دُعا کی طرف محتاجی اور بے علمی جیسے اُمور منسوب کرنے کو منفی سوچ کے سوا اور کچھ نہیں کہا جا سکتا جو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایمان لانے کے لازمہ ''محبت و تعظیم'' کے تقاضوں سے خلاف ہے۔ نیز اِس قسم نصوص کے حوالہ سے نزاع وجدال کا جو اِفراط وتفریط دیکھنے کو مل رہا ہے اُس کا پسِ منظر بے توفیقی اور بے عرفانی کے سوا اور کچھ نہیں ہے جبکہ عرفان نصیب کاملین اور سلف وصالحین نے اِس قسم تمام نصوص کو ایمان باللہ کے اِن جڑواں لازمہ کے تقاضے قرار دیے ہیں جو ادنیٰ درجہ کے مومن مسلمان سے لے ذوات قدسیہ انبیاء ومرسلین اور خاتم النبیین ﷺ تک سب کے مناسب شان ہیں اور حسبِ مراتب سب کے خوف ورجآء کے مظاہر ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایمان یعنی اقرار باللسان وتصدیق بالقلب کا تصور ''خوف ورجآء'' کے بغیر ممکن نہیں ہے۔

(۱) مشکوۃ شریف، باب فضل الاذان بحوالہ مسلم، ص 65۔

Marfat.com

خوف رجآء سے متعلقات کی وضاحت:۔ اِس طرح ہے کہ جو خوف اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کولازم ہے وہ کبھی اُس وحدہ لاشریک کی ناراضگی اور اُس کے عذاب کیساتھ متعلق ہوتا ہے کہ مجھ سے ناراض نہ ہوجائے اور مجھے عذاب نہ دے اور کسی بے اعتدالی پر گرفت نہ کرے۔ اِس کے مقابلہ میں جو رجآء ہے اُس کا تعلق اللہ کی رَضا اور اُس کی رحمت کے ساتھ ہوتا ہے کہ مجھ سے راضی ہوجائے اور مجھے اپنی رحمت سے نوازے جیسا اللہ تعالیٰ نے فرمایا "یَرْجُوْنَ رَحْمَتَه وَیَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ "(۱) اور کبھی یہ دونوں بالترتیب عبادات واطاعات کی قبولیت لعدمِ قبولیت سے متعلق ہوتے ہیں یعنی عبادات کے قبول ہونیکی اُمید ورجآء اور عدم قبولیت کا خوف جس کے مطابق کوئی عابد اور کوئی اطاعت کار بھی اپنے اِس کردار سے متعلق یکطرفہ فیصلہ نہیں کرسکتا کیونکہ ایمان باللہ کے یہ جڑواں لازم نقیضین سے متعلق ہونیکی بنا پر ایک دوسرے کو اُن کے اپنے اپنے دائرے میں محدود کرتے ہیں۔قرآن شریف کے جن نُصوص میں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے نا اُمیدی اور اُس کے غیبی کاموں سے بے خوفی کو کفر قرار دیا گیا ہے جیسا آیت کریمہ "فَلَا یَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ "(۲) اور آیت کریمہ "اِنَّه لَا یَایْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ "(۳) اِس قسم کے جتنے بھی نصوص پائے جاتے ہیں اُن سب کا فلسفہ یہی کچھ ہے کہ ایمان باللہ کا وجود اِن دونوں کے بغیر ممکن نہیں ہے کیوں کہ لازم کی نفی ملزوم کی نفی پر قطعی دلیل ہوتی ہے جس کے بعد کوئی اور دلیل تلاش کرنے کی ضرورت نہیں رہتی۔

یہ الگ بات ہے کہ وقت اور حالات کے مطابق اِن میں کمی وبیشی ضرور آتی ہے لیکن ختم ایک

---

(۱) الاسراء،57۔

(۲) الاعراف،99۔

(۳) یوسف،78۔

Marfat.com

بھی نہیں ہوتا بلکہ ملزوم یعنی ایمان باللہ کی موجودگی کی بنا پر دونوں کی موجودگی ضروری ہے ورنہ تلازم کا کوئی مطلب ہی نہیں رہتا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا؛

''وَالَّذِیْنَ یُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّ قُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ''(۱)

اور وہ جو دیتے ہیں جو کچھ بھی دیں جبکہ اُن کے دل ڈر رہے ہیں یوں کہ اُن کو اپنے رب کی طرف پھرنا ہے۔

ظاہر ہے کہ یہاں پر اللہ کی راہ میں کچھ دینے کی صورت میں جو عبادت یا جو بھی نیکی کا عمل کیا جا رہا ہے اُس کے ساتھ قبولیت کی اُمید وابستہ ہے ورنہ نا اُمیدی کی صورت میں ایسا کوئی عمل نہیں کیا جاتا جبکہ عین اُسی وقت عدمِ قبولیت کا خوف بھی لاحق ہے کہ اگر رب تعالیٰ نے اِسے قبول نہ فرمایا کس منہ سے ہم اُس کے حضور حاضر ہوں گے۔ اِس آیت کریمہ کی تفسیر میں اُم المومنین حضرت عائشہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا کی روایت سے جو حدیث آئی ہے وہ بھی اِسی مفہوم میں نص ہے جس کے الفاظ یہ ہیں؛

''الَّذِینَ یَصُومُونَ وَیُصَلُّونَ وَیَتَصَدَّقُونَ وَهُمْ یَخَافُونَ أَنْ لا یُقْبَلَ مِنْهُمْ''(۲)

اور کبھی ایمان باللہ کے یہ جڑواں لازم موت سے متعلق ہوتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایمان لانیوالے ہر شخص کے دل میں خارجی دلائل سے قطع نظر محض مومن من حیث انہ مومن کے طور پر خاتمہ بالخیر ہونے کی اُمید و رجآء کے ساتھ اُس کی ضد کا خوف بھی ہوتا ہے جیسا مرفوع حدیث میں فرمایا گیا ہے؛

''إِنَّ الْقُلُوبَ بَیْنَ أَصْبُعَیْنِ مِنْ أَصَابِعِ اللَّهِ یُقَلِّبُهَا کَیْفَ یَشَاءُ''(۳)

---

(۱) المومنون، 60۔

(۲) مشکوۃ شریف، باب البکاء الخوف فصل ثانی بحوالہ ترمذی و ابن ماجہ، ص 75۔

(۳) مشکوٰۃ شریف، باب الایمان بالقدر فصل ثانی۔

Marfat.com

نیز اللہ کے رسول سیدِ عالم ﷺ اکثر وبیشتر یہ دُعا کیا کرتے تھے:

''یَا مُقَلِّبَ الْقُلُوبِ ثَبِّتْ قَلْبِی عَلٰی دِیْنِکَ''(۱)

نیز حضرت سہل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

''إِنَّ الْعَبْدَ لَیَعْمَلُ عَمَلَ أَهْلِ النَّارِ وَإِنَّهُ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ وَيَعْمَلُ عَمَلَ أَهْلِ الْجَنَّةِ وَإِنَّهُ مِنْ أَهْلِ النَّارِ وَإِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالْخَوَاتِيمِ''(۲)

بے شک کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ بندہ ظاہر میں دوزخیوں والا عمل کرتا ہے جبکہ حقیقت میں وہ اہل جنت میں سے ہوتا ہے اور کبھی جنتیوں والا عمل کرتا ہے جبکہ حقیقت میں وہ اہل دوزخ میں سے ہوتا ہے بے شک اعمال کا دارومدار خاتمہ پر ہے۔

اِس قسم نصوص کی موجودگی میں وہ کون سا مومن مسلمان ہوسکتا ہے جو اپنے آخری انجام سے متعلق یکطرفہ تصور کر سکے۔ہاں ایمان باللہ کی اطلاقی حیثیت سے قطع نظر کسی ماوراء العادۃ واقعہ کا معاملہ اِس سے جدا ہے جس میں کلام ہی نہیں ہے کیوں کہ وہ قدرتِ الٰہی کے ایسے اسرار ورُموز ہوتے ہیں جن سے متعلق کچھ بھی نہیں کہا جاسکتا اور نہ ہی انسان اُنہیں سمجھنے پر مکلّف ہے جبکہ ایمان کے معیار اور اس کے لوازمات وتقاضوں کو جاننا حسبِ استطاعت سب پر لازم ہے ورنہ ایمان باللہ اور کفر کے مابین تمیز ممکن نہیں ہوگی۔

خلاصۃ التفصیل:۔ ایمان باللہ کو خوف ورجآء ایسے ہی لازم ہیں جیسا کسی بھی مومَن بہ کے ساتھ محبت ورضا اور تعظیم لازم ہیں اور اِن کا تعلق اللہ تعالیٰ کی رضا وناراضگی ،مقبولیت وعدم مقبولیت اور خاتمہ بالخیر وعدم خاتمہ بالخیر جیسے اُمورِ غیبیہ سے خالی نہیں ہوتا۔جس وجہ سے رجآء کو اللہ تعالیٰ کے اِسم ''نافع'' اور خوف کو اِسم ''ضار'' کا مظہر اور اُس کے ساتھ مربوط بھی کہا

(۱) حوالہ مذکورہ بروایت انس ابن مالک ص۔

(۲) مشکوۃ شریف،باب الایمان بالقدر فصل اول،ص20۔

Marfat.com

جا سکتا ہے۔اور ایمان باللہ سے اِن کا انفکاک ایسا ہی ناممکن وممتنع ہے جیسا اللہ تعالیٰ کی اِن دونوں صفات کا اُس کی ذات سے انفکاک ناممکن ہے اِسی فلسفہ کے تحت اَسلاف نے ان کو ایمان باللہ کے لیے ایسا ہی ضروری سمجھا ہے جیسا پرندہ کے لیے پَر ضروری ہوتے ہیں حضرت خواجہ عبداللہ انصاری نَوَّرَاللّٰہُ مَرْقَدَہُ الشَّرِیْفُ نے اِن کے مختلف درجات کی تفصیل بتانے کے ساتھ ادنیٰ ما یصح بہ الایمان یعنی صحت ایمان کے لیے کم ازکم اور ادنیٰ سے ادنیٰ حد ضرورت سے متعلق فرمایا ہے؛

''الدرجة الاولٰى الخوف من العقوبة وهو الخوف الذى يصح به الايمان وهو خوف العامه''(۱)

اور رجآء کی کم ازکم حدِ ضرورت بتاتے ہوئے کہا ہے؛

''الدرجة الاولٰى رجآء يبعث العامل على الاجتهاد ويولد التلذذ بالخدمة ويوقظ الطباع للسماحة بترك المناهى''(۲)

جبکہ دونوں کی اجتماعی اہمیت سے متعلق کہا ہے؛

''جناحى طير الايمان هما الخوف والرجآء''()

ایمان باللہ کو خوف ورجاء لازم ہونے کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ خوف ورجآء کی ہر صورت لازمہٗ ایمان کہلائے جیسا لازم مُساوی میں ہوتا ہے نہیں ایسا ہرگز نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ سے خوف ورجآء کی کچھ صورتیں مُقتضیاتِ ایمان میں بھی شامل ہیں جن کا عدم ایمان کے عدم کو مستلزم نہیں ہے جس کے مطابق رجآء کی مثالوں میں ترغیب سے متعلق شرعی احکامات پر عمل کی وہ تمام

(۱) منازل السائرین ،ص 241،مطبوعہ منشورات بیدارقم ایران۔

(۲) منازل السائرین،ص 274،مطبوعہ منشورات بیدارقم ایران۔

(۳) منازل السائرین،ص 277،مطبوعہ منشورات بیدارقم ایران۔

Marfat.com

صورتیں شامل ہیں جن میں کسی قسم کے دنیوی یا اُخروی مفاد کو دخل ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا؛

"وَتَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا يَرْجُوْنَ"(۱)

اور تم اللہ سے وہ اُمید رکھتے ہو جو وہ نہیں رکھتے۔

یہ اِس صورت پر مبنی ہے کہ آیت کریمہ میں اِسم موصول "ما" سے مراد شہادت، جنت یا ثواب جیسا کوئی بھی مقصد ہو۔ اِسی طرح ثواب کی اُمید سے صدقہ دینا اور اللہ تعالیٰ کی رضا کی اُمید سے کوئی بھی اچھا کام کرنا جن کے نہ کرنے سے ایمان معدوم نہیں ہوتا۔ اور خوف کی مثالوں میں ترھیب سے متعلق شرعی احکام پر عمل کی وہ تمام صورتیں شامل ہیں جن سے محض خوفِ الٰہی کی وجہ سے اجتناب کیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا؛

"وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَ نَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ۝ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى"(۲)

اور وہ جو اپنے رب کے حُضور کھڑے ہونے سے ڈرا اور نفس کو خواہش سے روکا تو بے شک جنت ہی ٹھکانا ہے۔

اہل علم جانتے ہیں کہ خوفِ الٰہی سے برعکس خواہش نفس کی پیروی کرنے کی ہر صورت ایمان کے منافی نہیں ہوتی بلکہ تقاضائے ایمان سے خلاف بھی ہو سکتی ہے اور معصیت کی اِس حالت میں خوفِ الٰہی کی جو قسم خواہش نفس کے ہاتھوں مغلوب یا معدوم ہوتی ہے وہ مقتضائے ایمان کے سوا اور کچھ نہیں ہے جس کے عدم سے اصل ایمان معدوم نہیں ہوتا اِسی فلسفہ پر منطبق ہے وہ فرمانِ نبوی ﷺ جس میں حضرت سالم مولیٰ ابی حذیفہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا کی پختگی ایمان سے متعلق فرمایا؛

---

(۱) النساء، 104۔

(۲) النازعات، 40-41۔

Marfat.com

''اِنَّ سَالِمًا شَدِیْدُ الْحُبِّ لِلّٰہِ لَوْ لَمْ یَخَفِ اللّٰہُ مَاعَصَاہ''(۱)

سالم اللہ تعالیٰ کے ساتھ شدید محبت رکھنے والا ہے اگر اللہ تعالیٰ سے خوف نہ کرے پھر بھی اُس کی معصیت نہیں کرتا۔

اِس کا فلسفہ اس طرح ہے کہ عام اہل ایمان کے دلوں میں مُقتضائے ایمان کے طور پر موجود خوفِ الٰہی جو معصیت سے بچنے کے لیے کافی وشافی سبب ہے جس کا مانع عنِ المعصیت اور گناہوں سے روکنے میں بریک کا کردار ہونے میں کسی کو شک نہیں ہوسکتا جبکہ اہل ایمان کے خواص میں جواہل محبت ہوتے ہیں اُنکی محبت خوف سے بھی زیادہ قوی سبب ہے جسکی موجودگی میں مؤمن معصیت کے قریب بھی نہیں جاسکتا اِسی فلسفہ کے مطابق امام الشافعی نے فرمایا ہے؛

تَعْصِی اللّٰہَ وَاَنْتَ تُظْھِرُ حُبَّہُ

ھٰذَا مُحَالٌ فِی الْقِیَاسِ بَدِیْعُ

لَوْکَانَ حبک صَادِقًالا طعتہ

اِنَّ الْمُحِبَّ لِمَنْ یُحِبُّ مُطِیْعُ(۲)

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کی مدحت وتحسین کرتے ہوئے حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا؛

''نعم العبد صھیب لولم یخف اللہ لم یعصہ''(۳)

صہیب اچھا بندہ ہے اگر اللہ کا خوف نہ بھی کرے اُس کی نافرمانی نہیں کرتا۔

یہاں پر بھی حضرت سالم مولی ابی حذیفہ والی مذکورہ حدیث کی طرح معصیت سے بچنے کے لیے حُب اللہ کو خوف اللہ سے زیادہ قوی سبب قرار دیا گیا ہے کہ بالفرض اگر خوفِ الٰہی اِن کے

(۱) حلیۃ الاولیاء، ج1،ص177،مطبوعہ دارالفکر بیروت۔

(۲) دیوان امام محمد ابن ادریس الشافعی،ص 14،مطبوعہ دارالفدالجدید المنصورہ مصر۔

(۳) کنزالعمال،ج13،ص437،رقم الحدیث37146۔

Marfat.com

دل میں نہ ہو تو پھر بھی معصیت نہیں کرتا کیوں کہ حُب اللہ اُس سے زیادہ قوی سبب ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے اللہ کے محبّ معصیت کے قریب بھی نہ جا سکتا۔

اِس قسم نصوص کے ہوتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے کیے جانے والے ہر خوف ورجاء کو لازمہ ایمان کون کہہ سکتا ہے جبکہ لازم کا ملزوم سے انتفاء ایک لحظہ کے لیے بھی ممکن نہیں ہے ایسے میں ایمان باللہ سے متعلقہ خوف رجآء کو دو خانوں میں تقسیم کیے بغیر کیا چارہ ہے۔ جس کے مطابق جو خوف ورجآء ایمان باللہ کو لازم ہیں اُن کا ایمان سے انفکاک وتخلف ناممکن ہے ورنہ ایمان نہیں رہے گا اور جو ایمان باللہ کے مُقتضیات میں سے ہیں وہ ایمان سے منفک ومتخلف ہو سکتے ہیں۔ (وَاللّٰہُ الْھَادِیْ اِلٰی سَبِیْلِ الرَّشَادِ)

مزید مغالطہ در مغالطہ کا اِزالہ:۔ مُقتضیات ایمان کی خلاف ورزیوں کی وجہ سے جہاں پر ایمان کی نفی کی گئی ہے۔ جیسے ''لَایَزْنِی الزَّانِیْ حِیْنَ یَزْنِیْ وَھُوَ مُؤْمِنٌ وَ لَایَشْرَبُ الْخَمْرَ حِیْنَ یَشْرَبُھَا وَھُوَ مُؤْمِنٌ'' جیسی روایات سے بھی اِس تقسیم کی تائید میں استدلال کرتے ہیں کہ ایمان کی دو قسمیں ہیں کامل اور ناقص، کامل کو تمام اور ناقص کو ناتمام بھی کہتے ہیں۔ یہ مغالطہ اتنا عام ہو چکا ہے کہ شاید ہمارے عملی معاشرہ کے حدیث پڑھنے اور پڑھانے والوں میں کوئی اِکا دُکا حضرات اس سے بچے ہوئے ہوں تو ہوں ورنہ ہر طرف سے یہی کچھ دیکھنے میں آ رہا ہے کہ (لَایُؤْمِنُ اَحَدُکُم حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ وَالِدِہٖ وَوَلَدِہٖ وَ النَّاسِ اَجْمَعِیْنَ، لَایَزْنِی الزَّانِیْ حِیْنَ یَزْنِیْ وَ ھُوَ مُؤْمِنٌ، لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُم حَتّٰی یُحِبَّ لِاَخِیْہِ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِہٖ، لَااِیْمَانَ لِمَنْ لَا اَمَانَۃَ لَہٗ، لَایُؤْمِنُ اَحَدُکُم حَتّٰی یَکُوْنَ ھَوَاہُ تَبَعًا لِمَا جِئْتُ بِہٖ) جیسی حدیثوں کو ایک ہی نظر سے دیکھا جا رہا ہے اور نفی کیے جانے والے ایمان کو کامل ایمان پر محمول کر کے بلا تمیز ان سب کو ''لَا فَتٰی اِلَّا عَلِیٌّ لَاسَیْفَ اِلَّاذُوالْفِقَار'' جیسے سمجھا جاتا ہے اور بلا تفریق اِن سب کی تشریح ''لَاصَلٰوۃَ اِلَّا بِفَاتِحَۃِ

Marfat.com

الکتب ''کی حنفی تشریح کے مطابق کی جاتی ہے جولغت کے بھی منافی ہے، شریعت کے بھی، واقعہ کے بھی خلاف ہے، الٰہیات کے بھی، جس وجہ سے غالب اکثریت کے اِس انداز کو ہم مغالطہ اور سوٗ فہم کے سوا اور کچھ نہیں کہہ سکتے ہیں۔ اِس حوالہ سے انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ اِس قسم کی جتنی بھی حدیثیں ہیں اُن کا تجزیہ کر کے تین الگ الگ محامل پر حمل کرنے سے چارہ نہیں ہے۔ جس کی تفصیل اِس طرح ہے کہ جن نُصوص میں ایمان کے کسی لازمہ کی نفی کی بنیاد پر ایمان کی نفی کی گئی ہے یا اُس کی ضد کا اطلاق کیا گیا ہے۔ جیسے:

''لَایُؤمِنُ اَحَدُکُم حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْهِ مِنْ وَالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ، اَلآنَ وَاللّٰهِ لَانْتَ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ نَفْسِی ''جیسی متعدد احادیث کے علاوہ آیات قرآنی جیسے:

''لَا تَجِدُ قَوْمًا یُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ یُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَ لَوْ کَانُوْٓا اٰبَآءَ هُمْ اَوْاَبْنَآءَ هُمْ اَوْاِخْوَانَهُمْ اَوْعَشِیْرَتَهُمْ، اُولٰٓئِکَ کَتَبَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْاِیْمَانَ وَاَیَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ''(۱)

''فَلَا وَرَبِّکَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَهُمْ ثُمَّ لَایَجِدُوْا فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًامِّمَّاقَضَیْتَ وَیُسَلِّمُوْاتَسْلِیْمًا''(۲)

اِس قسم کے تمام نُصوص نفسِ ایمان کی نفی پر محمول ہیں کیوں کہ ''یستحیل وجود الملزوم بدون لازمہ ''کے فطری وبدیہی اُصول کا مقتضاء اِس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ لازم کے بغیر ملزوم کا وجود ناممکن ہو۔ اور جن نصوص میں ایمان کے کسی مقتضاء کی نفی کی بنیاد پر ایمان کی نفی کی گئی ہے یا اُس کی ضد کا اطلاق کیا گیا ہے۔ جیسے ''لَایَزْنِی الزَّانِی حِیْنَ یَزْنِی وَھُوَمُؤْمِنٌ

---

(۱) المجادلہ،22۔

(۲) النساء،65۔

Marfat.com

وَلَا یَشْرَبُ الْخَمْرَحِیْنَ یَشْرَ بُھَاوَھُوَمُؤْمِنٌ ''،سباب المسلم فسق وقتاله کفر،لا یشبع المومن دون جاره،لیس منامن غشنا '' جیسی نصوص میں ہے یہ سب کے سب ایمان کامل کی نفی پر محمول ہیں جن کو''لا فتی الاعلی لا سیف الا ذو الفقار '' کے قبیل سے اور''لاصلوٰۃالا بفاتحۃ الکتاب '' کے انداز پر جاری کہا جاسکتا ہے کہ نفس ایمان جو خُلُود فی النار سے بچنے کا سبب ہے اِن سب میں موجود ہونے کے باوجود ناقص و نامکمل اِس اعتبار سے ہے کہ اُسکے تقاضوں پر عمل نہیں کیا گیا ہے۔یہ تفریق اِس لیے ضروری ہے کہ لازم الشئی اور مقتضاء الشئی کے احکام ایک دوسرے سے جدا جدا ہیں کیوں کہ لازم الشئی کے انتفاء سے شئی کا منتفی ہونا ضروری ہے جبکہ مقتضاء الشئی کے انتفاء سے شئی کا منتفی ہونا ضروری نہیں ہے کیوں کہ مقتضِی و مقتضٰی کے مابین باعتبار وجود من وجہٍ کی نسبت ہونے کی بنیاد پر ان میں سے ہر ایک کا دوسرے کے بغیر پایا جانا ممکن ہے جیسے فاسق کا ایمان جو عدل کا مقتضی ہونے کے باوجود اُسکے بغیر بھی پایا جاتا ہے۔اِسی طرح دُنیوی معاملات میں کسی بھی غیر مسلم کے اندر پائے جانیوالے عدل وانصاف جو مقتضٰی الایمان ہونے کے باوجود ایمان کے بغیر بھی پایا جاتا ہے اِسی طرح دونوں کا یکجا پایا جانا بھی ممکن ہے جیسے عادل مومن مسلمان کے اندر دونوں پائے جاتے ہیں۔ان حقائق کی موجودگی میں جن نصوص کے اندر ایمان کے کسی مقتضٰی کی نفی کی وجہ سے ایمان کی نفی کی گئی ہو یا ایمان کی ضد کا اطلاق کیا گیا ہو وہیں پر اُسی درجہ کے ایمان کی ہی نفی مراد ہوگی،ایک کی جگہ دوسرے کی نفی ہرگز جائز نہیں ہوسکتی۔اور بعض نصوص ایسے بھی ہیں جن میں دونوں کا احتمال موجود ہوتا ہے۔مثال کے طور پر حدیث شریف''لَا اِیْمَانَ لِمَنْ لَّا اَمَانَۃَ لَہٗ ''اسی طرح حدیث''لَااِیْمَانَ لِمَنْ لَّاعَھْدَلَہٗ ''اور''لَااِیْمَانَ لِمَنْ لَّامَحَبَّۃَ لَہٗ '' جیسی وہ تمام حدیثیں جن کا تعلق ضروریاتِ دین کے مُومن بہ کیساتھ بھی ہوسکتا ہے کہ''لَااَمَانَۃَ لَہٗ '' سے مراد اپنی قوتِ فکری اور قوتِ عملی کی امانتوں کو منشاء مولیٰ جل جلالہ وعم نوالہ کے مطابق صرف کرنے کا التزام نہ کیا گیا ہو جس کا مفاد نفس ایمان کی نفی

Marfat.com

کے سوااور کچھ نہیں ہے۔اسی طرح ''لَا اِیْمَانَ لِمَنْ لَّا عَهْدَ لَهٗ ''میں عہد سے مراد کلمہ طیبہ پڑھنے کی شکل میں التزام اسلام کا جو عہد اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیا جاتا ہے اُس کی نفی مراد ہو اِس کا مفاد بھی نفس ایمان کی نفی کے سوااور کچھ نہیں ہے۔یہی حال ''لا ایمان لِمَن لا محبت له '' کا بھی ہے کہ ''لا محبت له '' سے مراد مُومَن بہ کے ساتھ محبت کی نفی ہو۔اِس کا مفاد بھی نفس ایمان کی نفی کے سوااور کچھ نہیں ہے۔اِسی طرح اِن سب میں بالترتیب امانت سے مراد دنیوی معاملات کی امانت ہواور عہد سے مراد دنیاوی معاملات کا عہد ہواور محبت سے مراد ضروریات دین کے مُومَن بہ کے سوا کوئی بھی مرغوب فیہ فی الاسلام محبت ہوتو ظاہر ہے کہ مقتضاء ایمان کے طور پر ان چیزوں کے منفی ہونے کی صورت میں اصل ایمان، حقیقت ایمان اور منجی من النار ایمان کی نفی ہر گز نہیں ہوسکتی بلکہ اِس قسم تمام کے تمام مواقع وموارد میں جس ایمان کی نفی کی گئی ہے یا ایمان کی ضد کا اطلاق کیا گیا ہے۔جیسے حدیث ''مَنْ تَرَکَ الصَّلٰوۃَ فَقَدْ کَفَرَ '' وہ متعلقہ مقتضاء سے خالی ایمان، نامکمل ایمان اور ناقص و ناتمام ایمان کے سوااور کچھ نہیں ہے۔

خلاصۃ البحث بعد التحقیق:۔ جن نُصوص میں ایمان کے کسی مقتضاء کی نفی کی وجہ سے نفی ایمان کی گئی ہے یا کفر کا اطلاق کیا گیا ہے اُن کو حقیقت ایمان کی نفی پر محمول کرنا غلط ہونیکی طرح ہی اُن نصوص کو بھی کامل اور ناتمام ایمان کی نفی پر محمول کر کے حقیقتِ ایمان کو ثابت سمجھنا بھی غلط ہے جن میں کسی لازمہ ایمان کی نفی کی وجہ سے ایمان کی نفی کی گئی ہے بلکہ مقتضاء ایمان کی نفی کی وجہ سے ایمان کی نفی یا کفر کا اطلاق ہونے کی تمام صورتوں میں کامل اور ناتمام ایمان کی نفی ہی مراد ہے اور کسی لازمہ ایمان کی نفی کی وجہ سے ایمان کی نفی یا کفر کا اطلاق ہونے کی تمام صورتوں میں نفس ایمان یعنی حقیقت ایمان کی نفی ہی مراد ہے جبکہ نفی کا تعلق مقتضاء ایمان اور لازمِ ایمان میں سے ہر ایک کیساتھ ہونے کے احتمال کی صورت میں خارجی دلیل وقرینہ کے

Marfat.com

بغیر کسی ایک کی بھی تخصیص نہیں ہوسکتی اور قرینہ متعین ہونے کے بعد کفر سے مراد بھی اُسی کے مطابق لی جاسکتی ہے گویا بالیقین مقتضاء ایمان کی نفی یا بالیقین لازمہ ایمان کی نفی کی صورتوں میں کفر کی قسموں کا معلوم ہونا بھی آسان وظاہر ہے لیکن یقینی طور پر اِن میں سے کسی ایک کے متعین نہ ہونے کی صورت میں کفر کی کسی خاص قسم کو متعین سمجھنا بھی مشکل امر ہے کیوں کہ یہ محتاج قرینہ ہونے کی وجہ سے خارجی مدد کا محتاج ہے۔

منشاءِ غلطی اور وجہ اشتباہ:۔ جن حضرات کو اِن حقائق سے آگاہی نہیں ہوتی ایمان کی نفی سے متعلقہ اِن تینوں قسموں کو ایک جیسے سمجھنا اور ہر جگہ ایمان کامل اور ایمانِ ناقص کا تقابل کہنا اُن کی مجبوری ہوتی ہے اِن کو لگنے والے اِس مغالطہ کی بنیادی وجہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان ''الآن یا عمر'' کی تشریح کرتے ہوئے محدثین کرام کا ''کمل ایمانک، تم ایمانک'' کہنا ہے جبکہ محدثین کرام کا شارح ہونے کی حیثیت سے ظرف ''الآن'' کے لیے عامل بتانے کا یہ انداز اور یہ الفاظ اپنی جگہ درست ہیں کہ حقیقت ایمان کی تکمیل وتمامیت اور اُس کا وجود وتحقق اپنے جملہ لوازمات کی موجودگی کے بغیر ناممکن ہے بالخصوص مُومَن بہ کے ساتھ اختیاری محبت کے بغیر نفس ایمان کے متحقق ہونے کا تصور ہی نہیں ہے۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی جان کے مقابلہ میں مُومَن بہ کے ساتھ اَحبیت کا اظہار کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اُن کے اندر پہلے سے موجود حقیقتِ ایمان کی کاملیت و تمامیت کا اظہار فرمایا، لیکن محدثین کرام کی تشریح کے مطابق ایمان کی جس کاملیت وتمامیت کی خبر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے اُس میں اور موجودہ علمی معاشرہ میں کامل ایمان کا جو مفہوم لیا جاتا ہے اِن کے مابین زمین آسمان کا فرق ہے وہ اِس طرح کہ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں ایمان کی کاملیت وتمامیت سے مراد وہ ایمان ہے جو قابل قبول عند اللہ وعند الرسول ہو، جو

Marfat.com

معتبر عندالشرع ہو، جس کے ساتھ اُس کے جملہ لوازمات بھی موجود ہوں اور جو نارِ جہنم سے نجات پانے کا سبب ہو۔ عام اِس سے کہ اُس کے جملہ مُقتَضِیات بھی اُس کیساتھ پائے جاتے ہوں یا نہ ہوں جبکہ موجودہ علمی معاشرہ میں کامل ایمان سے مراد ہمیشہ وہی ایمان لیا جاتا ہے جس کے ساتھ اُسکے جملہ مقتضیات بھی پائے جاتے ہوں۔ گویا اِس حوالہ سے حدیثوں کی مذکورہ تینوں قسموں کو اِسی ایک نظر سے دیکھنے کی غلطی کا نکتہ آغاز ''اے ایمانا کاملا ''(۱) نیز ''ای لا یکمل ایمانک ''(۲) نیز یعنی'' کَمُل ایمانک ''(۳) نیز ''اے لا یکمل ایمانک حتی اکون احب الیک من نفسک ''نیز یعنی'' کَمُل ایمانک ''(۴) جیسی تشریحات کو قرار دیا جاسکتا ہے جس کے بعد ہر قسم میں اِسی کی تقلید کی جاتی ہے جو سوءِ فہم کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

محدثین کرام کی ان حقیقی تشریحات سے غلط مقصد لینے کی وجہ اِس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ بعد والوں کی اِس اکثریت نے کاملیت شئی کو ایک نظر سے دیکھا جبکہ حقیقت میں **کاملیت شئی کلی مشکک** ہے ایمانِ کامل کی شکل میں اِس کا ادنیٰ فرد نفس ایمان ہے جو اقرار باللسان وتصدیق بالقلب مع لوازمات خمسہ ہے، لازم وملزوم کا یہی مجموعہ حقیقتِ ایمان کہلاتا ہے، جو خلود فی النار سے نجات کا سامان اور آیت کریمہ ''فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَیْرًا یَّرَهٗ ''(۵) کا بھی مظہر ہے۔ جبکہ ایمان کامل کا فردِ اعلیٰ وہ ہے جس کے ساتھ اِتیان بما

(۱) فتح الباری شرح صحیح البخاری، ج 1، ص 58، کتاب الایمان۔

(۲) عمدۃالقاری شرح صحیح البخاری، ج 23، ص 169۔

(۳) العینی، ج 23، ص 169۔

(٤) کرمانی شرح بخاری، ج 23، ص 96۔

(٥) الزلزلة، 8۔

Marfat.com

ینبغی واجتناب عمالاینبغی بھی ہویعنی لازم وملزوم کے اِس مجموعہ کے جملہ مقتضیات بھی پائے جاتے ہوں۔شارحین حدیث کی مذکورہ تمام حوالہ جات ایمانِ کامل کے فردادنیٰ پر محمول ہیں جس سے غفلت کے نتیجہ میں بعدوالے حضرات کی اِس اکثریت کووہ مغالطہ لگا جوموجودہ علمی معاشرہ میں مشہور ہو چکا ہے حالانکہ کاملیت کا کلی مشکک ہونا اورفردکامل سے لے کرفردادنیٰ تک سب کے لیے الگ الگ مواقع پر استعمال ہونا لُغت کا عام فہم مسئلہ ہے اگر یہ حضرات اس پرذرّہ برابر توجہ دیتے تو اِس مغالطہ میں کبھی مبتلا نہ ہوتے۔مفردات القرآن امام الراغب الاصفہانی میں ہے:

''کمال الشئی حصول ما فیه الغرض منه فاذاکمل ذالک فمعناه حصل ماهوالغرض منه''(۱)

کاملیت کے کلی مشکک ہونے کوپیش نظر رکھنے کا نتیجہ ہے کہ حدیث عمر رضی اللہ عنہ کی تشریح کے حوالہ سے جن محدثین کرام کے حوالہ جات کو ہم نے ذکر کیا ہے اُنھوں نے لوازمات ایمان کے بغیرمحض اقرار باللسان وتصدیق بالقلب کوحُصول مقصد کے حوالہ سے ناقص اور حقیقت ایمان میں ناکافی قرار دیتے ہوئے لکھا ہے:

''ان حقیقة الایمان لا تتم الا بذالک ولا یحصل الایمان الا بتحقیق اِفَاقة قدرالنبی صلی اللہ علیہ وسلم ومنزلته علی کل والدوولده ومحسنٍ ومتفضل ومن لم یعتقد هٰذافلیس بمومن''(۲)

یہی مضمون فتح الباری،عمدۃ القاری،مرقات شرح مشکوٰۃ اورشرح الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ لملاعلی القاری میں بھی موجود ہے۔

---

(۱) المفردات امام الراغب الاصفهانی،ص458،ماده (ك،م،ل)۔

(۲) کرمانی شرح بخاری،ج1،ص99۔

Marfat.com

ایک خاص قابلِ توجہ مسئلہ:۔ اِس موضوع سے متعلق ایک خاص قابل توجہ مسئلہ یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول معظم ﷺ کے ساتھ اختیاری محبت کا سب سے زیادہ ہونا تو اَصل الاُصول اور جملہ ایمانیات کی بنیاد ہے لیکن محبت کا لازمہ ایمان ہونے کی حیثیت سے صرف اسی پر اکتفا نہیں ہے بلکہ جملہ ضروریاتِ دین اور ہر مُومَن بہ کے ساتھ اختیاری محبت کا اپنی جان سے زیادہ ہونا بھی ناگزیر ہے ورنہ کسی بھی مُومَن بہ کے ساتھ اپنی ذات کا مقابلہ ہوتے وقت اپنی جان کو ترجیح دینے والے شخص کا ایمان کالعدم ہوتا ہے، یعنی متعلقہ مُومَن بہ کیساتھ اقرار باللسان عنداللہ وعندالرسول ناقابل قبول اور تصدیق بالقلب کا دعویٰ ناقبل اعتبار قرار پاتا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے سورۃ التوبہ، آیت نمبر 24 میں ہر مُومَن بہ کے ساتھ محبت کو اپنے اور اپنے حبیب ﷺ کے ساتھ محبت کا کرشمہ قرار دیتے ہوئے ایمان بالجہاد کے ساتھ محبت کی اہمیت کا بھی ذکر فرمایا ہے جو ضروریاتِ دین اور مُومَن بہ کی طویل فہرست کا ایک حصہ ہے جس کے مطابق خود کو مومن مسلمان کہلوانے والا کوئی شخص فرضیت جہاد کا حصہ اسلام ہونے اور حق ہونے پر دعویٰ ایمان کرنے کے باوجود اگر یہ کہے کہ جہاد کا اسلامی حکم اور نظام مصطفی ﷺ کا حصہ ہونے پر تو میرا ایمان ہے لیکن اِس کا مطلب یہ نہ ہونا چاہئے کہ میں اُسے اپنی جان پر ترجیح دوں یا اُس کے متعلق نفرت کا صراحتاً اظہار کرے تو دعویٰ ایمان اُس کا ناقابل قبول قرار پائے گا۔ یہی حال اُن تمام ضروریات دین کا بھی ہے جن کے ساتھ محبت مُومَن بہ ہونے کی حیثیت سے ایمان کو لازم ہے الغرض التزامِ ایمان چاہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہو یا اُس کے رسول معظم ﷺ کے ساتھ، قال اللہ کے ساتھ ہو یا قال الرسول کے ساتھ، نیز اسلام کے احکام ایجابیہ کے ساتھ ہو یا احکام امتناعیہ کے ساتھ، نیز قطعیات کے ساتھ ہو یا ظنیات کے ساتھ بشرطیکہ وہ ضروریاتِ دین کے قبیل سے ہو، بہر حال اِس کا التزامِ ایمان ہونا شریعت کی نگاہ میں تب درست قرار پائے گا جب اُس کے ساتھ لوازمات خمسہ ایمان بھی پائے جاتے

Marfat.com

ہوں اور مقابلہ کے وقت اِن میں سے ہر ایک کے حوالہ سے مُومَن بہ کو اُس کے مدمقابل پر ترجیح بھی ہو چاہے یہ مدمقابل خود اپنی ذات اور اس کے متعلقات ہی کیوں نہ ہوں۔ حقیقتِ ایمان کی تکمیل وتمامیت اور اُس کا عند اللہ وعند الرسول مقبول ہونے اور عند الشرع معتبر ہونے کے لیے لوازمات خمسہ کی فہرست میں جس محبت کو اصل الاُصول اور باقی سب کے لیے بنیاد قرار دیا گیا ہے وہ اختیاری محبت کے سوا اور کچھ نہیں ہے جو لازمہ ایمان ہونے کے ساتھ مدارِ ثواب بھی ہے ورنہ طبعی اور غیر اختیاری محبت مدار ایمان ہے نہ مدار ثواب، اِس لیے کہ ثواب کا دارومدار اختیاری عمل پر ہوتا ہے جب وہ انسان کے اختیار میں ہی نہیں ہے تو پھر مدار ثواب یا مدار ایمان ہونے کا کوئی مقصد ہی نہیں رہتا۔

کل مکاتب فکر پیشروانِ اسلام کا اختیاری محبت کو لازمہ ایمان قرار دینا اگرچہ ناقابل انکار حقیقت ہے تاہم **ایک قابل توجہ نکتہ راز** اِس حوالہ سے یہ بھی ہے کہ اِس کو من کل الوجوہ اختیاری سمجھنا بھی مناسب نہیں ہے کہ اولاً وآخراً اور ظاہراً وباطناً اختیاری ہی اختیاری ہو نہیں ایسا ہرگز نہیں ہے بلکہ اس کا انسان کے دائرہ اختیار میں ہونے کا واحد مطلب اِس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ مقابلہ کے وقت انسان کے اختیاری عمل سے اِس کی موجودگی یا عدم موجودگی کا انکشاف ہو جاتا ہے کہ اگر مدمقابل کی طرف پُشت کر کے مُومَن بہ کے مطابق کردار اختیار کرتا ہے تو یہ اُس کے ساتھ محبت کی موجودگی کی دلیل ہے، جیسا کہ صادق مومن مسلمان میں ہوتا ہے جبکہ اِس کے برعکس کرنے میں یعنی مُومَن بہ کی طرف پُشت کر کے اُس کے مدمقابل کو اختیار کرنا اُس کے ساتھ عدم محبت کی دلیل ہے جیسے منہ بولے مسلمان اور منافق میں ہوتا ہے۔ جبکہ یہی محبت اپنی پیدائش وآغاز کے اعتبار سے تولیدی اور غیر اختیاری ہے جو مُومَن بہ سے متعلق غور وفکر کرنے کے نتیجہ میں امر تکوینی کے مطابق وجود میں آتی ہے۔ اِس کی مثال ایسی ہے، جیسے مبصرات ومسموعات اور ملموسات کی طرف متعلقہ حواس کو متوجہ کرنے کے بعد

Marfat.com

اُنکا ادراک آپ ہی حاصل ہو جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ خود کار نظام قدرت کی تکمیل ہونے کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ جس طرح انسانی توجہ کے بعد اِن محسوسات سے متعلق ادراک کی پیدائش و آغاز انسان کے دائرہ اختیار سے ماوراء ہے۔ اِسی طرح مُومَن بہ سے متعلق غور و فکر کرنے کے بعد اُس پر ایمان لانے کے ساتھ ہی اُس کی محبت کا دل میں پیدا ہونا بھی انسان کے دائرہ اختیار سے ماوراء ہے۔

ایک اور مغالطہ کا ازالہ:۔ ہوسکتا ہے کہ کسی کو یہ مغالطہ ہو جائے کہ التزام کفر کی ان صورتوں کو عین کفر قرار دیکر ان کے مرتکب کو خارج اسلام کہنا اہل سنت والجماعت کے اُصول کے خلاف ہے کہ اہل قبلہ کو کافر کہنا جائز نہیں ہے۔ جیسے شرح عقائد میں ہے:

''وَمِنْ قَوَاعِدِ اَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ اَنْ لَّا يُكَفَّرَ اَحَدٌ مِّنْ اَهْلِ الْقِبْلَةِ''(۱)

یعنی اہل قبلہ میں سے کسی کی تکفیر نہ کرنا اہل سنت والجماعت کے قواعد میں سے ہے۔

نیز شرح مقاصد میں ہے: ''عَنْ اَبِیْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى اَنَّهٗ لَمْ يُكَفِّرْ اَحَدًا مِّنْ اَهْلِ الْقِبْلَةِ وَعَلَيْهِ اَكْثَرُ الْفُقَهَاءِ''(۲)

اِس کا جواب یہ ہے کہ شریعت کی زبان میں قبلہ کے دو معنی ہیں؛

ایک: ظاہری و محسوس۔ **دوسرا:** باطنی و معنوی۔

ظاہر و حسی قبلہ تو بیت اللہ شریف ہے جس کے مطابق اہل قبلہ کے معنی ہیں بیت اللہ شریف کو قبلہ ماننے اور اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے والے۔

باطنی و معنوی قبلہ ملت اسلام سے عبارت ہے جس کی تعبیر نظام مصطفیٰ سے بھی اور ''جَمِيْعُ مَا عُلِمَ مَجِيْئُهٗ ﷺ بِهٖ بِالضَّرُوْرَةِ'' سے بھی کی جاسکتی ہے جس کے مطابق اہل قبلہ کے معنی ہیں ملت اسلام کو بلا کم و کاست ماننے والے یعنی تمام ضروریاتِ دین کو ماننے اور تسلیم

---

(۱) شرح عقائد نسفی، ص 117۔

(۲) شرح مقاصد، ج2، ص 269۔

Marfat.com

کرنے والے، شریعت کی خاص زبان میں اہل قبلہ اس دوسرے معنی کے ساتھ خاص ہے۔ جس وجہ سے ماہرین الٰہیات یعنی متکلمین سے لے کر فقہاء کرام تک اور مفسرین سے لے کر محدثین وصوفیاء کرام تک سب کے سب اس سے مراد دوسرا معنی ہی لیتے ہیں یعنی تمام ضروریاتِ دین کو ایمان شرعی کے مطابق تسلیم کرنے والے۔

لہٰذا شرح عقائد کی مذکورہ عبارت میں اہل قبلہ سے مراد بھی یہی خاص شرعی معنی متعین ہے اور اسی کو اہلسنت والجماعت کا مسلمہ عقیدہ بتایا گیا ہے۔ جس کا حاصل مطلب یہ ہے کہ اہل قبلہ یعنی تمام ضروریاتِ دین کو ایمان شرعی کے مطابق تسلیم کرنے والے کسی بھی شخص کی تکفیر نہ کرنا اہل سنت والجماعت کے قواعد میں سے ہے۔ تو ظاہر ہے کہ ہر مومن مسلمان کہلانے والا شخص اس وقت تک اہل قبلہ کہلائے گا جب تک التزام کفر کی مذکورہ صورتوں میں سے کسی کا مرتکب نہ ہوا ہو ورنہ شریعت کی خاص زبان میں وہ اہل قبلہ کہلانے کا ہرگز مستحق نہیں ہے کیوں کہ اہل قبلہ ہونے کے لیے تمام ضروریاتِ دین کو شرعی ایمان کے مطابق تسلیم کرنا ضروری ہے جبکہ التزامِ کفر کی ان صورتوں میں اس کی ضد یا نقیض پائی جاتی ہے اور ضدین یا نقیضین میں سے ایک کا پایا جانا آپ ہی دوسرے کی نفی ہے یعنی ایمان شرعی کی تکذیب وانکار کی یقینی علامت ہے۔ ایسے میں اہل قبلہ کو کافر قرار دینے کا اعتراض قطعاً لازم نہیں آتا۔

مغالطہ کا تفصیلی جواب وتحقیقی مقام:۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ لفظ قبلہ عربی زبان میں ''جِلْسَة'' کے وزن پر کسی چیز کی مخصوص حالت وہیئت پر دلالت کرنے کے لیے موضوع ہے۔ جیسے لفظ ''جِلْسَة'' کا بیٹھنے کی مخصوص حالت وکیفیت پر دلالت کرنے کے لیے جہت ومکان جیسے کسی بنیاد کا ہونا ضروری ہے اسی طرح اہل قبلہ کے اندر موجود قبلہ کے لیے بھی کسی حسی یا معنوی بنیاد کا ہونا ضروری ہے۔ لفظ قبلہ اسی تناسب سے کسی انسانی کردار کی اس بنیاد پر دلالت کرتا ہے جس پر اس کردار کی کیفیت مبنی ہوتی ہے جیسا کہا جاتا ہے ''مَالَهٗ قِبْلَةٌ''

Marfat.com

یعنی یہ ایسا عمل ہے جسکی کوئی بنیاد نہیں ہے۔ (المنجد۔ مادہ ق، ب، ل) اور کبھی ''مَالَه قِبلَةٌ وَ لَادِبرَةٌ '' بھی کہا جاتا ہے، یعنی یہ ایسا عمل ہے جس کے آگے پیچھے کوئی بنیاد نہیں ہے۔ (المنجد، مادہ ق، ب، ل) اور ظاہر ہے کہ انسانی کردار کبھی ظاہر و محسوس ہوتا ہے جس کو ہر شخص دیکھ اور جان سکتا ہے اور کبھی غیر محسوس ہوتا ہے جس کو دیکھنے سے انسان عاجز ہوتا ہے تو ظاہری عمل کی بنیاد ''وَمَا يَتَوَجَّه وَ يَستَقبِلُ اِلَيهِ '' بھی ظاہر و محسوس ہوتا ہے جیسے بیت اللہ شریف مسلمانوں کی نماز کے لیے، بیت اللحم نصاریٰ کی نماز کے لیے اور بیت المقدس یہود کی نماز و عبادات کے لیے اور باطنی عمل کا قبلہ و بنیاد بھی معنوی ہوتی ہے۔ جیسے عقائد کے لیے اسلامی تعلیمات، جب عقیدہ ایک باطنی و معنوی اور غیر محسوس کردار ہے تو اس کا قبلہ و بنیاد جو ملت اسلام اور ضروریات دینیہ ہیں بھی غیر محسوس قرار پائے اور یہ بھی کسی سے مخفی نہیں ہے کہ ایمان و کفر بھی از قبیل اعتقادیات ہونیکی وجہ سے غیر محسوس کردار ہیں۔ ان حقائق کی روشنی میں اہل قبلہ کے حوالہ سے شریعت مقدسہ کی خاص اصطلاح کا فلسفہ و پس منظر بھی واضح ہو رہا ہے کہ جو اہل قبلہ ہوتا ہے یعنی ملت اسلام کو اور اس کے جملہ ضروریات کو دل و جان سے تسلیم کرتا ہے تو اس کا یہ عقیدہ و عمل ملت اسلام اور ضروریات دین پر مبنی ہوتا ہے۔

دوسرے الفاظ میں یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ اس کا ''وَمَايَتَوَجَّه وَ يَستَقبِلُ اِلَيهِ '' اور قبلہ و بنیاد ملت اسلام اور اس کے جملہ ضروریات کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ ہماری اس تحقیق سے جہاں لفظ اہل قبلہ کی جامعیت واضح ہو جاتی ہے کہ یہ مومن مسلمان کی شرعی تعریف اور شرعی ایمان کی خوبصورت تعبیر ہے۔ وہاں یہ بھی واضح ہو رہا ہے کہ فقہاء کرام اور متکلمین اسلام کی زبان پر استعمال ہونے والا یہ لفظ لغوی معنی کے خلاف یا اس کے مدمقابل ہرگز نہیں ہے ورنہ اندرون اسلام اپنوں کے لیے باعث شکوک و شبہات اور بیرون اسلام اغیار کے لیے باعث اعتراض ہو سکتا ہے کہ لغت کے برخلاف اصطلاح تراشنے کا یہ اختیار الٰہیات والوں کو کس نے

Marfat.com

دیا ہے جبکہ منقولات شرعیہ کہلانے والے اور شریعت کی مخصوص زبان میں استعمال ہونیوالے صلوٰۃ، زکوٰۃ، صیام جیسے تمام الفاظ اپنے اصلی اور لغوی معانی و مفہومات کے مناسب ہوتے ہیں ورنہ انہیں منقول کہنے کی جسارت کون کرسکتا ہے، ہماری اس تحقیق سے فقہاء کرام اور متکلمین اسلام کے کلام کی بھی اس حوالہ سے وضاحت ہوگئی کہ جہاں پر انہوں نے اہل قبلہ کا لغوی معنی بیت اللہ شریف کی طرف منہ کرکے نماز پڑھنے والے اور اس کے مقابلہ میں شرعی اصطلاح جملہ ضروریات دینی کو ماننے والا بتایا ہے کہ اس قسم تمام مقامات میں ان کی مراد اس لفظ کے شرعی مفہوم کی وضاحت کے سوا اور کچھ نہیں ہے تاہم بیت اللہ شریف کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے والے کو اہل قبلہ کا لغوی معنی بتانے میں ان حضرات نے چشم پوشی و مسامحت اختیار فرمائی ہے۔ جو اہل علم حضرات کے معمولات کا حصہ ہونے کی وجہ سے قابل اعتراض بھی نہیں ہے۔ سلف صالحین کے اس عمل کو مسامحت سے ہم اِس لیے تعبیر کر رہے ہیں کہ لغت میں لفظ قبلہ کسی انسانی کردار کی مخصوص ہیئت و کیفیت پر دلالت کرنے کے ساتھ ''وَمَا يَتَوَجَّه وَ يَسْتَقْبِلُ اِلَيْهِ'' کی بنیاد کے سوا اور کوئی مفہوم نہیں رکھتا۔

اہل علم سے مخفی نہیں ہے کہ یہ ایک مفہوم کلی ہے جس کے مصادیق و مظاہر میں بیت اللہ شریف سے لے کر بیت اللحم و بیت المقدس اور جملہ ضروریات دینیہ و ملت اسلام تک سب شامل ہیں۔ جیسے المنجد، لسان العرب وغیرہ کے (مادہ۔ق، ب، ل) حوالہ سے گزشتہ صفحات میں ہم واضح کر چکے ہیں۔ اور مفردات القرآن الامام الراغب الاصفہانے کی (مادہ۔ق، ب، ل) مندرجہ ذیل عبارت کے بعد تو اس مفہوم کلی کے افراد کی وسعت میں قطعاً کوئی شک و شبہ باقی نہیں رہتا اُنہوں نے لکھا ہے؛

''وَالْقِبْلَةُ فِى الْاَصْلِ اِسْمٌ لِلْحَالَةِ الَّتِى عَلَيْهَا الْمُقَابِلُ نَحْوُ الْجِلْسَةِ وَالْقِعْدَةِ وَفِى التَّعَارُفِ صَارَ اِسْماً لِلْمَكَانِ الْمُقَابِلِ الْمُتَوَجِّهِ اِلَيْهِ لِلصَّلَاةِ''

Marfat.com

لُغت کی اس شہادت وتصریح کے بعد قبلہ کے مذکورہ دونوں شرعی معنوں کا متعارف فی عرف اہل الشرع ہونا اظہر من الشّمس ہو جاتا ہے کیوں کہ عرف شرع میں اس کا مفہوم ملت اسلام اور جملہ ضروریاتِ دینیہ ہونا فقہاء کرام اور متکلمین اسلام کی تصریحات سے ثابت ہو چکا ہے اور بیت اللہ شریف کا اس کے عرفی مفہوم ہونے کے لیے مفردات امام راغب کی یہ عبارت سند کافی وشافی ہے۔ جس کے مطابق مسئلہ بے غبار ہو گیا کہ لفظ قبلہ اپنے لغوی مفہوم کے اعتبار سے ایک کلی ہے جس کے جزئیات وافراد کثیرہ میں سے مذکورہ دونوں مفہوم متعارف فی لسان اہل الشرع ہیں۔ یعنی ان دونوں کا اپنے لغوی مفہوم کے افراد اور متعارف فی الشرع ہونے میں کوئی فرق نہیں ہے ایسے میں ایک کو مفہوم لغوی اور دوسرے کو شرعی قرار دے کر مدمقابل کے طور پر ذکر کرنے کا جو انداز ہے وہ چشم پوشی اور مسامحت سے خالی نہیں ہے۔

ایک اور غلط فہمی کا ازالہ:۔ یہاں پر بہت سے علماء کرام کو مغالطہ ہوتا ہے کہ اہل سنت والجماعت کے مسلمہ اصول کے مطابق اگر کسی کے کلام میں ایک فیصد بھی کفر سے بچنے کا احتمال ہو تو 99% کے مقابلہ میں اس ایک احتمال پر عمل کرنے کا حکم ہے جس کے مطابق التزام کفر کی مذکورہ صورتوں میں ارتداد کا فتویٰ دینا درست نہیں ہے۔ جیسے الحدیقۃ الندیۃ فی شرح الطریقۃ المحمدیہ میں ہے:

''اِذَا کَانَ فِی الْمَسْئَلَۃِ وُجُوْہٌ تُوْجِبُ الْاِکْفَارَ وَوَجْہٌ وَاحِدٌ یَّمْنَعُہٗ یَمِیْلُ الْعَالِمُ اِلٰی مَایَمْنَعُہٗ وَلَا یُرَجِّحُ الْوُجُوْہَ عَلَی الْوَاحِدِ'' (۱)

یعنی جب کسی مسئلہ میں کئی احتمالات ایسے موجود ہوں جو کفر ثابت کرتے ہیں اور صرف ایک وجہ ایسی ہو جو اس سے منع کرے تو مفتی اسی ایک کو پیش نظر رکھ کر کفر کا فتویٰ دینے سے بچے گا اور ان احتمالات کثیرہ کو ایک پر ترجیح نہیں دے گا۔

---

(۱) الحدیقۃ الندیتہ فی شرح الطریقۃ المحمدیہ، ج 1، ص 302۔

Marfat.com

اِس کا جواب یہ ہے کہ اہل سنت والجماعت کا یہ اصول اپنی جگہ مسلمہ حقیقت ہے بلکہ کفر سے بچانے کے لیے ہزار کے مقابلہ میں صرف ایک احتمال موجود ہو پھر بھی کفر کا فتویٰ دینا جائز نہیں ہے۔ جیسے فتاویٰ رضویہ میں ہے۔

''جبکہ التزام کفر کی تمام صورتوں کا تعلق صریح کلام و کردار کے ساتھ ہے جس میں غیر کا احتمال ہی نہیں ہوتا اور ظاہری مدلول و مفہوم سے پھیر کر اس کے خلاف احتمال و تاویل تلاش کرنا ہرگز جائز نہیں ہوتا''۔(۱)

خلاصہ:۔ التزامِ کفر بغیر صریح قول و عمل کے نہیں ہوتا جبکہ صریح میں اُس کے مدلول و مفہوم کے سوا کسی اور کا احتمال ہی نہیں ہوتا ایسے میں غیر کفر کے احتمال کی موجودگی یا قابل تاویل ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

ایک اور اشتباہ کا ازالہ:۔ التزامِ کفر ثابت ہو جانے کے بعد فتویٰ تکفیر کا واجب ہونا اور ہر واقف حال مسلمان کو ایسے شخص کے بارے میں خارج اسلام و مرتد ہونے کا عقیدہ رکھنے کے ساتھ اس سے بیزاری و نفرت کا لازمہ ایمان ہونے پر کچھ حضرات کی طرف سے یہ اعتراض بھی سننے میں آیا ہے کہ وہ ''اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالْخَوَاتِمِ'' جیسی حدیثوں کا حوالہ لے کر کہتے ہیں کہ حقیقی مومن و مسلمان وہ ہے جس کا آخری خاتمہ ایمان پر ہو جائے' کیا پتہ ہے کہ ان لوگوں کو آخر وقت میں کلمہ نصیب ہو جائے۔ اس احتمال کی موجودگی میں ایسے لوگوں کو خارج از اسلام کہنے میں گناہ کے سوا اور کچھ نہیں ہو گا۔

اِس کا جواب یہ ہے کہ ''اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالْخَوَاتِمِ'' والی حدیث سے اس طرح کا استدلال کرنا سراسر غلط اور اشتباہ در اشتباہ کے سوا اور کچھ نہیں ہے کیوں کہ اس حدیث میں انسانوں کے اعمال کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ ان کا آئندہ کے لیے مؤثر ہونے یا نہ ہونے کا مدار خاتمہ پر ہے یعنی جس کا خاتمہ ایمان پر ہو جائے۔ اس کو عمر بھر کی معصیت کاریوں سے نجات مل جاتی

---

(۱) فتاویٰ رضویہ، ج12،ص 317۔

Marfat.com

ہے کہ کسی بھی گناہ کی وجہ سے اُسے دائمی عذاب نہیں دیا جائے گا اور جس کا خاتمہ (العیاذ باللہ) کفر پر ہو جائے تو اس کی عمر بھر کی عبادات واعمال صالحہ ضائع ہو جاتے ہیں۔اس حدیث یا اس جیسی اور بھی جتنی روایات ہیں ان سب کا مقصد وعبارۃ النص اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے لہٰذا اس سے التزام کفر کرنے والوں کی تکفیر کرنے اور ان کو خارج از اسلام سمجھنے کے واجب ہونے کے خلاف استدلال کرنا ''سوال گندم جواب جَو'' کی غلطی سے مختلف نہیں ہے۔

اِس کے علاوہ یہ اتنا خطرناک مغالطہ ہے کہ اس سے تو اصلی وخاندانی کافروں اور مشرکوں کو بھی اسلام سے خارج نہ کہنا لازم آئے گا کیوں کہ انہیں بھی آخر وقت میں شاید ایمان نصیب ہو جائے۔یہ اِس لیے کہ سوائے ابوجہل اور اس کے چند ساتھیوں، جن کا خاتمہ بالکفر سے متعلق ''لَا یُؤْمِنُوْنَ'' کی خبر صادق نازل ہوئی ہے، کے سوا کسی اور کافرومشرک کے خاتمہ بالکفر ہونے پر یقین نہیں کیا جا سکتا بلکہ اللہ تعالیٰ کے معصوم بندوں کے سوا ہر شخص میں کچھ بھی ہونے کا احتمال موجود ہوتا ہے۔یہ اشتباہ اسلام وکفر کے مابین عدم امتیاز اور مومن وکافر کے جدا جدا شرعی احکام کے مابین عدم تفریق سے پیدا ہونے کے علاوہ التباس الحق بالباطل کا بدترین سبب بھی ہے۔ایمان وکفر کے مابین عدم تمیز اس لیے کہ اگر اس اشتباہ میں مبتلا حضرات کو شرعی ایمان کی حقیقت کا علم ہوتا کہ وہ ملت اسلام اور اس کے تمام ضروری مسائل کے ساتھ اس طرح تصدیق بالقلب، اقرار باللسان کرنا ہے کہ اس کی کسی ضدونقیض یا اس کے کسی لازمہ کی ضدونقیض کا ارتکاب نہ ہو تو اس طرح کی کبھی نہ سوچتے کیوں کہ ایمان کی اس حقیقت کی ضدیا نقیض کفر کہلاتا ہے۔التزام کفر کی صورت میں جب کفر کا بالفعل ارتکاب کیا گیا تو ایمان بالفعل معدوم ہو گیا اس میں آخری خاتمہ کے وقت دوبارہ ایمان نصیب ہونا اگرچہ فی نفسہ ممکن ہے لیکن ایمان بالقوۃ اور کفر بالفعل کے مابین نہ تضاد ہے نہ تناقض بلکہ تقابل کی یہ دونوں صورتیں ایمان بالفعل اور کفر بالفعل کے مابین ہی متصور ہو سکتی ہیں۔اس اشتباہ میں مبتلا حضرات کو اگر تقابل کی حقیقت کا علم ہوتا تو ایسا کبھی نہ سوچتے اِس لیے کہ تقابل سے بحث کرنے والی ہر کتاب

Marfat.com

میں لکھا ہوا ہے کہ تقابل کے لیے اتحادِ زمان و مکان اور جہت اولین شرط ہے۔ جس کے مطابق ایک چیز بالفعل موجود ہو اور اس کی ضد یا نقیض کا موجود ہونا بالقوۃ اور بالامکان ہو تو ان کے مابین تقابل ممکن نہیں ہے۔ چہ جائیکہ وہ ضدین یا نقیضین ہو سکے۔ جیسے منطق کی مشہور کتاب ''منظومہ سبزواری'' کے مندرجہ ذیل اشعار؛

بِمَنْعِ جَمْعٍ فِي مَحلٍ قَد ثَبُت مِن جِهَةٍ فِي زَمنٍ تَوَحَّدَت

کی تشریح کرتے ہوئے اُس کے شارح نے لکھا ہے؛

''هٰذَاالْفِعْلُ صِفَةٌ لِلثَّلَاثَةِ اَیْ فِیْ مَحَلٍ وَّاحِدٍ مِنْ جِهَةٍ وَاحِدَةٍفِیْ زَمَانٍ وَاحِدٍ''(۱)

ایمان و کفر کے مابین عدم تفریق پر مبنی اس اشتباہ میں مبتلا یہ حضرات ذرا ہوش سے کام لیتے تو بالیقین انہیں سمجھ آتی کہ اس اعتراض کے مطابق اِن کا خود کو مسلمان کہنا اور مسلمانوں والے احکام کا مستحق ہونا بھی درست نہیں ہے کیوں کہ مستقبل کا کیا پتہ ہے کہ خاتمہ بالایمان ہو جبکہ خاتمہ بالکفر ہونا بھی (العیاذ باللہ) ممکن ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسے حضرات عوام کے لیے مذہبی پیشوا بننے کے ہرگز اہل نہیں ہیں اِس لیے کہ اسلام اور کفر کے مابین بنیادی فرق سے غافل ہونے کی بناء پر وہ خود قابلِ اصلاح ہیں۔ حقیقی علماء تبلیغ کر کے انہیں سمجھائیں کہ جو شخص حاضر وقت میں بالفعل مومن مسلمان ہے اس کو مسلمان سمجھنا، کہنا اور اسلام کے جملہ احکام اس پر لاگو کرنا اور مومن مسلمان والا احترام اسے دینا سب مسلمانوں پر فرض ہے، چاہے مستقبل اور خاتمہ کے حوالہ سے کچھ بھی ہو اس کا علم اللہ کو ہے اور اگر حاضر وقت میں بالفعل مسلمان نہیں ہے تو بالیقین کافر اور غیر مسلم ہوگا چاہے اصلی و خاندانی ہو یا مرتد ہونیکی صورت میں بہر تقدیر اسے کافر سمجھنا اور کہنا سب پر فرض ہے اور مرتد ہونے کی صورت میں اس کے لیے اسلام کے مخصوص احکام جو اصلی اور خاندانی کافروں سے زیادہ سخت ہیں اس پر جاری کرنا بھی ایسا ہی

---

(۱) شرح منظومہ سبزواری، ص 111۔

Marfat.com

فرض ولازم ہیں جیسے مسلمانوں سے متعلقہ احکام کو ایک مسلمان پر جاری کرنا۔اسی اصول کے مطابق قرآن شریف نے مسلمانوں سے متعلق ''قُلْ یَآ اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا''اور کافروں سے متعلق ''قُلْ یَآ اَیُّھَا الْکَافِرُوْنَ'' جیسے احکام ارشاد فرمائے ہیں۔ یہ حضرات کم ازکم قرآن شریف کے ان احکام پر غور کرتے تو پھر بھی ایسے اشتباہ میں نہ پڑتے۔

ایک اور مغالطہ کا ازالہ:۔ کچھ اسلام ناشناس حضرات یہ کہہ کر لوگوں کو اشتباہ میں ڈالتے ہیں کہ اسلام نے ستر پوشی کا حکم دیا ہے۔اللہ تعالیٰ نے ''فَاعْفُوْا وَ اصْفَحُوْا ''(۱) کا ارشاد فرما کر عفو اور درگزر کرنے کا فرمایا ہے۔اور رسول اللہ ﷺ نے ''مَنْ سَتَرَ مُسْلِماً سَتَرَهُ اللّٰهُ'' کا ارشاد فرما کر چشم پوشی کرنے کی ترغیب دی ہے۔

جبکہ یہ تنگ نظر علماء مذہبی آزادی کو برداشت نہیں کر سکتے ہیں،تو چھوٹی چھوٹی باتوں پر لوگوں کو کافر قرار لے کر اسلام کو نقصان پہنچاتے ہیں۔اسلام کے یہ نادان دوست رسول اللہ ﷺ کے فرمان ''اَلْاِسْلَامُ یَعْلُوْ وَلَا یُعْلٰی عَلَیْهِ '' سے استدلال کر کے اس اعتراض کو مزید گمراہی کا سامان بنالیتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث کے مطابق اسلام کا غلبہ بتایا ہے کہ کفر کے عمل سے یہ مغلوب نہیں ہوتا بلکہ کفر کے ہر عمل پر غالب رہتا ہے تو پھر کسی مدعی اسلام کو اس کے کسی قول وعمل کی بنیاد پر اسلام سے نکال کر مرتد قرار دینا اسلام کے غالب ہونے کے خلاف ہے۔اس اعتراض کو دہرانے اور پھیلانے والوں کی موجودہ دور میں کثرت ہے بالخصوص وہ جدید تعلیم یافتہ طبقہ اس میں زیادہ مبتلا ہے جو دین کو دنیا پر اور روحانیت کو مادیت پر قیاس کر کے دین اسلام کی بنیادی تعلیمات واحکام سے دور ہوتا جارہا ہے،جس کا مبلغ اسلام اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ مسلم گھرانے میں پیدا ہونے کی بنیاد پر مسلمان کہلاتا ہے اور قرآن وحدیث کے کچھ تراجم پڑھ کر اسی کو اصل اسلام تصور کر کے اس کے ساتھ جذباتی

---

(۱) البقرہ،109۔

Marfat.com

لگاؤ رکھتا ہے جبکہ حقیقت میں اسلام کی بنیادی تعلیمات واحکام سے بھی نا آشنا ہے۔

اِس مغالطہ کا جواب یہ ہے کہ قرآن وحدیث کے مذکورہ جن نصوص کو پیش نظر رکھ کر یہ اعتراض کیا جارہا ہے۔ اِن سب کا تعلق عمل سے ہے عقیدہ سے نہیں جبکہ ہمارے پیش نظر مسئلہ یعنی کفر وارتداد کا تعلق عقیدہ سے ہے کہ وہ ملت اسلام یا اُس کے کسی ضروری مسئلہ سے انکار و تکذیب ہے۔ جیسے کفر وارتداد کی پہلی اور چوتھی قسموں میں ہوتا ہے یا اس تکذیب وانکار کی سو فیصد یقینی علامت ہو جیسے باقی آٹھ (8) قسموں میں ہوتا ہے اور جو قول وعمل اس زمرہ میں نہیں ہے وہ کفر ہے نہ ارتداد، اِس کے قائل وعامل اسلام سے نکلتے ہیں نہ اُن پر کفر وارتداد کے احکام جاری کرنا جائز ہوتا ہے، نہ کوئی ذمہ دار عالم دین اُنہیں مسلمانوں کی صف سے خارج قرار دینے کی بات کرسکتا ہے نہ کوئی مفتی اسلام اُن پر ''مَنْ شَکَّ فِیْ کُفْرِہٖ وَ عَذَابِہٖ فَقَدْ کَفَرَ'' جیسے احکام جاری کرنے کا فتویٰ دے سکتا ہے۔ اِس کے علاوہ یہ بھی ہے کہ مذکورہ اعتراض کے لیے آیت کریمہ ''فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا'' سے استدلال کرنا بھی بے محل ہے کیوں کہ یہ جہری اور علانیہ کفار سے متعلق ہے، جیسے سیاق وسباق اور بالخصوص متصلاً بعد کا ارشاد جس میں ''حَتّٰی یَاْتِیَ اللّٰہُ بِاَمْرِہٖ'' فرمایا گیا ہے اس پر قطعی دلیل وقرینہ ہے یہی وجہ ہے کہ جملہ مفسرین کرام میں آج تک کسی ایک نے بھی اس آیت کریمہ کا ربط اسلام سے پھیر کر مرتد ہونے والوں کے ساتھ نہیں جوڑا ہے۔ ایسے میں اسلام سے پھر کر مرتد ہونے والوں کو مسلمان ثابت کرنے کے لیے اس آیت کریمہ سے استدلال کرنا ''سوال گندم جواب جو'' سے مختلف نہیں ہے۔

یہی حال حدیث شریف ''مَنْ سَتَرَ مُسْلِماً سَتَرَہُ اللّٰہُ'' سے استدلال کرنے کا ہے کہ اسلام سے پھر کر مرتد ہونے والوں کے ساتھ اس کا کوئی تعلق ہی نہیں ہے جیسے اسی کے اندر واقع لفظ مسلم سے معلوم ہو رہا ہے کہ اس کا مفاد اس کے سوا کچھ اور نہیں ہے کہ کسی مسلمان کی قولی وفعلی

Marfat.com

کمزوریوں کو اس کے مسلمان ہونے کے احترام میں چھپا کر ستر پوشی کی جائے لٰہذا مذکورہ اعتراض کو ثابت کرنے کے لیے اس سے استدلال کرنا ''کَلِمَۃُ الْحَقِّ اُرِیْدَ بِھَا الْبَاطِلُ'' کے قضیہ سے مختلف نہیں ہے۔

یہی حال حدیث ''اَلْاِسْلَامُ یَعْلُوْ وَلَا یُعْلٰی عَلَیْہِ'' سے استدلال کرنے کا بھی ہے کہ حقیقت میں اس حدیث کا اسلام سے پھر کر مرتد ہونے والوں کے ساتھ قطعاً کوئی ربط ہی نہیں ہے کیوں کہ اس کا مفاد فقط یہی ہے کہ اسلام غالب رہنے اور اپنے ماننے والوں کو غیر مسلموں پر غالب کرنے کی تعلیم دینے کے لیے آیا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا؛

''ھُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ وَ لَوْ کَرِہَ الْمُشْرِکُوْنَ''(۱)

اس حدیث کے الفاظ ''اَلْاِسْلَامُ یَعْلُوْ وَلَا یُعْلٰی عَلَیْہِ'' سے معلوم ہونے والے وسیع المقاصد مفہوم سے پیشروان اسلام اور مختلف مکاتب اہل اسلام حضرات نے بے شمار جزئیات ومسائل کا تو استنباط فرمایا ہے لیکن کسی بھی مسلک میں مرتد ہونے والوں کو رعایت لے کر مسلمانوں کی صف میں رکھنے کے لیے نہیں سوچا گیا۔ سوچتے بھی کیسے جبکہ اسلام وکفر میں تضاد ہے یعنی جس دل میں اسلام ہوگا، وہاں کفر نہیں ہوسکتا اور جس دل میں کفر ہو، وہاں اسلام کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔ نیز اللہ تعالیٰ نے اسلام کو نور اور کفر کو ظلمت قرار دیا ہے، جن کا جمع ہونا ممکن نہیں ہے۔ نیز اسلام کو سایہ رحمت اور کفر کو حرارت کی دھوپ فرمایا جو کبھی جمع نہیں ہوسکتے، مسلمانوں کو زندہ اور کافروں کو مردہ فرمایا جن کا ایک جسم میں اکٹھے ہونا محال ہے۔ مسلمانوں کو بینا، کافروں کو نابینا فرمایا جن کا جمع ہونا ممکن نہیں ہے۔ جیسے ارشاد فرمایا؛

''وَمَا یَسْتَوِی الْاَعْمٰی وَالْبَصِیْرُ o وَلَا الظُّلُمٰتُ وَلَا النُّوْرُ o وَلَا الظِّلُّ وَ

(۱) التوبہ، 33۔

Marfat.com

لَا الۡحَرُوۡرُ ۝ وَمَا يَسۡتَوِي الۡاَحۡيَآءُ وَلَا الۡاَمۡوَاتُ ۝ ''(۱)

اللہ تعالیٰ کا اسلام و کفر کو، مسلم و غیر مسلم کو ان متضاد چیزوں کے ساتھ تشبیہ دے کر ان کے اجتماع کو محال و ناممکن بتانے کے بعد ان حضرات کا یہ کہنا کہ التزام کفر کی مذکورہ صورتوں کے ارتکاب کرنے والے پھر بھی مسلمان کہلائے جائیں اس حماقت سے مختلف نہیں ہے کہ مردہ پر زندہ کے احکام جاری کیے جائیں یا اندھے و نابینا کو بینا کہا جائے۔ اللہ تعالیٰ کے ان ارشادات اور تقاضائے فطرت کے مطابق جب کسی کے دل میں کفر ہوگا تو اس میں اسلام نہیں ہوسکتا کیوں کہ باہمی ضدین ہونے کی وجہ سے ایک کا پایا جانا آپ ہی دوسرے کی نفی ہے جسکے بعد کسی اور دلیل کی ضرورت نہیں رہتی۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا؛

''وَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِنۡ قَلۡبَيۡنِ فِيۡ جَوۡفِهٖ''(۲)

یعنی اللہ تعالیٰ نے کسی بھی انسان کے اندر دو دل پیدا نہیں کیے جو بیک وقت ایک میں اسلام والا عقیدہ رکھے اور دوسرے میں کفر والا۔

قرآن شریف کے ان حقائق اور تقاضائے فطرت کے عین مطابق اسلام کی ضد یا نقیض یا اس کی ضد و نقیض کی سو فیصد یقینی علامت کا صراحتاً ارتکاب کر کے اسلام سے خارج ہو کر خود بخود کافر ہونے والوں کا کفر ظاہر کرنا علمائے دین کی شرعی مسئولیت ہے جس میں نہ کوئی سختی ہے نہ تنگ نظری ایسے حضرات کو تنگ نظری کا الزام دینے والے حقیقت میں اسلام اور کفر کے مابین فرق کو ہی نہیں سمجھتے ہیں۔ ہماری فہم کے مطابق علمائے حق پر ایسا اعتراض کرنے والوں کا یہ طبقہ اسلام و کفر کی تمیز کے حوالہ سے جہالت میں مبتلا ہونے کی بناء پر نہایت قابل رحم و قابل اصلاح ہے اگر ان سے پوچھا جائے کہ تمہاری فہم کے مطابق جب التزام کفر کی مذکورہ صورتوں

---

(۱) فاطر، 19 تا 22۔

(۲) الاحزاب، 4۔

Marfat.com

کے ارتکاب کرنے والوں کو کافر کہنا جائز نہیں ہے تو پھر ارتداد کس چیز کا نام ہے؟ حیرانگی کے سوا ان کے پاس کوئی جواب نہیں ہوگا۔ میرے تجربہ کے مطابق اسلام کے اس نادان طبقہ کو کافر کرنے اور کافر بتانے والوں کی بھی تمیز نہیں ہے کہ علمائے حق لوگوں کو کافر کرنے والے ہرگز نہیں ہوتے وہ تو صرف اور صرف کافر بتانے والے ہوتے ہیں یعنی جو لوگ ملت اسلام یا اس کے کسی ضروری مسئلہ سے صراحتاً انکار کرنے کی بناء پر یا اس کی ضد و نقیض کے صراحتاً ارتکاب کرنے کی بناء پر خود کو کافر کر دیتے ہیں یا مدعی اسلام ہونے کے باوجود لوازمات ایمان میں سے کسی لازمہ کی ضد و نقیض کا صراحتاً ارتکاب کرنے کی بناء پر خود کو مرتد کر دیتے ہیں۔ علماء کرام ان کا یہ کفر وارتداد بتانے کے سوا اور کچھ نہیں کرتے ہیں، خود کو کافر و مرتد کرنے والوں کا یہ کفر وارتداد اگر علماء حق مسلم معاشرہ کو نہ بتائیں، ظاہر نہ کریں اور اسلام و کفر کی تفریق بتانے کے حوالہ سے اپنی مسئولیت انجام نہ دیں تو مسلم وغیر مسلم کی تمیز نہیں رہے گی۔ جس کے نتیجہ میں غیر مسلموں پر مسلموں والے احکام جاری کرنے، مسلمانوں کے حقوق و احترام انہیں دینے اور انہیں مسلمان کہنے کے گناہوں میں مبتلا ہو کر اللہ کے قہر و غضب کے مستوجب قرار پائیں گے۔ جس سے ڈراتے ہوئے رب ذوالجلال نے فرمایا؛

''وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ''(۱)

یعنی تم میں کوئی ان سے مودت کرے گا تو وہ ان ہی میں سے ہوگا۔

نیز فرمایا؛''لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ''(۲)

یعنی مسلمان کافروں کو اپنا دوست نہ بنالیں مسلمانوں کے سوا اور جو ایسا کرے گا تو اسے اللہ سے کچھ علاقہ نہ رہا۔

---

(۱) المائدہ، 51۔

(۲) آلِ عمران، 28۔

Marfat.com

دین اسلام کے ان نادان دوستوں کو علماءِ حق اور علماءِ سو کی کوئی تمیز ہے نہ وسیع الصدر حقیقی علماء اور تنگ نظر نام نہاد علماء کی تفریق جبکہ علماءِ حق اور وسیع الصدر حقیقی علماءِ دین اُس وقت تک کسی بھی مدعی اسلام کو کافر نہیں کہتے جب تک وہ کسی ضرورت دینی سے صراحتاً انکار نہ کرے یا کسی ضرورت دینی کی ضد ونقیض کا صراحتاً ارتکاب نہ کرے۔ صراحتاً ارتکاب کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس میں تاویل کی گنجائش نہ ہو ورنہ اگر ایک فیصد بھی کفر سے بچنے کی گنجائش ہو سکتی ہو بلکہ 99% قوی دلائل وشواہد کفر کے ہوتے ہوئے صرف ایک فیصد ضعیف سے ضعیف اور کمزور سے کمزور احتمال وتاویل بھی کفر سے بچا کر ایمان کی بحالی کے لیے موجود ہو تب بھی اسے کافر قرار لے کر اسلام سے خارج کرنا جائز نہیں ہوتا۔ جیسے فتاویٰ ردالمحتار میں ہے:

''اِذَا کَانَ فِی الْمَسْئَلَۃِ وُجُوْہٌ تُوْجِبُ التَّکْفِیْرَ وَوَجْہٌ وَاحِدٌ یَّمْنَعُہٗ فَعَلَی الْمُفْتِیْ اَنْ یَّمِیْلَ اِلَی الْوَجْہِ الَّذِیْ یَمْنَعُ التَّکْفِیْرَ''

یعنی جب کسی مسئلہ میں کفر کی بہت سی دلیلیں ہوں اور کفر سے بچنے کی صرف ایک دلیل ہو ایسے میں مفتی پر اس ایک کو اختیار کر کے اس شخص کو کفر سے بچانا لازم ہے۔

اس کے دو سطر بعد لکھا ہے کہ: ''لَایُفْتٰی بِکُفْرِ مُسْلِمٍ اَمْکَنَ حَمْلُ کَلَامِہٖ عَلٰی مَحْمَلٍ حَسَنٍ اَوْکَانَ فِیْ کُفْرِہٖ اِخْتِلَافٌ وَلَوْرِوَایَۃً ضَعِیْفَۃً''(۱)

یعنی اس مسلمان کے کفر کا فتویٰ نہیں دیا جا سکتا جس کے کلام کو جائز محمل پر حمل کرنا ممکن ہو یا اس کے کفریہ ہونے میں اختلاف ہو اگرچہ ضعیف روایت ہی ہو۔

تکفیر کے حوالہ سے علماءِ حق اور حقیقی مفتیان اسلام کی اس احتیاط کے مقابلہ میں علماءِ سو اور نام نہاد علماء ہر اس بات پر لوگوں کو کافر قرار دیتے ہیں۔ جو ان کے مزاج کے خلاف ہو یا ان کے مخصوص نظریات کے موافق نہ ہو۔ ان غیر معیاری اور غیر ذمہ دار حضرات کی نگاہ میں التزام کفر

---

(۱) فتاویٰ ردالمحتار، ج3، ص312۔

Marfat.com

اور لزوم کفر کی کوئی تمیز ہوتی ہے نہ صریح اور غیر صریح کی تفریق شرعی معیار کی پہچان ہوتی ہے نہ خوفِ خدا کا پاس، اکرام مسلم کے حوالہ سے شرعی احکام کا کوئی خیال ہوتا ہے نہ تکفیر مسلم کی بدانجامی کا احساس جنہیں ضروریاتِ دینیہ اور ضروریاتِ مذہبہ کے مابین فرق کو سمجھنا نصیب ہے نہ اُصولِ دین اور فروعِ دین کے جدا جدا احکام کی پہچان بیضۃ الاسلام کی حفاظت اور اتحاد بین المسلمین کی فرضیت سے غافل یہی حضرات حقیقت میں مذہبی جھگڑ بندیوں اور مسلکی قتال وجدال کی آگ سلگانے والے ہوتے ہیں۔ ان کو اگر کفر ساز اور لوگوں کو کافر کرنے والے، اسلام کو محدود کر کے بدنام کرنے والے کہا جائے تو بے محل نہ ہوگا۔

لگتا ہے کہ التزام کفر کر کے خود کو اسلام سے نکال کر کافر و مرتد کرنے والوں کا کفر بتانے والے علماء حق اور حقیقی مفتیان اسلام پر تنگ نظری و کفر سازی کا الزام لگانے والے معترضین کا یہ طبقہ ان تمام تر دفعات کو علماء سوٗ کے اس کفر ساز طبقہ پر لگانا چاہتا ہے لیکن علماء حق اور علماء سوٗ کے مابین موجود فرق سے بے خبری کی وجہ سے علماء سوٗ کا یہ سارا گند علماء حق پر ڈالنے کا جرم کر رہا ہے۔ کیا اچھا ہوگا کہ جدید تعلیم کی روشنی والا یہ طبقہ علماء حق اور حقیقی مفتیان اسلام کے دامن عافیت کے ساتھ خود کو منسلک کر کے ان کی ہدایات کے مطابق علماء سوٗ کی اس کفر ساز اور بے محل فتویٰ بازی کے فتنہ کے خلاف مربوط آواز اٹھائے۔ میں سمجھتا ہوں کہ جس دن ایسا ہوگا اس دن سے علماء سوٗ اور اتحاد بین المسلمین کے فریضہ کے خلاف مذہبی قتال وجدال برپا کرنے والے ان فتنہ پروروں کو شکست دینا بھی ممکن ہوگا۔

''وَمَاذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ بِعَزِیْز'' ایسا کرنا اللہ پر کوئی مشکل نہیں ہے۔

''اَللّٰھُمَّ بِکَرَمِکَ عَجِّلْہُ حَتّٰی تَسْتَرِیْحَ عِبَادُکَ مِنْ فِتْنَۃِ بُغَاتِکَ''

ایک اور مغالطہ اور اس کا جواب:۔ ہوسکتا ہے کہ کچھ حضرات اُصولِ تکفیر کے اسلامی معیار سے بے خبری و جہالت کی وجہ سے اور کچھ مذہبی تعصب و کتمان حق کے زہریلے ماحول

Marfat.com

کے باسی ہونیکی بناء پر یہ کہہ کر التباس الحق بالباطل کرے کہ التزام کفر کی یہ تمام صورتیں اگر چہ کفر ہیں لیکن اس کے قائل کی مراد وہ نہیں ہے۔ جس پر یہ الفاظ صراحتاً دلالت کر رہے ہیں کچھ مرید و تلامذہ اور معتقدین کا اپنے بڑوں کے ساتھ اندھی عقیدت و تقلید میں اس قسم کا مغالطہ دینے کی مثالیں ہمارے ذاتی تجربہ میں شامل ہیں اِس لیے اس کا ازالہ بھی ضروری سمجھتا ہوں وہ یہ ہے کہ اسلامی احکام سب کیلئے برابر ہوتے ہیں۔ جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''لَا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ''(۱)

اِسی طرح کسی کو مسلمان سمجھنے یا اسلام سے خارج سمجھنے کے لیے جو اسلامی احکام اور معیار ہے وہ بھی سب کے لیے یکساں ہے۔ جسکی روشنی میں ہر اس شخص کو مومن مسلمان سمجھنا، کہنا اور اسلامی احکام اس پر لاگو کرنا سب پر فرض ہے جو نظام مصطفی ﷺ کے ساتھ اور اس کے ہر اس حکم کے ساتھ یقین رکھتا ہو جس کا حصہ اسلام ہونا ہر دور تاریخ میں مسلم معاشرہ کے کسی بھی علم و عمل والے سے مخفی نہ رہا ہو اور اس کی ضد یا نقیض کا بھی ارتکاب نہ کرتا ہو اور اس پر ایمان کے کسی لازمہ کی ضد و نقیض کا بھی ارتکاب نہ کرتا ہو اسی طرح کسی کو خارج از اسلام سمجھنے کے لیے شریعت مقدسہ کا جو معیار ہے وہ بھی سب کے لیے یکساں ہے۔ یعنی جو شخص (العیاذ باللہ) نظام مصطفی ﷺ کی تکذیب کرے یا اس کے کسی ضروری حصہ کی تکذیب کرے یا اس کی ضد یا نقیض کا ارتکاب کرے یا اس پر ایمان کے لازمہ کی ضد یا نقیض کا ارتکاب کرے تو اسے خارج از اسلام سمجھنا اور کہنا اور مرتد کے جملہ احکام ''مَعْلُوْمَةٌ فِی الدِّیْنِ'' کو اس پر جاری کرنا سب پر فرض ہے اسی طرح قرآن و سنت سے اصول تکفیر کے اس معیار پر اترنے والے انسانوں کے حوالہ سے بھی کوئی تفریق نہیں ہے کہ کوئی عالم و فاضل پیر و مرشد کہلانے والا اُصولِ تکفیر کے اس معیار پر صراحتاً 100% پورا اترتا ہو تو اس پر یہ احکام جاری نہ کیے جائیں

---

(۱) النور، 35۔

Marfat.com

اور دوسروں پر جاری کیے جائیں یا اپنے گھر کے ایسے لوگوں سے چشم پوشی کر کے ان پر لاگو نہ کیا جائے اور دوسروں پر کیا جائے۔ اس تفریق کی گنجائش اسلام میں قطعاً نہیں ہے۔ اسی طرح اُصولِ تکفیر کے اس معیار پر پورے اترنے والوں کے لیے التزام کفر کے ساتھ عقیدہ ہونے اور نہ ہونے کی بھی قطعاً کوئی تفریق نہیں ہے کیوں کہ التزام کفر ایک ایسی بلا ہے۔ جیسے زہر کھانے والا، چاہے اسے زہر سمجھ کر کھائے یا دوائی سمجھ کر بہر حال اس نے اپنا عمل کرنا ہی ہے۔ قرآن وسنت کی روشنی میں التزام کفر کرنے والوں کا بھی یہی حال ہے۔ فرق اگر ہو سکتا ہے تو وہ صرف اتنا ہے کہ زہر کھانے والا خود اختیاری سے کھائے یا بلا اختیار اسے کھلایا جائے، سہواً کھائے یا عمداً، سوتے میں کھائے یا جاگتے میں نتیجہ سب کا ایک ہوتا ہے۔ جبکہ التزام کفر کی کسی صورت کا ارتکاب کرنے والا سہواً یا سوتے میں یا اکراہ واضطراری حالت میں ایسا کرنے پر کافر ہوگا نہ مرتد بلکہ کفر وارتداد کے لیے ضروری شرط ہے کہ یہ جو کچھ بھی کر رہا ہے اس کے اختیار سے ہو، سلامتی عقل وحواس میں ہو، جاگتے میں ہو اور بلا اکراہ ہو۔ الغرض التزام کفر کی شکل میں جو قول وعمل بھی کر رہا ہے اس کا اختیاری فعل کے طور پر وجود میں آنا ہی کفر وارتداد ہے۔ چاہے اس کی نیت ومراد میں ہو یا نہ ہو، اس کے ساتھ عقیدہ ہو یا نہ ہو۔ جیسے؛

❶ فتاویٰ عالمگیری میں ہے؛

''اَلْهَا ذِلُ وَالْمُسْتَهْزِءُ اِذَا تَكَلَّمَ بِكُفْرٍ اِسْتِخْفَافًا وَ اِسْتِهْزَاءً وَّ مَزَاحًا يَّكُوْنُ كُفْرًا عِنْدَ الْكُلِّ وَاِنْ كَانَ اِعْتِقَادُهٗ خِلَافَ ذَالِكَ''(۱)

یعنی بکواس اور استہزاء کرنیوالا جب کفری بول بولے جو ضرورت دینی کا استخفاف یا استہزاء یا اس کے ساتھ مزاح ہو تو وہ سب کے نزدیک کفر ہوگا اگر چہ اس کے اعتقاد میں ایسا نہ ہو۔

❷ فتاویٰ فتح القدیر میں ہے: ''وَمَنْ هَزَلَ بِلَفْظِ كُفْرٍ اِرْتَدَّ وَاِنْ لَّمْ يَعْتَقِدِ الَّا

(۱) عالمگیری، ج2، ص 287۔

Marfat.com

سْتِخْفَافَ فَهُوَ كَكُفْرِ الْعِنَادِ''(۱)

یعنی جس نے بھی کفر کا کوئی لفظ بے باکانہ انداز میں کہہ دیا تو مرتد ہوا اگرچہ اس کے ساتھ عقیدہ نہ ہو کیوں کہ یہاں پر ضرورت دینی کا استخفاف پایا جاتا ہے تو یہ عنادی کفر کی طرح ہے۔

❸ فتاویٰ شامی میں ہے:''اِنَّ مَا کَانَ دَلِیْلَ الْاِسْتِخْفَافِ یَکْفُرُ بِہٖ وَاِنْ لَمْ یَعْتَقِدِ الْاِسْتَخْفَافَ''(۲)

یعنی کفر کا جو عمل بھی ضرورت دینی کے استخفاف کی یقینی دلیل ہو تو اس کا مرتکب کافر ہوگا اگرچہ استخفاف کا ارادہ نہ کیا ہو۔

❹ دیوبندی مکتبہ فکر کے اشرف علی تھانوی نے بھی نکاح اور طلاق کے متعلق ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے ایسا ہی لکھا ہے۔جس کے الفاظ یہ ہیں:

''عمداً سمجھ کر تلفظ بکلمات کفر خواہ اعتقاد سے ہو یا بلا اعتقاد خواہ اپنی رائے سے ہو یا کسی کی تعلیم سے ہو سب موجب کفر اور موجب فسخ نکاح ہیں اس لیے نکاح ٹوٹ گیا۔''(۳)

ایک اور اشتباہ کا ازالہ:۔ اِلتزام کفر کا ضرورتِ دینی سے بلا واسطہ انکار یا اس انکار وتکذیب کی یقینی علامت سے عبارت ہونے پر یہ اشتباہ بھی آواز بازگشت ہے کہ اس معیار کے مطابق ان مسائل سے انکار کرنیوالوں کو کافر قرار دینا لازم آئے گا۔ جو خلاف حقیقت ہونے کے باوجود دینی مسائل کے طور پر اس حد تک مشہور ہو چکے ہیں کہ مسلمانوں کا ہر خاص و عام انہیں حصہ دین سمجھ کر ان کے ثبوت کے لیے استدلال کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔

---

(۱) فتح القدیر، ج6،ص332۔

(۲) فتاویٰ شامی، ج3،ص311۔

(۳) امداد الفتاویٰ، ج2،ص93۔

Marfat.com

مثال کے طور پر اذان جمعہ بین یدی الخطیب جو اندرون مسجد صف اول میں خطیب کے تقریباً متصل دی جاتی ہے۔جن ملکوں میں یا جن علاقوں میں ایسا ہوتا ہے وہیں پر مسلمانوں کا ہر خاص و عام اِسی طریقہ کو بطور سنت حصہ دین سمجھتا ہے اور اس کے خلاف حقیقی حکم، یعنی حدود مسجد سے خارج خطیب کے سامنے اذان دینے کو اسلام کا حصہ نہیں سمجھتے ہیں۔ایسے میں وہ لوگ جو اس مروجہ طریقہ کی ضد یعنی حدود مسجد سے خارج خطیب سے دور اس کی عین سمت پر اذان دینے کے حقیقی حکم کے قائل ہیں یا اسکے نقیض یعنی اس طریقہ اذان کو بطور سنت نبوی ﷺ حصہ دین نہیں سمجھتے ہیں ان پر ضرورت دینی سے انکار کی تعریف صادق آنے کی وجہ سے اسلام سے نکلنا لازم آتا ہے۔اسی طرح نماز باجماعت کے لیے تکبیر و اقامت ہوتے وقت ابتداء سے کھڑے ہونے کو بطورِ سنت حصہ اسلام سمجھنے کا جن علاقوں میں رواج ہے اس سے انکار کرتے ہوئے فریق دوم حضرات اختتام تک اقامت کو بیٹھ کر سننے کے بعد کھڑے ہونے کو ''من حیث السنۃ'' حصہ اسلام کہتے ہیں یا ''حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ'' تک بیٹھ کر تکبیر سننے کے بعد کھڑے ہونے کو من حیث السنۃ حصہ اسلام کہتے ہیں۔تو ان حضرت کا فریق اول کی نگاہ میں ضرورت دینی کے نقیض کا مرتکب ہونے کی بنا پر کافر ہونا لازم آتا ہے جبکہ وہ انہیں کافر نہیں کہتے ہیں۔(علیٰ ہٰذا القیاس)

سینکڑوں مسائل ایسے ہیں جو بعض ملکوں اور بعض جگہوں کے خواص وعوام کی نگاہ میں ضروریاتِ دین کے قبیل سے ہیں جبکہ فی الواقعہ غلط اور خلاف حقیقت ہیں۔جبکہ انکے خلاف کرنے یا ان کے نقیض کا ارتکاب کرنے والوں پر التزام کفر کا مفہوم صادق آتا ہے کیوں کہ التزام کفر کی مذکورہ دس صورتوں میں ایک صورت کسی ضرورت دینی سے انکار بھی بتائی گئی ہے اور ضرورت دینی شریعت مقدسہ کا وہ مسئلہ ہے جس کا حصہ اسلام ہونا ایسا مشہور ہو کہ مسلمانوں کے خواص وعوام اسے جانتے ہوں۔

Marfat.com

جیسے ردالمحتار میں ہے:

''بِحَیْثُ تَعْلَمُهُ الْعَامَّةُ مِنْ غَیْرِ افْتِقَارٍ اِلٰی نَظْرٍ وَاسْتِدْلَالٍ''(۱)

یعنی ضرورت دینی سے مراد وہ مشہور مسئلہ ہے۔ جس کو عوام بھی اس طرح دین کا حصہ سمجھتے ہوں کہ اس پر دلیل پیش کرنے کی ضرورت محسوس نہ کرے۔

نبراس علی شرح العقائد میں ہے:

''اَیِ الْاُمُوْرُ الَّتِیْ عُلِمَ ثُبُوْتُھَا فِی الشَّرْعِ وَاشْتَھَرَ''(۲)

یعنی ضرورت دینی وہ مسائل ہیں جن کا حصہ اسلام ثابت ہونا سب کو معلوم اور مشہور ہو۔

جواب اِس کا یہ ہے کہ یہ اشتباہ برائے اشتباہ ہے جو ضرورت دینی کے مفہوم کو نہ سمجھنے کی وجہ سے جنم پا رہا ہے کیوں کہ ضرورت دینی حقیقت میں دین اسلام کے وہ واقعی مسائل ہیں جن کا حصہ اسلام ہونا اول سے آخر تک ہر دور تاریخ میں ایسے مشہور ہو کہ خواص وعوام اسے حصہ اسلام سمجھنے میں دلیل کے محتاج نہ ہوں۔ یہ ہم اِس لیے کہہ رہے ہیں کہ ضرورت دینی میں ضرورت بمعنی بداہت ہے یعنی بدیہی علم جس کے ثبوت کے لیے دلیل تلاش کرنیکی ضرورت محسوس نہ کی جائے تو پیش نظر مسئلہ میں ضرورت دینی تب ہوسکتا ہے جب خلاف حقیقت نہ ہو اور اول سے آخر تک ہر دور تاریخ میں ایسا ہی رہا ہو، یہ تب ممکن ہوسکتا ہے کہ جب اجتہادی اور اختلافی بھی نہ ہو بلکہ جملہ اہل اسلام کے مابین مسلمہ ہو۔ جیسے خیالی علی شرح العقائد میں ہے:

''اَلْمُرَادُ بِهٖ مَا اشْتَھَرَ کَوْنُهٗ مِنَ الدِّیْنِ بِحَیْثُ یَعْلَمُهُ الْعَامَّةُ وَمَنْ لَّیْسَ لَهٗ اَھْلِیَّةُ النَّظْرِ وَالْاِسْتِدْلَالِ کَوَحْدَةِ الْبَارِیْ وَوُجُوْبِ الصَّلٰوةِ وَحُرْمَةِ الْخَمْرِ فَیَخْرُجُ مَا لَیْسَ کَذَالِکَ کَالْاِجْتِھَادِیَاتِ وَمِنْ ثَمَّ لَا یَکْفُرُ مُنْکِرُھَا''

---

(۱) فتاوی ردالمحتار، ج 3، ص 310۔

(۲) نبراس، ص 572۔

Marfat.com

شرح مقاصد میں ہے: ''اَیْ فِیْمَا اشْتُهِرَ كَوْنُهٗ مِنَ الدِّیْنِ بِحَیْثُ تَعْلَمُهُ الْعَامَّةُ مِنْ غَیْرِ افْتِقَارٍ اِلٰی نَظَرٍ وَّاسْتِدْلَالٍ''(۱)

الغرض ضرورت دینی کی تعریف متکلمین اسلام کے کلام میں ہو یا فقہاء کرام کے کلام میں بہر حال مراد سب کی یہی ہے کہ واقعی ہو، تاریخ کے کسی بھی حصہ میں اہل قبلہ کے مابین اختلافی نہ رہا ہو اور ہر دور کے مسلمانوں کے خواص وعوام یعنی اہل علم وعمل کی نگاہ میں اتنا مشہور ہو کہ اسے حصہ اسلام ثابت کرنے کے لیے استدلال کی ضرورت نہ ہو باقی رہا ان حضرات کے کلام میں عبارات وتعبیرات کے تفاوت کا مسئلہ تو وہ محض انداز تعبیر کا فرق ہے کہ کسی نے اختصار سے کام لیتے ہوئے بعض پہلوؤں پر اکتفا کیا اور کسی نے تفصیل کیساتھ ذکر کیا۔ اہل علم جانتے ہیں کہ عنوانات وتعبیرات کے بدلنے سے اصل مضمون وحقیقت کبھی نہیں بدلتی، ایسے میں اذان جمعہ کے مروجہ طریقہ اور جماعت کے لیے تکبیر واقامت کے شروع سے ہی کھڑے ہونے کے مروجہ طریقہ جیسے مسائل خلاف حقیقت ہونیکی بنا پر ضرورتِ دینی کے زمرہ میں ہی نہیں آتے لہٰذا انکے خلاف تبلیغ کرنے والے یا ان کی ضد ونقیض پر عمل کرنے والے حق بجانب ومصیب حضرات کو ضرورتِ دینی سے انکار کا الزام دینا بجائے خود غلط ہے۔ اس کے علاوہ یہ بھی ہے کہ اس قسم خلاف حقیقت مشہور ہونے والے غلط مسائل پر عمل کرنیوالے خطا کاروں کے مقابلہ میں مسائل کی حقیقی شکلوں پر عمل کرنے والے اہل حق کے وجود مسعود سے زمانہ کبھی خالی نہیں رہا یہی وجہ ہے کہ اس قسم خلاف حقیقت مشہور کردہ اور بنو اُمیہ کے دور خلافت میں بگاڑے گئے مسائل کی حقیقی شکلوں کو ہر دور تاریخ کے مفتیان کرام وعلماء اسلام نے دستاویزی شکل دے کر تحفظ دیا ہے۔ (فَجَزَاهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ الْجَزَاءِ)

☆☆☆☆☆☆

---

(۱) شرح مقاصد، ج2، ص 247۔

Marfat.com

ضرورتِ دینی وضرورتِ مذہبی کا فرق

ضرورتِ دینی کی تعبیرات میں اسلاف کے کلام سے مغالطہ کھانے کی بناء پر التزام کفر کے حوالہ سے اس قسم اشتباہ میں پڑھنے والے حضرات سے کوئی بعید نہیں ہے کہ وہ مجتہدین کرام کے بین المسالک اختلافی مسائل کو دیکھ کر بھی اشتباہ دراشتباہ میں مبتلا ہوں کیونکہ جن ملکوں اور علاقوں میں جس فقہی مذہب کے اجتہادیات ومسائل پر عمل کیا جاتا ہے۔ وہیں کے خواص وعوام کے نزدیک وہی مشہور وضروری ہوتے ہیں کہ ان کو حصہ اسلام ثابت کرنے کے لیے وہ استدلال کی ضرورت محسوس نہیں کرتے جبکہ دوسرے خطوں میں اس کے برعکس ہے۔ لہٰذا ضرورت دینی اور ضرورت مذہبی کے مابین تمیز کرنے سے قاصر یہ حضرات ایسے ہر مقام پر مذکورہ اشتباہ کی طرح مزید اشتباہات میں پڑ سکتے ہیں۔ جن کو اشتباہ دراشتباہ کی اس ظلمت سے نکالنے کا واحد علاج ضرورتِ دینی اور ضرورتِ مذہبی کے مابین تفریق بتانا ہے جو چند وجوہ سے ہے۔

1 ضرورتِ دینی وہ حقیقی مسائل واحکام ہیں جو تاریخ کے ہر دور میں بلانکیر جملہ اہل اسلام کے مابین ایسے مشہور ہوں جن کو حصہ اسلام ثابت کرنے کے لیے استدلال کی ضرورت نہ ہو، جن کی تکذیب یا تکذیب کی یقینی علامت کا ارتکاب التزام کفر کہلاتا ہے۔

جبکہ ضرورت مذہبی وہ اجتہادی واختلافی مسائل واحکام ہیں جو کسی مخصوص اہل مسلک کے مابین ایسے مشہور ہوں کہ اس مسلک کے خواص وعوام اپنے معاشرہ میں ان کو حصہ اسلام ثابت کرنے کے لیے استدلال کی ضرورت محسوس نہ کرتے ہوں۔ جن کی تکذیب یا تکذیب کی یقینی علامت کا ارتکاب لزوم کفر بھی نہیں ہے چہ جائیکہ التزام کفر ہو سکے۔ مثال کے طور پر شوافع کے نزدیک مینڈک کی حلت اور احناف کے نزدیک اس کے حرام ہونے کا عقیدہ اور اہل تسنن کے

Marfat.com

نزدیک خلیفۃ المسلمین کی تعین وتشخص کا فرشی مسئلہ ہونے اور اہل تشیع کے نزدیک اس کے عرشی مسئلہ ہونیکا عقیدہ۔ اسی طرح اہل تسنن کے مذہب میں ''غَسلُ رِجلَینِ فِی الوُضُوءِ'' کی فرضیت اور اہل تشیع کے نزدیک ''مَسحُ عَلَی الرِّجلَینِ فِی الوُضُوءِ'' کی فرضیت کا عقیدہ۔

❷ ضرورتِ دینی محل اجتہاد نہیں ہوتی جبکہ ضرورت مذہبی ہمیشہ اجتہادی واختلافی ہوتی ہے۔

❸ ضرورتِ دینی کا حصہ اسلام ہونے پر جملہ اہل اسلام کو یکساں عقیدہ ویقین ہوتا ہے جبکہ ضرورتِ مذہبی میں اپنے مذہب کے حق ہونے پر غالب گمان وظن ہوتا ہے۔

❹ ضرورتِ دینی اپنے بنیادی ثبوت کے اعتبار سے کبھی قطعی ہوتی ہے کبھی ظنی جبکہ ضرورت مذہبی محل اجتہاد ہونے کی وجہ سے ہمیشہ ظنی ہوتی ہے۔

❺ ضرورتِ دینی ہمیشہ امر واقعی وثواب ہوتی ہے جبکہ ضرورت مذہبی کا امر واقعی وثواب ہونا لازم نہیں ہے بلکہ خلاف حقیقت وخطا بھی ہوسکتی ہے۔

علماء کی خاص توجہ کے لیے حاشیاتی اضافہ:۔ ضرورتِ دینی اور ضرورتِ مذہبی کی تفریق کے حوالہ سے اس موضوع سخن کے علاوہ کچھ مسائل واحکام منصوصی ہونے کی بناء پر ایسے بھی ہیں کہ ان کا ضرورت دینی ہونا لازم ہے نہ ضرورت مذہبی ہونا بلکہ کل مکاتب فکر اہل اسلام کے مابین قدر مشترک اور متفقہ ہونے میں ضروریات دینیہ کے ہم وصف ہونے کے باوجود نہ کبھی ضرورت دینی کے زمرہ میں شمار ہوتے ہیں نہ ضرورت مذہبی کے زمرہ میں' اس قسم مسائل واحکام کا ثبوت قطعی الثبوت والدلالہ نصوص سے ہونیکی صورت میں اس کی تکذیب کرنے یا تکذیب کی یقینی علامت کا ارتکاب کرنے والوں کو بعض فقہاء کرام کافر قرار دیتے ہیں جبکہ جمہور فقہاء کرام وکل متکلمین اسلام کے نزدیک ضرورت دینی نہ ہونیکی بناء پر التزام کفر نہیں ہے۔ اس فہرست میں شریعت مقدسہ کے وہ تمام مسائل واحکام شامل ہیں جن کا ثبوت تو قطعی دلائل سے ہے لیکن ضرورت دینی کا مفہوم ان پر صادق نہیں آتا۔ مثال کے طور پر معتدہ

Marfat.com

بیوی کے لیے شوہر پر نان نفقہ کے وجوب اور اسے گھر سے نکالنے کی حرمت کے احکام جیسے سینکڑوں احکام جو قطعی الثبوت والدلالہ دلائل سے ثابت ہونے کے باوجود ضرورت دینی کی حد تک مشہور نہیں ہیں یعنی مسلم معاشرہ کے خواص وعوام کو بغیر استدلال کے ان کا حصہ اسلام ہونے کا علم حاصل نہیں ہے اور منصوص ہونے کی بناء پر محل اجتہاد نہ ہونے کی وجہ سے ان کی تکذیب یا تکذیب کی یقینی علامت کا ارتکاب کرنے والوں کی تکفیر کے ناجائز ہونے پر بعض فقہاء کو چھوڑ کر جمہور فقہاء کرام و متکلمین اسلام متفق ہیں اس فہرست میں شریعت مقدسہ کے وہ تمام مسائل واحکام شامل ہیں جو متفقہ اور صحیح حدیثوں سے ثابت ہیں۔ مثال کے طور پر مونچھیں کٹانے، داڑھی بڑھانے، مسجدوں کو بدبو دار قاذورات سے بچانے جیسے تمام احکام جو کل مکاتب اہل اسلام کے مابین قدر مشترک واجماعی ہونے کے باوجود محل اجتہاد نہ ہونے کی وجہ سے ضرورت مذہبی کے زمرہ میں آتے ہیں نہ ضرورت دینی کے سانچے میں۔

اِن ناقابل انکار حقائق کی روشنی میں مسائل واحکام شرعیہ کی کل چار قسمیں ہوتی ہیں؛

1 ضروریاتِ دینیہ ہو، عام اس سے کہ ثبوت ان کا قطعی ہو یا ظنی۔

2 ضروریاتِ مذہبیہ ہو۔

3 ان دونوں سے ماوراء ہو کر قطعی ہونے کی بناء پر کل مکاتب فکر اہل اسلام کے مابین قدر مشترک ہو۔

4 ان دونوں سے ماوراء ہو کر متفقہ وصحیح حدیثوں کے مفاد ومدلول ہونیکی بناء پر کل مکاتب فکر اہل اسلام کے مابین قدر مشترک ہو، کفر وارتداد کا تعلق ان میں سے صرف اور صرف اول الذکر کیساتھ ہے یعنی التزام کفر کی مذکورہ قسموں کا تعلق ضروریاتِ دینیہ کے ماسوا کسی اور کے ساتھ نہیں ہے۔

ایک اور اشتباہ کا ازالہ:۔ کچھ حضرات کو یہ اشتباہ ہوتے بھی سنا گیا ہے کہ التزام کفر صرف دو قسموں یعنی ملت اسلام سے صراحتاً انکار یا کسی ضرورت دینی سے صراحتاً انکار کے

Marfat.com

ماسوا کسی اور صورت پر کفر وارتداد کا فتویٰ جائز نہیں ہے کیوں کہ حتی المقدور کسی مسلمان پر فتویٰ کفر دینے سے بچنے کے لیے تاکیدی احکام کے ساتھ غیر صریح کلام اور کنایات واشارات پر مبنی کلام کی وجہ سے کسی کو کافر قرار دے کر اسلام سے نکالنے پر حدیثوں میں شدید وعیدات و تہدیدات آئی ہوئی ہیں۔ جیسے طبرانی کی حدیث میں فرمایا؛

''کُفُّوا مِن اَھلِ لا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ لا تُکَفِّرُوھُم بِذَنبٍ فَمَن اَکفَرَ اَھلَ لا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ فَھُوَ اِلَی الکُفرِ اَقرَبُ''(۱)

یعنی کلمہ طیبہ پڑھنے والوں کی تکفیر کرنے سے بچو جس نے بھی کلمہ طیبہ پڑھنے والوں کو کافر کہا تو وہ خود کفر کے زیادہ قریب ہوگا۔

اور ابوداؤد شریف کی حدیث میں فرمایا؛

''ثَلاثٌ مِن اَصلِ الاِیمَانِ اَلکَفُّ عَمَّن قَالَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ لا تُکَفِّرہُ بِذَنبٍ وَلا تُخرِجُہُ مِنَ الاِسلَامِ بِعَمَلٍ''

یعنی تین چیزیں ایمان کی بنیاد ہیں؛

اول کلمہ طیبہ پڑھنے والوں سے تعرض نہ کرنا۔ دوم کسی بھی گناہ کی وجہ سے اسے کافر نہ کہنا۔ سوم کسی بھی عمل کے سبب اسے اسلام سے خارج نہ کرنا۔

اس قسم کی وعیدات وتہدیدات کی موجودگی میں کسی غیر صریح کلام کی بناء پر اس کے قائل کو کافر قرار دے کر اسلام سے نکالنا مناسب نہیں ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اشتباہ نقیض الشیٔ اور ضد الشیٔ کی موجودگی اس کی نفی کی دلیل ہونے کے فطری عمل کو کنایہ سمجھنے کی غلطی پر مبنی ہے جبکہ فی الواقع ہر شیٔ کی نقیض یا اس کی ضد کی موجودگی اس کی نفی پر صریح دلیل ہوتی ہے، کنایہ ہرگز نہیں ہے کیوں کہ کنایہ میں عبارۃ النص یعنی ''مـا

(۱) المعجم الکبیر للطبرانی، ج 12، ص 272، مطبوعہ المکتبتہ الفیصلیہ بیروت۔

Marfat.com

سِیْقَ لَـهُ الْکَلَامُ'' اور مراد متکلم واضح نہیں ہوتی یہاں پر واضح ہے اور کنایہ حقیقت سے بعید مجاز کے قریب ہوتا ہے جب کہ یہاں پر حقیقت ہی حقیقت ہے۔ نیز یہ کہ کنایہ میں لفظ کے حقیقی معنی کی لازم چیز مراد ہونے کے ساتھ اس کا اپنا حقیقی معنی مراد ہونا بھی ممکن ہوتا ہے جبکہ یہاں پر ایسا کچھ بھی نہیں ہے بلکہ ایک چیز کی ضد یا نقیض کو جو ذکر کیا جاتا ہے وہی اپنے حقیقی معنی کے ساتھ مراد ہوتا ہے تو اس کی موجودگی آپ ہی دوسرے کی نفی ہے، جس کے بعد کسی اور دلیل کی ضرورت نہیں ہوتی۔ مثال کے طور پر کسی مدعی اسلام کا بطور اسلامی عقیدہ یہ کہنا کہ ''اگر بالفرض رسول اللہ ﷺ کے زمانہ اقدس میں یا آپ ﷺ کے بعد کوئی دوسرا نبی پیدا ہو جائے تو پھر بھی آپ ﷺ کے ختم النبوۃ میں فرق نہیں آئے گا کیوں کہ آپ ﷺ خاتم النبین بمعنی نبی آخر الزمان نہیں ہیں بلکہ خاتم النبین بمعنی متصف بوصف النبوۃ بالاصل ہیں'' اس میں دوسرے نبی کے پیدا ہونے کو ختم نبوت کے عدم منافی جو کہا گیا ہے یہ ختم نبوت کے منافی ہونے کی نقیض ہے اور دوسرے نبی کے پیدا ہونے کو ختم نبوت کے منافی سمجھنے کا عقیدہ چونکہ ضرورت دینی ہے تو یہ عبارت ضرورت دینی کی نقیض و منافی ہونے کی بناء پر اس کی صریح نفی ہے۔ جس میں ایک فیصد تاویل کی بھی گنجائش نہیں ہے۔ اجتماع نقیضین کا محال و ناممکن ہونا بجائے خود اعلیٰ بدیہیات یعنی اولیات کے قبیل سے ہے لہٰذا ختم النبوۃ سے صریح انکار کرنے میں اور اس انداز کلام کے ساتھ انکار کرنے میں لفظی فرق کے سوا قطعاً کوئی فرق نہیں ہے جبکہ کنایات میں ایسا نہیں ہوتا۔ مثال کے طور پر کوئی کہے کہ ''تیرے جیسے آدمی بخیل نہیں ہوتا'' تو بالعموم اس جیسے کلام سے مراد مخاطب سے بخل کی نفی ہوتی ہے اگرچہ اس کے مثل دوسرے شخص سے بھی بخل کی نفی مراد ہوسکتی ہے یعنی لازم و ملزوم اور اصل و مثل دونوں کا جمع ہونا ممکن ہے جبکہ ضرورت دینی کی کسی ضد یا نقیض کے ارتکاب کی کسی ایک صورت میں بھی دونوں کا جمع ہونا ممکن نہیں ہے کیوں کہ اجتماع نقیضین و ضدین محال ہے جو کبھی ممکن نہیں ہوتا اس کے علاوہ یہ

Marfat.com

بھی ہے کہ التزام کفر کی ان صورتوں میں لازم وملزوم کا کوئی وجود ہی نہیں ہے بلکہ ضرورت دینی کی ضد یا نقیض کا حقیقتاً ارتکاب ہوتا ہے جو آپ ہی ضرورت دینی کی نفی ہے جس میں لازم وملزوم کا نہ نام ہے نہ نشان جبکہ کنایہ لازم وملزوم کے بغیر وجود ہی نہیں پاتا۔ جب معترض کے اشتباہ کی بنیاد ہی غلط ہے تو پھر اس پر تعمیر ہونے والی پوری عمارت غلط ہوتی ہے۔

الغرض معترض کا التزام کفر کی ان صورتوں کو کنایہ کہنا یا ضرورت دینی کی نفی کی صریح دلیل کہنے سے کترانے یا تردد کرنیکی ایسی مثال ہے۔ جیسے کوئی شخص کسی کی حرکت قلب بند ہو جانے کے بعد بھی اسے حیات وزندہ کہے یا اسے میت کہنے میں تردد وشک کرے جبکہ فی الواقعہ حرکت قلب کا بند ہونا اور حیات وزندگی کا جمع ہونا محال ونا ممکن ہے کیوں کہ حرکت قلب کا بند ہو جانا، حیات کی ضد ہے اور ضدین میں سے ایک کا وجود آپ ہی دوسرے کی صریح نفی ہے جسکے بعد کسی اور دلیل کی ضرورت نہیں رہتی۔ جسکے مطابق یہ کہنا کہ فلاں بقید حیات نہیں رہا اور یہ کہنا کہ اسکی حرکت قلب بند ہوگئی اس کی موت پر دلالت کرنے میں یکساں صریح ہیں لفظی فرق کے سوا ایک فیصد فرق بھی نہیں ہے۔ جب معترض کے اشتباہ کی بنیاد ہی غلط ہے، نامعقول و قابل مسخرہ ہے تو مذکورہ اشتباہ بھی اشتباہ برائے اشتباہ کے سوا اور کوئی نتیجہ نہیں دے سکتا۔

باقی رہا مسلمانوں کو بے مصرف کافر کہنے پر تہدید اور عذاب کی مذکورہ حدیثوں کا سوال تو التزام کفر کی مذکورہ صورتوں کا ارتکاب کر کے خود کو کافر و مرتد کرنے والوں کا کفر بتانے اور اس کے ارتداد کا فتویٰ دے کر شرعی ذمہ داری انجام دینے والوں کے ساتھ اِن کا کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ اس قسم کی جتنی بھی حدیثیں ہیں۔ اِن سب کا مصرف ومحمل وہ غیر معیاری مفتی اور تنگ نظر و متعصب علماء سوٗ ہیں جو اپنے مخصوص نظریہ کے خلاف سمجھ کر صحیح مسلمانوں کو کافر کہتے ہیں، گناہ کی بناء پر مسلمانوں کو کافر بنانے کی فکر میں ہوتے ہیں اور اسلام کے اندر تکفیر کے لیے مقررہ اُصولوں سے غفلت کی بناء پر کفر کی مشین بن کر التباس الحق بالباطل کرتے ہیں یہ سب کچھ اِس

Marfat.com

لیے کہ یہ حضرات احکام شرعیہ کی مذکورہ چاروں قسموں کے جدا جدا محمل ومصرف اوران کی علیحدہ علیحدہ حیثیتوں کی تفریق کرنے سے بے خبرو غافل ہیں جس کے مطابق تکفیر کا تعلق ومصرف صرف ضروریاتِ دینیہ کی تکذیب یا تکذیب وانکار کی یقینی علامت کے ارتکاب سے ہے اور بس۔ اِس کے علاوہ باقی تین قسمیں یعنی؛

1. ضرورتِ مذہبی۔
2. ضرورتِ دینی وضرورتِ مذہبی سے ماوراء ہو کر قطعی دلائل کے مفاد ومدلول۔
3. اور ظنی دلائل کے مفاد ومدلول کی گزشتہ صفحات میں بیان شدہ تفصیل کے مطابق تکفیر و ارتداد کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔

درحقیقت تکفیر مسلم کرنے والوں کے خلاف جتنی بھی تہدیدی حدیثیں مذکور ہوئی ہیں ان سب کا تعلق بھی انہی تین قسموں سے ہے کیوں کہ انہی کے منافی کردار والوں کو حدیثوں میں زجراً وتوبیخاً اور وعیداً وتہدیداً کافر کہا گیا ہے۔

جس کا تعلق صرف محراب ومنبر، وعظ ونصیحت اور تنذیر وتحذیر کیساتھ ہے جبکہ فتویٰ ارتداد صرف دارالافتاء کا خاصہ ہے محراب ومنبر کی مسئولیت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کریم ﷺ کو چونکہ مطلع فرمایا تھا کہ کچھ غیر معیاری علماء واصحاب محراب ومنبر اپنے دائرہ کار میں محدود ہونے کی بجائے دارالافتاء کی باتیں کر کے گناہ گار ہوں گے اور ضرورتِ دینی والے احکام کو ضرورتِ مذہبی جیسے دوسرے احکام پر جاری کر کے بے محل کفر تقسیم کریں گے اس لیے انہیں زجر وتوبیخ کرتے ہوئے فرمایا؛

''کُفُّوا مِن اَھلِ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ لَا تُکَفِّرُوھُم بِذَنبٍ فَمَن اَکفَرَ اَھلَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ فَھُوَ اِلَی الکُفرِ اَقرَبُ''(۱)

تکفیری افسانہ کے اس بے محل کردار کی بدانجامی کا احساس کرتے ہوئے صاحب فتاویٰ بحر

(۱) المعجم الکبیر للطبرانی، ج12، ص272۔

Marfat.com

الرائق نے کہا تھا؛

''وَقَدْاَلْزَمْتُ نَفْسِیَ اَنْ لَااُفْتِیَ بِشَیْءٍ مِّنْهَا''(۱)

جس کامفہوم یہ ہے کہ میں نے ضرورت دینی کے سوا باقی احکام ثلاثہ کے خلاف کسی بھی کردار پر فتویٰ کفر نہ دینے کو اپنے اوپر لازم کیا ہے۔

اگر ایسا نہ ہوتو پھر کسی ضرورت دینی سے انکار یا اس انکار کی یقینی علامت کا التزام کر کے کفر کو گلے لگانے والوں سے خاموشی برتنے کا کوئی جواز اسلام میں نہیں ہے کیوں کہ لزوم کفر کی صورت میں حتی المقدور احتیاط برتنے کا حکم ہے اور ضرورت مذہبی جیسے دوسرے احکام کے نقیض وضد کے ارتکاب کرنے کی صورتوں میں کف لسان اور تکفیر سے اجتناب کا حکم ہے جب ضرورت دینی کے نقیض وضد کا ارتکاب کر کے کفر کو گلے لگانے والوں پر ارتداد کا فتویٰ بھی جاری نہ کیا جائے تو اسلام اور کفر کی تفریق بھی نہیں رہے گی جو نا قابل تصور ہونے کے ساتھ زمینی حقائق کے بھی خلاف وحماقت ہے۔

ایک ضروری وضاحت علماء کرام کی توجہ کے لیے:۔

اُصولِ تکفیر کی اِس تفصیل کے حوالہ سے التزام کفر کی مذکورہ تمام صورتوں میں ضرورت دینی کا صراحتاً اور ضرورت مذہبی کا ضمناً مذکور ہونا آپ ہی قاریوں کے ذہنوں کو اس طرف توجہ دلا رہا ہے کہ یہ ضرورت کی کون سی قسم ہے؟ یہ اِس لیے کہ اس حوالہ سے ذکر ہونیوالا یہ لفظ جہاں پر بھی ذکر ہو جائے بمعنی بداہت کے ہوتا ہے۔ جو علم کی صفت ہے اور علم استدلالی کے مقابلہ میں ذکر ہوتا ہے یعنی کسی چیز کا ایسا علم جو بغیر استدلال کے حاصل ہو تو ظاہر ہے کہ استدلال کے بغیر حاصل ہونیکی بناء پر ضروری کے نام سے مسمی ہونے والے اس علم کی حقائق کی دنیا میں سات قسمیں پائی جاتی ہیں۔

❶ **اولیات:** جو اولین توجہ کے ساتھ حاصل ہو، جیسے اجتماع ضدین اور اجتماع نقیضین کے

(۱) بحوالہ فتاویٰ ردالمحتار، ج3، ص312۔

Marfat.com

ناممکن ہونے کا علم۔

❷ **مشاہدات:** جو ظاہری حواس کے مشاہدہ کرنے سے حاصل ہو، جیسے کسی میٹھی چیز کو چکھنے کے بعد اس کے میٹھا ہونے کا علم۔

❸ **وجدانیات:** جو باطنی حواس کے ادراک سے حاصل ہو، جیسے بھوک اور پیاس کی موجودگی کا علم۔

❹ **فطریات:** جو کسی چیز کے ساتھ اس کی علت کی موجودگی سے حاصل ہو، جیسے دس کے ہندسے کا زوج ہونے کا علم جو اس کے ساتھ ہمیشہ رہنے والی علت لازمہ یعنی انقسام بمتساویین کے ذریعہ غیر محسوس انداز سے حاصل ہو رہا ہے۔

❺ **حدسیات:** جو کسی مجہول کے متعلقہ معلومات سے اس کی طرف دفعتاً سریع الحرکت انتقال سے حاصل ہو، جیسے قمر کی روشنی کا شمس کی روشنی سے مستفید ہونے کا علم اور شیشہ میں دکھائی دینے والی تصویر کا اصل شے کے تابع ہونے کا علم اسی طرح ناہموار یعنی اونچ نیچ والی زمین سے چل کر آنے والے شخص کا دور سے اسے دیکھنے والے کی نگاہ سے کبھی اوجھل ہونے اور کبھی دکھائی دینے کا اس زمین کی ناہمواری کے تابع ہونے کا علم۔

❻ **تجربیات:** جو بار بار کے تجربہ و تکرار عمل سے حاصل ہو، جیسے مغلوب النفس لوگوں کے ہاتھوں حدود اللہ کے پامال ہونیکا علم، کونین کا ملیریا توڑ ہونیکا علم، جمال کوٹہ کھانے والوں کے پیٹ کے نرم ہونیکا علم اور مطلبی لوگوں کی بے وفائی کا علم، جعلی پیروں کا نفس پرست ہونیکا علم۔

❼ **متواترات:** جو مختلف ملکوں اور علاقوں کے مختلف المزاج اقوام و قبائل کے کثیر التعداد لوگوں کی تسلسل کے ساتھ تاریخ کے ہر دور میں خبر دینے سے حاصل ہو، جیسے موجودہ حالت میں قرآن شریف کا وہی قرآن ہونے کا علم جو رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوا تھا، بخاری شریف کا امام بخاری کی تصنیف ہونے کا علم، کشف المحجوب کا حضرت علی ہجویری داتا گنج بخش کی وہی تصنیف ہونیکا علم جو انہوں نے لکھی تھی اسی طرح فقہ اکبر کا امام ابوحنیفہ کی تصنیف ہونیکا علم۔

Marfat.com

اب علماء کرام کے لیے توجہ طلب مسئلہ یہ ہے کہ علم ضروری کی ان ساتوں اقسام میں سے پیش نظر مسئلہ کے اندر کون سی قسم مراد ہوسکتی ہے یعنی التزامِ کفر جو کسی ضرورتِ دینی سے انکار یا اس انکار کی یقینی علامت کے ارتکاب سے عبارت ہے، اِس میں کون سی ضرورت مراد ہے؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے مراد ضرورت تواتری کی خاص صورت ہے جو اپنے مفہوم کے اعتبار سے تو عام ہے جبکہ مصداق ومظہر کے اعتبار سے صرف اور صرف الٰہیات کے ان حقیقی مسائل کے ساتھ خاص ہے جن کا حصہ اسلام ہونا ہر دور تاریخ میں تسلسل کے ساتھ جملہ اہل اسلام کے نزدیک اتنا مشہور ہو کہ ان کو حصہ اسلام ثابت کرنے کے لیے استدلال کرنے کی ضرورت نہیں ہے، نتیجتاً ان کا حصہ اسلام ہونے کے ساتھ جو علم حاصل ہوتا ہے اس میں اور بحر احمر کی موجودگی کے ساتھ حاصل ہونے والے علم میں ذرہ برابر فرق نہیں ہے دونوں بدیہی و ضروری کہلاتے ہیں اور دونوں کو غیر استدلالی وغیر اختیاری کہا جاتا ہے۔ اشتراک فی المفہوم کی اس یکسانیت کے باوجود انفرادیت فی المصداق کا نتیجہ ہے کہ ضرورت دینی صرف الٰہیات اور اس میں بھی از اول تا آخر متفقات بین کل اہل اسلام کے ساتھ خاص ہے ورنہ ضرورت تواتری اپنے مفہوم کے اعتبار سے ضرورت مذہبی کو بھی شامل ہے جبکہ وہ التزام کفر کے متعلق و محل نہ ہونے کی بناء پر مراد نہیں ہوسکتی۔ ایسے میں التزام کفر کا مصرف و متعلق ضرورت تواتری و دینی کے سوا اور کوئی شے نہیں ہے جس کے مطابق التزام کفر ضرورت دینی سے بلاواسطہ انکار یا اس انکار کی یقینی علامت کے ارتکاب کرنے سے عبارۃ قرار پاتا ہے۔ جس کی مکمل تفصیل گزشتہ صفحات میں ہم پیش کر آئے ہیں۔

ایک اور اشتباہ کا ازالہ:۔ کچھ حضرات کو یہ اشتباہ ہو رہا ہے کہ التزام کفر کی مذکورہ دس (10) قسموں میں ایک یہ بھی ہے کہ کسی ضرورتِ دینی کے ساتھ ایمان لانے کے لازمہ کی ضد کا ارتکاب کیا جائے۔ اسکے مطابق داڑھی منڈوانے والوں کو کافر قرار دینا چاہئے کیوں کہ فی الجملہ داڑھی رکھنے کا جو اسلامی حکم ہے وہ ضرورتِ دینی ہے اور اس کا حصہ اسلام ہونے

Marfat.com

پر ایمان کا ایک لازمہ اس کی تعظیم بھی ہے جبکہ منڈوانے کی صورت میں اس کی توہین ہو رہی ہے۔تو ظاہر ہے کہ توہین کی صورت میں تعظیم منتفی ہوتی ہے کیونکہ ضدین میں سے ایک کا وجود آپ ہی دوسرے کی صریح نفی ہے لہٰذا ''اِذَا انْتَفَی اللَّازِمُ انْتَفَی الْمَلْزُوْمُ'' کا قضیہ صادق آنے کی بناء پر ریش تراشوں کے کفر کا فتویٰ دینا مفتیانِ اسلام پر ایسا ہی فرض قرار پاتا ہے۔ جیسے داڑھی رکھنے کے اسلامی حکم کو منہ پر باڑھ لگانے اور جاڑ ولٹکانے کا حکم دینے کیساتھ تشبیہ دینے والوں کے کفر کا فتویٰ دینا لازم ہے۔ ورنہ بلاوجہ تفریق ہوگی جو قرین انصاف نہیں ہے۔

اِس کا جواب یہ ہے کہ یہ اشتباہ برائے اشتباہ ہے جو داڑھی منڈوانے کو اس کے اسلامی حکم ہونے کے ساتھ ایمان لانے کے لازمہ یعنی تعظیم کی ضد سمجھنے کی غلطی سے پیدا ہوا ہے جبکہ حقیقت میں داڑھی منڈوانا اس کی تعظیم کی ضد نہیں ہے بلکہ اس کے رکھنے اور بڑھانے کی ضد ہے جبکہ داڑھی رکھنا، بڑھانا، کترانا اور منڈوانا یہ سب کچھ انسانی عمل ہونیکی وجہ سے اپنے آپ ایک دوسرے کی ضد ہیں شرعی حکم یعنی ایمان کے لازمہ کی ضد ہرگز نہیں ہے لہٰذا اس کو داڑھی رکھنے کیلئے اسلامی حکم کو منہ پر باڑھ لگانے اور جاڑ ولٹکانے کے حکم کیساتھ تشبیہ دینے پر قیاس کر کے اُس کا حکم اس پر چسپاں کرنا ''بناء الغلط علی الغلط'' ہے کیوں کہ اُس میں داڑھی رکھنے کے حوالہ سے شرعی حکم کو ایک حقیر چیز کیساتھ تشبیہ دی جارہی ہے جس میں شرعی حکم کی صراحتاً توہین ہے جبکہ اِس میں نہ شرعی حکم کی توہین ہے نہ اس پر ایمان لانے کے لازمہ یعنی تعظیم کی ضد کا ارتکاب ہے بلکہ محض خواہش نفس کی بناء پر اپنے ہی دو اختیاری اعمال میں سے ایک کو اختیار کیا جا رہا ہے۔ جس میں نہ ضرورتِ دینی کی ضد کا ارتکاب ہو رہا ہے نہ اس پر ایمان کے کسی لازمہ کی ضد کا ارتکاب، یہی حال معصیت و حکم عدولی کی باقی تمام صورتوں کا بھی ہے کہ ان سب میں انسان اپنے ہی دو اختیاری اعمال میں سے ایک کو نفس امّارہ کے ہاتھوں مغلوب ہونے کی بناء پر اختیار کر کے اللہ جَلَّ جَلالُہٗ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ناراض کر رہا ہوتا ہے جس میں ضرورت دینی کی تعظیم کی ضد یا اس پر ایمان کے کسی لازمہ کی ضد کا ارتکاب کرنا نہیں ہوتا۔

Marfat.com

مثال کے طور پر تارک الصلوٰۃ بے نماز شخص کا یہ کردار جو اس کا اختیاری عمل ہے اسی کے دوسرے عمل یعنی نماز پڑھنے کی ضد یا نقیض ہے نماز کے فرض ہونے کے لیے شرعی حکم کی ضد و نقیض نہیں ہے اور نہ ہی اس کے متعلق حکم الٰہی پر ایمان کے کسی لازمہ کی ضد و نقیض ہے ورنہ معترض کو پیش ہونے والے مذکورہ اشتباہ کی بنیاد پر حکم عدولی و معصیت کاریوں میں مبتلا کوئی شخص بھی کفر و ارتداد سے نہ بچا ہوتا جو خلاف شریعت ہونے کے ساتھ خلاف واقعہ اور خلاف فطرت بھی ہے۔شاید شریعت مقدسہ کی ان باریکیوں کے پیش نظر کہا گیا ہے۔

اگر فرق مراتب نہ کنی زندقیست

تعارض کا اشتباہ اور اس کا ازالہ:۔

اگر یہ اشتباہ کیا جائے کہ اس مضمون کے ایک مقام پر شرعی احکام کی تین قسمیں بتائی گئی ہیں جبکہ دوسرے مقام پر چار قسمیں بتائی گئی ہیں۔کیا یہ تدافع نہیں ہے؟

اِس کا جواب یہ ہے کہ جن تین اقسام کا ذکر ہوا ہے، وہ اِجمال کے درجہ میں ہے جبکہ چار کا ذکر تفصیل پر مبنی ہے۔لہٰذا تعارض کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

اِس اِجمال کی تفصیل یہ ہے کہ التزامِ کفر ایک عارضی بلا ہے جو التزام اسلام کی ضد ہے جس کے عارض ہونے کے بعد یعنی کسی بھی ملتزم اسلام کا اپنی رضا و اختیار کے ساتھ اس بلا کو گلے لگانے کے بعد التزام اسلام آپ ہی منفی و معدوم ہو جاتا ہے کیوں کہ ضدین میں سے ایک کو اختیار کرنا آپ ہی دوسرے کی نفی و عدم ہے جس کے بعد التزامِ اسلام کے منفی ہونے پر دوسری دلیل تلاش کرنے کی قطعاً ضرورت نہیں رہتی۔التزام کفر کا التزام اسلام کو عارض ہونے اور اس کے بعد آنے کی وجہ سے اس کی حقیقت کو جاننا التزام اسلام کی حقیقت کو جاننے پر موقوف ہے یعنی جب تک التزام اسلام کی حقیقت کو نہ جانا جائے اس وقت تک التزامِ کفر کو جاننا ممکن نہیں ہوگا کیوں کہ ان دونوں کا تعلق ملت اسلام اور اس کے ماتحت آنے والے احکام کیساتھ

Marfat.com

ہے۔ایسے میں شرعی احکام کا تجزیہ وتفصیل ضروری قرار پاتی ہے۔

گزشتہ صفحات کے محولہ فی السوال دونوں جگہوں پر ہم نے ان احکام کو اولاً اجمال میں اور ثانیاً تفصیل میں پیش کیا تھا۔جس کی مزید وضاحت اس طرح ہے کہ التزام اسلام کی دو حیثیتیں ہیں؛**ایک**:اِجمال۔ **دوسری**:تفصیل۔

اس **اِجمال** کو ایمان مجمل بھی کہتے ہیں جس کا تعلق نفس ملت اسلام اور نظام مصطفیٰ ﷺ کے ساتھ ہوتا ہے اور کلمہ طیبہ پڑھ کر دائرہ اسلام میں داخل ہونے کی شکل میں پایا جاتا ہے۔

تفصیلی حیثیت کا تعلق ملت اسلام اور نظام مصطفیٰ ﷺ کے ایک ایک جزئیات کے ساتھ ہوتا ہے جس کو ایمان مفصل بھی کہتے ہیں۔التزامِ اسلام کی ان حیثیتوں کے اظہار کے لیے متکلمین اسلام نے فرمایا؛

''اَلْاِیْمَانُ ھُوَ التَّصْدِیْقُ بِجَمِیْعِ مَاجَآءَ بِهِ النَّبِیُّ ﷺ اِجْمَالاً فِیْمَا عُلِمَ اِجْمَالاً وَ تَفْصِیْلاً فِیْمَا عُلِمَ تَفْصِیْلاً''

جب التزامِ اسلام کی دو حیثیتیں ہوئیں تو اس کی ضد یعنی التزام کفر کی بھی دو حیثیتیں ہوں گی جن میں سے؛

ایک:۔نفس ملت اسلام اور نظام مصطفیٰ ﷺ سے انکار ہے۔

دوسری:۔اس کے کسی جزیہ اور مخصوص حکم سے انکار ہے۔

اور جملہ اہل اسلام اس بات پر متفق ہیں کہ نظام مصطفیٰ ﷺ کے ہر جزیہ وحکم سے انکار کو التزام کفر نہیں کہا جاسکتا اور کسی بھی مذہبی بات سے انکار کی بناء پر کسی مدعی اسلام کو ملتزم الکفر قرار لے کر اسلام سے خارج نہیں کیا جاسکتا بلکہ اس کے لیے ماسوائے خوارج ونواصب کے جملہ مدعیان اسلام واہل حق نے شرعی معیار بتایا ہے۔جس کے مطابق بعض فقہاء کرام محض ان احکام کو معیار قرار دیتے ہیں جو قطعی الثبوت والدلالۃ دلیلوں سے ثابت ہو یعنی ان کے نزدیک کسی مدعی اسلام کے خلاف کفر کا فتویٰ دے کر اسے خارج اسلام اور مرتد قرار دینے کے لیے

Marfat.com

شرعی معیار صرف اتنا ہے کہ کسی ایسے شرعی حکم سے انکار کا التزام کیا جائے جس کا ثبوت قطعی ہو یا اس کی ضد یا اس پر ایمان کے لازمہ کی ضد کا التزام کیا جائے جبکہ جمہور فقہاء کرام و جملہ متکلمین اسلام کے نزدیک شرعی حکم کا ضرورت دینی کے قبیل سے ہونا معیار ہے، عام اس سے کہ ثبوت اس کا قطعی دلیل سے ہو یا ظنی سے۔ تکفیر کے لیے شرعی معیار کے حوالہ سے بعض فقہاء کرام اور جمہور اہل اسلام کا یہ اختلاف اس بات کا مقتضی ہے کہ شرعی احکام کی تفصیل و تجزیہ کر کے موضوع سخن کو بے غبار کیا جائے۔

یادر ہے کہ شرعی احکام کی یہ تفصیل و تجزیہ اُس تفصیل و تجزیہ سے مختلف ہے جو اُصولِ فقہ میں کیا جاتا ہے جس کے مطابق مَطلُوب الِا تیان احکام کی فرض، واجب، سنت موکدہ، سنت زوائد اور مستحب تک پانچ (5) قسمیں بتائی جاتی ہیں اور مَطلُوب الا جتناب احکام میں حرام۔ مکروہ تحریم، اسائت، مکروہ تنزیہ اور خلاف اولیٰ تک پانچ (5) قسمیں بتائی جاتی ہیں اور غیر مطلوب الاتیان والا جتناب کاموں کی صرف ایک قسم یعنی مباح بتائی جاتی ہے، حاصل اقسام گیارہ (11) ہوتی ہیں۔ یہاں پر جو تفصیل و تجزیہ پیش کرنا مقصد ہے وہ بدیہی، غیر بدیہی اور اجماعی یا اختلافی ہونے کے حوالہ سے ہے جو بالا جمال مندرجہ ذیل ہیں۔

❶ وہ جو تمام اہل اسلام کے مابین شروع سے اب تک متفقہ ہوتے ہوئے اتنے مشہور ہیں کہ ان کا حصہ اسلام ہونا کسی سے بھی پوشیدہ نہ ہو، اِس قسم کے احکام کو ضروریات دینی کہا جاتا ہے۔ جیسے نماز پنجگانہ، حج، زکوٰۃ، صیام رمضان اور ماہ رمضان میں اضافی عبادات کا مطلوب فی الاسلام ہونے جیسے ہزاروں احکام۔

❷ وہ احکام ہیں جن کا حصہ اسلام ہونے یا نہ ہونے میں اہل قبلہ کے مابین اختلاف ہے۔ جیسے بنات الرسول ﷺ کا مسئلہ، جو اہل تسنن و اہل تشیع کے مابین متنازعہ ہے کہ اہل تشیع کے نزدیک رحمت عالم ﷺ کی صرف ایک بیٹی (حضرت فاطمۃ الزہراء) ہیں جبکہ اہل سنت کے نزدیک چار (زینب، ام کلثوم، رقیہ اور فاطمۃ الزہراء رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنھن ہیں)۔

Marfat.com

اِسی طرح مسئلہ خلافت بعد الرسول علیہ السلام کے حوالہ سے بھی کہ اہل تشیع کے نزدیک خلیفہ برحق متصلاً بعد الرسول علیہ السلام حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں جبکہ اہل سنت کے نزدیک حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں دراصل یہ مسائل تاریخ کے ہیں لیکن اسلامی عقائد کے ساتھ متعلق ہونے کی بناء پر اہل قبلہ کے مابین موضوع سخن وجائے اختلاف بن گئے اس قسم مسائل کی فہرست بہت طویل ہے۔

❸ وہ مسائل واحکام ہیں جن پر واضح دلائل ونصوص موجود نہ ہونے کی وجہ سے محل اجتہاد و متنازع فیہ بین المجتہدین ہیں جیسے فرضیت ''غَسل الرِجلَیْنِ فِی الْوُضُوءِ عِنْدَاَهْلِ التَّسَنُنِ''۔ ''وَمَسحُ الرِّجلَیْنِ عِنْدَاَهْلِ التَّشَیُّعِ''۔ اِسی طرح مینڈک کا کھانا عندا لاحناف حرام ہونا اور عندالشوافع حلال ہونا۔

تکفیر کا تعلق ان میں سے صرف اول قسم کے ساتھ ہے یعنی قسم دوم وسوم میں التزامِ کفر کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا بلکہ التزامِ کفر کا محل صرف اور صرف قسم اول ہے جن کو ضروریاتِ دین کہا جاتا ہے۔احکامِ شرعیہ کے اس تجزیہ کو اجمال اِس لیے کہا جاتا ہے کہ اس میں ضروریاتِ دین اور غیر ضروریاتِ دین والے احکام کے قطعی الثبوت یا ظنی الثبوت ہونے کی کوئی تفصیل نہیں ہوتی۔جبکہ اس تفصیل کو پیش نظر رکھنے کے بعد مندرجہ ذیل چار قسمیں وجود پاتی ہیں۔

❶ **ضروریاتِ دینیہ**:۔عام اس سے کہ ثبوت ان کا قطعی دلائل سے ہو، جیسے صلوٰۃ، زکوٰۃ وغیرہ یا ظنی دلائل سے ہو، جیسے ماہ رمضان المبارک میں اضافی عبادات کے لیے ترغیبی احکام، اکرامِ ضیف اور حکم مسواک جیسے بے شمار احکام۔

❷ **ضروریاتِ مذہبیہ**:۔یعنی شریعت مقدسہ کے وہ احکام جن پر قرآن وسنت میں واضح دلائل موجود نہ ہونے کی وجہ سے محل اجتہاد بن گئے اور مجتہدین فی الاسلام کے مابین متنازعہ ہوگئے اور جس نے اپنی فراست اجتہادی کی بناء پر جو فتویٰ دیا وہی اس کے مقلدین کے لیے مذہب ومسلک قرار پایا جس کے مطابق یہی اجتہادی احکام مرورِ ایام کے ساتھ رفتہ رفتہ ہر

Marfat.com

مسلک کے ماننے والوں کے معاشرہ میں ضرورت مذہبی قرار پائے کہ اس مسلک کے اہل علم اوران کے حلقہ اثر والوں کے مابین اتنے مشہور ہو گئے کہ ان کو مذہب کا حصہ ثابت کرنے کے لیے اپنے معاشرہ میں دلیل کی ضرورت محسوس نہیں کی جاتی۔ جیسے "غسل الرجلین فی الوضوء" کا جزو وضو ہونے کے طور پر حصہ اسلام ہونا عند اہل التسنن۔ اسی طرح مسئلہ خلافت کے شرعی حکم کا اہل تشیع کے نزدیک عرشی مسئلہ ہونا اور اہل سنت کے نزدیک فرشی ہونا، مینڈک اور گوہ کا عندالاحناف حرام ہونے، عندالشوافع حلال ہونے جیسے ہزاروں احکام۔

❸ وہ احکام ہیں جو نصوص قطعیہ سے ثابت ہونے کی بناء پر کل مکاتب فکر اہل اسلام کے مابین متفقہ اور غیر متنازعہ ہونے کے باوجود ضرورت مذہبی کے زمرہ میں ہیں نہ ضرورت دینی کے زمرہ میں۔ جیسے مطلقہ کے لیے سکنی اور نان نفقہ کا خاوند پر واجب ہونے، محرم کے بغیر عورت کا مدت سفر پر جانے کے حرام ہونے اور تبلیغ کی فرضیت کا اسلامی حکم ہونے جیسے سینکڑوں احکام تمام اہل قبلہ کے مابین متفقہ ہونے کے باوجود اسلامی معاشرہ کے کافی افراد ان سے بے خبر ہیں۔

❹ وہ احکام ہیں جو ظنی دلائل سے ثابت ہونے کے باوجود سب کے نزدیک متفقہ، غیر متنازعہ اور عملی اجماع کے درجہ میں ہیں اس کے باوجود نہ ضرورت دینی ہیں نہ ضرورت مذہبی، جیسے حسن اخلاق کا مطلوب فی الاسلام ہونے، بداخلاقی کا مکروہ فی الاسلام ہونے، مخلوق سے طمع و لالچ کا معیوب ہونے اور استغنیٰ کا مرغوب فی الاسلام ہونے جیسے احکام۔

تفصیل کے درجہ میں مذکور ہونے والے اِن احکام میں سے التزام کفر کا محل و مصرف صرف قسم اول ہے، جو ضرورت دینی کہلاتی ہے۔ اس کے ماسوا باقی تینوں قسموں کا تعلق لزوم کفر کے ساتھ بھی نہیں ہے چہ جائیکہ التزام کفر کا مصرف بنے۔

☆☆☆☆☆☆

Marfat.com

کفر کا ضرورتِ دینی کے انکار کے ساتھ خاص ہونیکا فلسفہ

یہ مسئلہ اپنی جگہ قابلِ توجہ ہے کہ شرعی احکام کی ان تمام قسموں میں کفر صرف ضرورتِ دینی کے انکار کے ساتھ کیوں خاص ہوتا ہے جبکہ باقی قسمیں بھی ملت اسلام کے حصے ہیں بالخصوص وہ احکام جو قطعی دلائل سے ثابت ہیں جن کی اہمیت کو دیکھ کر بعض فقہاء کرام نے ان کے منکر پر کفر وارتداد کا فتویٰ لگایا بھی ہے لیکن جمہور فقہاء کرام اور متکلمین اسلام کا یہ عمل نا قابل فہم لگ رہا ہے۔ تکفیر کے حوالہ سے بعض فقہاء کرام کے مرجوح مذہب کے حامیوں کی طرف سے اس نکتہ کو اعتراض کے طور پر بھی ذکر کیا جاتا ہے جو انصاف نہیں ہے۔

تو اِس کا فلسفہ یہ ہے کہ التزام کفر ضد ہے التزام اسلام کی اور ملت اسلام دین فطرت ہونے کی بنیاد پر بیّن الثبوت ہے کہ ذہنی ترجیحات، ماحولیاتی اثرات اور تقلیدی رکاوٹوں سے خالی الذہن ہوکر اسے دیکھنے اور اس پر غور کرنے والا شخص اس کی حقانیت پر یقین کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

”لَا اِکْرَاهَ فِی الدِّیْنِ قَدْ تَّبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ“(۱)

یعنی کسی کو زور سے اسلام میں لانے کا جواز اس لیے نہیں ہے کہ دین کا گمراہی سے جدا ہونا واضح ہو چکا ہے۔

جیسے دوسری ضروریاتِ وبدیہیات کو جاننے کے لیے سلامتی عقل وحواس اور توجہ کی موجودگی کے ساتھ اس کے خلاف ذہنی ترجیحات کا پہلے سے نہ ہونا واحد شرط ہے جس کے بعد ان کے ساتھ علم ویقین کا حصول کسی اور دلیل پر موقوف نہیں رہتا اسی طرح اسلام کو سمجھنے کا مسئلہ بھی ہے

(۱) البقرہ، 256۔

Marfat.com

کہ وہ اپنی جگہ اتنا واضح اور اس کی واقعیت اتنی بیّن ہے کہ تندرست عقل وحواس والا شخص کا اس کے خلاف ذہنی ترجیحات سے خالی دماغ کے ساتھ متوجہ ہونے کے فوراً بعد بلا تاخیر اس کی حقانیت کا علم حاصل ہو جاتا ہے جس کے بعد کسی اور دلیل کی ضرورت نہیں رہتی۔ تو جیسے التزامِ اسلام میں اسلام بدیہی وضروری ہے جس کو سمجھنے کے لیے عقل وحواس کی توجہ کے علاوہ کسی اور دلیل کی ضرورت نہیں ہوتی اسی طرح اس کی ضد یعنی جس شرعی حکم کے خلاف التزامِ کفر کیا جا رہا ہے۔ اس کا بھی بدیہی ہونا ضروری ہے ورنہ ضد ہونے کا کیا مطلب جبکہ التزامِ اسلام اور التزامِ کفر کا ضدین ہونا امر مسلم ہے۔

ہاں البتہ فرقہ معتزلہ کے نزدیک اس فلسفہ کا واضح ہونا مشکل ہوگا کیوں کہ وہ کفر و اسلام کو ضدین تسلیم نہیں کرتے بلکہ منزلہ بین المنزلتین کے قائل ہیں، یہاں پر اس کے بُطلان کو بیان کرنے کی ضرورت نہیں کیوں کہ وہ اپنی جگہ بیان ہو چکا ہے۔ ایسے میں التزام کفر کا احکام شرعیہ کے باقی اقسام کے ساتھ متعلق ہونے کا کوئی جواز ہی نہیں رہتا اِس لیے کہ جب اولیّات میں بدیہی کی ضد کا بدیہی ہونا لازم ہے۔ نظری اور بدیہی ضدین نہیں ہو سکتے اور متفقہ حکم کی ضد کا متفقہ ہونا لازم ہے اختلافی اور متفقہ حکموں کے مابین تقابل تضاد نہیں ہوسکتا، اِسی طرح نا قابلِ اجتہاد حکم کی ضد کا نا قابل اجتہاد ہونا لازم ہے ورنہ ایک قابل اجتہاد اور دوسرا منصوص اور نا قابل اجتہاد ہو تو ان کے مابین بھی تقابل تضاد نہیں ہوسکتا تو پھر التزام کفر شریعت کے جن احکام کے ساتھ متعلق ہوتا ہے وہ غیر بدیہی، غیر متفقہ اور قابل اجتہاد کیسے ہو سکتے ہیں جبکہ شرعی احکام کی مذکورہ چاروں اقسام میں سے ضروریاتِ دینیہ کے سوا کوئی ایک قسم بھی تقابل تضاد کے اس معیار پر نہیں اترتی۔

تیسری اور چوتھی قسمیں اِس لیے کہ وہ بدیہی نہیں ہیں اور دوسری قسم اگرچہ بدیہی ہے لیکن بدیہی مذہبی ہے، بدیہی دینی نہیں ہے جبکہ تکفیر کے لیے بدیہی دینی ہونا شرط ہے۔ نیز اس قسم کے احکام قابلِ اجتہاد ہونے کی وجہ سے بھی تضاد کے قابل نہیں ہوتے ہیں۔

Marfat.com

اِس فلسفہ پر غور کرنے والے حضرات، جمہور فقہاء کرام اور متکلمین اسلام کی نگاہِ بصیرت کو داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ تکفیر کے بارے میں کتنی احتیاط سے کام لیا ہے۔ ہمارے مفتیان کرام اور اصحاب محراب ومنبر حضرات اگر اس فلسفہ کو سمجھیں تو ان کی زبان وقلم سے کبھی بے مصرف فتویٰ کفر صادر نہیں ہوسکتا۔ الٰہیات کے سلسلہ دراز میں اس موضوع سے زیادہ مشکل، باریک اور قابل توجہ مجھے کوئی اور مسئلہ نظر نہیں آ رہا۔ تکفیر کے لیے شرعی معیار کی اس کاوش کو میں ''لاشرقی لا غربی'' بلکہ اسلامی اور فقط اسلامی ذہن کے ساتھ علماء کرام کی رہنمائی کی غرض سے تحریر کر رہا ہوں۔ میرے مخاطب اس پوری تحریر میں علماء کرام ہی ہیں۔ کیوں کہ میں سمجھتا ہوں کہ اگر یہ طبقہ سمجھ گیا تو باقی دنیا کو سمجھانا آسان ہے۔

ایک اور ضروری وضاحت:۔ یہ بھی ناگزیر ہے کہ کفر اپنے مفہوم یعنی نظامِ مصطفی ﷺ یا اس کے کسی ضروری حصہ کی تکذیب کے اعتبار سے بمنزلہ جنس ہے۔ جس کے ماتحت کفر اصلی، کفر عارضی، زندیقیت، الحاد، لزومِ کفر اور التزامِ کفر جیسے مختلف اقسام وانواع پائے جاتے ہیں جن میں سے ہر ایک کی حقیقت واحکام ایک دوسرے سے جدا جدا ہیں۔ اس تحریر میں ہمارے پیش نظر صرف ایک قسم یعنی عارضی کفر کو بیان کرنا ہے جو کسی مدعی ایمان کا ملت اسلام یا اس کے کسی ضروری حصہ کی تکذیب کرنے سے عبارت ہے اس تکذیب وانکار یا اس کے قائم مقام یقینی علامت کا اگر بلاواسطہ ارتکاب ہو تو وہ التزام کفر کہلاتا ہے، جس کی بالتفصیل اقسام کا بیان مع مثالوں کے گزشتہ صفحات میں ہم نذر قارئین کر آئے ہیں۔ جس کے مطابق کسی شخص کو کافر ومرتد قرار لے کر اسلام سے خارج بتانے کا اور مرتد کے خصوصی احکام اس پر جاری کرنے کے لیے فتویٰ صادر کرنے کا پس منظر اس کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا کہ اس نے ان اقسام میں سے کسی ایک کا ارتکاب کیا ہے، اسلام کی ضد یا نقیض پر ڈائریکٹ عمل کیا ہے اور جان بوجھ کر یا انجانے میں نقیض اسلام یا ضد اسلام کو گلے لگایا ہے۔

Marfat.com

ہماری اِس تحقیق سے یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ التزامِ کفر کی ان قسموں کی حقیقت ایک ہے یعنی ایک ماہیت اور وحدت نوعی کے تحت متعدد اصناف ہیں جو محض عارضی صفات ولوازمات کی بناء پر ایک دوسرے سے جدا سمجھے جاتے ہیں اور کسی بھی ماہیت نوعیہ کے افراد واقسام پر شرعی احکام لاگو ہونے کا مدار مابہ الاشتراک حقیقت کا موجود ہونا ہی ہوتا ہے۔ عوارض ولوازمات نہیں، جیسے کتے اور بلی پر حرام ہونے کا حکم جاری کرنے کے لیے ان کے لغوی مفہوم وحقیقت کا مصداق ومظہر ہونا کافی ہے جس کا وجود یقینی ہونے کے بعد اس کے مذکر یا مونث، عربی یا ہندی، اہلی یا صحرائی ہونے کی کوئی تفریق نہیں ہوتی بلکہ حرام ہونے کے حوالہ سے شرعی حکم سب پر یکساں جاری ہوتا ہے۔ اِسی طرح افراد انسانی کے مابین مذکر ومونث اور مخنث ہونے کے عارضی امتیازات کا ان کے مکلّف ہونے کے حوالہ سے کوئی فرق نہیں ہوتا بلکہ انسان کا مفہوم جو ان سب میں قدر مشترک اور سب کی ذاتی ماہیت ہے جب بھی جہاں پر بھی اور جس شکل میں بھی پایا جاتا ہے اپنے مخصوص شرائط کے ساتھ شرعی احکام کا حامل قرار پاتا ہے۔ چاہے مذکر ہو یا مونث یا مخنث۔

یہی حال التزامِ کفر کا بھی ہے کہ اس کی حقیقت اور لغوی مفہوم مذکورہ اقسام میں سے جس شکل میں بھی جہاں پر بھی اور جس شخص میں بھی پایا جاتا ہے وہاں پر کفر وارتداد کا شرعی حکم بلاتفریق جاری ہو جاتا ہے چاہے اس کو جاری کرنے والا کوئی ہو یا نہ ہو، چاہے کسی کو معلوم ہو یا سب سے پوشیدہ اور چھپا کر کیا گیا ہو بہر تقدیر اللہ تعالیٰ کے جاری کردہ خودکار نظام قدرت اور امر تکوینی کے عین مطابق صحیفہ کائنات میں اس کا کفر ثبت ہو جاتا ہے۔ جب تک اس سے توبہ تائب نہیں ہوتا اس وقت تک کا فرو مرتد ہی کہلاتا ہے اور توبہ کیے بغیر اُسی حالت میں مرنے پر جملہ خلائق کیطرف سے مستوجب لعنت قرار پاتا ہے۔ چاہے دنیا کے کسی دارالافتاء کے مہر ودستخطوں سے اس کا اظہار کیا جائے یا نہ کیا جائے، بہر حال اس کا منطقی انجام اللہ کے

Marfat.com

فرمان ''وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ''(۱) تم میں سے جو شخص اپنے دین سے پھرنے کے بعد کافر مرا تو ان کے کیے ہوئے اعمال محو ہو گئے دنیا میں بھی آخرت میں بھی اور وہ دوزخ کی آگ والے ہیں جس میں ہمیشہ رہیں گے۔ کے عین مطابق اٹل ہوتا ہے۔ اللہ کے مقدس کلام کی اس جامعیت پر قربان جاؤں جس نے اِدھر اُدھر تفریق کے بغیر ''وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ '' کے عمومی انداز میں ایسا قانون وضابطہ عطا فرمایا جو التزام کفر کی مذکورہ قسموں کو یکساں شامل ہے۔ جس کے بعد کسی بھی مسلمان کو جائز نہیں ہو سکتا کہ اس عمومی حکم میں تفریق کرے یا التزام کفر میں مبتلا ہونے والوں کو اپنا خویش، استاذ، پیر اور رہنما سمجھ کر ان پر جاری کرنے سے کترائے، توقف کرے یا صحیفہ کائنات پر ثبت ہونیوالے اس حکم سے انہیں بچانے کے لیے بے محل تاویلات تلاش کرے ورنہ اس میں اور اہل کتاب کے علماء سوء میں کوئی فرق نہیں رہے گا۔ جو تورات وانجیل کے اس قسم عمومی احکام کو جاری کرنے میں تفریق کیا کرتے تھے، اپنا اور پرایا، بااثر و بے اثر کی تمیز کیا کرتے تھے اور ''اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ''(۲) کا عکس بن کر التباس الحق بالباطل کیا کرتے تھے۔ جس سے اپنے بندوں کو بچانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا؛

''وَلَا تَتَّبِعُوْٓا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا ''(۳)

ترجمہ:۔ ان لوگوں کے پیچھے مت جاؤ جو پہلے سے گمراہ ہو چلے ہیں اور دوسروں کو بھی بہت گمراہ کیا ہے۔

---

(۱) البقرہ، 217۔

(۲) البقرہ، 85۔

(۳) المائدہ، 77۔

Marfat.com

مدعیِ اسلام ہونے کے باوجود التزامِ کفر کرنے والوں پر لگنے والے اس قرآنی فتویٰ کے عموم کا ہی نتیجہ ہے کہ جملہ اہل اسلام میں کسی ایک نے بھی آج تک اس کی تخصیص کا نہیں سوچا، التزامِ کفر کا قول و عمل کرنے والوں میں سے کسی ایک کو بھی اس سے بچانے کی جسارت نہیں کی۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اسلام میں کسی بھی مدعی ایمان کو کفر سے بچانے کے لیے حتی المقدور جائز تاویل تلاش کرنے کا حکم ہے۔ اگر اسے کفر سے بچانے کے لیے ایک فیصد احتمال تاویل ممکن ہو پھر بھی وہ محل تکفیر نہیں ہوسکتا۔ لیکن جہاں پر صراحتاً التزام کفر ہو وہ تاویل کا محل ہی نہیں ہوتا کیوں کہ کلام صریح اپنے معنی و مفہوم پر واضح دلالت کرنیکی وجہ سے کسی قرینہ و دلیل کا محتاج نہیں ہوتا اور اپنے معنی و مدلول کے سوا کسی اور کا احتمال ہی نہیں رکھتا تو پھر محل تاویل ہونیکا مقصد ہی کیا ہے۔ محل تاویل وہی ہوتا ہے جو صریح الدلالہ نہ ہو۔ اُصولِ شاشی میں ہے:

''اَلصَّرِیحُ لَفظٌ یَکُونُ الْمُرَادُ بِهٖ ظَاهِرًا کَقَولِهٖ بِعتُ وَاشْتَرَیْتُ وَاَمْثَالِهٖ وَ حُکْمُهٗ اَنَّهٗ یُوجِبُ ثُبُوتَ مَعْنَاهُ بِاَیِّ طَرِیقٍ کَانَ مِنْ اَخْبَارٍ اَوْ نَعْتٍ اَوْ نِدَآءٍ وَ مِنْ حُکْمِهٖ اَنَّهٗ یَسْتَغْنِی عَنِ النِّیَّةِ وَعَلٰی هٰذَا قُلْنَا اِذَا قَالَ لِامْرَءَ تِهٖ اَنْتِ طَالِقٌ اَوْ طَلَّقْتُکِ اَوْ یَا طَالِقُ یَقَعُ الطَّلَاقُ نَوٰی بِهِ الطَّلَاقَ اَوْ لَمْ یَنْوِ''

صریح کا یہ مفہوم اور یہ حکم التزام کفر کی مذکورہ تمام قسموں پر بدرجہ اتم منطبق ہونے کی بناء پر اُن میں سے کوئی ایک قسم بھی ایسی نہیں ہے جو قابل تاویل ہو محتاج نیت و دلیل ہو یا اپنے مفہوم و مدلول کے سوا کسی اور مفہوم کا احتمال رکھتی ہو۔ کسی کلام کا محل تاویل ہونے یا نہ ہونے کے حوالہ سے علم کلام کے علاوہ کتب فتاویٰ میں بھی یہی کچھ لکھا ہوا موجود ہے۔ جیسے فتاویٰ شامی میں ہے:

''اِذَا کَانَ فِی الْمَسْئَلَةِ وُجُوهٌ تُوجِبُ التَّکْفِیرَ وَوَجْهٌ وَاحِدٌ یَّمْنَعُهٗ فَعَلَی الْمُفْتِیْ اَنْ یَّمِیلَ اِلَی الْوَجْهِ الَّذِیْ یَمْنَعُ التَّکْفِیرَ''(۱)

(۱) فتاویٰ شامی، ج3، ص312۔

Marfat.com

جب کسی مسئلہ میں تکفیر کے لیے متعدد احتمالات ہوں اور کفر سے بچانے کے لیے صرف ایک احتمال ہو تو مفتی پر لازم ہے کہ کفر کی طرف لے جانے والے تمام احتمالات کو چھوڑ کر صرف اس ایک احتمال پر عمل کرے جو کفر سے بچانے پر دلالت کرتا ہے۔

اہلِ علم پر واضح ہے کہ کسی کلام میں احتمالات کے موجود ہونے کا مطلب اس کے غیر صریح ہونے کے سوا اور کچھ نہیں ہے کیوں کہ صریح کلام کا صرف ایک مفہوم و مدلول ہوتا ہے جس پر دلالت کرنے میں کسی قرینہ ودلیل کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اس کے علاوہ کسی اور مفہوم کی قطعاً گنجائش نہیں ہوتی یہاں تک کہ اس کے ساتھ متکلم کی نیت کا ہونا بھی ضروری نہیں ہوتا یعنی نیت ہو یا نہ ہو بہر حال کلام جس معنی و مفہوم پر صراحتاً دلالت کر رہا ہے اس پر شرعی حکم کو جاری کرنا واجب التعمیل ہوتا ہے۔ التزام کفر کی مذکورہ صورتوں میں سے کوئی ایک بھی ایسی نہیں ہے جو اپنے معنی و مفہوم پر دلالت کرنے میں صریح نہ ہو یا اس کے مفہوم و مدلول میں ایک سے زیادہ احتمالات کا امکان ہو۔ مثال کے طور پر کسی مدعی اسلام کا نبی اکرم رحمتِ عالم ﷺ کے خاتم النبیین بمعنی نبی آخر الزمان اور تمام انبیاء و مرسلین کے بعد مبعوث ہونے کے اسلامی عقیدہ سے انکار کر کے ختم النبوت کے اسلامی عقیدہ سے متعلق یہ کہنا کہ:

”آپ ﷺ خاتم النبیین تو ہیں لیکن بمعنی اتصاف بوصف النبوت بالذات اور اصل الانبیاء کے ہیں۔ نبی آخر الزمان کے معنی میں نہیں ہے کہ ان کے بعد دوسرا نبی پیدا نہ ہو سکے لہٰذا اگر ان کے بعد کوئی دوسرا نبی پیدا ہو جائے تو ختم النبوت کے عقیدہ میں کوئی فرق نہیں آئے گا کیوں کہ یہ اصل الانبیا ﷺ کے تابع اور متصف بوصف النبوت بالعرض نبی ہو گا جبکہ آپ ﷺ خاتم النبیین بمعنی متصف بوصف النبوت بالذات نبی ہیں“۔

تو سلامتیِ ہوش وحواس کی حالت میں بلا جبر و اکراہ اختیاری طور پر بولے جانے اور لکھے جانے والے اس کلام کا ختم النبوۃ کے اسلامی عقیدہ کے منافی ہونے پر کس کو شک ہو سکتا ہے؟ یا اس کا خاتم النبیین بمعنی نبی آخر الزمان ہونے کے اسلامی عقیدہ کے صریح نقیض ہونے میں کس کو

Marfat.com

تر دد ہو سکتا ہے، وہ کون سا ہوش مند ہو گا جس کا ذہن اس صریح مفہوم کے علاوہ کسی اور محمل کی طرف جا سکتا ہو۔ اگر چہ اس طرح کا عقیدہ رکھنے والے کی ظاہری حالت اور اس کی عملی زندگی اس کے برعکس ہو، اگر چہ وہ عالم، فاضل، مرشد الناس اور پیشوائے علماء ہو کیوں کہ قرآن وسنت اور اسلامی تعلیمات میں کوئی حکم ایسا نہیں ہے جو ضرورت دینی کے نقیض پر صراحتاً دلالت کرنے والے اس قسم کلام کے متکلم و معتقد کو محض پیشوائے علماء ہونے کی بناء پر چھوٹ دیں یا ایسے عقیدہ رکھنے والوں کی فہرست میں عالم دین اور غیر عالم دین کی تفریق کریں۔ ذوات قدسیہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کے ماسوا باقی ہر شخص سے کسی بھی وقت کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ (اَعَاذَ نَا اللّٰهُ مِنْهُ)

تعصب کے برے اثرات کا ایک کرشمہ:۔ حقیقت یہ ہے کہ ضرورتِ دینی کے نقیض کے صریح ارتکاب اور التزامِ کفر کی ان صریح مثالوں سے چشم پوشی کر کے اِن کو اسلام کا حصہ ثابت کرنے کے لیے جتنی کوششیں کی جاتی ہیں اور جتنی تاویلوں کا سہارا لیا جاتا ہے یہ سب مضحکہ خیز ہیں، صریح میں تاویل کرنے کی حماقت اور حقیقت سے آنکھیں چرانے کے مترادف ہیں۔ کبھی عالم دین ہونے کا بہانہ، کبھی مرشد الناس ہونے کا سہارا، کبھی عملی زندگی کا اس کے برعکس ہونے کا حوالہ اور کبھی اس کے انسانی فہم کی رسائی سے ماوراء معمہ کہنے کا تماشا یہ سب کچھ مذہبی تعصب کے برے اثرات کے کرشمے ہیں۔ سچ کہا گیا ہے:

''اَلتَّعَصُّبُ اِذَا تَمَلَّکَ اَهْلَکَ''

یعنی تعصب جب کسی پر غالب آجاتا ہے تو اسے ہلاک کر دیتا ہے۔

قرآن وسنت کی روشنی میں تعصب کے حرام و ناجائز ہونے کا فلسفہ بھی یہی ہے کہ جس معاشرہ پر یہ غالب آجائے اس کی بصیرت ختم کر دیتا ہے۔ جس کے نتیجہ میں اپنے مخصوص نظریات اور ذہنی ترجیحات کو اصل الاصول سمجھ کر اسلامی احکام کو ان کے مطابق کرنے کی تمنا کرنے لگ جاتا

Marfat.com

ہے۔ مسلکی مخالفین کے مقابلہ کے حوالہ سے قرآن و حدیث کے مطالعہ کو اپنے ذہنی رجحان کا تابع بنانے کی کوشش کی جاتی ہے، قرآن شریف کی جس آیت اور حدیث شریف کے جس لفظ کو اپنے مخصوص نظریے کے خلاف محسوس کیا جاتا ہے تو اس کی بالادستی پر ایمان ویقین کا اظہار کرنے کے بجائے بے محل تاویلیں گھڑ کر گناہ کمایا جاتا ہے۔ جس معاشرہ میں تعصب زدگی کا یہ عالم ہو تو اسے حق شناسی کی توفیق نصیب ہوتی ہے نہ حق گوئی کی کیوں کہ حق کو جاننے اور ایمان وکفر میں تفریق کو پہچاننے کے لیے بنیادی معیار قرآن شریف ہی ہے، سیرت طیبہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم پر مشتمل احادیث طیبہ سے لے کر اسلامی ذخیرہ کتب تک جو کچھ بھی ہے یہ سب کچھ اس کی پہچان کے ذرائع وتشریحات ہیں جس کی حقیقت تک پہنچنے کے لیے ذہنی ترجیح، مسلکی رجحان، معاشرتی اثرات اور تعصب کے زنگ سے پاک وصاف، مبریٰ ومطہر دل و دماغ کے ساتھ اسے دیکھنا اولین شرط ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا؛

''لَا یَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ''(۱)

جس کا مفہوم یہ ہے کہ قرآن شریف کے معارف کو وہی لوگ پاسکیں گے جو تعصب زدگی سے پاک ومطہر دل ودماغ کے ساتھ اس میں غور کریں گے۔

اہل بصیرت کے لیے مقام عبرت ہے کہ نبی اکرم رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم النبیین بمعنی نبی آخر الزمان ہونے کا اسلامی عقیدہ جو ضروریاتِ دین کے قبیل سے ہے، کو نادان عوام و جہلاء کا خیال کہہ کر اس کے نقیض کا ارتکاب کرنے جیسے التزام کفر کو التزامِ اسلام ثابت کرنے کی یہ ناکام کوششیں کیوں ہو رہی ہیں؟ کیا اکابر پرستی کی جامد تقلید اور مذہبی تعصب زدگی کے سوا کوئی اور وجہ اس کی ہوسکتی ہے؟ میں اپنے پچاس سالہ طویل تجربہ ومشاہدہ کی روشنی میں کامل وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اکابر پرستی کے تعصب کے علاوہ کوئی اور وجہ اس کی ہرگز نہیں ہے۔

(۱) الواقعہ، 79۔

Marfat.com

اسلام کے نام لیواؤں کی چاردیواری کے اندر مختلف مسالک کے حلقہ علماء میں پائی جانے والی اس بیماری کی موجودگی میں ان حضرات سے اسلام کی حقیقی تبلیغ کی توقع کرنا آرزوِ بے محل کے سوااور کچھ نہیں ہے۔ علماء کرام کی تعصب زدگی کا یہ منظر مختلف مسالک میں موجود اُن علماء احرار اور تعصب کی لعنت سے پاک حضرات کو اُن کی مذہبی ذمہ داری کا احساس دلاتا ہے کہ آگے آئیں اسلام وکفر کی تفریق بتانے کا فریضہ ادا کیجئے، اکابر پرستی کے تعصب میں مبتلا حضرات کے التباس الحق بالباطل کرنے کی بدانجامی سے اُمت کو نجات دلائیں۔ جس کو ممکن بنانے کے لیے علماء حق کا بین المسالک مشترکات پر متحد ہونا ناگزیر ہے اور اسلام کے مسلمہ اصولوں کو موضوع بیان قرار دینا ضروری ہے۔ مذہبی عصبیت سے پاک ذہن کے حضرات کا وجود مسعود اگر چہ کم ہے، آٹے میں نمک کی شرح تناسب سے بھی قلیل ہے تاہم اس کی حلاوت میں اتنی کشش ہے، ان کے اکٹھ میں اتنا اثر ہے اور ان کا اشتراک عمل اتنا موثر ہے کہ جس کے بعد حدود اللہ کی تبلیغ کرنے میں اپنے اور پرائے کی تفریق کرنے والوں کی نہیں چل سکتی اور اپنے افراد خانہ میں التزام کفر دیکھ کر اسے اسلام کہنے کی جسارت ہرگز نہیں ہوسکتی۔ جو حضرات اندھی تقلید اور اکابر پرستی کے حصار میں محصور ہیں انہیں تو قرآن وسنت کی تعلیمات کھلے ذہن سے دیکھنے کی توفیق میسر نہیں آسکتی کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا ''لَا یَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ'' فرما کر ان کی بے توفیقی کی خبر دینے کے بعد ان سے حق شناسی وحق گوئی کی توقع کرنا ہی فضول ہے۔

مقام عبرت نہیں تو اور کیا ہے کہ اندھی تقلید اور تعصب کی بناء پر حدود اللہ کے اجراء میں تفریق کرنیوالے، اور ایک ہی چیز کو دوسروں کے لیے کفر اپنوں کے لیے اسلام کہنے والے یہ حضرات دوسرے مسائل کی کیا تبلیغ کرتے ہوں گے۔ جبکہ قرآن وسنت کی روشنی میں علماء دین کی مسئولیت کا یہ عالم ہے کہ اگر ان کے حلقہ اثر میں کوئی شخص لزوم کفر کا ارتکاب کرے پھر بھی ان سے پوچھا جائے گا۔ جبکہ لزومِ کفر کے شرعی احکام التزامِ کفر کے احکام سے بہت ہلکے اور نرم

Marfat.com

ہیں، جن کو گزشتہ صفحات میں ہم واضح کر آئے ہیں۔ بلکہ کفر سے کم درجہ کے عاصیوں کے ہاتھ بھی قیامت کے دن ان کے گریبانوں تک پہنچیں گے کہ جائز وناجائز کی تفریق بتانے کی ذمہ داری سے غافل کیوں رہے؟ اور گونگا شیطان بن کر ہماری حرام کاریوں پر خاموش تماشائی کیوں بنے؟ اہل کتاب کے ایسے ہی علماء سوء کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا؛

''لَوْ لَا یَنْھٰھُمُ الرَّبّٰنِیُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِھِمُ الْاِثْمَ وَاَکْلِھِمُ السُّحْتَ''(۱)

انکے علماء ومشائخ گناہ کا بول بولنے سے اور حرام کھانے سے انہیں منع کیوں نہیں کرتے؟

اور حدیث میں بھی ایسے علماءِ سوء کو گونگا شیطان قرار دیا گیا ہے۔ جس کے الفاظ ہیں؛

''اَلسَّاکِتُ عَنِ الْحَقِّ شَیْطَانٌ اَخْرَسُ''(۲)

یعنی حق ظاہر نہ کرنے والا گونگا شیطان ہے۔

جب کفر سے کم درجہ کے گناہوں کا یہ عالم ہے تو پھر التزام کفر کرنے والوں کا ساتھ دینے، ان کے لیے جواز تلاش کرنے اور ان سے صرف نظر کرنے والوں کا کیا ہی حشر ہوگا جبکہ اسلامی احکام اس حوالہ سے یہ ہیں کہ التزامِ کفر کرنے والوں کے کفر میں اور ان کے مستحق عذاب ہونے میں توقف اور شک کرنے والا بھی کافر ومرتد قرار پاتا ہے۔ جیسے جملہ فقہاء کرام نے بیک آواز کہا ہے کہ؛

''مَنْ شَکَّ فِیْ کُفْرِہٖ وَعَذَابِہٖ فَقَدْ کَفَرَ''(۳)

جس کا مفہوم یہ ہے کہ التزامِ کفر کرنیوالے کے اس کردار وعمل پر مطلع ہونے اور اسے سمجھنے

---

(۱) المائدہ،63۔

(۲) التفسیر الکاشف، ج 5،ص 32،مطبوعہ بیروت۔

(۳) (i) فتاویٰ الدرالمختار، ج 1،ص356،باب المرتدین۔

(ii) فتاویٰ مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر، ج 1،ص 677۔

Marfat.com

کے بعد جو اس کے کفر میں اور مستحق عذاب ہونے میں شک کرے گا وہ بھی بالیقین کافر ہوگا۔

اسلامی ذخیرہ کتب میں التزام کفر کے مرتکب اشخاص کا ساتھ دینے، انکے لیے جواز اور تاویل تلاش کرنیوالے مجرموں پر التزامِ کفر کرنے والوں پر جاری ہونیوالے جملہ احکام جاری ہونے کے علاوہ اور کچھ نہیں ملتا جبکہ عقل کا تقاضا یہ ہے کہ اِن کے احکام وسزا اُن سے زیادہ سخت ہو کیوں کہ اصل التزامِ کفر کرنے والا صرف دوہرا مجرم ہوتا ہے کہ ایک بار التزامِ کفر کا جرم کیا۔ دوسرا اس لعنت سے توبہ تائب ہونیکی بجائے اس پر دائم وقائم رہ کر مرجاتا ہے۔(اَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْهُ) جبکہ اس کے اس کفر کو اسلام کہنے اور اس کے لیے تاویلات کی راہیں تلاش کرنے والا اس پر مرتے دم تک قائم ودائم رہنے کے ساتھ اس کا دفاع کرنے کے شرح تناسب سے متعدد بار اعادہ جرم کرتا رہتا ہے۔لیکن شریعت کے احکام عقل سے نہیں بلکہ شریعت سے ثابت ہوتے ہیں لہٰذا التزام کفر کرنیوالے کے جملہ احکام اس پر جاری کرنے کے علاوہ مزید کوئی حکم اس کے لیے اسلامی ذخیرہ کتب میں موجود نہیں ہے۔

مذہبی تعصب کے خلاف تبلیغ کا افضل جہاد ہونے کا فلسفہ:۔

جب واضح ہو چکا کہ التزامِ کفر کو اسلام کہنے کے ''ظُلُمَات بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ'' میں مبتلا حضرات تقلید مخطی یا جہل مرکب کے مرض سے خالی نہیں ہیں تو پھر اس کے خلاف تبلیغ کرنا بھی افضل الجہاد سے خالی نہیں ہوگا۔اس تبلیغی جہاد کا اُسوۂ حسنہ سید الانام ﷺ کے مطابق ہونا ضروری ہے جس میں تنگ نظری، فرقہ بندی اور دل آزاری کے سبب بننے والی کوئی چیز نہیں ہوتی ورنہ تعصب کے مقابلہ میں تعصب اور تنگ نظری کے مقابلہ میں تنگ نظری کی فضاء میں کوئی تبلیغ موثر نہیں ہوسکتی۔اصحاب محراب ومنبر حضرات چاہے التزامِ کفر کے خلاف تبلیغ کریں یا لزومِ کفر کے خلاف، حقوق اللہ میں بے اعتدالیوں کے خلاف کریں یا حقوق العباد کے مظالم کے خلاف بہر تقدیر اس کاوش کو نتیجہ خیز بنانے کے لیے فرقہ واریت اور مذہبی تعصب ودل

Marfat.com

آزاری سے پاک وصاف کردار کا حامل ہونا ضروری ہے لیکن افسوس کے ساتھ لکھنا پڑتا ہے کہ ہمارے اصحاب محراب ومنبر حضرات کی غالب اکثریت میں یہ جوہرِ ثمین مفقود ہے جو چراغ لیکر ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتا۔اس وقت اسلام کے نام پر محراب ومنبر گرمانے والے درجن سے زائد اسلامی فرقوں میں شاذ ونادر کوئی ایسا ہو جو اِن بے اعتدالیوں کے خلاف اُسوۂ حسنہ سید الانام ﷺ کے مطابق تبلیغ کرتا ہو۔جن کی تقریر وتحریر دل آزادی، فرقہ واریت اور تعصب سے ماوراء ہو۔میں اُس منظر کو کبھی نہیں بھولتا کہ آج سے تقریباً نصف صدی قبل بیرون موچی دروازہ لاہور میں مسلمانوں کے ایک فریق نے اپنے حریف فریق کے خلاف تبلیغی اجتماع منعقد کیا تھا۔جس میں پنجاب کے اُس وقت کے ایک مشہور ومعروف خطیب جو فی الوقت مرحوم ہیں دورانِ خطاب مخالف فریق کے خلاف ''وھبڑ، وھبڑا، وھبڑو، وھبڑت، وھبڑتا، وھبڑن، کی پوری گردان کبیر مجمع کو سنائی جس پر تبلیغ علی منھاج تبلیغ النبوی ﷺ سے ناآشنا عوام نے مجاہد اہل سنت زندہ باد کے نعروں سے فضا کو کافی دیر تک مسموم رکھا۔پورے اجتماع میں شاید میرے سوا کوئی بندہ خدا ایسا ہو جس نے اس غیر سنجیدہ اندازِ تبلیغ کو مکروہ جانا ہو یا اسے اندازِ تبلیغِ نبوی ﷺ کے خلاف سمجھ کر اس پوری جماعت وماحول کو قابلِ رحم اور قابلِ اصلاح تصور کیا ہو۔دوسرے فرقوں کے محراب ومنبر کی زبوں حالی، دل آزاری اور تعصب زدگی کا حال بھی اس سے مختلف نہیں ہے۔معروضی حالات کی ان تلخیوں میں التزامِ کفر کو اسلام کہنے والے مجرموں کے مرض تعصب کے خلاف حقیقی تبلیغ افضل الجہاد نہ ہوگی تو اور کیا ہوگی؟

اِس کے علاوہ یہ بھی ہے کہ التزام کفر اور لزوم کفر کی جدا جدا حقیقتوں اور ان کے شرعی احکام کے مابین فرق نہایت واضح اور نا قابلِ خفا ہونے کے باوجود اصحاب محراب ومنبر حضرات کی غالب اکثریت پر مشتبہ ہونے کی اصل وجہ بھی ان کی تعصب زدگی ہے جس کے نتیجہ میں ان حضرات نے بالعموم اپنے مسلکی مخالفین کے خلاف دلائل یاد کرنے کو ہی مبلغ علم اور مرکز توجہ بنا رکھا ہے،

Marfat.com

التزامِ کفر کے مرتکب مجرموں کا دور دورہ ہو یا لزومِ کفر میں مبتلا ہونے والوں کی بہتات، یہ ان سے غرض نہیں رکھتے ہیں، فروعی اور غیر ضروری مسائل کو اُصول کا درجہ لے کر اپنے مسلکی حریفوں کو زیر کرنے کی فکر میں ڈوبے ہوئے ان حضرات پر التزامِ کفر اور لزومِ کفر کے مابین اشتباہ ہونا اور ایک کے شرعی احکام کو دوسرے پر منطبق کر کے عوام کو گمراہ کرنا تعجب کی بات نہیں ہے کیوں کہ یہ سب کچھ مذہبی تعصب کے لازمی اثرات ونتائج ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو تعصب کے ماحول سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

ایک اور اشتباہ کا ازالہ:۔ التزامِ کفر کی مذکورہ تمام قسموں کا شرعی حکم ایک بتانے پر شاید یہ اعتراض اُٹھایا جاسکے کہ ان قسموں میں ارادی اور غیر ارادی کی تفریق نہیں کی گئی ہے۔ مثلاً؛

ایک شخص نبی آخر الزمان رحمت عالم ﷺ کے خاتم النبیین بمعنی نبی آخر الزمان "لا نبی بعدہ" ہونے کے اسلامی حکم وعقیدہ سے انکار کرتا ہے اور اِس ضرورتِ دینی کی تکذیب کرتے ہوئے کہتا ہے کہ "میں اس حکم کو نہیں مانتا۔"

دوسرا شخص خاتم المرتبت ﷺ کی مدحت وفضیلت بتاتے ہوئے صبح شام اُٹھتے بیٹھتے کہتا رہتا ہے کہ "اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی ﷺ کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی ﷺ میں کوئی فرق نہ آئے گا۔"

ان دونوں کے مابین زمین آسمان کا فرق ہے کہ اول شخص ارادتاً وقصداً عقیدہ ختم النبوت زمانی کی تکذیب کر رہا ہے جبکہ دوسرا ارادتاً وقصداً تکذیب نہیں کر رہا بلکہ اس کا یہ ارادتاً وقصداً کیا ہوا کلام اس پر صراحتاً دلالت کر رہا ہے کیوں کہ دوسرے نبی کے پیدا ہونے کو خاتمیت محمدی ﷺ کے منافی نہ کہنے اور نہ سمجھنے کا مدلول ومفہوم اس کی تکذیب کے سوا کوئی اور شے نہیں ہے۔ اس کی ایسی مثال ہے، جیسے کوئی شخص زید کی عظمت شان بیان کرتے ہوئے کہہ دے کہ؛

"اگر بالفرض زید کو قتل کر دیا جائے تو پھر بھی اس کی حیات میں کوئی فرق نہ آئے گا۔"

Marfat.com

قتل کو حیات کے منافی نہ سمجھنے اور نہ کہنے کا مفہوم و مدلول اس کی متعارف ومشہور حیات کی تکذیب کے سوا اور کیا شے ہو سکتی ہے کہ دنیوی حیات جو متعارف ومشہور ہے کے خاتمہ ہونے کے بعد بھی اس کی حیات بمعنی حیات برزخی میں کوئی فرق نہ آئے گا۔ لہٰذا زید ہر حالت میں دائمی ابدی طور حیات ہی حیات ہے۔

دوسری مثال اس کی یہ ہے کہ کوئی شخص حضرت امام بخاری رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ کو خاتم المحد ثین کہنے کی توجیہہ میں انہیں متصف بوصف التحدیث بالذات اوران کے سوا باقی تمام محدثین کو متصف بوصف التحدیث بالعرض کہہ کر اپنے ممدوح ''امام بخاری'' کو جملہ محدثین کا اصل الاصول قرار دیتے ہوئے یہ کہہ دے کہ ''اگر بالفرض ان کے بعد کوئی محدث پیدا ہو تو پھر بھی ان کے خاتم المحدثین ہونے میں کوئی فرق نہ آئے گا'' تو ظاہر ہے کہ یہ شخص حضرت امام بخاری کے خاتم المحدثین بمعنی خاتم زمانی سے قصداً و ارادتاً انکار وتکذیب نہیں کر رہا۔ جیسے ''بالفرض'' کا لفظ بتا رہا ہے کہ یہ قضیہ مفروضہ ہے یعنی اس کے عقیدہ وارادہ میں ایسا نہیں ہے بلکہ محض تجویز عقل ہے کہ بالفرض والتقدیر اگر ایسا ہو جائے تو ان کا خاتم المحدثین ہونے میں کوئی فرق نہ آئے گا کیوں کہ ان کا خاتم المحدثین ہونا خاتم زمانی کے معنی میں نہیں ہے بلکہ خاتم المحدثین بمعنی متصف بوصف التحدیث بالذات کے معنی میں ہے جو ان کے بعد دوسرے محدث کے پیدا ہونے کے منافی نہیں ہے ایسے میں ان کے بعد دوسرے محدثین کے پیدا ہونے کے باوجود انہیں خاتم المحدثین کا نام دینا درست ہے لیکن اس قضیہ مفروضہ کے دوسرے جز ویعنی جزا میں ''فرق نہ آئے گا'' کا مدلول ومفہوم اس کے سوا اور کوئی شے نہیں ہے کہ وہ امام بخاری کو خاتم المحدثین بمعنی خاتم زمانی تسلیم کرنے سے غیر ارادی طور پر انکار و تکذیب کر رہا ہے ورنہ جملہ کائنات میں اس ''فرق نہ آئے گا'' لفظ کا کوئی اور مدلول ومفہوم موجود نہیں ہے جس پر کسی کی تسلی ہو سکے۔

ایسے میں وہ کون سا ہوش مند انسان ہو گا جو ان مثالوں میں بالترتیب ختم نبوت زمانی، دُنیوی

Marfat.com

زندگی اور خاتم المحدثین بمعنی تمام محدثین کے بعد والا زمانہ کا محدث تسلیم کرنے سے غیر ارادی طور پر انکار وتکذیب کو ان کا صریح مفہوم اور واحد مدلول نہ سمجھتا ہو لیکن اس تکذیب وانکار میں اور قصداً وارادتاً یہ کہنے میں زمین وآسمان کا فرق ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کے خاتم النبیین بمعنی نبی آخر الزمان ہونے کے اسلامی عقیدہ کو تسلیم نہیں کرتا، قتل کیے جانے کے بعد زید کی زندگی وحیات کے خاتمہ ہونے کو تسلیم نہیں کرتا اور امام بخاری کو خاتم المحدثین بمعنی تمام محدثین کے بعد والا زمانہ کا محدث تسلیم نہیں کرتا یعنی انکار وتکذیب دونوں میں ہے لیکن مراد متکلم ہونے اور نہ ہونے کا فرق ہے اور انکار ارادی وغیر ارادی ہونے میں ایک دوسرے سے جدا جدا ہیں۔ اسی طرح ایک شخص رسول اللہ ﷺ کو خاتم النبیین بمعنی نبی آخر الزمان تسلیم کرنے سے ارادتاً وقصداً انکار وتکذیب کرتا ہے کہ اسلام کے اس حکم کو میں تسلیم نہیں کرتا جبکہ دوسرا شخص سرور عالم ﷺ کی مدحت وفضیلت کا اظہار کرنے کی غرض سے آپ ﷺ کے خاتم النبیین بمعنی نبی آخر الزمان اور تمام انبیاء علیہم الصلوات والتسلیم کے بعد مبعوث ہونے کے مفہوم کو جاہلانہ خیال کہہ کر اس کے مقابلہ میں آپ ﷺ کے خاتم النبیین ہونے کا مفہوم بالذات نبی بتاتا ہے اور آپ ﷺ کے خاتم النبیین ہونے سے متعلقہ نصوص کے مطلق ہونے کو پیش نظر رکھ کر بالاجمال آپ ﷺ کو خاتم النبیین بھی تسلیم کرتا ہے جس میں نہ قصداً وارادتاً ختم النبوۃ سے کسی قسم کا انکار ہے نہ اس کی عملی زندگی سے ختم النبوۃ کے اجماعی عقیدہ جو ضرورتِ دینی ہے سے عمداً انکار وتکذیب کا کوئی ثبوت ہے۔ صرف اتنا ہے کہ جب اس نے ختم النبوۃ نبی آخر الزمان کے اجماعی مفہوم جو ضرورت دینی ہے کو جاہلانہ خیال قرار دے کر اس کے مقابلہ میں ایک ایسے مفہوم کو ترجیح دی جو اس کے منافی ہے، اس سے عام ہونے کی بناء پر اس کے نقیض پر منتج ہے اور اس پر ایمان کے لوازمات کے نقیض پر بھی مشتمل ہے تو ضرورت دینی یعنی ختم النبوۃ بمعنی ختم زمانی کو جاہلانہ خیال قرار دے کر اس سے ڈائریکٹ انکار کر کے التزام کفر کی دوسری قسم کا ارتکاب کر رہا ہے، اس ضرورتِ دینی والے مفہوم کے مقابلہ میں بالذات نبی

Marfat.com

والے اختراعی مفہوم کو ترجیح دیکر اور قابل عمل قرار دے کر ضرورتِ دینی والے مفہوم پر ایمان کے لازمہ یعنی جذبہ عمل کے نقیض کا ڈائریکٹ ارتکاب کر کے التزامِ کفر کی دسویں قسم کا ارتکاب کر رہا ہے۔ نیز اسی صورت میں اسی ضرورتِ دینی کیساتھ ایمان کے دوسرے لازمہ یعنی ''مَا یُؤمَنُ بِہٖ'' کی تعظیم کے نقیض جو عدم تعظیم ہے، کا ڈائریکٹ ارتکاب کر کے التزامِ کفر کی گیارہویں قسم کا ارتکاب کر رہا ہے۔ نیز اسی صورت میں اس ضرورت دینی والے مفہوم کے ساتھ ایمان کے تیسرے لازمہ یعنی ''مَایُؤمَنُ بِہٖ'' کے ساتھ رضامندی کے نقیض کا بلاواسطہ ارتکاب کر کے التزام کفر کی بارہویں قسم کا ارتکاب کر رہا ہے اور اسی صورت میں ضرورتِ دینی کے ساتھ شرعی ایمان کے چوتھے لازمہ یعنی محبت کی ضد و نقیض کا ارتکاب کر کے التزام کفر کی تیرہویں قسم کا ارتکاب کر رہا ہے۔ التزامِ کفر کی یہ پانچوں صورتیں صریح اور نا قابلِ تاویل ہونے کے باوجود عمداً اور قصداً و اراداتاً ہرگز نہیں ہیں تو پھر شرعی سزا مرتب کرنے میں ان کو اراداتاً و عمداً التزام کیے جانیوالے کفر کیساتھ یکساں کر کے ''مَنْ شَکَّ فِیْ کُفْرِہٖ وَعَذَابِہٖ فَقَدْ کَفَرَ'' جیسے احکام میں برابر قرار دینا بھی قرین انصاف نہیں ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کے عدل و انصاف کا تقاضا جرم کی نوعیت کے مطابق سزا دینا ہے۔ جیسے اس وحدہ لاشریک جل جلالہ نے خود فرمایا ہے:

''جَزَآءً وِّفَاقًا'' یعنی جرم و معصیت کے مطابق سزا۔(۱)

اس کا جواب یہ ہے کہ معترض کو التزام کفر کرنے والوں کے لیے من عند اللہ مقررہ سزا اور شرعی حکم کے مابین فرق کو نہ سمجھنے کی وجہ سے اشتباہ ہوا۔ فرق یہ ہے کہ التزامِ کفر سمیت کسی بھی معصیت کاری کی سزا اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک کی طرف سے خودکار نظام تکوینی کے مطابق مقرر کردہ وہ نتیجہ ہے جو اپنے مقررہ وقت پر معصیت کار کو ملتا ہے، جس کو اس پر مرتب کرنے، یا

---

(۱) النبأ، 26۔ یہاں تک التزامِ کفر کی مذکورہ قسموں کا شرعی حکم ایک ہونے پر وارد کیے جانیوالے اعتراض کی وضاحت پوری ہوگئی۔ جس کے طویل ہونیکی وجہ مسئلہ کی نوعیت کا پیچیدہ اور باریک بینی کا مقتضی ہونا تھی۔ جس کا حق پوری تفصیل پیش کیے بغیر ادا ہونا ممکن نہیں تھا۔

Marfat.com

کسی سبب کی بناء پر ٹالنے اور بخشنے یا زیادہ دینے یا کم دینے اور کیا کچھ دینے کی تمام تفصیل کا وہ وحدہ لاشریک تنہا مالک ہے جب تک وہ کسی کو نہ بتائے تب تک ان میں سے کسی بھی چیز کا کسی کو بھی پتہ نہیں چل سکتا کیوں کہ یہ سب اُمورِ غیبیہ کے قبیل سے ہیں جو اللہ وحدہ لاشریک کے بتائے بغیر کسی مقرب ومحبوب نبی مرسل صلوٰات اللہ وتسلیماتہ علیہم اجمعین کو بھی معلوم نہیں ہو سکتے اور معصیت کاری کے یہ طبعی نتائج جو سزائیں کہلاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تکوینی اندازِ عمل کے مطابق ہمیشہ جرائم کی نوعیت کے مطابق ہوتے ہیں۔ جیسے مندرجہ ذیل نصوص سے معلوم ہو رہا ہے۔

''مَنْ عَمِلَ سَيِّئَةً فَلَا يُجْزٰى اِلَّا مِثْلَهَا''(۱)

ترجمہ:۔ جس نے معصیت کا عمل کیا تو اسے سزا نہیں دی جائے گی مگر اس کے مطابق۔

اور سورۃ النباء میں فرمایا: ''جَزَآءً وِّفَاقًا'' یعنی جرم کے مطابق سزا۔(۲)

جبکہ شرعی حکم التزامِ کفر کا جدا ہے لزومِ کفر کا جدا اور کفر کی حد سے کم معصیت کاریوں کا جدا۔ معصیت کی حد تک بے اعتدالیوں کے شرعی احکام حرام، مکروہ تحریم اور اسائت سے خالی نہیں ہیں۔ اور لزوم کفر کا شرعی حکم یہ ہے کہ معلوم ہو جانے کے بعد بلا تاخیر جلد سے جلد توبہ تائب ہونا، تجدید ایمان اور تجدید نکاح کرنا اور آئندہ جب بھی یاد آ جائے اس سے استغفار کرنے کے ساتھ خود کو ملامت کرتے رہنا، اِن احکام کو ظاہر کر کے ان کے متعلق امر بالمعروف نہی عن المنکر کی ذمہ داری علماءِ اُمت کی گردن پر ہے اور ان کو نافذ وعملی کرانے کی ذمہ داری مسلم اسٹیٹ پر ہے۔ اگر کسی جگہ میں مسلم اسٹیٹ موجود نہ ہو تو اِن کو عملی زندگی میں نافذ کرنا تمام مسلمانوں کی اجتماعی ذمہ داری میں شامل ہے جبکہ التزام کفر کا شرعی حکم یہ ہے کہ قصداً عمداً ایسے

---

(۱) مومن،40۔

(۲) النباء،26۔

Marfat.com

کرنے والے کے شبہات کو دور کرنے کے لیے مناسب وقت دینے کے بعد اور غیر ارادی طور پر ایسا کرنے والے کو اس پر آگاہ و تنبیہ کرنے کے بعد توبہ تائب نہ ہونے کی صورت میں قتل کرنا ہے۔ حکومت کے اہتمام سے مقتول ہونے کے بعد یا اپنی موت آپ مرنے کے بعد بھی اس کے لیے شرعی احکام دوسرے غیر مسلموں کے احکام سے مختلف ہیں، اِس لیے کہ دوسرے کفار کے لواحقین و ہمسایوں پر اس کو نجس کپڑا دھونے کی طرح نہلانا، کفن پہنانا، قبر کھودنا، چارپائی پہ ڈال کرلے جانا، قبر میں دفنانا اور اس کے ترکہ و میراث کو اس کے مذہب کے مطابق منصفانہ تقسیم کرنا، جیسے احکام لازم ہیں جبکہ التزامِ کفر کی کسی بھی شکل میں مبتلا ہونے والے کے لیے یہ سب کچھ ناجائز ہیں۔

اس کے لیے مخصوص احکام یہ ہیں کہ اس کے لاشہ کی نحوست سے زمین کو پاک کرنے کی نیت سے گڑھا کھود کر پاؤں میں رسی ڈال کر گھسیٹتے ہوئے، بغیر غسل و کفن کے توہین کے ساتھ اس میں ڈال کر اُوپر سے مٹی ڈال کر چھپایا جائے۔ اس کے علاوہ یہ بھی ہے کہ جب تک زندہ رہتا ہے اس کے ساتھ نشست برخاست، کلام و ارتباط سب کچھ ناجائز و حرام ہیں، نہ وہ کسی کا وارث ہوسکتا ہے نہ اس کا کوئی وارث ہوسکتا ہے، اگر منکوحہ رکھتا ہو تو وہ بھی اس کا التزامِ کفر کرنے کے ساتھ بلا تاخیر جدا ہو جاتی ہے۔ جس کے بعد دنیا بھر میں کسی بھی عورت کے ساتھ نکاح کرنے کی اسے اجازت نہیں دی جاسکتی۔ التزام کفر کرنے والوں پر شریعت کے ان احکام کو جاری کرنا، ان سے دنیا کو آگاہ کرنا اور ان کو ظاہر کر کے لوگوں کو التزام کفر کے اس خطرناک انجام سے ڈرانا اور ترہیب و تنذیر کرنا اصحاب محراب و منبر کا فریضہ و مسئولیت ہے جبکہ شریعت مقدسہ کے ان احکام کو عملی زندگی میں جاری و نافذ کرنا مسلم اسٹیٹ کی مسئولیت میں شامل ہے اور جہاں پر اسلامی حکومت نہ ہو تو وہاں پر علاقہ کے جملہ مسلمانوں پر فرض ہے کہ علماء کرام کی قیادت میں ان احکام کو نافذ کریں اور اگر غیر اسلامی گورنمنٹ کی طرف سے رکاوٹوں اور موانع

Marfat.com

کے آڑے آنے کی وجہ سے ایسا نہ کر سکے تو حدود اللہ کے نفاذ کی راہ میں رکاوٹ بننے والی ظالم حکومت کی جگہ صالحین کی قیادت وحکومت لانے کی ہمہ وقتی کوششوں کے ساتھ ان رکاوٹوں سے دل میں کراہت ونفرت کا اظہار کرنا بلاتفریق سب مسلمانوں پر فرض ہے۔ جس میں شیعہ سنی کا اختلاف ہے نہ اہل حدیث واہل تقلید کا کوئی جھگڑا کیوں کہ یہ حدیث شریف؛

''مَنْ بَدَّلَ دِینَهٗ فَاقْتُلُوْهُ''(۱)

جس کا مفہوم یہ ہے کہ مدعی اسلام ہونے کے بعد جس نے بھی التزام کفر کیا اسے قتل کرو۔

اور''مَنْ رَاٰی مِنْکُمْ مُنْکَرًا فَلْیُغَیِّرْہُ بِیَدِہٖ فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِہٖ فَاِنْ لَمْ یَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِہٖ وَذَالِکَ اَضْعَفُ الْاِیْمَانِ''(۲) جیسے مسلمہ عندالکل نصوص کا مدلول ومفاد ہونے کی بنا پر محل اختلاف ہی نہیں ہے۔

ضمنی فوائد اور نتائج:۔ التزامِ کفر سے لے کر لزومِ کفر اور جملہ معصیتوں سے متعلق من عند اللہ مقررہ سزاؤں اور ان کے شرعی احکام کی جدا جدا حقیقتوں کی اس وضاحت کے ضمن میں التزامِ ایمان سے لے کر جملہ اعمال صالحہ پر من عند اللہ مقررہ جزاؤں اور ان کے شرعی احکام کی تمیز بھی واضح ہوگئی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ من عند اللہ مقررہ جزاؤں اور سزاؤں کا بالاستیعاب اور تفصیلی علم مفتیوں کے لیے ضروری ہے نہ اصحاب محراب ومنبر کے لیے بلکہ اجمالی علم بھی اِس سلسلہ میں کافی ہے جبکہ شرعی احکام کا تفصیلی علم ان حضرات کو حاصل ہونا ضروری ہے تاکہ اس کے مطابق ان کی تبلیغ ونفاذ اصحاب محراب ومنبر سے لیکر دارالافتاء والوں تک اور عامۃ المسلمین سے لے کر مسلم اولی الامر تک کے لیے ممکن ہو سکے کیوں کہ علم کے بغیر عمل ممکن نہیں ہوتا۔

انسانی اعمال پر جزاؤں اور سزاؤں کا اور ان کے لوازمات وتقاضوں کا شرعی احکام سے جدا چیز

(۱) جامع الصیغر مع فیض القدیر، ج6، ص95۔

(۲) جامع الصیغر مع فیض القدیر، ج6،ص130۔

Marfat.com

ہونے کی اس حقیقت کو پیش نظر رکھنے والوں کو وہ اشتباہ کبھی نہیں ہوسکتا جو اس معترض کو ہو رہا ہے کیوں کہ معترض نے التزام کفر کرنے والوں کے لیے شریعت کے مقررہ احکام کو سزاؤں پر قیاس کر کے غیر ارادی التزام کفر کو عمداً وقصداً ارتکاب کیے جانے والا التزام کفر سے جدکرنے کی کوشش کی جس کے نتیجہ میں ان پر جاری ہونے والے شرعی احکام میں بھی تفریق کرنے کو مقتضاء انصاف بتایا۔ جس سے شریعت مقدسہ کے ایک مسلمہ اور منصوصی حکم کے مشکوک ہونے کا خدشہ ہو رہا تھا۔ ایسے میں معترض کا مذکورہ اشتباہ ''بِنَاءُ الْغَلَطِ عَلَى الْغَلَطِ'' ہونے کی وجہ سے نا قابل التفات ہے اور التزام کفر کا ارتکاب کر کے مرتد ہونے والوں کی دونوں صورتوں یعنی عمداً وقصداً اور غیر ارادی طور التزام کفر کرنے والوں کا شرعی حکم ایک ہی ہے۔ یعنی مرتد کے جملہ احکام جاری کرنے اور اسکا اظہار کرنے میں قطعاً کوئی تفریق نہیں ہے کہ حکومت اس عمومی حکم کی تنفیذ میں کوئی تمیز کر سکے یا دارالافتاء اس کے اظہار کرنے میں کوئی تفاوت بتا سکے کیوں کہ التزامِ کفر کا ارتکاب کر کے مرتد ہونے والوں کے خلاف اس مشترکہ حکم کے لیے واردشدہ تمام نصوص مطلق ہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا؛

''وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ''(۱)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا؛''مَنْ بَدَّلَ دِيْنَهٗ فَاقْتُلُوْهُ''(۲)

ان نصوص میں جیسے ''يَرْتَدِدْ'' اور ''بَدَّلَ دِيْنَهٗ'' کے الفاظ اپنے اطلاق اور عموم کے اعتبار سے التزامِ کفر کی مذکورہ تمام اقسام کو یکساں شامل ہیں۔ بلاکم وکاست ویسے ہی التزامِ کفر کرنے والوں سے عبارت لفظ ''مَنْ'' بھی اپنے اطلاق وعموم کی وجہ سے بلاتفریق قصداً وعمداً التزامِ

(۱) البقرۃ، 217۔

(۲) جامع الصیفر مع فیض القدیر، ج6، ص95۔

Marfat.com

کفر کرنے والوں سے لے کر غیر ارادی طور پر ایسا کرنے والوں تک سب کو یکساں شامل ہے۔ان نصوص کے اطلاق وعموم کے تقاضوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے کل مکاتب فکر اہل اسلام کے جملہ مجتہدین واسلاف نے شریعت مقدسہ کے اس حکم کو دونوں فریقوں پر یکساں منطبق کیا ہے اگر غیر ارادی کی تخصیص کی گنجائش ہوتی یا ان نصوص کا قصداً وعمداً التزام کفر کرنے والوں کے ساتھ مقید ہونے کا احتمال ہوتا تو جملہ مکاتب فکر اہل اسلام کے یہ آئمہ دین کبھی اس کو عام نہ سمجھتے یا تفریق کرنے والا کوئی تو ہوتا جبکہ اہل اسلام کے کسی بھی مذہب میں اس حوالہ سے کوئی تفریق نہیں ہے اگر ہے تو وہ صرف اتنا کہ قصداً عمداً ایسا کرنے والے کو سوچنے اور توبہ تائب ہونے کے لیے مناسب وقت دیا جاتا ہے جبکہ غیر ارادی طور پر ایسا کرنے والے کو اس کی غلطی پر تنبیہ کی جاتی ہے۔جس کے بعد توبہ تائب نہ ہونے کی صورت میں مرتد کے جملہ احکام جاری کرنے کے حوالہ سے قطعاً کوئی تفریق نہیں ہے۔

☆☆☆☆☆☆

Marfat.com

ارادی اور غیر ارادی کفر کے شرعی حکم یکساں ہونے کا فلسفہ

اِس کا فلسفہ یہ ہے کہ انسان اپنے اختیاری فعل کی بناء پر ماجور بھی ہوسکتا ہے اور ماخوذ بھی، ملتزم اسلام بھی ہوسکتا ہے اور ملتزم کفر بھی۔ اگر کسی کا اسلام غیر اختیاری ہے تو اس کے لیے استحقاق اجر وثواب نہیں ہے جیسے جملہ اشجار واحجار بلکہ ثقلین کے ماسوا تمام خلائق جو سب کے سب مسلمان ہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا؛

''وَلَهٗ اَسۡلَمَ مَنۡ فِي السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ''(۱)

ثقلین کے ماسوا کسی بھی مخلوق میں کفر ومعصیت نام کی کوئی چیز نہیں ہے بلکہ جملہ اجزاء عالم چاہے جمادات ہو یا نباتات، چرند ہو یا پرند یا کوئی بھی حیوان یہ سب کے سب بلکہ ان کے عکوس وسایہ بھی ہر وقت مومن مسلمان، مطیع، فرمانبردار، راکع وساجد اور مسبح ومصلی ہیں۔ جیسے قرآن شریف کی مندرجہ ذیل آیات کا مفہوم ومدلول ہے؛

''فَقَالَ لَهَا وَلِلۡاَرۡضِ ائۡتِيَا طَوۡعًا اَوۡ كَرۡهًا قَالَتَاۤ اَتَيۡنَا طَآئِعِيۡنَ ''(۲)

مفہوم اس کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان سے فرمایا کہ اطاعت کی حاضری کرو خوشی سے یا ناخوشی سے تو دونوں نے کہا (زبان حال سے) کہ ہم خوشی کے ساتھ حاضر ہوئے۔

''تُسَبِّحُ لَـهُ السَّمٰوٰتُ السَّبۡعُ وَالۡاَرۡضُ وَمَنۡ فِيۡهِنَّ وَاِنۡ مِّنۡ شَىۡءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمۡدِهٖ وَلٰـكِنۡ لَّا تَفۡقَهُوۡنَ تَسۡبِيۡحَهُمۡ ''(۳)

---

(۱) آلِ عمران،83۔

(۲) حٰمٓ سجدہ،11۔

(۳) بنی اسرائیل،44۔

Marfat.com

اِس کا مفہوم ہے کہ ساتوں آسمان اور زمین اور جو ان میں ہیں سب اس کی تسبیح کرتے ہیں اور کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو اسے سراہتے ہوئے تسبیح نہ کرتی ہو لیکن تم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھ سکتے۔

''اَوَلَمْ یَرَوْا اِلٰی مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَیْءٍ یَّتَفَیَّؤُا ظِلٰلُهٗ عَنِ الْیَمِیْنِ وَالشَّمَآئِلِ سُجَّدًا لِّلّٰهِ وَهُمْ دٰخِرُوْنَ''(۱)

جس کا مفہوم ہے کہ کیا اُنہوں نے اللہ کی پیدا کی ہوئی چیزوں کو نہیں دیکھا جن کے سایہ دائیں اور بائیں جھکتے ہیں عاجزی کے ساتھ اللہ کے منشاء تخلیق کی تکمیل کرتے ہوئے۔

قرآن شریف کی ان آیات کے مطابق دنیا کی ہر شے مومن، مسلمان، اہل اطاعت مسبح و مصلیٰ ہونے کے باوجود نہ ایمان و اطاعت کا اجر پاتے ہیں نہ تسبیح و تہلیل اور صلوٰۃ کا ثواب جس کی واحد وجہ یہی ہے کہ اجر و ثواب تب ملے گا جب یہ سب کچھ اختیاری طور پر ہو یعنی ایسا نہ کرنے کی صلاحیت ہوتے ہوئے اس پہلو کو چھوڑ کر ان کو اختیار کر رہے ہو اور ایسا کرنے یا نہ کرنے کے ہر دونوں جانب ان کے تحت القدرت و ممکن اور اختیار میں ہونے کے باوجود منفی جانب کو چھوڑ کر اس جانب کو اپنا رہے ہوں جبکہ ان چیزوں میں کفر و معصیت کی طاقت ہے نہ غفلت و نافرمانی کی، کفر و شرک ان کے لیے ممکن ہے نہ تسبیح و صلوٰۃ سے غفلت۔ ایسے میں ان دائم التسبیح والصلوٰۃ معصوم عن الذنوب خلائق کا مستحق اجر و ثواب ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ثواب پانے کا یہ مدار صرف ثقلین کا خاصہ ہونے کی بناء پر جنت، دوزخ اور ثواب و عذاب کا مسئلہ بھی ان ہی کا خاصہ قرار پایا ہے۔ ایسے میں انسان کے عقیدہ سے متعلق کردار کا ایمان یا کفر ہونے اور ہاتھ، پیر و جوارح سے متعلق کسی کردار کا موجب اجر و ثواب یا موجب عتاب و عذاب ہونے کا فلسفہ اس کے اختیار کے ساتھ وجود میں آنے کے سوا اور کوئی شے نہیں ہے۔ اسی فلسفہ فطرت کا نتیجہ ہے کہ جب کسی انسان سے سوتے میں کفر و شرک صادر ہو جائے یا سلامتی عقل و

---

(۱) النحل، 48۔

Marfat.com

حواس کے منافی حالت میں یا اکراہ واجبار اور اضطراری کیفیت میں ایسا ہو جائے تو اسے کافر و مشرک کہنا جائز ہوتا ہے نہ مستحق عذاب کہہ کر غیر مسلموں والے احکام جاری کرنا کیوں کہ اختیار نہیں ہے اور جہاں پر یہ سب کچھ بغیر اختیار کے وجود میں آئے وہاں پر کفر وشرک کا فتویٰ ہے نہ عذاب وعتاب کا سوال۔ اس کے برعکس جب بھی کسی انسان سے بغیر سہو ونسیان، بغیر سبقت لسانی، بغیر جبر و اکراہ اور سلامتی عقل وحواس کی حالت میں اس کی رضا واختیار کے ساتھ جس قسم کا قول وفعل بھی صراحتاً صادر ہو جائے تو اس کے مطابق ہی احکام اس پر جاری ہو جاتے ہیں چاہے اس کی ظاہری حالت جیسی بھی ہو جس میں عالم دین غیر عالم دین کی کوئی تمیز ہو سکتی ہے، نہ متقی و پرہیزگار اور فاسق و بدکار کی کوئی تفریق اس کے مدلول ومفہوم کے ساتھ قائل ومتکلم کا عقیدہ ہونے یا نہ ہونے کے تفاوت کا کوئی تصور ہو سکتا ہے نہ اس کے محل تاویل ہونے کی گنجائش۔ کیوں کہ انسان کے کسی بھی اختیاری کردار وعمل کا صراحتاً وجود میں آنے کے بعد اس کے مدلول ومفہوم کے ساتھ عقیدہ ہونے یا نہ ہونے کے حوالہ سے کسی خارجی دلیل و قرینہ کے محتاج نہ ہونے، محل تاویل نہ ہونے اور کسی بھی بہانہ سے ظاہری مدلول ومفہوم کے خلاف معنی ومفہوم پر محمول کیے جانے کے ناجائز ہونے پر تمام اہل لغت ولسانیات کے متفق ہونے کے ساتھ مقتضی عقل بھی ہے۔ شریعتِ مقدسہ نے بھی لغت ولسانیات کے ان فطری تقاضوں کے عین مطابق احکام صادر فرمائے ہیں کیوں کہ شریعتِ مقدسہ کے کسی حکم کا فطری تقاضوں کے خلاف ہونا ممکن نہیں ہے۔ جیسے اُصول شاشی میں ہے:

''اَلصَّرِیْحُ لَفْظٌ یَّکُوْنُ الْمُرَادُ بِهٖ ظَاهِرًا کَقَوْلِهٖ بِعْتُ وَاشْتَرَیْتُ وَاَمْثَالِهٖ وَ حُکْمُهٗ اَنَّهٗ یُوْجِبُ ثُبُوْتَ مَعْنَاهُ بِاَیِّ طَرِیْقٍ کَانَ مِنْ اَخْبَارٍ اَوْ نَعْتٍ اَوْ نِدَآءٍ وَ مِنْ حُکْمِهٖ اَنَّهٗ یَسْتَغْنِیْ عَنِ النِّیَّةِ وَعَلٰی هٰذَا قُلْنَا اِذَا قَالَ لِامْرَءَتِهٖ اَنْتِ طَالِقٌ اَوْ طَلَّقْتُکِ اَوْ یَا طَالِقُ یَقَعُ الطَّلَاقُ نَوٰی بِهِ الطَّلَاقَ اَوْ لَمْ یَنْوِ''

ایسے میں کسی قسم کے بھی ملتزم الکفر کو بچانے کے لیے اس کے صریح کلام کے مدلول ومفہوم

Marfat.com

کے ساتھ اس کا عقیدہ نہ ہونے کا بہانہ تلاش کرنا یا اسے قابل تاویل کہنا اور فاعل کے دیگر ظاہری حال واحوال اوراس کے ماسوا عقائد واعمال کو بطور دلیل پیش کرنا اکابر پرستی کی اندھی تقلید کے تعصب کا ہی نتیجہ ہوسکتا ہے۔ سچ فرمایا ہے اکابرین ملت نے:

''اَلتَّعَصُّبُ اِذَا تَملَّکَ اَھْلَکَ''

یعنی تعصب جس پر غالب ہوجائے اسے ہلاک کردیتا ہے۔

اس سے بڑی روحانی ہلاکت اور کیا ہوگی کہ ملتزم الکفر کو کافر سمجھنا، کافر کہنا اور مرتد والے جملہ احکام اس پر منطبق کرنے اوراس سے نفرت وبیزاری کا اظہار کرنے کے شرعی حکم جو بجائے خود ضروریاتِ دین کے قبیل سے ہے اس میں شک وتردد کرکے اس پر ایمان لانے کے لازمہ کی نقیض کا انجانے میں ارتکاب کیا جارہا ہے۔ جو بجائے خود التزام کفر کی چودہویں قسم میں شامل ہے جس کے متعلق جملہ فقہاء اسلام نے بیک آواز ''مَنْ شَکَّ فِیْ کُفْرِہٖ وَعَذَابِہٖ فَقَدْ کَفَرَ''(۱) کہہ کر کفر وارتداد کا اظہار کیا ہے۔

مقامِ تعجب نہیں تو اور کیا ہے کہ اہل لغت ولسانیات سے لے کر تقاضاءِ عقل وفقہاء اسلام تک کے مقابلہ میں رسہ کشی کرتے ہوئے صریح التزام کفر میں بے محل تاویلات کی راہ تلاش کرنا جو اہل بصیرت کے لیے عبرت ہونے کیساتھ تعصب کی ہلاکت خیزیوں کی زندہ مثال بھی ہے۔

مزید برآں یہ کہ جب شریعت مقدسہ نے انسانوں کے التزامِ اسلام کو محض اس وجہ سے اسلام قرار دیا اور موجب اجر وثواب بتایا کہ وہ ان کا اختیاری عمل ہے جو بغیر سہو، بغیر سبقت لسانی، بغیر جبر واکراہ بحالت سلامتی ہوش وحواس اختیاری طور پر وجود میں لایا گیا ہے اسی طرح غیر مسلموں کے التزام کفر کو بھی محض اس بنیاد پر کفر قرار دیا اور موجب عذاب وعتاب بتایا کہ وہ ان کا اختیاری عمل ہے جو بغیر سہو ونسیان، بغیر سبقت لسانی، بغیر جبر واکراہ بحالت سلامتی ہوش و حواس اختیاری طور پر وجود میں لایا گیا ہے۔ جس کے بعد شرعی احکام مرتب کرنے کے حوالہ

(۱) فتاویٰ مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر، ج 1، ص 677۔

Marfat.com

سے اس کے ساتھ عقیدہ ہونے یا نہ ہونے کی قطعاً کوئی تفریق نہیں رکھی گئی ہے جبکہ شرعی احکام کے اجراء کا مدار ظاہر پر ہے۔ جس کے مطابق ایک فاعل مختار انسان کا اپنے اختیار سے التزامِ کفر کا صراحتاً ارتکاب کرنے کے بعد اہل شرع کے لیے ضروری قرار پاتا ہے کہ اس کے شرعی احکام جاری کرے اور دارالافتاء پر بھی اس کے متعلق شرعی احکام کا اظہار لازم ہو جاتا ہے کیوں کہ التزامِ کفر کی صورت میں اپنے اختیار کے ساتھ اسے صراحتاً وجود میں لانے کے بعد شرعی احکام کے اجراء و اظہار کے حوالہ سے نیت و عقیدہ کا پوچھنا جائز نہیں ہوتا۔ اس کی ایسی مثال ہے، جیسے ایک شخص اپنی بیوی کو خود اپنے اختیار سے طلاق دے کہ ''تو طلاق ہے'' جس کے بعد اہل شرع کو قطعاً روا نہیں ہے کہ اس پر شرعی احکام جاری کرنے کے لیے اس کی نیت و عقیدہ کا پوچھے کہ اگر اس لفظ سے مراد و نیت عقدِ نکاح سے آزاد کرنا ہے تو وقوع طلاق اور اس کے متعلقہ شرعی احکام کا اظہار و اجراء کیا جائے ورنہ نہیں بلکہ وقوع طلاق اور اس کے متعلقہ شرعی احکام کو جاری کرنے کے لیے فقط اتنا علم کافی ہے کہ اس نے اپنے اختیار کے ساتھ یہ لفظ کہا ہے۔ اپنے اختیار کے ساتھ لفظ طلاق یا چھوڑنے یا آزاد کرنے جیسے صریح الفاظ بیوی کی طرف منسوب کرنیوالے شخص کو طلاق سے بچانے کے لیے اگر اس کے اہل خاندان یہ تاویل کریں کہ اس کا اپنی بیوی کے ساتھ عمر بھر اچھا تعلق تھا۔ جو اس بات کی دلیل ہے کہ اس لفظ کے صریح مدلول و مفہوم کے مطابق نیت و عقیدہ نہیں تھا۔ جب عقیدہ و نیت طلاق نہیں تو وقوع طلاق بھی نہیں تو بلا تخصیص مذہب جملہ مکاتب فکر اہل اسلام ان کی تجہیل پر متفق ہوتے ہیں کہ صریح الفاظ کے شرعی احکام کے اجراء و اظہار کو نیت و عقیدہ پر موقوف بتانے والے یہ حضرات جانبداری کے تعصب یا جہل مرکب سے خالی نہیں ہیں۔

دوسری مثال اس کی ایسی ہے جیسے کوئی شخص کسی کا حق کلام کی حد تک تسلیم کرتے ہوئے بلا جبر و اکراہ، سلامتی ہوش و حواس کی حالت میں یہ اقرار کرے کہ یہ اس کا حق ہے میں نے یہ اسے دینا ہے جس کے بعد مقرلہ کی طرف سے دعویٰ ملکیت دائر کرنے پر یہ کہہ کر جان چھڑانے

Marfat.com

کی کوشش کرے ''کہ میں نے تو ویسے ہی بلا نیت اقرار کیا تھا اور متنازعہ چیز کو اس کا حق تسلیم کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ جب اس اقراری کلام میں میری نیت وعقیدہ ہی شامل نہیں ہے تو اس کے احکام کو مجھ پر جاری کرنے، میرے خلاف فتویٰ دینے اور متنازعہ چیز کو مجھ سے لے کر مدعی کو دینے کا کیا جواز بنتا ہے'' ظاہر ہے کہ اپنی رضا و اختیار کے ساتھ کیے ہوئے اقراری کلام کے شرعی حکم سے بچنے کے لیے اس کی یہ تاویل دنیا کے کسی قانون میں قابل قبول ہے نہ کسی آسمانی مذہب میں۔ اپنی رضاواختیار کے ساتھ کیے ہوئے کلام یا لکھے ہوئے مضمون کے اس صریح مدلول ومفہوم کے شرعی حکم سے بچنے کے لیے عقیدہ ونیت میں ہونے اور نہ ہونے کی یہ تفریق ہر لحاظ سے نا قابل قبول و مردود ہونے کا فلسفہ اس کے سوا کوئی اور چیز نہیں ہے کہ شرعی احکام کے مرتب ہونے کے لیے فاعل مختار کا اپنی رضا واختیار سے اسے وجود میں لانا ہی کافی ہے جس کے بعد شرعی احکام کا اس پر منطبق ہونا فطری امر ہے چاہے اس کا اظہار کرنے والا کوئی ہو یا نہ ہو۔

خلاصۃ الکلام بعد التفصیل:۔ شرعی احکام کا مدار ظاہر پر ہوتا ہے جس کے مطابق انسان کا صریح اختیاری قول وعمل وجود میں آنے کے بعد اہل شرع و دار الافتاء پر لازم ہو جاتا ہے کہ اس پر شرعی احکام کے مرتب ہونے کا اظہار کریں کیوں کہ اس کے متعلق شرعی احکام ظاہر اور اہل شرع کو معلوم ہونے کی بناء اہل علم اُس کے اظہار کرنے کے ذمہ دار ہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا؛

''وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ''(۱)

مفہوم اس کا یہ ہے کہ شرعی احکام کو ظاہر نہ کرنے والے ظالم ہیں۔

شریعتِ مقدسہ کے اِسی اُصول کے تحت التزامِ اسلام کرنے والوں پر مسلمانوں کے احکام اور

(۱) المائدہ،45۔

Marfat.com

التزامِ کفر کرنیوالوں پر غیر مسلموں والے احکام جاری کرنا بھی فرض ہے چاہے ظاہری حالت کے خلاف عند اللہ جو کچھ بھی ہو اس کے ذمہ دار اہل شرع ہیں نہ دار الافتاء نہ اصحاب محراب و منبر ہیں نہ مقتدرہ اس کا تعلق جزاء وسزا کے ساتھ ہونے کی وجہ سے ''مفوض الی اللہ'' ہے ''مستور عن الناس'' ہے اور ''مسکوت عنہ فی الاسلام'' ہے جس کی وضاحت ان حدیثوں سے بھی ہوتی ہے جن میں اللہ کے حبیب بانی اسلام رحمت عالم ﷺ نے اپنی رضا واختیار کیساتھ التزام اسلام کرنے والوں کو مومن مسلمان اور التزام کفر کرنے والوں کو غیر مسلم قرار دینے کے ساتھ ان کے اندرونی عقیدہ ونیت سے بحث نہ کرنے کا فرمایا ہے۔ جیسے ارشاد ہے؛

''مَنْ صَلّٰی صَلٰوتَنَا وَاسْتَقْبَلَ قِبْلَتَنَا وَ اَکَلَ ذَبِیْحَتَنَا فَذٰلِکَ الْمُسْلِمُ الَّذِیْ لَہٗ ذِمَّۃُ اللّٰہِ وَذِمَّۃُ رَسُوْلِہٖ فَلَا تَخْفِرُو اللّٰہَ فِیْ ذِمَّتِہٖ''(۱)

نیز فرمایا؛ ''اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰی یَشْھَدُوْا اَنْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَیُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَیُؤْتُوْ الزَّکٰوۃَ فَاِذَا فَعَلُوْا ذٰلِکَ عَصَمُوْ مِنِّیْ دِمَآئَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ اِلَّا بِحَقِّ الْاِسْلَامِ وَحِسَابُھُمْ عَلَی اللّٰہِ''

جس کا مفہوم یہ ہے کہ جس نے ضروریات دین کا التزام کیا تو ظاہری حالت کے مطابق اسے مسلمان سمجھ کر مسلمانوں والے جملہ احکام اس پر جاری کرنا لازم ہے جس کے بعد اس کے اندرون حالات، نیت وعقیدہ کا مسئلہ اللہ کے سپرد ہے۔

اس دوسری روایت کے ''وَ حِسَابُھُمْ عَلَی اللّٰہِ '' کا جملہ تو نیت اور اندرون پوشیدہ عقائد کا تعلق جزاء وسزا کے ساتھ ہونے پر صریح الدلالۃ ہے جس کے بعد التزامِ اسلام یا التزامِ کفر پر شرعی احکام مرتب کرنے کو نیتوں پر موقوف رکھنے کا تصور ہی باقی نہیں رہتا۔ اسی نکتہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے شارح عینی نے عمدۃ القاری کے اندر فرمایا؛

''وَالْمَعْنٰی اَنَّ اُمُوْرَ سَرَائِرِھِمْ اِلَی اللّٰہِ تَعَالٰی وَاَمَّا نَحْنُ فَنَحْکُمُ بِالظَّاھِرِ وَنعا

(۱) مشکوٰۃ کتاب الایمان، ص 12۔

Marfat.com

مِلُهُمْ بِمُقْتَضٰی ظَاهِرِ اَقْوَالِهِمْ وَ اَفْعَالِهِمْ''

اوراس کے ایک سطر بعد فرمایا؛''وَهُوَ مِمَّا يَتَعَلَّقُ بِنَا وَاَمَّا الْاُمُوْرُ الْاُخْرَوِيَّةُ مِنْ دُخُوْلِ الْجَنَّةِ وَ النَّارِ وَ الثَّوَابِ وَالْعِقَابِ وَكَمِيَّتِهِمَاوَ كَيْفِيَّتِهِمَا فَهُوَ مَفُوْضٌ اِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى لَادَخْلَ لَنَا فِيْهَا''(۱)

الغرض! انسان کا اپنی رضا واختیار کے ساتھ التزام کفر کی کسی بھی صورت کا ارتکاب کرنے کے بعد دارالافتاء پر اس کے کفر کا اظہار لازم ہوجاتا ہے ورنہ وہ کتمان حق کے گناہ میں مبتلا ہونے کے ساتھ دوسروں کے لیے بھی التباس الحق بالباطل کا سبب بن سکتے ہیں جو بجائے خود جرم ہے۔دارالافتاء کا اس سانحہ پر مطلع ہونے کے بعد صرف اتنا دیکھنا اور تسلی کرنا ضروری ہوتا ہے کہ یہ قول وفعل جو اس سے صادر ہوا ہے سہواً ونسیاناً یا سبقت لسانی اور غیر اختیاری طور پر نہیں بلکہ اس کی رضا واختیار کے ساتھ ہے یعنی جس قول وعمل کی بناء پر اسے کافر ومرتد قرار دیا جارہا ہے۔یہ اس کے اختیار سے ہوا ہے،اس کی زبان وقلم سے یا اس کے ہاتھ سے وجود میں آنے والے اس قول وعمل کا اس کے اختیاری عمل ثابت ہوجانے کے بعد اس کے کافر ومرتد ہونے کے لیے اس مضمون کے ساتھ اس کا عقیدہ ہونا یا نہ ہونا برابر ہیں کہ شرعی احکام بہر تقدیر اس پر مرتب ہونگے۔اسی اصول مسلمہ کی بنیاد پر فقہاء کرام نے بلانکیر کہہ دیا کہ؛

''وَمَنْ هَذَلَ بِلَفْظِ كُفْرٍ ارْتَدَّ وَاِنْ لَمْ يَعْتَقِدْهُ''(۲)

یعنی کسی ضرورت دینی پر اس کی تخفیف واہانت کے عقیدہ کے بغیر مزاح کیا تو مرتد ہوگیا۔

التزامِ کفر میں متعلقہ قول وعمل کا اختیاری طور پر وجود میں لائے جانے کو تکفیر کے لیے واحد معیار ہونے کے اس اصول کے ماتحت درج ہونے والے کچھ جزئیات کو ذکر کرنے کے بعد فتاوی شامی میں لکھا ہے؛

---

(۱) عمدۃالقاری شرح بخاری، ج1،ص181۔

(۲) فتح القدیر بحوالہ شامی،ج3،ص 310۔

Marfat.com

''وَیَظْھَرُ مِنْ ھٰذَا اَنَّ مَا کَانَ دَلِیْلَ الْاِسْتِخْفَافِ یَکْفُرُ بِہٖ وَاِنْ لَمْ یَعْتَقِدِ الْاِسْتِخْفَافَ''

مفہوم اس کا یہ ہے کہ اس اُصول سے ظاہر ہو رہا ہے کہ جو اختیاری قول وعمل بھی ضرورت دینی کی تخفیف واہانت پر صراحتاً دلالت کرتا ہو تو اس کا فاعل کافر ہوگا اگرچہ اس کے ارادہ وعقیدہ میں اہانت نہ ہو۔

اس کے بعد عقیدہ اہانت نہ ہونے کے باوجود محض اختیاری عمل ہونے کی بنا پر وجوب تکفیر کا فلسفہ بتاتے ہوئے لکھا ہے:

''لِاَنَّہٗ لَوْ تَوَقَّفَ عَلٰی قَصْدِہٖ لَمَّا احْتَاجَ اِلٰی زِیَادَۃِ عَدَمِ الْاِخْلَالِ بِمَا مَرَّ لِاَنَّ قَصْدَ الْاِسْتِخْفَافِ مُنَافٍ لِلتَّصْدِیْقِ''(۱)

جس کا مفہوم یہ ہے کہ تکفیر اگر اس کے قصد وعقیدہ پر موقوف ہو جائے تو یہ کفر عنادی سے زیادہ کوئی اور چیز نہیں ہوگا جبکہ بات مدعی اسلام میں ہے جو عنادی کفر کے ماسوا ان قسموں میں ہوتا ہے جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔

حضرت ابن عابدین نَوَّرَ اللّٰہُ مَرْقَدَہُ الشَّرِیْفَ کو اللہ تعالیٰ جزاء خیر دے کہ انہوں نے اس مختصر عبارت میں التزام کفر کی تمام قسموں کا اشارہ دیا ہے۔ گزشتہ صفحات میں ہم نے جس تفصیل کے ساتھ التزامِ کفر کی قسموں کو بیان کیا ہے وہ حضرت ابن عابدین کی اس عبارت ''لِاَنَّہٗ لَوْ تَوَقَّفَ عَلٰی قَصْدِہٖ لَمَّا احْتَاجَ اِلٰی زِیَادَۃِ عَدَمِ الْاِخْلَالِ بِمَا مَرَّ لِاَنَّ قَصْدَ الْاِسْتِخْفَافِ مُنَافٍ لِلتَّصْدِیْقِ'' کی حقیقی تشریح ہے جس کے لیے ہم نے حضرت ابن ہمام کی المسامرہ کی محولہ مذکورہ عبارت سے مدد لی ہے اور یہیں سے چراغ لے کر قرآن وسنت میں شرعی ایمان کے مذکورہ لوازمات کو تلاش کیا جن کے اضداد کو اختیار کرنے کی بناء پر التزام کفر کی دس قسمیں وجود میں آئیں جن کو پہلی والی چار کے ساتھ ملا کر التزام کفر کی مذکورہ تفصیل بتائی۔(فَلِلّٰہِ الْحَمْدُ اَوَّلاً وَّ آخِراً ظَاھِراً وَّبَاطِناً)

---

(۱) فتاویٰ شامی، ج3، ص 311۔

Marfat.com

ایک متوقع اشتباہ کا ازالہ:۔ تکفیر کے لیے اس شرعی معیار کو پڑھنے کے بعد ممکن ہے کہ کوئی یہ سوچے کہ تسلیم کیا کہ تکفیر کا مدار التزامِ کفر پر ہے لزوم پر نہیں اور التزام کفر کے لیے فاعل مختار کا اپنی رضا واختیار کے ساتھ کوئی ایسا قول وعمل وجود میں لانا ہے جس میں ملت اسلام یا اس کے کسی ضرورت دینی والا حصہ کی تکذیب ہو یا اس تکذیب کی یقینی علامت ہو جس کے بعد اس کی تکفیر کرنے اور کافرو مرتد کے جملہ احکام اس پر جاری کرنے کے لیے اس کی نیت کا ہونا ضروری ہے نہ اس مضمون کے ساتھ اس کا عقیدہ ہونا، نہ اس کے انجام کا علم ہونا ضروری ہے نہ ارادہ کا ہونا۔ لیکن التزامِ کفر کے اس اختیاری قول وعمل کا صریح ہونا تو اولین شرط ہے ورنہ کنایات واشارات کی صورت میں تکفیر جائز نہیں ہوگی اِس لیے کہ جب تک واضح اور صریح نہ ہوگا اس وقت تک کفر سے بچنے کے احتمالات موجود ہوں گے اور کفر سے بچنے کے لیے ضعیف سے ضعیف احتمال کی موجودگی میں بھی تکفیر جائز نہیں ہوتی۔ جبکہ التزام کفر کی مذکورہ قسموں میں اول اور دوسری صورتوں کے سوا باقی کسی صورت میں بھی کفر کا صریح التزام نہیں ہے کیوں کہ ان میں کفر کا نہیں بلکہ اس کی علامت کا ارتکاب ہے تو کسی چیز کی علامت کو اس کے قائم مقام قرار دینے میں اس کے ساتھ تصریح نہیں ہوتی جب تصریح نہیں تو تکفیر بھی جائز نہیں۔

اِس کا جواب یہ ہے کہ یہ اشتباہ دو غفلتوں کی وجہ سے پیدا ہو رہا ہے جن میں سے اول صریح کے مفہوم کو سمجھنے سے غفلت ہے اور دوسری نفس علامت اور یقینی علامت کے مابین فرق کو سمجھنے سے غفلت ہے۔ اگر یہ غفلت نہ ہو تو اشتباہ کبھی پیدا نہ ہوتا' گویا یہ ''**بِنَاءُ الْغَلَطِ عَلَی الْغَلَطِ**'' ہے اِس لیے کہ صریح کا لفظ چاہے باب کرم یکرم سے ہو یا فتح یفتح سے اور لازم مستعمل ہو یا متعدی بہر تقدیر دلالت اس کی خلوص پر ہوتی ہے یعنی مفہوم اس کا ایسی چیز ہے جو غیر سے خالی وخالص ہو جس میں اسکے ماسوا کسی اور کی گنجائش نہ ہو، غیر کا احتمال نہ ہو اور کسی بھی

Marfat.com

دوسرے جنس کا اختلاط نہ ہو۔ جیسے لسان العرب میں ہے ''کُلُّ خَالِصٍ صَرِیْحٌ ''(۱) اور صریح کا یہ مفہوم یعنی ''اَلصَّرِیْحُ الْخَالِصُ مِنْ کُلِّ شَئْیٍ ''اپنی جگہ ایک کلی ہے جس کے ماتحت پائے جانے والے افراد میں اجسام بھی ہو سکتے ہیں، اعراض بھی، افعال بھی ہو سکتے ہیں، اسماء بھی اور التزام اسلام بھی ہوسکتا ہے، التزامِ کفر بھی۔ جیسے حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے وسوسہ نفسانی سے نفرت کا اظہار کرتے ہوئے سوال کیا۔ اس کے جواب میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''وَ ذَالِکَ صَرِیْحُ الْاِیْمَانِ ''(۲)

یعنی اس قسم شیطانی وساوس سے نفرت کرنا خالص ایمان کا نتیجہ ہے۔

اُصول فقہ کی کتابوں میں جہاں پر نصوص کے متعلقہ لغوی احکام کی بحث کی جاتی ہے۔ وہیں پر بھی فقہاء کرام نے صریح کے اسی لغوی مفہوم کو واضح کرتے ہوئے لکھا ہے:

''اَلصَّرِیْحُ لَفْظٌ یَکُوْنُ الْمُرَادُ بِہٖ ظَاھِرًا کَقَوْلِہٖ بِعْتُ وَاشْتَرَیْتُ وَاَمْثَالِہٖ وَحُکْمُہٗ اَنَّہٗ یُوْجِبُ ثُبُوْتَ مَعْنَاہُ بِاَیِّ طَرِیْقٍ کَانَ مِنْ اَخْبَارٍ اَوْنَعْتٍ اَوْنِدَاءٍ وَمِنْ حُکْمِہٖ اَنَّہٗ یَسْتَغْنِیْ عَنِ النِّیَّۃِ وَعَلٰی ھٰذَا قُلْنَا اِذَاقَالَ لِاِمْرَءَ تِہٖ اَنْتِ طَالِقٌ اَوْ طَلَّقْتُکَ اَوْ یَا طَالِقُ یَقَعُ الطَّلَاقُ نَوٰی بِہِ الطَّلَاقَ اَوْ لَمْ یَنْوِ''

ترجمہ:۔ صریح وہ لفظ ہے جس سے مراد متکلم ظاہر ہو جیسے میں نے بیچا، میں نے خریدا اور اس جیسے ہر کلام، اور اس کا حکم یہ ہے کہ وہ جس انداز کا کلام بھی ہو اپنے معنی ومفہوم کو ثابت کرتا ہے اور اس کے احکام میں یہ بھی ہے کہ یہ نیت سے مستغنی و بے نیاز ہوتا ہے اسی بنیاد پر ہم نے کہا کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو ''اَنْتِ طَالِقٌ '' کہہ دے یا کہہ دے کہ میں نے تجھے طلاق دیدی یا کہہ دے کہ اے طلاق والی! تو ان تمام صورتوں میں طلاق واقع ہوگی،

(۱) لسان العرب، ج2، ص 509، مادہ (ص، ر، ح)۔

(۲) مشکوٰۃ شریف۔

Marfat.com

اس نے طلاق کی نیت کی ہو یا نہ کی ہو۔

جملہ فقہاء اسلام کا صریح کے حوالہ سے یہ ارشاد اس کے لغوی مفہوم کا نتیجہ ہونے کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے جس کے مطابق صریح کلام کے مفہوم میں غیر کا احتمال ممکن نہیں ہوتا۔ جیسے صریح اسلام میں کفر کی آمیزش واحتمال نہیں ہوتا اسی طرح صریح کفر کا مطلب بھی اس کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا کہ اس میں اسلام کا کوئی احتمال نہیں ہے یعنی سو فیصد کفر ہی کفر ہے۔ فقہاء کرام نے جو فرمایا ہے کہ 99% کے مقابلہ میں ایک فیصد احتمال کفر سے بچنے کے لیے موجود ہو تب بھی فتویٰ کفر دینا جائز نہیں ہے وہ بھی صریح کے اس مفہوم کو پیش نظر رکھ کر کہا ہے۔ اُصولِ فقہ کے اندر خاص، عام، مشترک، مؤوّل سے لے کر عبارۃ النص، اشارۃ النص، دلالۃ النص اور اقتضاء النص تک جتنے بھی اصطلاحی الفاظ استعمال ہوئے ہیں ان سب کے فقہی مفہوم، احکام، لوازمات وتقاضوں کو ان کے لغوی مفہومات کے مطابق بیان کرنے کے بعد ہی فقہاء کرام نے شرعی احکام کو ان پر منطبق کیا ہے ورنہ لغوی مفہوم سے ذرہ برابر غفلت بھی شرعی احکام کو ان پر منطبق کرنے میں مغالطہ کا باعث بن سکتی ہے کیوں کہ لغوی مفہوم اصل الاصول ہے۔ جس کے خلاف اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول ﷺ نے کوئی احکام صادر فرمائے ہیں نہ الٰہیات کے کسی شعبہ میں اس کی اجازت دی جاسکتی ہے۔ اُصولِ فقہ میں بطور اصطلاح استعمال ہونے والا لفظ صریح کے مفہوم کا عام ہونے کا نتیجہ ہے کہ اس کی ضد یعنی اس کے ساتھ بطور مدمقابل استعمال ہونیوالا لفظ کنایہ کا مفہوم بھی عام ہے یعنی ''مَا اسْتَتَرَ الْمُرَادُ بِهٖ'' کا جو مفہوم ہے وہ کنایہ کے اس مفہوم سے بھی عام ہے جو علم بلاغت کے حصہ بیان میں مراد ہوتا ہے کیوں کہ وہیں پر استعمال ہونے والا کنایہ کا مفہوم حقیقت کو شامل نہیں ہے جبکہ فقہاء کرام کی اصطلاح میں استعمال ہونے والا کنایہ حقیقت ومجاز دونوں کو شامل ہے۔ جیسے التلویح والتوضیح میں فرمایا؛

''اِنَّ الصَّرِیْحَ مَا انْکَشَفَ الْمُرَادُ مِنْهُ فِیْ نَفْسِهٖ اَیْ بِالنَّظْرِ اِلٰی کَوْنِهٖ لَفْظًا

Marfat.com

مُسْتَعْمَلاً وَّ الْكِنَايَةُ مَا اسْتَتَرَ الْمُرَادُ مِنْهُ فِي نَفْسِهِ سَوَآءُ كَانَ الْمُرَادُ مِنْهُمَا مَعْنًى حَقِيْقِيًّا اَوْمَعْنًى مَجَازِيًّا''(۱)

جس کے مطابق ایک دوسرے کے مقابلہ میں مستعمل ہونیوالے ان دونوں لفظوں کے ماتحت پائے جانے والے افراد میں جتنا عموم وشمول ہے اتنا خاص وعام سے لے کر مقتضاء النص تک کسی بھی دوسرے اصطلاحی لفظ میں نہیں پایا جاتا کیونکہ خاص ہوگا تو عام، مشترک ومؤوّل وغیرہ نہیں ہوگا، مفسر ہوگا تو ظاہر ونص اور مؤوّل وغیرہ نہیں ہوگا۔علی ہٰذا القیاس جبکہ صریح وکنایہ سے کوئی کلام خالی نہیں ہے چاہے وہ اپنی جگہ خاص ہو یا عام، ظاہر ہو یا نص، حقیقت ہو یا مجاز اس کے لیے صرف اس کی ضد کا نہ ہونا کافی ہے یعنی صریح کی موجودگی کے لیے کنایہ کا نہ ہونا کافی ہے اور کنایہ کی موجودگی کے لیے صریح کا نہ ہونا کافی ہے کیوں کہ یہ اپنے آپس خصوصی ضدین ہیں اور خصوصی ضدین میں سے ایک کا وجود آپ ہی دوسرے کی نفی اور ایک کی نفی آپ ہی دوسرے کا وجود ہے جبکہ کسی کلام میں خاص کا نہ ہونا عام کی موجودگی کی دلیل نہیں ہے کیوں کہ یہ اپنے آپس خصوصی ضدین نہیں ہیں بلکہ ان کے اور اضداد بھی ہوسکتے ہیں۔لہٰذا ہوسکتا ہے کہ ان میں سے کوئی ایک بھی نہ ہو بلکہ مشترک ہو یا موؤل ہو ایسے میں کسی کلام کے اندر خاص کی نفی عام کے وجود پر صریح دلیل نہیں ہوسکتی کہ اس کے بعد عام کی موجودگی کے لیے کوئی اور دلیل تلاش کرنے کی ضرورت نہ ہو۔خصوصی ضدین اور عام اضداد کے ان احکام کو سمجھنے سے کسی چیز کی خصوصی علامت اور نفس علامت کی بھی پہچان ہوگئی خصوصی علامت یہ کہ نقیضین میں سے ایک کا وجود دوسرے کے عدم کی یقینی علامت ودلیل ہے۔جس کے بعد اس کے عدم پر کوئی اور دلیل تلاش کرنے کی ضرورت نہیں رہتی کیوں کہ اس کا وجود اُس کے عدم کی صریح و یقینی علامت ودلیل ہونے کی بناء پر کسی اور بات کا احتمال ہی نہیں ہے۔اِسی طرح ایک کا عدم

(۱) التلویح والتوضیح، ص 189۔

Marfat.com

آپ ہی دوسرے کے وجود کی خصوصی علامت ویقینی دلیل ہے کیوں کہ نقیضین میں سے ایک کا عدم دوسرے کے وجود پر صریح دلالت کرتا ہے اور جو صریح دلیل ہو وہی یقینی علامت ہوتی ہے۔ اِسی طرح خصوصی ضدین میں سے ایک کا وجود آپ ہی دوسرے کے عدم پر صریح دلیل و یقینی علامت ہوتا ہے جس کے بعد اس کے معدوم ہونے پر کوئی اور دلیل تلاش کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی، اِسی طرح ایک کا عدم آپ ہی دوسرے کے وجود پر صراحتاً دلالت کرنے کی وجہ سے اس کی خصوصی اور یقینی علامت ہے جس کے بعد کسی اور دلیل کی قطعاً ضرورت نہیں رہتی۔ جبکہ نفس علامت عمومی اضداد میں ہوتی ہے جس کے مطابق اضداد کثیرہ میں سے ایک کی موجودگی اس کے ماسوا سب کی نفی پر تو صراحتاً دلالت کرتا ہے جس وجہ سے اس کی موجودگی کو اس کے تمام ماسوا کی نفی پر یقینی علامت کہنا درست ہے جس کے بعد ان اضداد کثیرہ میں سے کسی کے عدم پر مزید دلیل تلاش کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی لیکن ان میں سے ایک کا عدم کسی دوسرے کے خصوصی وجود پر صراحتاً دلالت نہیں کرتا کہ اسے خصوصی علامت یا یقینی علامت کہنا درست ہو سکے بلکہ ''لَا عَلَی التَّعیینِ'' کسی کے وجود کی بھی علامت ہو سکتا ہے۔ لہٰذا نفس علامت ہی کہلائے گا۔ جس کے بعد مطلوبہ ضد کی موجودگی پر دوسری دلیل تلاش کرنیکی ضرورت ابھی باقی ہے۔ اِسی طرح کسی چیز کے لازم کی نفی اس کی نفی پر صراحتاً دلالت کرنے کی بنیاد پر خود ہی اس کی نفی ہے، اس کے عدم کی خصوصی دلیل اور یقینی علامت ہے جس کے بعد ملزوم کی نفی پر مزید دلیل تلاش کرنے کی قطعاً ضرورت نہیں رہتی۔ کیوں کہ ''اِذَا انْتَفَی الَّازِمُ انْتَفَی الْمَلْزُوْمُ'' کے شرطیہ کا صدق بجائے خود اجلی بدیہیات کے قبیل سے ہے لہٰذا کسی چیز کے لازمہ کی نفی یا اُس کی ضد یا نقیض کا ارتکاب کرنا اس کی نفی پر یقینی علامت ہونے کے سوا اور کچھ نہیں ہے، اس کی دلالت ملزوم کی نفی پر صریح ہونے کے خلاف کوئی اور احتمال نہیں ہے اور ملزوم کی نفی اس کا صریح مدلول و مفہوم ہونے کے سوا اور کوئی مقصد نہیں ہے جبکہ کسی چیز

Marfat.com

کے لازم کا موجود ہونا اس کے موجود ہونے کی نفس علامت ہے، خصوصی علامت نہیں کیوں کہ ''اِذَا وُجِدَ اللازِمُ وُجِدَ المَلزُوم'' کے شرطیہ کا صدق کلیہ نہیں ہے بلکہ جزئیہ ہے یعنی ہمیشہ ایسا نہیں ہوتا بلکہ کبھی کبھی ہوتا ہے کیوں کہ لازم کے جواز عموم کی وجہ سے وجودِ لازم کی دلالت وجودِ ملزوم پر صریح نہیں ہوتی۔ جب اسکی دلالت صریح نہیں ہے اور اس کا مدلول ہونا صریح نہیں ہے تو پھر یہ اسکی یقینی علامت بھی نہیں ہوسکتی کیوں کہ خصوصی دلیل اور یقینی علامت میں غیر کی آمیزش اور مدلول کے ماسوا کسی اور کا احتمال نہیں ہوتا۔ ہاں نفس علامت کہنا درست ہے کہ احتمالات کثیرہ متضادہ کے ہوتے ہوئے فی الجملہ اس کے وجود کا احتمال بھی رکھتا ہے۔

مذکورہ اشتباہ کے سوچنے والے حضرات کو اگر یقینی علامت اور نفس علامت کے مابین اس تفریق کا علم ہوتا اور صریح وکنایہ کے لغوی مفہوم کی وسعت پر نظر ہوتی تو وہ التزام کفر کی پہلی اور دوسری قسموں کے ماسوا باقی صورتوں کا صریح الکفر کے قبیل سے خارج ہونے کا قطعاً کبھی نہ سوچتے کیوں کہ پہلی اور دوسری صورتوں کا صریح الکفر ہونے کی طرح التزام کفر کی باقی قسموں کا صریح مدلول ومفہوم بھی کفر کے سوا اور کوئی شے نہیں ہے فرق صرف اتنا ہے کہ پہلی اور دوسری صورتوں میں بالترتیب ملت اسلام اور اس کے ضرورت دینی والا حصہ کی تکذیب کی جارہی ہے جبکہ باقی تمام قسموں میں اس کی یقینی علامت کا ارتکاب کیا جارہا ہے۔ جبکہ کفر پر دلالت سب میں صریح ہے مثال کے طور پر؛

1 التزامِ کفر کی وہ قسم جس میں ملت اسلام سے انکار وتکذیب ہوتی ہے۔ جیسے مسلم گھرانے کا کوئی فرد اسلام سے پھر کر یہودیت اختیار کر لیتا ہے یا اس کی تکذیب کر لیتا ہے کہ اسلام کو حق نہیں مانتا یا کہتا ہے کہ اسلام آسمانی مذہب نہیں ہے۔

2 التزامِ کفر کی وہ قسم جس میں ملت اسلام کے کسی ایسے حکم سے انکار وتکذیب کرتا ہے جو ضرورتِ دینی ہے۔ جیسے مسلم گھرانے کا کوئی فرد رسول اللہ ﷺ کے ختم نبوت کو ختم زمانی تسلیم کرنے سے انکار کر کے اسے نادان عوام کا خیال قرار دے۔

Marfat.com

3 وہ قسم جس میں ملت اسلام سے زبانی انکار کیے بغیر اس کی ضد کو مقابلتاً بطور ضابطہ حیات تسلیم کرنے کا قول وعمل ہو جیسے مسلم گھرانے کا کوئی فرد نظام مصطفیٰ ﷺ کے مقابلہ میں اس ضابطہ حیات کو تسلیم کرے جو اس کے منافی اور ضد ہے۔

4 وہ قسم جس میں کسی بھی ضرورت دینی کی ضد یا نقیض کے ساتھ عقیدہ وقول ہو جیسے مسلم گھرانے کا کوئی شخص نبی آخرالزمان رحمت عالم ﷺ کے زمانہ میں یا آپ ﷺ کے بعد کسی دوسرے نبی وپیغمبر کے پیدا ہونے کے جواز کا عقیدہ رکھے اور اس کا قول کرے یا آپ ﷺ کے بعد کسی دوسرے نبی کے پیدا ہونے کو ختم نبوت کا منافی نہ کہے۔

5 وہ قسم جس میں نظام مصطفیٰ ﷺ پر ایمان کے لازمہ (جذبہ عمل) کی ضد یا نقیض کو اختیار کیا جا رہا ہو جیسے کسی شخص کا ملت اسلام پر ایمان کے مدعی ہوتے ہوئے اس پر عمل نہ کرنے کا عزم کرنا اور اس عزم کا صریح الفاظ میں اظہار کرنا اور یہ کہنا کہ ''اسلام میں عمل کی اہمیت نہیں ہے'' یا یہ کہنا کہ ''نظام مصطفیٰ ﷺ کی تصدیق وتسلیم ضروری ہے جو ہمیں حاصل ہے، باقی رہا عمل تو یہ نادان جاہلوں کا خیال ہے''۔

6 وہ قسم جس میں نظام مصطفیٰ ﷺ پر ایمان کے لازمہ ''اس کی تعظیم'' کی ضد یا نقیض کو اختیار کیا گیا ہو جیسے کسی مدعی اسلام وایمان کا یہ کہنا کہ اسلام اگر انسانیت کی ترقی وعروج کا ضامن ہوتا تو اس کے ماننے والے ذلیل وخوار نہ ہوتے۔

7 التزامِ کفر کی وہ قسم جس میں ملت اسلام پر ایمان کے لازمہ ''دل وجان سے اس پر راضی ہونے'' کی ضد یا نقیض کو اختیار کیا جا رہا ہو جیسے کسی مدعی اسلام وایمان کا یہ کہنا کہ ''اسلام نے ہم کو کیا دیا جبکہ یورپ نے بغیر اسلام کے بھی ترقی کی'' یا یہ کہنا کہ ''اسلام کا حصہ عبادات تو ٹھیک ہے لیکن اس کے سیاسیات واقتصادیات کے حصوں کو پسند نہیں کیا جا سکتا''

8 التزامِ کفر کی وہ قسم جس میں ملت اسلام پر ایمان کے لازمہ ''اُس کے ساتھ محبت'' کی ضد یا نقیض کو اختیار کیا گیا ہو۔ جیسے کسی مُدعی اسلام کا یہ کہنا کہ نظامِ مصطفیٰ ﷺ پر ہمارا ایمان

Marfat.com

ہے لیکن اِس کا یہ مطلب نہ ہونا چاہیے کہ اُس کے تحفظ کے لیے ہم اپنی جانوں کو قربان کریں۔

9 التزامِ کفر کی وہ قسم جس میں ملت اسلام پر ایمان کے لازمہ ''اس کے خلاف جملہ مذاہب واشخاص سے نفرت و بیزاری'' کی ضد یا نقیض کو اختیار کیا جا رہا ہو جیسے کسی مدعی ایمان کا یہ کہنا کہ ملت اسلام پر تو ہمارا عقیدہ و ایمان ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہونا چاہیے کہ ہندو مذہب سے نفرت کی جائے ﴿یا﴾ یہود و ہنود سے بیزاری اختیار کی جائے۔

10 التزامِ کفر کی وہ قسم جس میں ملت اسلام کے کسی ضرورت دینی والے حصہ پر ایمان کے لازمہ ''جذبہ عمل'' کی ضد یا نقیض کو اختیار کیا جا رہا ہو۔ مثال کے طور کسی مدعی اسلام و ایمان کا یہ کہنا کہ نماز دین اسلام کا حصہ ہونے کا مطلب یہ نہ ہونا چاہیے کہ اس پر عمل بھی کیا جائے بلکہ اس کو دین کا حصہ تسلیم کرنا کافی ہے۔ پانچ وقتہ اس کی ادائیگی کے لیے تکلیف کرنیکی ضرورت نہیں ہے ﴿یا﴾ یہ کہنا کہ نماز کی شکل میں پنج وقتہ تکلیف کرنا فارغ لوگوں کا طریقہ ہے جبکہ اسلام میں صرف اس کے ساتھ تصدیق بالقلب کافی ہے۔

11 وہ قسم جس میں کسی ضرورت دینی پر ایمان کے لازمہ ''اس کی تعظیم'' کی ضد یا نقیض کو اختیار کیا جا رہا ہو جیسے کسی مدعی ایمان کا یہ کہنا کہ نماز پنجگانہ کی ادائیگی کے لیے تکلیف کرنا بیگار سے کم نہیں ہے۔

12 التزامِ کفر کی وہ قسم جس میں کسی ضرورت دینی پر ایمان کے لازمہ ''دل و جان کے ساتھ تسلیم و رضا'' کی ضد یا نقیض کو اختیار کیا جا رہا ہو جیسے کسی مسلم گھرانے کے شخص کا یہ کہنا کہ ''نمازیں پڑھ کر ہم نے کیا کمایا اس کی جگہ کچھ اور ہونا چاہیے''۔

13 التزامِ کفر کی وہ قسم جس میں کسی ضرورت دینی پر ایمان کے لازمہ ''اُس کے ساتھ محبت کی ضد یا نقیض'' کو اختیار کیا گیا ہو۔ جیسے کسی مدّعی اسلام کا یہ کہنا کہ نظام صلوٰۃ کا ملتِ اسلام کا حصہ ہونے پر ہمارا ایمان ہے لیکن اِس کا یہ مقصد نہ ہونا چاہیے کہ اِس کے تحفظ کی خاطر ہم اپنے دنیوی مفادات قربان کریں۔

Marfat.com

14 التزامِ کفر کی وہ قسم جس میں کسی ضرورت دینی پر ایمان کے لازمہ ''اُس کے مدمقابل و مخالف مذاہب واشخاص اور منافی حرکات سے نفرت و بیزاری'' کی ضد یا نقیض کو اختیار کیا جا رہا ہو۔ جیسے کسی مدعی ایمان کا یہ کہنا کہ ''ہندو ہوتے تو اچھا ہوتا نمازوں کی تکلیف سے تو جان چھوٹ جاتی''۔

اہل فہم جانتے ہیں کہ التزام کفر کی ان تمام قسموں میں کفر سے بچنے کے لیے ایک فی ہزار احتمال بھی موجود نہیں ہے چہ جائیکہ ایک فی صد ہو اور ضعیف سے ضعیف تاویل کی بھی گنجائش نہیں ہے چہ جائیکہ کسی معقول توجیہہ کی مجال ممکن ہو یہ اس لیے کہ ان سب میں کلام کی دلالت کفر پر صریح ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ **پہلی قسم** میں ملت اسلام کی تکذیب وانکار کا بلاواسطہ ارتکاب کیا گیا ہے جس کا صریح مدلول ومفہوم کفر کے سوا کوئی اور چیز نہیں ہے۔

دوسری میں ملت اسلام کے اس حصہ سے انکار کا بلاواسطہ ارتکاب کیا گیا ہے جو ضرورت دینی کے قبیل سے ہے۔ اس کا صریح مدلول ومفہوم بھی کفر کے سوا کوئی اور چیز نہیں ہے۔

تیسری میں ملت اسلام اور نظامِ مصطفیٰ ﷺ کی ضد کا صراحتاً بلاواسطہ ارتکاب کیا گیا ہے۔ جس کا صریح مدلول ومفہوم کفر کے سوا کوئی اور چیز نہیں ہے کیوں کہ ملت اسلام کے مقابلہ میں ہر باطل مذہب کفر ہے اور کفر اسلام کی خصوصی ضد ہے جس کو اختیار کرنا آپ ہی اسلام کی نفی ہے جس کے بعد زبانی دعویٰ ایمان ناقابل قبول ہے کیوں کہ خصوصی ضدین میں سے ایک کو اختیار کرنا دوسرے کی نفی پر صریح دلیل اور اس کے عدم کی یقینی علامت ہے۔ جس کے بعد اس کی نفی پر کوئی اور دلیل تلاش کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

یہی حال التزامِ کفر کی **چوتھی قسم** کا بھی ہے کہ جب ضرورت دینی کی ضد کا یا اس کے نقیض کا صراحتاً ارتکاب کیا تو ضرورتِ دینی سے انکار اس کا صریح مدلول ومفہوم قرار پایا کیوں کہ نقیضین میں سے ایک کو اختیار کرنا دوسرے کی نفی پر صریح دلیل اور اس کے عدم کی یقینی علامت

Marfat.com

ہے جسکے بعد اس کی نفی سے بچنے کے لیے ذرہ برابر گنجائش باقی نہیں رہتی۔ جیسے مذکورہ مثال میں نبی آخر الزمان رحمت عالم ﷺ کے بعد دوسرے نبی کے پیدا ہونیکا عدم جواز جو ضرورت دینی ہے کے نقیض یعنی جواز کا عقیدہ کیا گیا ہے تو دوسرے نبی کی پیدائش کا جواز جو عدم جواز کی نقیض ہے کو اختیار کرنا آپ ہی عدم جواز کی نفی ہے۔ جس کا صریح مدلول و مفہوم کفر کے سوا کوئی اور چیز نہیں ہے کیوں کہ نقیضین میں سے ایک کو اختیار کرنا دوسرے کی نفی پر صریح دلیل و یقینی علامت ہے۔ جس کے بعد دوسری دلیل تلاش کرنے کی قطعاً ضرورت نہیں رہتی۔

التزامِ کفر کی باقی **دس قسموں** کا بھی یہی حال ہے کیوں کہ ان میں ملت اسلام اور نظام مصطفی ﷺ پر شرعی ایمان کے لازمہ کی ضد یا اس کے نقیض کو صراحتاً بلا واسطہ اختیار کیا گیا ہے۔ جیسے پانچویں سے لے کر نویں قسم تک کی مذکورہ مثالوں سے معلوم ہو رہا ہے۔ جب ایمان کے لازمہ کی ضد کو یا نقیض کو اختیار کیا گیا تو ایمان کا لازمہ نہیں رہا کیوں کہ نقیضین میں سے ایک کو یا ضدین میں سے ایک کو اختیار کرنا دوسرے کی نفی پر صریح دلیل ہے۔ جب ایمان کا لازمہ نہ رہا تو ایمان بھی نہ رہا کیوں کہ ''كُلَّمَا انْتَفَى الَّازِمُ انْتَفَى الْمَلْزُوْمُ'' کے قضیہ کا صدق کلیہ ہے، 100% ہے اور ہمیشہ ہے، جس کا خلاف کبھی نہیں ہوتا۔ ایسے میں التزام کفر کی ان پانچوں قسموں کا صریح الکفر ہونا سابقہ چار قسموں کے صریح الکفر ہونے سے ذرہ برابر مختلف نہیں ہے۔ یہی حال التزام کفر کی باقی پانچ قسموں کا بھی ہے کہ ان سب میں ضرورت دینی پر ایمان کے لازمہ کی ضد یا نقیض کو اختیار کرنے پر مشتمل کلام اس کے ساتھ ایمان کی نفی پر صراحتاً بلا واسطہ دلالت کرتا ہے کیوں کہ ضدین یا نقیضین میں سے ایک کو اختیار کرنا دوسرے کی نفی پر صریح دلیل اور اس کے عدم کی یقینی علامت ہے۔ جب ضرورت دینی کے ساتھ ایمان کا لازمہ نہ رہا تو اس کے ساتھ ایمان بھی نہ رہا اس لیے کہ لازم کی نفی آپ ہی ملزوم کی نفی اور اس کے عدم کی یقینی علامت ہے جس پر مزید دلیل تلاش کرنے کی ضرورت

Marfat.com

نہیں ہوتی۔ ایسے میں التزام کفر کی مذکورہ تمام قسموں کا مفاد صریح کفر کے سوا کوئی اور چیز نہیں ہے، کفر پر صریح الدلالۃ ہونے میں انکے مابین کوئی فرق نہیں ہے اور کفر سے بچنے کا احتمال کسی ایک میں بھی نہیں ہے۔ صریح الکفر ہونے میں برابر ہونے کے باوجود ان کے مابین جو فرق ہو سکتا ہے وہ صرف اتنا ہے کہ:

قسمِ اول میں ملت اسلام اور نظام مصطفیٰ ﷺ سے انکار و تکذیب ہے۔

قسمِ دوم میں ملت اسلام کے اس حصہ سے انکار و تکذیب ہے جو ضرورت دینی کے قبیل سے ہے۔

قسمِ سوم میں ملت اسلام اور نظام مصطفیٰ ﷺ کی ضد کو اختیار کر کے اس سے انکار و تکذیب کی گئی ہے جو بالیقین اس کی تکذیب کی علامت اور خصوصی دلیل ہے۔

قسمِ چہارم میں ضرورت دینی کی ضد کو اختیار کر کے اس سے انکار و تکذیب کی گئی ہے جو بالیقین اس کی تکذیب و انکار کی یقینی علامت و خصوصی دلیل ہے۔

قسمِ پنجم سے لے کر **ہشتم** تک چاروں قسموں کا تعلق جو ملت اسلام اور نظام مصطفیٰ ﷺ پر ایمان کے ساتھ ہے ان میں بالترتیب لوازمات خمسہ ایمان یعنی جذبہ عمل، تعظیم، تسلیم و رضا اور محبت و منافی مذاہب سے کراہت و نفرت کی ضد یا نقیض کو اختیار کر کے ملت اسلام پر ایمان سے انکار و تکذیب کی گئی ہے جو بالیقین عدم ایمان کی علامت و خصوصی دلیل ہے۔

قسمِ نہم سے لے کر دوازدہم تک چاروں کا تعلق جو ضرورتِ دینی پر ایمان کے ساتھ ہے ان میں بھی بالترتیب ایمان کے مذکورہ لوازمات کی ضد کو اختیار کر کے ضرورت دینی پر ایمان سے جانتے ہوئے یا انجانے میں انکار و تکذیب کی گئی ہے جو عدم ایمان کی یقینی علامت و خصوصی دلیل ہے۔ جسکے بعد عدم ایمان و تکذیب پر کوئی اور دلیل تلاش کرنیکی قطعاً ضرورت نہیں ہے۔

گویا قسمِ اول و دوم میں انکار و تکذیب ہے جبکہ باقی دس قسموں میں انکار و تکذیب کی یقینی

Marfat.com

علامت وخصوصی دلیل ہے اور کفر پر صریح الدلالۃ ہونے میں سب برابر ہیں، کسی ایک میں بھی کفر سے بچنے کے لیے ضعیف سے ضعیف احتمال کا بھی امکان نہیں ہے۔ علمی زبان سے ہٹ کر عام فہم انداز میں ان کی ایسی مثالیں ہیں جیسے رات کی موجودگی کا اقرار کرنا آپ ہی دن کی نفی ہے جس کے بعد دن کی نفی وعدم پر دوسری دلیل تلاش کرنے کی ضرورت نہیں ہے ﴿یا﴾ کسی کی تندرستی وصحت کی خبر دینا آپ ہی اس کی عدم بیماری کی دلیل ہے جس کے بعد اور دلیل کی ضرورت نہیں ہے ﴿یا﴾ کسی کی ایمان داری کی گواہی دینا آپ ہی اُس کی عدم بے ایمانی کی صریح دلیل ویقینی علامت ہے جس کے بعد کسی اور دلیل کی ضرورت نہیں ہے۔

ایک اہم سوال کا جواب:۔ یہاں پر یہ سوال اُٹھایا جاسکتا ہے کہ التزامِ کفر کی ان قسموں میں سوم وچہارم کو مستقل ذکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے کیوں کہ بعد والی جن قسموں میں ایمان کے لازمہ کی ضد کو اختیار کرنا ملت اسلام سے یا اس کے ضرورت دینی والے حصہ سے انکار پر صراحتاً دلالت کرتا ہے ان میں اور ان دونوں میں انجام کار و مآل کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں ہے کہ اِن میں بھی ضدین میں سے ایک کو اختیار کرنا دوسرے کی نفی پر صراحتاً دلالت کرتا ہے اور اُن میں بھی، لہٰذا ان کو مستقل ذکر کرنے کیجائے التزام کفر کی دس قسموں پر اکتفا کرنا زیادہ مناسب ہے جن میں اول اور دوم بالترتیب ملت اسلام سے انکار وتکذیب اور ضرورت دینی سے انکار وتکذیب ہیں جبکہ باقی آٹھ قسمیں ملت اسلام پر ایمان کے لوازمات خمسہ میں سے کسی کی ضد کو اختیار کرنے یا ضرورت دینی پر ایمان کے کسی لازمہ کی ضد کو اختیار کرنے کی بناء پر انکار وتکذیب کی یقینی علامت وخصوصی دلیل ہیں۔

اِس کا جواب یہ ہے کہ ان کے انجام ومآل کو ایک سمجھنا کم غوری کا نتیجہ ہے کیوں کہ کسی چیز کی نفی وعدم کا اس کی ضد کو اختیار کرنے کا مدلول ہونا اور چیز ہے جبکہ اس پر ایمان کے لازمہ کی ضد کو اختیار کرنے کا مدلول ہونا اور چیز ہے کیوں کہ اول بلاواسطہ ہے جبکہ دوسرا بالواسطہ ہے

Marfat.com

اِس لیے کہ لازم کی ضد کو اختیار کرنے سے لازم کی نفی ہوئی جب لازم نفی ہوا تو اس کا ملزوم یعنی ایمان نفی ہوا گویا ملت اسلام پر یا اس کے ضرورت دینی والے حصہ پر ایمان کی نفی وعدم کے لیے لازمہ کی ضد کو اختیار کرنا واسطہ فی الاثبات ہے جس کے بغیر لازمہ کی نفی نہیں ہوگی جب لازمہ کی نفی نہیں ہوگی تو اس کے ملزوم کی بھی نفی نہیں ہوگی۔اس کی مزید وضاحت برہان فطری کے انداز میں یوں سمجھی جائے۔

مدعا:۔اَلَّذِیْ یَخْتَارُ ضِدَّلاَزِمِ اِیْمَانِہٖ یَنْتَفِیْ اِیْمَانُہٗ

صغریٰ:۔لِاَنَّہٗ نَفٰی لَازِمَ اِیْمَانِہٖ

کبریٰ:۔وَکُلُّ مَنْ یَنْفِیْ لَازِمَ اِیْمَانِہٖ یَنْتَفِیْ اِیْمَانُہٗ

نتیجہ:۔فَالَّذِیْ یَخْتَارُضِدَّلاَزِمِ اِیْمَانِہٖ یَنْتَفِیْ اِیْمَانُہٗ

جبکہ التزام کفر کی تیسری اور چوتھی قسموں میں ایسا نہیں ہے جس کی تفہیم اِس طرح کی جاسکتی ہے ''الذی یختارُ ضدایمانہ ینتفی اِیْمَانُہ لِاَن اختیار اَحدِالضِدین ھوعین نفی الآخر'' یہ الگ بات ہے کہ عدم ایمان اور کفر پر دلالت کرنا ان سب میں یکساں صریح ہے، کفران سب کا صریح مفہوم ومدلول ہے جس میں غیر کا احتمال قطعاً نہیں ہے۔بالواسطہ اور بغیر واسطہ کی تفریق کا نتیجہ ہے کہ کبھی التزام کفر کی یہ دونوں قسمیں باقی آٹھ (8) قسموں کے بغیر پائی جاتی ہیں۔جیسے واسطہ کے نہ ہونیکی صورتوں میں ہوتا ہے اور کبھی التزام کفر کی یہ آٹھ (8) قسمیں ان دونوں قسموں کے بغیر پائی جاتی ہیں جیسے واسطہ کے ضروری ہونے کی صورت میں ہوتا ہے ایسے میں ان سب کا مآل وانجام ایک کہنا بے غوری کا نتیجہ نہیں تو اور کیا ہے؟

ایک اور اشتباہ کا ازالہ:۔ اگر کوئی یہ کہے کہ جب التزام کفر کی ان آٹھ (8) قسموں میں ملت اسلام یا اس کے ضرورت دینی والے حصہ کی تکذیب وانکار بالواسطہ ثابت ہوتا ہے تو پھر یہ سب کے سب التزام کفر کی حد سے نکل کر لزوم کفر کی حد میں داخل ہوجاتے ہیں جس کے نتیجہ

Marfat.com

میں التزامِ کفر کی گزشتہ صفحات میں گزری ہوئی تعریف جامع نہیں رہتی اور لزوم کفر کی مانع نہیں ہوتی کیوں کہ گزشتہ صفحات میں التزامِ کفر کی تحدید میں کہا گیا تھا کہ وہ ملت اسلام اور نظامِ مصطفی ﷺ سے یا کسی ضرورتِ دینی سے بلا واسطہ انکار وتکذیب ہے یا اس انکار وتکذیب کی یقینی علامت ہے جو متعلقہ قول وعمل سے خارج کسی واسطہ کا محتاج نہ ہو اور لزومِ کفر کی تحدید میں کہا گیا تھا کہ وہ ملت اسلام ونظام مصطفی ﷺ یا کسی ضرورت دینی سے بالواسطہ انکار وتکذیب ہو یا اس انکار وتکذیب کی یقینی علامت ہو جو کسی خارجی واسطہ فی الاثبات کا محتاج ہے جب التزام کفر کی ان آٹھ (8) قسموں میں ملت اسلام یا اس کے کسی ضرورت دینی والے حصہ سے انکار اس پر ایمان کے لازمہ کی ضد کو اختیار کرنے کے واسطہ سے ثابت ہوتا ہے تو لازمہ کی ضد کو اختیار کرنا خارجی واسطہ قرار پایا جو واسطہ فی الاثبات ہے لزوم کفر میں بھی یہی کچھ ہوتا ہے۔

اِس کا جواب یہ ہے کہ لزوم کفر میں جو واسطہ ہوتا ہے وہ لازم الماہیت نہیں ہوتا بلکہ ایک مستقل خارجی چیز ہوتی ہے جو اپنے ملزوم کو ظرف خارج میں لازم ہوتی ہے جبکہ التزام کفر کی ان قسموں میں جو واسطہ ہے وہ لازم الماہیت اور بیّن بالمعنی الاخص ہے۔ جیسے بدیہیات کے حصہ فطریات میں ہوتا ہے جس کا اپنے ملزوم سے انفکاک ناممکن ہوتا ہے۔ اِس کی ایسی مثال ہے، جیسے انقسام بمتساویین زوجیت کو لازم ہے جو لازم الماہیت ہونے کی وجہ سے غیر ممکن الانفکاک والغیاب ہے۔ جب بھی ''اَلْاَرْبَعَةُ زَوْجٌ'' کہا جاتا ہے تو وہ لازم الماہیت ہونے کی بنا پر کہنے والے کے ذہن میں موجود ہوتا ہے جس وجہ سے ''اَلْاَرْبَعَةُ زَوْجٌ'' کے اندر موجود نسبت کو ثابت کرنے کے لیے استدلال کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ فطریات کی ان تمام شکلوں کو ''قضایا قیاساتھا معہا'' یعنی دعویٰ بادلیل کہنے کا فلسفہ بھی یہی ہے کہ یہ استدلال کے محتاج نہیں ہیں۔

یہ الگ بات ہے کہ اس لازم الماہیت اور غیر ممکن الانفکاک والغیاب واسطہ کے تقاضا سے جو

Marfat.com

استدلال آپ ہی سمجھا جارہا ہے۔بغیر احتیاجی کے بھی ''تعلیماً و تمریناً للطلبہ'' کہا جاتا ہے۔

''لِانَّہٗ مُنقَسِمٌ بِمُتَساوِیَین''

''وَ کُلُّ مُنقَسِمٍ بِمُتَساوِیَینِ زَوجٌ''

''فَالاَربعۃُ زَوجٌ''۔

یہی حال اس واسطہ کا بھی ہے جو التزامِ کفر کی ان تمام صورتوں میں پایا جاتا ہے کہ وہ لازم الماہیت اور بیّن بالمعنی الاخص ہے، غیر ممکن الانفکاک والغیاب عن الذہن ہے اور مدعا کا اِثبات اس کے مذکور فی الکلام والاستدلال ہونے کا محتاج نہیں ہے۔ مثال کے طور پر یہ کہنا کہ ''نمازیں پڑھ کر ہم نے کیا کمایا اس کی جگہ کچھ اور ہونا چاہئے''۔تو ظاہر ہے کہ اس میں نماز سے کراہت ونفرت اختیار کی گئی ہے جو رضا کی ضد ہے جبکہ رضا اس پر ایمان لانے کا لازمہ تھی جب ضد کو اختیار کرنے کی وجہ سے رضا یعنی لازمہ ایمان نہ رہا تو اس کا ملزوم یعنی ایمان بھی نہ رہا تو یہاں پر نفی ایمان بالصلوٰۃ جو اپنے لازم کی نفی کا صریح مدلول ہے اور نفی لازم اس کی ضد کو اختیار کرنے کا صریح مدلول ہے۔ جیسے نفی لازم ''رضا'' کی دلالت نفی ملزوم ''نفی ایمان'' پر صریح اور غیر محتاج دلیل ہے ویسے ہی نماز سے کراہت ونفرت کی دلالت اس کے ساتھ رضا مندی کی نفی پر صریح اور غیر محتاج دلیل ہے وجود کلامی کے درجہ میں واسطہ فی الاثبات کے محتاج نہ ہونے کے باوجود نماز سے کراہت ونفرت نفی ایمان بالصلوٰۃ کی ماہیت کو ایسا لازم ہے کہ انفکاک ممکن نہیں ہے یہ الگ بات ہے کہ اس صورت میں محض اظہار حقیقت کے لیے یا ''تنبیھاً و تمریناً للطلبہ'' اسے تفصیلی دلیل کی شکل دے کر یوں کہنا درست ہوگا کہ:

مدعا:۔ھٰذَا القَولُ کُفرٌ

صغریٰ:۔لِاَنّہ اُختِیرَ فِیہِ ضِدُّ لَازِمِ الاِیمَانِ

کبریٰ:۔وَ کُلُّ قَولٍ اختِیرَ فِیہِ ضِدُّ لَازِمِ الاِیمَانِ کُفرٌ

نتیجہ:۔فَھٰذَا الکَلَامُ کُفرٌ

Marfat.com

خلاصۃ الکلام بعد التحقیق:۔ التزامِ کفر کی اولین چار (4) قسمیں بدیہیات اولیہ کے زمرہ میں شامل ہیں جبکہ باقی آٹھ (8) قسمیں بدیہیات فطریہ کے قبیل سے ہیں لہٰذا ان میں سے کوئی ایک قسم بھی استدلال کی محتاج نہیں ہیں جبکہ لزومِ کفر بغیر استدلال کے نہیں ہوسکتا۔

ایک اور اشتباہ کا ازالہ:۔ سوال یہ اُٹھایا جاسکتا ہے کہ گزشتہ صفحات میں شرعی احکام کی اجمالی اور تفصیلی مباحث میں ایک مقام پر تین قسموں کو قابل اجتہاد کہا گیا ہے جبکہ دوسرے مقام پر صرف ایک قسم کو محل اجتہاد قرار دیا گیا ہے، کیا یہ تدافع نہیں ہے؟

اِس کا جواب یہ ہے کہ جہاں پر چار میں سے صرف ایک قسم کو محل اجتہاد کہا گیا ہے وہیں پر اجتہاد سے مراد فقہی اور اصطلاحی اجتہاد ہے اور اس کے بعد ضروریاتِ دینیہ کے ماسوا باقی تینوں کو جو محل اجتہاد کہا گیا ہے وہیں پر اجتہاد سے مراد عام ہے جو اجتہاد فقہی لغوی اور عرفی تینوں کو شامل ہے لہٰذا دونوں مقام درست ہیں، تدافع کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

اِس **اِجمال کی تفصیل** یہ ہے کہ لفظ اجتہاد کے دو مفہوم ہیں: **ایک عام، دوسرا خاص۔**

عام سے ہماری مراد اس کا لغوی مفہوم ہے جو مشقت اور محنت طلب کام کو پانے کے لیے حتی المقدور کوشش کرنا ہے جس کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ کسی غیر صریح کلام سے مراد متکلم کو پانے کے لیے فکر لڑائی جائے، ذہنی کاوش برداشت کی جائے اور فکری استطاعت کے مطابق محنت کی جائے۔ جیسے مفردات امام راغب میں ہے:

''وَالِاجْتِھَادُ اَخْذُالنَّفْسِ بِبَذْلِ الطَّاقَةِ وَتَحَمُّلِ الْمُشَقَّةِ يُقَالُ جَهَدْتُ رَأْيِي وَاَجْهَدتُه اَتْعَبْتُهُ بِالْفِكْرِ''(۱)

یعنی اجتہاد کے معنی نفس انسانی کا اپنی طاقت کے مطابق محنت و مشقت کرنے کے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ میں نے اپنی رائی صرف کرنے میں محنت کی اور کہا جاتا ہے کہ میں نے اس

---

(۱) مفردات القرآن امام راغب الا صفہانی، مادہ (ج،ہ،د)، ص 100، مطبوعہ مصر۔)

Marfat.com

پر محنت کی یعنی اپنی قوت فکری کو اس کی تلاش میں تھکا دیا۔

لسان العرب میں ہے: ''وَالْاِجْتِهَادُ وَالتَّجَاهُدُ بَذْلُ الْوُسْعِ وَالْمَجْهُوْدِ''(۱)

المنجد میں ہے: ''اِجْتَهَدَ فِی الْاَمْرِ اَیْ جَدَّ وَبَذَلَ وُسْعَهٗ''(۲)

خاص اجتہاد سے ہماری مراد فقہی اجتہاد ہے جس کو قیاس فقہی بھی کہا جاتا ہے جو کسی غیر منصوصی اور جدید پیش آنے والے مسئلہ کا شرعی حکم معلوم کرنے کے لیے اس کے منصوصی اشباہ ونظائر کی علت تلاش کر کے ان کے احکام کو اس پر جاری کرنے سے عبارت ہے یعنی منصوصی حکم جس علت پر مبنی ہے پیش آمدہ مسئلے کو بھی اسی پر مبنی قرار دے کر اس کی شرعی حیثیت کو واضح کرنے کے لیے فکری کاوش جیسے المستصفیٰ میں ہے:

''صَارَا للَّفْظُ فِیْ عُرْفِ الْعُلَمَاءِ مَخْصُوْصاً بِبَذْلِ الْمُجْتَهِدِ وُسْعَهٗ فِیْ طَلَبِ الْعِلْمِ بِاَحْكَامِ الشَّرِیْعَةِ''(۳)

یعنی اجتہاد کا لفظ فقہاء کرام کے عرف میں خاص ہو چکا ہے مجتہد کا شریعت کے احکام کو جاننے کے لیے اپنی فکری استطاعت کو صرف کرنے کے ساتھ۔

مسلم الثبوت میں ہے: ''اَلْاِجْتِهَادُ بَذْلُ الطَّاقَةِ مِنَ الْفَقِیْهِ فِیْ تَحْصِیْلِ حُكْمٍ شَرْعِیٍّ ظَنِّیٍّ''(۴)

تحریر الاصول ابن ہمام میں ہے: ''هِیَ لُغَةً بَذْلُ الطَّاقَةِ فِیْ تَحْصِیْلِ ذِیْ كُلْفَةٍ وَاصْطِلَاحاً ذَالِکَ مِنَ الْفَقِیْهِ فِیْ تَحْصِیْلِ حُكْمٍ شَرْعِیٍّ ظَنِّیٍّ''(۵)

---

(۱) لسان العرب، جلد3، صفحہ135

(۲) المنجد صفحہ106، مادہ (ج،ہ،د)۔

(۳) المستصفی امام غزالی، ج2، ص350۔

(٤) مسلم الثبوت، ص276۔

(٥) تحریر الاصول ابن ہمام، ص291۔

Marfat.com

جس کا مفہوم یہ ہے کہ لغت کی زبان میں اجتہاد کسی مشقت والی چیز کو پانے کے لیے فکری طاقت استعمال کرنے کو کہتے ہیں اور اصطلاح کی زبان میں کسی شرعی ظنی حکم کو حاصل کرنے میں قوت فکری استعمال کرنے کو کہتے ہیں۔

اس کی تشریح کرتے ہوئے ابن امیر الحاج نے التقریر والتحبیر میں فرمایا:

''وَالْمُرَادُ بِبَذْلِ الْوُسْعِ اِسْتِفْرَاغُ الْقُوَّةِ بِحَيْثُ يَحِسُّ بِالْعَجْزِ عَنِ الْمَزِيْدِ''(۱)

جس کا مفہوم یہ ہے کہ شرعی احکام کو پانے کے لیے قوت فکری صرف کرنے سے مراد یہ ہے کہ اس حد تک فکری محنت کریں کہ اس سے زیادہ کچھ کرنے سے عاجز ہونے کا احساس پیدا ہو جائے۔

منہاج الوصول الی علم الاصول قاضی بیضاوی میں ہے:

''هُوَ اِسْتِفْرَاغُ الْجُهْدِ فِیْ دَرْکِ الْاَحْكَامِ الشَّرْعِيَّةِ''(۲)

جس کا مفہوم یہ ہے کہ احکام شرعیہ کو پانے کے لیے حتی المقدور فکری قوت کو صرف کرنا۔

اہل علم سے مخفی نہیں ہے کہ اجتہاد کا یہ مفہوم حتی المقدور فکری قوت کو صرف کرنے کے ساتھ ساتھ کچھ مزید چیزوں کا بھی مقتضی ہے مثلاً ما فیہ الاجتہاد کا انسانی فعل ہونا، حکم شرعی فرعی اور متعلق بافعال المکلفین ہونا اور منصوص علیہ حکم کے ساتھ ما فیہ الاجتہاد کا مشترک فی العلت ہونا اور اصل علت کا ثابت بالنص ہونا اور اصل حکم کا ماوراء العقل والقیاس نہ ہونا جبکہ اجتہاد کی پہلی قسم ما فیہ الاجتہاد میں اللہ تعالیٰ کی مراد کو تلاش کرنے کے لیے حتی المقدور قوتِ فکری کو کھپانے کے سوا

---

(۱) التقریر و التحبیر، ج3، ص 291، مطبوعہ بیروت۔

(۲) منہاج الوصول الی علم الاصول علی ہامش التقریر و التحبیر، ج 3، ص 284، مطبوعہ بیروت۔

Marfat.com

کسی اور چیز کی مقتضی نہیں ہے۔اس کے علاوہ ایک اور وجہ سے بھی مفہوم اول دوسرے مفہوم سے عام ہے، وہ یہ ہے کہ اجتہاد کا لفظ شریعت کی زبان میں یعنی عرف شرع میں لغوی مفہوم سے تو خاص ہے جبکہ اصطلاحی مفہوم سے عام ہے کیوں کہ لغت کی زبان میں اس کا مفہوم ''بَذْلُ الْجُهْدِ فِيمَا فِيهِ كُلْفَةٌ'' کے سوا اور کچھ نہیں ہے یعنی مشکل مسئلہ کو سمجھنے کے لیے حتی المقدور جدوجہد کرنا۔جبکہ عرف شرع میں ''بَذْلُ الْجُهْدِ فِي تَحْصِيلِ الْاَحْكَامِ الشَّرْعِيَّةِ النَّظَرِيَّةِ الْاُصُوْلِيَّةِ وَالْفُرُوْعِيَّةِ'' ہے اور فقہاء کرام کی مخصوص اصطلاح میں ''بَذْلُ الْجُهْدِ فِي تَحْصِيلِ الْاَحْكَامِ الشَّرْعِيَّةِ النَّظَرِيَّةِ وَالْفُرُوْعِيَّةِ'' ہے۔جس کے مطابق لغوی مفہوم کا متعلق الٰہیات کے سوا بھی بہت کچھ ہو سکتے ہیں۔مثلاً عقلیات، لسانیات اور طبعیات وغیرہ جبکہ عرفی مفہوم کا متعلق الٰہیات کے سوا اور کچھ نہیں ہے یعنی اصول الٰہیات وفروع الٰہیات کو یکساں شامل ہے لیکن فقہاء کرام کی اصطلاح والا مفہوم الٰہیات کے فروع کے ماسوا اور کسی چیز کو شامل نہیں ہے گویا اجتہاد کا اصطلاحی مفہوم خاص ہے لغوی مفہوم اعم العام ہے اور عرفی مفہوم من وجہ خاص، من وجہ عام ہے یعنی لغوی مفہوم کے مقابلہ میں خاص اور اصطلاحی مفہوم کے مقابلہ میں عام ہے۔

اس تفصیل کو پیش نظر رکھ کر نہایت السول فی شرح منہاج الوصول کے مصنف ''امام جمال الدین الاسنوی'' نے قاضی بیضاوی کی بیان کردہ مذکورہ تعریف کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا؛

''وَقَوْلُهُ الشَّرْعِيَّةُ خَرَجَ بِهِ اللُّغَوِيَّةُ وَالْعَقْلِيَّةُ وَالْحِسِّيَّةُ وَ دَخَلَ فِيهِ الْاُصُوْلِيَّةُ وَالْفُرُوْعِيَّةُ اِلَّا اَنْ يَّكُوْنَ الْمُرَادُ بِالْاَحْكَامِ الشَّرْعِيَّةِ مَا تَقَدَّمَ فِي اَوَّلِ الْكِتَابِ وَهُوَ خِطَابُ اللّٰهِ تَعَالٰى الْمُتَعَلِّقُ بِاَفْعَالِ الْمُكَلَّفِينَ بِالْاِقْتِضَاءِ اَوِ التَّخْيِيرِ''(۱)

---

(۱) نہایت السول فی شرح منہاج الوصول علی ہامش التقریرو التجیر، ج3،ص286۔

Marfat.com

یعنی اجتہاد کی تعریف میں احکام شرعیہ کا لفظ جو کہا گیا ہے اس سے احکام لغوی، عقلی اور حسی نکل گئے کہ اجتہاد کے مفہوم کا ان کے ساتھ تعلق نہیں ہوتا جبکہ احکام اصولی وفروعی یعنی اعتقادی وعملی اس میں داخل ہو گئے مگر یہ کہ احکام شرعیہ سے مراد وہ لیا جائے جو اس کتاب کے شروع میں بیان ہوا ہے کہ شرعی حکم سے مراد اللہ تعالیٰ کا وہ خطاب ہے جو مکلفین کے افعال کے ساتھ متعلق ہے چاہے اقتضائی ہو یا اختیاری۔

فقہاء کرام کے علاوہ متکلمین اسلام نے بھی اس حقیقت کو پیش نظر رکھتے ہوئے اسلامی عقائد کی دو قسمیں بتائی ہیں۔ جیسے شرح عقائد میں انبیاء مرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کی رُسُل ملائکہ پر اور رُسُل ملائکہ کی عام مسلمانوں پر اور عام مسلمانوں کی عام فرشتوں پر فضیلت کے اسلامی عقیدہ کو بیان کرنے کے بعد لکھا ہے:

''اِنَّ الْمَسَآئِلَ الْاِعْتِقَادِيَّةَ قسمانَ اَحدُهُما مَا يَكُوْنُ الْمَطْلُوْبُ فِيْهِ الْيَقِيْنَ كَوَحدَةِ الْوَاجِبِ وَصِدْقِ النَّبِيِّ ﷺ وَثَانِيهِمَا مَا يُكْتَفٰى فِيْهَا بِالظَّنِّ كَهٰذِهِ الْمَسْئَلَةِ وِالْاِكْتِفَاۤءُ بِالدَّلِيْلِ الظَّنِّيِّ اِنَّمَا لَا يَجُوْزُ فِي الْاَوَّلِ بِخِلَافِ الثَّانِي''(۱)

جس کا مفہوم یہ ہے کہ بالیقین اعتقادی مسائل واحکام کی دو قسمیں ہیں:

پہلی قسم: ۔جن کے ساتھ یقین کرنا مطلوب فی الاسلام ہوتا ہے۔ جیسے واجب الوجود جل جلالہ کو ایک جاننے کا عقیدہ اور رسول اللہ ﷺ کی صداقت پر عقیدہ رکھنا۔

دوسری قسم: ۔جن میں غالب گمان پر اکتفا کیا جاسکتا ہے جیسے انسانوں اور ملائکہ کے مابین تفاضل کا مسئلہ ہے اور ظنی دلیل پر اکتفا کرنا صرف پہلی قسم میں جائز نہیں ہوتا۔

مفاہیم ثلاثہ اجتہاد کے حوالہ سے اس تحقیق کو سمجھنے کے بعد مذکورہ مقامات سے تدافع کا اشتباہ

---

(۱) النبراس علی شرح العقائد، ص598۔

Marfat.com

آپ ہی رفع ہو جاتا ہے کیوں کہ پہلے جس مقام پر ہم نے شرعی احکام کی چار قسمیں بتانے کے بعد ان میں سے صرف ایک کو محل اجتہاد کہا ہے اس سے مراد فقہی اجتہاد ہے جس کے مطابق کچھ اجتہادی احکام ضرورت مذہبی کے قبیلہ سے ہو سکتے ہیں جن سے انحراف کرنے والے یا انحراف وتکذیب کی یقینی علامت کا ارتکاب کرنے والوں پر لزومِ کفر کا فتویٰ صادر کرنا جائز ہے نہ التزامِ کفر کا کیوں کہ لزومِ کفر اور التزامِ کفر کا تعلق صرف اور صرف ضروریاتِ دینیہ کی تکذیب یا تکذیب کی یقینی علامت کے ارتکاب کرنے کے ساتھ ہے جب یہ ضرورتِ دینی ہی نہیں ہیں تو ان سے انحراف کرنے والوں کی تکفیر کا کوئی جواز ہی نہیں رہتا، اور بعد میں جس مقام پر شرعی احکام کی تین قسموں کو قابلِ اجتہاد کہا ہے وہیں پر صرف فقہی اجتہاد کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ اپنے عموم واطلاق کی بناء پر اجتہاد کے مفاہیم ثلاثہ کو شامل ہے جس کے مطابق ضروریاتِ دینیہ کے سوا باقی تینوں میں سے قسم دوم کا محل اجتہاد ہونے سے مراد عرفی اور فقہی اجتہاد ہیں۔ عرفی کے زمرہ میں اسلامی اعتقادیات کے حصہ ظنیات کے تمام جزئیات آتے ہیں جنکی مثالوں میں عذاب قبر سے متعلق اہل سنت اور اہل اعتزال کے متضاد عقائد، اوصاف باری تعالیٰ کی تفصیل سے متعلقہ اہل سنت اور دیگر اہل قبلہ فرقوں کے متضاد عقائد، جیسے وہ تمام اعتقادی ظنی مسائل شامل ہیں جو اہل قبلہ کے مابین اختلافی ہیں، جن سے ہر فرقہ کی کتب کلامیہ میں بحث کی جاتی ہے اور جن پر قطعی الثبوت والدلالت براہین کتاب وسنت میں موجود نہ ہونے کی وجہ سے ہر فریق نے حق کی پہچان کی خاطر اپنی قوت فکری کو اس حوالہ سے صرف کرنے میں انتہا کر دی، عرف شرع کے مطابق اس اجتہاد کے نتیجہ میں جس فریق کے سلف نے جو فتویٰ صادر کیا وہی اس فریق کے خلف کے لیے ضرورتِ مذہبی قرار پائے جن کو ہر فریق کی کتب کلامیہ میں اعتقادات ظنیہ اور ضروریاتِ مذہبیہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ جیسے شرح عقائد اور نبراس کے حوالہ سے ہم بیان کر چکے ہیں جبکہ فقہی اجتہاد کے زمرے میں اہل قبلہ کے مختلف

Marfat.com

فقہی مسالک کے مابین پائے جانے والے تمام اختلافی فقہی مسائل شامل ہیں جن کو ہر فقہی مسلک کی کتب فقہ میں بیان کیا جاتا ہے، کنز الدقائق اور ہدایہ میں مذکور فقہی احکام کے 95% مسائل اسی قبیل سے ہیں گویا شرعی احکام کی ضروریاتِ دینیہ والی قسم کے ماسوا باقی تینوں میں سے اول قسم کی دو قسمیں ہیں۔ اول اعتقادیات ظنیہ ہیں جن کا تعین و تشخص کرنے میں ہر فرقہ کے اوائل و اسلاف نے عرفی اجتہاد سے کام لیا ہے۔

دوم فقہی اور فروعی احکام ہیں جن کا تعین و تشخص کرنے میں ہر مسلک کے اوائل و اسلاف نے فقہی اجتہاد سے کام لیا ہے جبکہ ان دونوں کے مقابلہ میں قسم سوم و چہارم والے احکام ہیں جو غیر بدیہی ہونے کی وجہ سے بطور حصہ اسلام ثابت کیے جانے کے حوالہ سے تفصیلی دلیل کے محتاج ہیں جس کے ضمن میں لغوی اجتہاد بھی پایا جاتا ہے کیوں کہ ہر نظری اور محتاج دلیل بات کو ثابت کرنے کے لیے فطری عمل تفصیلی دلیل کے سوا اور کچھ نہیں ہے اور جہاں پر بھی تفصیلی دلیل ہوتی ہے وہیں پر لغوی اجتہاد کا پایا جانا ضروری ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر قسم سوم کے مسائل میں سے گزشتہ مثالوں کے مطابق مطلقہ کے لیے ایام عدت کا نان نفقہ و سکنٰی کا خاوند پر واجب ہونے کو بطورِ حصہ اسلام ثابت کر کے بے خبر لوگوں کو اس سے آگاہ کرنے کے لیے جب تفصیلی دلیل میں کہا جاتا ہے کہ؛

''یہ حصہ اسلام اِس لیے ہے کہ اللہ کا حکم ہے''۔

''اور اللہ کا ہر حکم حصہ اسلام ہوتا ہے''۔

''لہٰذا یہ بھی حصہ اسلام ہے''۔

تو لغوی اجتہاد کا مفہوم اس کے اندر پایا گیا۔ جس کی بدولت استدلال کرنے والے کی قوت فکری کی رفتار حدِ اصغر سے حدِ اوسط کی طرف منتقل ہوئی اور ساتھ ہی حدِ اوسط سے حدِ اکبر کی طرف منتقل ہوئی اس کے بعد قہقری حرکت میں حد اکبر سے شروع ہو کر حدِ اوسط تک پہنچ گئی اس کے بعد حدِ اوسط سے حدِ اصغر تک پہنچ کر نتیجہ دیا۔ یہ سب کچھ لغوی اجتہاد کے ثمرات ہی تو

Marfat.com

ہیں۔اسی طرح قسم چہارم کی مثالوں میں سے حسن اخلاق کا مطلوب فی الاسلام ہونے کا حکم جو بالاجماع حصہ اسلام ہے لیکن نظری ہونے کی بناء پر دیندار طبقہ کے کچھ حضرات کو معلوم نہیں ہے۔جن کو سمجھانے کے لیے فقہی دلیل کے طور پر جب یہ کہا جاتا ہے کہ:

''یہ حصہ اسلام اِس لیے ہے کہ مامور بہ فی الاسلام ہے۔''

''اور جو بھی مامور بہ فی الاسلام ہو وہ ہمیشہ حصہ اسلام ہوتا ہے۔''

''لہٰذا یہ بھی حصہ اسلام ہے۔''

تو یہاں پر بھی نتیجہ کی برآمدگی لغوی اجتہاد کا ہی ثمر ہے۔گویا شرعی احکام کی مذکورہ چار اقسام میں سے آخری تین کا محل اجتہاد ہونا ان تینوں کے مابین قدر مشترک ہے جبکہ قسم دوم میں پائے جانے والے اجتہاد کا عرفی اور فقہی ہونا اور قسم سوم وچہارم میں پائے جانے والے اجتہاد کا لغوی ہونا ان کے مابین نکتہ تفریق ہے بہر تقدیر شرعی احکام کی مذکورہ اقسام اربعہ میں سے صرف قسمِ اول ''ضرورتِ دینیہ'' ہی لزوم کفر یا التزام کفر کا مورد محل ہوسکتی ہے باقی تینوں میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہیں ہے بلکہ ان تینوں سے انحراف کرنے والے کے خلاف بھی کفر کا فتویٰ صادر کرنا جائز نہیں ہوسکتا چہ جائیکہ ایک یا دو کی تکذیب کرنے والے کی تکفیر جائز ہوسکے۔

دارالافتاء کے ذمہ داروں کے لیے ضروری ہے کہ احکام شرعیہ کی اِن تمام قسموں کو ہر وقت پیش نظر رکھے ورنہ ''مفتی کی ایک غلطی جہاں کی تباہی'' ہوسکتی ہے۔جس سے بچنے کے لیے محض درس نظامی کی موجودہ گودامی تعلیم سے فارغ تحصیل ہونا اے اسم المفتی کے مروّجہ کورس کرنا ہی کافی نہیں ہے بلکہ اِدراک حقائق اور عرفان نصیبی کی توفیق بھی ضروری ہے جو ''مَن عَمِلَ بمَا عَلِمَ وَفقَهُ الله علمَ ما لم یعلم'' (الحدیث) کا مظہر ہوئے بغیر ممکن نہیں ہے۔

☆☆☆☆☆

Marfat.com

مفاہیم ثلاثہ اجتہاد میں ایک بنیادی فرق

اصل اعتراض کا جواب یہاں تک مکمل ہوگیا کہ لزومِ کفر اور التزامِ کفر کا تعلق شریعت کے اُن احکام کے ساتھ ہے جو ضروریاتِ دین کے قبیل سے ہیں اور ان کے سوا باقی تین قسمیں قابل اجتہاد ہونیکی وجہ سے تکفیر سے متعلق نہیں ہوسکتی۔ اگرچہ اجتہاد کی نوعیت ان سب میں یکساں نہیں ہے تاہم کسی حوالہ سے خفا ان سب میں موجود ہے جبکہ تکفیر کے متعلق کا من کل الوجوہ ظاہر، واضح اور صریح و بدیہی ہونا شرط ہے یہاں تک کہ تکفیر سے بچنے کے لیے ایک فیصد خفاو احتمال موجود ہو پھر بھی تکفیر جائز نہیں ہوتی۔ مذکورہ اعتراض کے اس جواب کی تکمیل کے بعد مناسب سمجھتا ہوں کہ مفاہیم ثلاثہ اجتہاد میں جو بنیادی فرق ہے اس کو بھی واضح کردوں وہ یہ ہے کہ اجتہاد کا جو لغوی مفہوم ہے اس پر عمل کرنا دین اسلام کے حوالہ سے جملہ نوع بنی آدم پر فرض ہے جس میں مسلم غیر مسلم کی کوئی تفریق نہیں ہے۔ جبکہ باقی دو مفہوم یعنی اجتہاد کے عرفی وفقہی مفہوم پر عمل کرنا صرف مسلمانوں پر لازم ہے بلکہ مسلمانوں کے بھی خصوصی طبقہ کاملین پر جو اجتہاد کی اہلیت رکھتے ہیں گویا اجتہاد کے ان دونوں قسموں پر عمل کرنا اسلام کے اُن احکام میں شامل ہے جو اخلاص کے ساتھ کلمہ طیبہ پڑھ کر التزامِ اسلام کرنے والے خوش بختوں کے لیے مخصوص ہیں نکتہ تفریق کے اس فلسفہ سے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا؛

''وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْماً بَعْدَ اِذْهَدٰهُمْ حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَّايَتَّقُوْنَ''(۱)

جس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کو اسلام کی توفیق عطا کرنے کے بعد قابل اجتناب چیزوں سے بچنے کی ہدایات دینے سے بے اعتنائی نہیں فرماتا۔

---

(۱) التوبہ، 115۔

Marfat.com

یہ اِس لیے ہے کہ کلمہ طیبہ پڑھ کر اسلام کا التزام کرنا بنیاد ہے جبکہ دوسرے اعمال اس کے فروع وتوابع ہیں۔ جب تک ایک انسان اصل کو گلے نہیں لگاتا تو اس کے توابع وفروع کو اس کے گلے میں ڈالنے کا کوئی مطلب ہی نہیں ہے بلکہ اسلام کے جملہ فروعی احکام التزامِ اسلام کے توابع ہونے کی بنیاد پر مسلمانوں پر ہی عائد ہوتے ہیں اوران کے ثمرات وبرکات سے مستفیض ہونا بھی مسلمانوں کا ہی خاصہ ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا؛

''وَيَزِيْدُاللّٰهُ الَّذِيْنَ اهْتَدَوْا هُدًى ''(۱)

جس کا مفہوم یہ ہے کہ جن لوگوں نے ایمان کی ہدایت پائی ہے اللہ تعالیٰ ان کے لیے احکام کی ہدایت افزوں فرماتا ہے۔

اس کے برعکس غیر مسلموں سے متعلق فرمایا؛''وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا''(۲)

جس کا مفہوم یہ ہے کہ التزام اسلام کرنے والوں کے لیے ہم قرآن شریف سے شفاء ورحمت نازل کرتے ہیں جبکہ یہی احکام رحمت غیر مسلموں کے لیے افزونی زیان کے سوااور کچھ نہیں ہیں۔

غیر مسلموں کا فروعی احکام کے ساتھ مکلّف ہونے یا نہ ہونے کے حوالہ سے اگر چہ اسلاف کے ذخیرہ کتب میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ اگرچہ مکلفیت کا قول مرجوح ہے۔ ناقابل قبول ہے اورفروع کواصول کے مساوی قرار دینے کے مترادف ہونے کی بنیاد پر غیر معقول ہے تاہم اتنا غلط بھی نہیں ہے جتنا غیر مسلموں پرلغوی اجتہاد کے فرض نہ ہونے کا قول کرنا غلط ہے کیوں کہ اسلام کے تمام بنیادی احکام توحید سے لے کر رسالت تک اور بعث بعدالموت کے عقیدہ سے لے کر مجازاۃ اعمال کی حقانیت تک جتنے بھی ہیں ان کی حقانیت کو سمجھنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے

---

(۱) مریم،76۔

(۲) بنی اسرائیل،82۔

Marfat.com

جملہ نوعِ بنی آدم کو قوت فکری صرف کرنے کا حکم دیا ہے اور ماحولیاتی اثرات وتقلیدی پابندیوں سے یک طرف ہو کر اس کی حقانیت کو عقل کے ترازو میں محض قوت فکری کے عمل سے تولنے کی ترغیب دی ہے۔ جیسے فرمایا؛

''قُلْ اِنَّمَآ اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ جاَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ مَثْنٰى وَفُرَادٰى ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا مَا بِصَاحِبِكُمْ مِّنْ جِنَّةٍ''(۱)

جس کا مفہوم یہ ہے کہ اے حبیب ﷺ! تم فرما دو کہ میں تمہیں ایک بات کی نصیحت کرتا ہوں کہ اللہ کے لیے دو، دو اور اکیلے اکیلے ہو کر کھڑے رہو پھر سوچو کہ تمہارے پیغمبر میں کوئی جنون نہیں ہے۔

تقلیدی اثرات اور معاشرتی آلودگیوں سے اپنی قوت فکری کو پاک وصاف اور خالی الذہن کر کے اس کی حقانیت پر سوچنے کی ترغیب دیتے ہوئے دوسری جگہ میں فرمایا؛

''لَا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ''(۲)

یعنی اس کی حقانیت کو نہیں چھو سکیں گے مگر وہی لوگ جو معاشرتی وتقلیدی آلودگی سے پاک وصاف ذہن سے اس پر غور کریں گے۔

الغرض اسلامی عقائد کے حوالہ سے کوئی ایسا بنیادی مسئلہ نہیں ہے جس کو سمجھنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے کفار ومشرکین کو آزاد ذہن کے ساتھ اس پر غور کرنے اور اپنی قوت فکری کے اجتہاد کو اس میں کھپانے کی ترغیب نہ دی ہو۔ لغت کی زبان میں بھی اجتہاد کا مفہوم اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ کسی قابل محنت اور مشکل چیز کو پانے کے لیے قوت فکری کی کاوش میں انتہا کر دی جائے جس پر کتب لغت اور عربی محاورات کا حوالہ گزشتہ صفحات میں ہم بیان کر آئے ہیں۔ اہل علم جانتے ہیں کہ کفار ومشرکین کے لیے توحید و رسالت اور بعث بعد الموت جیسے بنیادی

(۱) سباء، 46۔

(۲) الواقعہ، 79۔

Marfat.com

عقائد اسلام کو سمجھنا سب سے زیادہ مشکل نظر آتا تھا۔ تبھی تو اُنہوں نے کہا؛

''اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ''(۱)

جس کا مفہوم یہ ہے کہ پیغمبر ﷺ کا ہمارے تمام خداؤں کو ختم کر کے صرف ایک خدا کی طرف بلانا قابل تعجب بات ہے۔

مزید مشکل و ناممکن تصور کرتے ہوئے کہا؛

''اَللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ''(۲)

جس کا مفہوم یہ ہے کہ اے اللہ اگر یہ تیری طرف سے واقعی بات ہے تو پھر ہم پر آسمان سے پتھر برسا یا دردناک عذاب ہم پر لا۔

غیر مسلموں کے اس طرح کے تعصب زدہ اور ماحول پرستی کی اندھی تقلید میں مبتلا لوگوں کی ماحولیاتی مجبوریوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے مرات وکرات ان کو خالی الذہن ہو کر سوچنے کا فرمایا۔ ذوات قدسیہ انبیاء ومرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم نے بھی انہیں تعصب اور مخصوص ذہنی ترجیحات سے دل ودماغ کو یک طرف کر کے صرف قوت فکری کو حاکم بنانے کی ترغیب دی۔ سمجھانے کے حوالہ سے اللہ اور اُس کے رسول ﷺ نے کبھی بھی ان پر سختی نہیں فرمائی۔ سمجھانے کی حد تک ان کے ساتھ کریمانہ انداز خطاب اختیار کرتے ہوئے ''اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا وَّ اَجْدَرُ اَلَّا يَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ''(۳) فرما کر رہتی دنیا تک اسلامی مبلغین کو ان کے ساتھ نرمی برتنے کی راہ دکھائی۔

پیغمبر اسلام رحمتِ عالم ﷺ نے ابوجہل جیسے دشمنانِ اسلام کے ساتھ بھی کبھی تبلیغ کے حوالہ

---

(۱) صٓ، 5۔

(۲) الانفال، 32۔

(۳) التوبہ، 97۔

Marfat.com

سے سختی نہیں فرمائی۔ جب غیر مسلموں کے ساتھ محراب و منبر کے حوالہ سے اتنی نرمی برتی گئی ہے تو پھر اہل قبلہ کو کسی اجتہادی و نظری حکم سے انحراف کی بنیاد پر غیر مسلم قرار دینے کا کیا جواز ہوسکتا ہے بلکہ اجتہاد کے مفاہیم ثلاثہ میں سے کسی ایک کا پایا جانا بھی تکفیر سے مانع ہے۔ اس حوالہ سے اگر اشتباہ ہوسکتا ہے تو وہ صرف اجتہاد کے لغوی مفہوم کے اعتبار سے ممکن تھا جو ہماری اس تحقیق سے رفع ہو گیا کیوں کہ کسی بات کا نظری یا بدیہی ہونا اس بات کو مستلزم نہیں ہے کہ وہ اگر نظری ہے تو ہر وقت، ہر شخص کے لیے اور ہر اعتبار سے نظری ہو۔ اگر بدیہی ہے تو ہر وقت، ہر شخص کے لیے اور ہر اعتبار سے بدیہی ہو نہیں ایسا ہر گز نہیں ہے بلکہ ایک شخص کے نزدیک بدیہی دوسرے شخص کے نزدیک نظری ہوسکتا ہے۔ جیسے دن کی روشنی اور رات کے اندھیرے کی کیفیات کا علم بینائی والے شخص کو بداہۃ حاصل ہے جبکہ یہی کیفیت پیدائشی نابینا کے لیے نظری ہے اسی طرح جب تک قوت سماعت درست ہے اس وقت تک آواز کی خوب صورتی و بد صورتی کی کیفیات کو جاننا بدیہی ہے جبکہ قوت سماعت کا جواب دیئے جانے کے بعد یہی کیفیت نظری بن جاتی ہے۔ علی ہذا القیاس سنائی دینے والی آواز کی کیفیت کو جاننا اس کی طرف متوجہ اور تندرست شخص کے لیے بدیہی ہے جبکہ اسی آواز کی قوت سماعت تک رسائی کی نوعیت کو جاننا نظری ہے کہ کس طرح ہوا کی لہروں میں محفوظ ہو کر اس کے اتصالی رابطہ کے ذریعہ قوت سماعت تک پہنچتی ہے۔ اِسی طرح جو شخص اس کی طرف متوجہ ہی نہ ہو یا کوئی اور مانع موجود ہو تو اس کے لیے بھی اس کو جاننا ممکن نہیں ہوتا چہ جائیکہ بدیہی ہو۔

یہی حال دینِ اسلام کے بنیادی عقائد کا بھی ہے کہ التزام اسلام کرنے والا شخص چونکہ اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے، اندھی تقلید اور تعصب کی آلودگیوں سے اس کا دل و دماغ محفوظ و سلامت ہوتا ہے اور ماحولیاتی قید و بند کی رکاوٹوں کو توڑ چکا ہوتا ہے تو پھر توحید باری تعالیٰ کی حقانیت کو جاننا اس کے لیے بدیہی نہ ہوگا تو اور کیا ہوگا، رسولِ خدا رحمتِ عالم ﷺ کی صداقت کو پہچاننا

Marfat.com

اس کے لیے ضروری نہ ہوگا تو اور کیا ہوگا، دنیوی زندگی کی شکل میں ہزاروں خلائق میں قدرت باری تعالیٰ کی عظمت کو مشاہدہ کرنے کے بعد بعث بعد الموت کو ممکن الوقوع اور سچ جاننے میں اس کے لیے کیا رکاوٹ ہوسکتی ہے۔

علی ہذا القیاس جب تک کوئی رکاوٹ وموانع آڑے نہیں آئیں گے اور کسی بھی شیطان کے تسلط سے جب تک محفوظ رہے گا اس وقت تک دین اسلام کی ان بنیادی باتوں کو بداہۃً جانتا رہے گا بخلاف غیر مسلموں کے کہ خلاف اسلام تعصب کے ماحول اور اسلام کے منافی مذہب کی قید بند ان کے لیے ایسے موانع ہیں جن کے ہوتے ہوئے اپنے کمال وضوح وبداہت کے باوجود اسلام کے بنیادی عقائد واحکام ان کے نزدیک نظری ہی نظری ہیں۔ قربان جاؤں اللہ کے فرمان پر؛

''اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا وَّ اَجْدَرُ اَلَّا يَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ''(۱)

کس جامع انداز سے فطرت کی عکاسی فرمائی ہے۔ اندھی تقلید کے حصار میں محصور لوگوں کو سمجھانے کے لیے فکری اجتہاد کی ترغیب دینے کے سوا کوئی اور چارہ کار نہیں ہے۔ جب ماحولیاتی رکاوٹوں معاشرتی آلودگیوں اور اکابر پرستی کی اندھی تقلید کی رکاوٹوں کی وجہ سے دین اسلام کے بدیہی عقائد اور بنیادی تعلیمات کو سمجھنا کفار ومشرکین کے نزدیک نظری قرار پائے اور وہ ان کے حوالہ سے ''اَلْاِنْسَانُ عَدُوٌّ لِّمَا جَهِلَ'' کے مصداق ٹھہرے تو ان احکام سے متعلق انہیں سمجھا کر اِتمام حجت کرنے یا ان کی حقانیت کے قائل کرانے کے لیے اجتہاد فکری کی ترغیب دینے کے سوا کوئی اور صورت ممکن الفہم ہی نہیں ہے تو جس اجتہاد فکری کی ترغیب اللہ تعالیٰ نے اور اس کے معصوم پیغمبروں نے دی ہے وہ اجتہاد کے مذکورہ مفاہیم ثلاثہ میں سے پہلی قسم یعنی لغوی اجتہاد کے سوا اور کچھ نہیں ہوسکتا کیوں کہ باقی دو مفہوم یعنی اجتہاد عرفی اور فقہی مسلمانوں کا خاصہ ہونے کی بناء پر غیر مسلموں کو انکی ترغیب دینے کا کوئی مطلب ہی نہیں ہے

(۱) التوبہ، 97۔

Marfat.com

جبکہ کسی بھی نظری چیز کو سمجھنے اور سمجھانے کے لیے فکری اجتہاد کی ترغیب دینے اور اسے اپنانے کے سوا کوئی اور معتاد ذریعہ فہم غیر مسلموں کے حق میں اللہ تعالیٰ نے پیدا ہی نہیں فرمایا ہے۔

ہماری اِس تحقیق سے اجتہاد کے مفاہیم ثلاثہ میں سے لغوی مفہوم کا باقی دونوں سے زیادہ عام بلکہ اعم العام ہونے کا فلسفہ بھی واضح ہوگیا کہ اجتہاد عرفی اور اجتہاد فقہی میں پائے جانے کے ساتھ ان کے بغیر بھی پایا جاتا ہے اور ساتھ ہی تکفیر چاہے التزامِ کفر کی شکل میں ہو یا لزومِ کفر کی صورت میں بہر تقدیر ضروریاتِ دین سے متجاوز نہ ہونے کا فلسفہ بھی معلوم ہوگیا کہ اصلی کفر اور عارضی کفر میں صرف ارتداد کا فرق ہے کہ عارضی کفر میں جملہ ضروریاتِ دین کا التزام کرنے کے بعد ارتداد کا عارضہ ہو جاتا ہے اور اصلی کفر میں ارتداد نہیں ہے جبکہ مافیہ الکفر دونوں میں ضروریاتِ دین کے سوا کوئی اور شے نہیں ہے اور دوسرا فرق یہ بھی ہے کہ عارضی کفر میں مرتد ہونے والوں کی دو قسمیں ہیں؛

پہلی قسم:۔ مافیہ الکفر کو جان بوجھ کر دیدہ ودانستہ اختیار کرے جس کو کافر معاند اور مرتد معاند کہا جاتا ہے۔

دوسری قسم:۔ مافیہ الکفر کا ارتکاب انجانے میں کرے کہ جس قول وعمل کو دیدہ ودانستہ طور پر اپنی رضامندی واختیار کے ساتھ وجود میں لا رہا ہے وہ صراحتاً ملت اسلام کی تکذیب یا کسی ضرورتِ دینی کی تکذیب ہو یا اس تکذیب کی یقینی علامت ہو یا ملت اسلام کی ضد ونقیض یا اس کے کسی ضرورت دینی والے حصہ کی ضد یا نقیض کا صریح ارتکاب ہو یا ایمان کے کسی لازمہ کی ضد یا نقیض کا صریح ارتکاب ہو۔

جن کی تفصیلی مثالیں گزشتہ صفحات میں ہم بیان کر آئے ہیں ان تمام صورتوں میں التزام کفر غیر عنادی ہوتا ہے اور دارالافتاء کے لیے قابل احتیاط وجائے خطر بھی ارتداد کی یہی شکلیں ہیں جبکہ عنادی ارتداد میں مرتد ہونیوالے کا اپنا کردار واقرار اسکے ارتداد کا مظہر واشتہار ہونیکی بنا پر دارالافتاء کو کچھ کرنیکی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ جبکہ اصلی کفر ہمیشہ عنادی ہی ہوتا ہے چاہے

Marfat.com

عناد حقیقی ہو یا حکمی۔ اصلی کفر اور عارضی کفر کی ان شکلوں میں ما بہ الامتیاز کو جس نکتہ نگاہ سے بھی دیکھا جائے بہر تقدیر ضرورتِ دینی کی تکذیب کرنے کے حوالہ سے اصل ما بہ الکفر کا قطعاً کوئی فرق نہیں ہے۔ دنیا بھر میں اب تک جتنے لوگ مرتد ہوئے ہیں یا ہوں گے (اَلْعَیَاذُ بِاللّٰہِ) اُن کا تجزیہ کیا جائے تو التزامی کفر کی مذکورہ چودہ (14) قسموں سے خارج کوئی ایک بھی نہیں ہوگا، جن کی تفصیلی فہرست ہم بیان کر آئے ہیں۔ کفر اصلی کی نوعیت جو بھی ہو بہر تقدیر ہر غیر مسلم کو دعوت اسلام دینا تمام اہل قبلہ کی اجتماعی ذمہ داری ہے جس اسلام کی طرف انہیں دعوت دی جاتی ہے اس کی حقانیت کو جاننا اہل قبلہ کے نزدیک بدیہی اور ضرورت دینی ہونے کے باوجود ان غیر مسلموں کے نزدیک نظری ہے اور محتاج دلیل ہے۔ لہٰذا اُصولِ فطرت کے عین مطابق انہیں فکری اجتہاد کی ترغیب دینے، تقلیدی مذہب اور تعصب سے خالی الذہن ہو کر صرف اور صرف قوت فکری کو حاکم بنا کر اجتہادی کاوش کی راہ پر ڈالنے کے سوا کوئی اور چارہ کار مسلم مبلغ کے پاس کل تھا نہ آج ہے۔ اہل علم جانتے ہیں کہ اجتہاد کا لغوی مفہوم بھی اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔

خلاصہ الکلام:۔ لزومِ کفر ہو یا التزامِ کفر بہر تقدیر اس کا مورد و محل ضروریاتِ دینیہ کے سوا اور کچھ نہیں ہے لہٰذا ہر دار الافتاء کو تکفیری فتویٰ صادر کرنے سے قبل ان حقائق کو پیش نظر رکھنا لازم ہے ورنہ تکفیر مسلم کا مرتکب ہو سکتا ہے جو بجائے خود کفر کے قریب گناہ کبیرہ ہے۔ (اَعَاذَنَا اللّٰہُ مِنْہُ) اِسی خطرے کے پیش نظر فتاویٰ بحر الرائق کے مصنف اور دیار مصریہ کے عظیم مفتی اسلام نے ضروریاتِ دینیہ کے سوا کسی بھی اجتہادی مسئلہ سے متعلق تکفیری فتویٰ صادر کرنے سے اجتناب کا التزام کرتے ہوئے فرمایا:

''وَلَقَدْ اَلْزَمْتُ نَفْسِیْ اَنْ لَّا اُفْتِیَ بِشَیْءٍ مِنْهَا''(۱)

☆☆☆☆☆☆

(۱) فتاویٰ بحر الرائق، ج5، ص135، مطبوعہ مصر۔

Marfat.com

لزوم کفر کی عملی صورتوں کی وضاحت

اِس سلسلہ میں ایک بار پھر لزومِ کفر کی وضاحت اور اس کے مفہوم کی التزامِ کفر سے تمیز بتانا ضروری سمجھتا ہوں تاکہ اس حوالہ سے پیدا ہونے والے اشتباہات کی گنجائش باقی نہ رہے۔ اس سے پہلے ہم بتا چکے ہیں کہ التزام کفر میں کسی خارجی واسطہ و ملازمہ کے بغیر بلا واسطہ کفر کو گلے لگانا ہوتا ہے جبکہ لزوم کفر میں ایسا نہیں ہوتا بلکہ انسان کا متعلقہ قول و عمل کسی خارجی واسطہ کی بنا پر مستلزم کفر، مفضیٰ الی الکفر اور منتج کفر ہوتا ہے۔ گزشتہ صفحات میں ہم یہ بھی بتا آئے ہیں کہ التزام کفر اور لزوم کفر کی حقیقتوں کا ایک دوسرے سے جدا ہونے کی بناء پر ان کے شرعی احکام و لوازمات اور تقاضے بھی ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ یہاں پر ہم نے صرف یہ بتانا ہے کہ لزوم کفر میں جو کفر ہے وہ التزام کفر کی مذکورہ قسموں کے مضاف الیہ سے جدا کوئی اور شے نہیں ہے کیوں کہ کفر عارضی یعنی التزام اسلام کرنے کے بعد کافر قرار پانے والوں کی مذکورہ قسموں سے ماوریٰ و خارج کفر کی کوئی شکل ہی نہیں ہے جب ان کے سوا کفر کی کوئی صورت ہی نہیں ہے تو پھر لزوم کفر میں لزوم کے مضاف الیہ اور اس کے فاعل بننے والے کفر سے مراد بھی ان قسموں سے خارج کوئی اور صورت نہیں ہو سکتی گویا اِلتزام کفر اور لزوم کفر میں کفر کا مصداق ان قسموں میں سے ہی کوئی ایک ہے فرق صرف ثبوت کا ہے کہ التزام کفر میں بلا واسطہ ہے۔ صریح ہے، بدیہی ہے جس پر دلیل تلاش کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی جبکہ لزوم کفر میں بالواسطہ ہے، غیر صریح ہے اور استدلال کا محتاج ہے۔ ایسے میں ضابطہ کلیہ قرار پاتا ہے کہ جہاں پر بھی لزوم کفر ہوگا، تو وہ کفر کی مذکورہ قسموں سے خالی نہیں ہوگا اِس لیے ہر دارالافتاء پر لازم ہے کہ کسی پر کفر کا فتویٰ دینے سے پہلے متعلقہ قول و عمل کی نوعیت پر غور کریں کہ یہ التزامِ کفر ہے یا لزومِ کفر اگر

Marfat.com

التزام ہے تو مذکورہ قسموں میں سے کس کے تحت آتا ہے اور لزوم ہونے کی صورت میں اس پر تفصیلی دلیل اس انداز سے بیان کریں کہ جس سے کفر کی نوعیت آپ ہی ظاہر ہو جائے اس حوالہ سے کوئی جدید مثال پیش کرنے کے بجائے مفتیان کرام کی سہولت فہم کے لیے مناسب سمجھتا ہوں کہ التزامِ کفر کی مذکورہ مثالوں کو ہی لزومِ کفر کے سانچے میں ڈال کر پیش کروں جس کو پوری طرح سمجھنے کے لیے التزامِ کفر کی مذکورہ قسموں کی مثالوں کو یا اُن کے اشباہ و نظائر کو پیش نظر رکھنے کے سوا کسی اور چیز کی ضرورت نہیں ہے۔ مثال کے طور پر؛

1 کسی مدعی اسلام کا یہ کہنے میں لزوم کفر ہے کہ: ''اسلام کا آسمانی مذہب ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ یہودیت و نصرانیت آسمانی مذہب نہیں ہیں''۔

اِس میں لزومِ کفر اِس لیے ہے کہ اس میں موجودہ یہودیت و نصرانیت کو آسمانی مذہب کہنے میں اِن سے عدم برائت مفہوم ہو رہی ہے۔ (صغریٰ)

اور جس کلام سے بھی موجودہ یہودیت و نصرانیت سے عدم برائت مفہوم ہو رہی ہو وہ کفر ہوتا ہے۔ (کبریٰ)

لہٰذا یہ بھی کفر ہے۔ (نتیجہ)

یعنی لزومِ کفر، التزامِ کفر کی مذکورہ قسموں پر مشتمل فہرست کے مندرجات کو پیش نظر رکھنے والے حضرات لزوم کفر کی اس مثال پر استدلال کو سمجھنے کے بعد اس بات کو بھی سمجھ گئے ہوں گے کہ لزومِ کفر کی اس مثال میں جو کفر لازم آرہا ہے وہ التزامِ کفر کی فہرست میں موجود آٹھویں قسم کے کفر سے مختلف نہیں ہے یعنی ملت اسلام پر ایمان کے لازمہ یعنی اس کے جملہ مخالف مذاہب سے بیزاری کے نقیض کا ارتکاب کرنا ہے اور یہ بھی سمجھ گئے ہونگے کہ اصل فہرست کی آٹھویں قسم میں اس خاص قسم کفر کا صراحتاً ارتکاب کیا گیا تھا۔ جبکہ اس میں غیر صریح ہے، اصل کا ثبوت بدیہی ہونیکی بناء پر کسی خارجی واسطہ و استدلال کا محتاج نہیں تھا جبکہ اس میں یہودیت و نصرانیت سے عدم برائت کے اظہار کا واسطہ ہے، اصل میں کفر سے بچنے کی کوئی صورت، کوئی

Marfat.com

احتمال اور کسی تاویل کی گنجائش نہیں تھی جبکہ اس میں کافی گنجائش ہے۔ نیز سمجھ گئے ہوں گے کہ التزامِ کفر کرنے والے کا واجب الاخراج عن الاسلام اور لزوم کفر کرنے والے کا عدم واجب الاخراج عن الاسلام ہونے کا اصل فلسفہ کیا ہے، ان میں تفریق کیوں ہے اور شرعی احکام کیوں مختلف ہیں؟ بالیقین سمجھ گئے ہوں گے کہ ان سب کا فلسفہ یقین وظن کی تفریق کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے کہ اصل یقینی بدیہی اور ناقابلِ تاویل ہونے کی بنیاد پر واجب الاخراج عن الاسلام ہونے کے سوا اور کچھ نہیں چاہتا جبکہ دوسرا ظنی، غیر صریح اور استدلالی ہونے کی وجہ سے محظور الاخراج عن الاسلام ہونے کے علاوہ اور کسی چیز کا تقاضا نہیں کرتا۔ لزومِ کفر کی وضاحتی مثالوں کی باقی تمام صورتوں کا یہی حال اور یہی فلسفہ ہے لہٰذا مفتیان کرام باقی مثالوں میں بھی اس توضیح وتنبیہ کو ملحوظ خاطر رکھیں ہم یہاں پر التزامِ کفر کی مذکورہ فہرست کے مطابق لزومِ کفر کی باقی مثالوں کو ذکر کرنے پر ہی اکتفا کریں گے۔

2 کسی مدعی اسلام کا چاہے وہ عالم وفاضل اور مرشد الناس ہی کیوں نہ کہلاتا ہو یہ کہنا کہ:

''نبی آخر الزمان رحمت عالم ﷺ کے خاتم النبیین ہونیکا یہ مطلب لینا غلط ہے کہ آپ ﷺ کے بعد اس زمین کے سوا کسی دوسری زمین میں بھی اللہ کا کوئی رسول ونبی نہیں ہوسکتا۔''

صغریٰ:۔ اِس میں لزوم کفر اس لیے ہے کہ یہ خصوصیت ارض دون الارض سے قطع نظر ختم نبوت کے اجماعی عقیدہ جو ضرورت دین کے قبیل سے ہے کو متنازعہ بنا کر اس کے ساتھ عدم رضا کا مُوہِم ہے۔

کبریٰ:۔ اور جو قول وعمل بھی کسی ضرورت دینی کو متنازعہ بنا کر اس کے ساتھ عدم رضا کا مُوہِم ہو کفر ہوتا ہے۔

نتیجہ:۔ لہٰذا یہ بھی کفر ہے، یعنی لزوم کفر۔

3 کسی مدعی اسلام کا یہ کہنا کہ: ''**ملت اسلام اور نظام مصطفیٰ ﷺ کو بطور ضابطہ حیات تسلیم**

Marfat.com

کر کے اس پر ایمان لانے کا یہ مطلب نہ ہونا چاہئے کہ فرنگیوں کا بنایا ہوا قانون غلط ہے" لزوم کفر ہے۔

صغریٰ:۔ کیوں کہ اِس میں نظام مصطفیٰ ﷺ کے مقابلہ میں انسانوں کے بنائے ہوئے نظام سے عدم بیزاری مفہوم ہو رہی ہے۔

کبریٰ:۔ اور جس قول میں بھی نظام مصطفیٰ ﷺ کے مقابلے میں انسانوں کے بنائے ہوئے نظام سے عدم بیزاری مفہوم ہو رہی ہو، وہ کفر ہوتا ہے۔

نتیجہ:۔ لہٰذا فرنگیوں کے بنائے ہوئے قانون وضابطہ حیات کو اسلام کے مقابلہ میں غلط نہ کہنا بھی کفر ہے، یعنی لزوم کفر۔

4 کسی مدعی اسلام کا بطورِ تمنا وآرزو یہ کہنا کہ: "کیا اچھا ہوتا اگر رسول اللہ ﷺ کے بعد بھی رسولوں کی آمد کا سلسلہ جاری رہتا۔"

صغریٰ:۔ اس میں لزوم کفر اس لیے ہے کہ اِس سے ختم النبوۃ جو ضرورت دینی ہے کے ساتھ ایمان کے لازمہ یعنی تسلیم ورضا کی نفی مفہوم ہو رہی ہے۔

کبریٰ:۔ اور عقیدہ ختم النبوۃ کے ساتھ ایمان کے لازمہ یعنی تسلیم ورضا کی نفی مفہوم ہونے والا ہر کلام کفر ہوتا ہے۔

نتیجہ:۔ لہٰذا یہ بھی کفر ہے۔

5 کسی مدعی اسلام کا یہ کہنا کہ: "اسلام پر ہمارا ایمان ہے جب چاہیں گے اس پر عمل کریں گے۔"

صغریٰ:۔ اس میں لزوم کفر اس لیے ہے کہ اِس سے اسلام پر ایمان کے لازمہ یعنی جذبہ عمل کا عدم دوام مفہوم ہو رہا ہے۔

کبریٰ:۔ اور جو کلام بھی ایسا ہو اس میں لزوم کفر ہوتا ہے۔

شرعی حکم ونتیجہ:۔ لہٰذا اس میں بھی لزوم کفر ہے۔

6 کسی مدعی اسلام کا یہ کہنا کہ: "نظام مصطفیٰ ﷺ کے قابل تعظیم ہونے پر ہمارا ایمان ہے ہم جب چاہیں گے اس کی تعظیم کریں گے۔"

Marfat.com

صغریٰ:۔ یہ مستلزم کفر اِس لیے ہے کہ یہ نظام مصطفی علیہ پر ایمان لانے کے لازمہ ''اس کی تعظیم'' کے عدم دوام کا موہم ہے۔

کبریٰ:۔اور جو کلام بھی ایسا ہو کفر ہوتا ہے۔

نتیجہ:۔لہٰذا یہ کلام بھی کفر ہے۔

7 کسی مدعی اسلام کا یہ کہنا کہ: ''**مذہب اسلام پر تو ہمارا ایمان ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہ ہونا چاہئے کہ ہم دوسرے مذاہب کو برا جانیں۔**''

صغریٰ:۔اس میں لزوم کفر اس طرح ہے کہ اِس سے مذہب اسلام پر ایمان لانے کے لازمہ یعنی اس کے منافی جملہ مذاہب سے عدم نفرت مفہوم ہو رہی ہے۔

کبریٰ:۔ جو کلام بھی ایسا ہو وہ ہمیشہ کلمہ کفر و لزوم کفر ہوتا ہے۔

شرعی حکم و نتیجہ:۔لہٰذا یہ بھی کلمہ کفر و لزوم کفر ہے۔

8 کسی مدعی اسلام کا یہ کہنا کہ: ''**نماز کی پابندی نہ کرنا اتنا بڑا جرم نہیں ہے کہ بے نمازوں سے نفرت کی جائے۔**''

صغریٰ:۔اس میں لزوم کفر ہے کیوں کہ اِس سے نماز پر ایمان کے لازمہ یعنی اُس کی تعظیم کی ضد مفہوم ہو رہی ہے۔

کبریٰ:۔اور جو کلام بھی ایسا ہو وہ ہمیشہ لزوم کفر ہوتا ہے۔

نتیجہ:۔لہٰذا اس میں بھی لزوم کفر ہے۔

9 کسی مدعی اسلام کا یہ کہنا کہ: ''**غیب کی بات خدا جانے رسول کو کیا خبر۔**''

صغریٰ:۔لزوم کفر اِس لیے ہے کہ اِس سے ذوات قدسیہ انبیاء و مرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کے لیے لغوی مفہوم میں جس خاص علم غیب کا ثبوت ضروریات دینیہ کے قبیل سے ہے، اُس سے انکار مفہوم ہو رہا ہے۔

کبریٰ:۔اور ایسا ہر کلام لزوم کفر ہوتا ہے۔

Marfat.com

نتیجہ وشرعی حکم:۔لہٰذا یہ بھی لزوم کفر ہے۔

10 اسلام کے کسی دعویدار کا یہ کہنا کہ:''جب چاہے علم غیب دریافت کرے یہ کمال صرف خدا کے ساتھ خاص ہے کسی اور کے بس میں نہیں ہے۔''

صغریٰ:۔اِس میں لزوم کفر اِس لیے ہے کہ اِس سے اللہ تعالیٰ کے علم استمراری ودوامی کی نفی مفہوم ہورہی ہے۔

کبریٰ:۔اور جس کلام سے بھی اللہ تعالیٰ کے علم کا عدم استمرار اور عدم دوام مفہوم ہورہا ہو وہ کفر ہوتا ہے۔

نتیجہ:۔لہٰذا یہ بھی کفر ہے یعنی لزوم کفر۔

11 اسلام کے کسی دعویدار کا یہ کہنا کہ:''تمام مخلوق خدا کی شان آگے چوڑے وچمار سے زیادہ ذلیل ہے۔''

صغریٰ:۔لزوم کفر اِس لیے ہے کہ اِس سے ذوات قدسیہ انبیاء ومرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کی توہین مفہوم ہورہی ہے۔

کبریٰ:۔کیوں کہ تمام مخلوق میں وہ بھی شامل ہیں جبکہ اِن پاکیزہ نفوس کا عنداللہ معزز ومکرم ہونے کا عقیدہ ضروریات دین کے قبیلہ سے ہے۔جس پر ایمان کا لازمہ یہ ہے کہ اِس کے ساتھ تسلیم ورضا اور معظم جانتے ہوئے اِس کی ضد ونقیض سے نفرت کی جائے جبکہ یہاں پر اِن تینوں کی نفی مفہوم ہورہی ہے کیوں کہ توہین کے ساتھ اِن کا جمع ہونا ممکن ہی نہیں ہے۔اور جو کلام بھی ایسا ہو وہ لزوم کفر ہوتا ہے۔

نتیجہ:۔لہٰذا اِس میں بھی لزوم کفر ہے۔

علیٰ ہٰذا القیاس التزام کفر کی باقی تین قسموں سے بھی لزوم کفر کی شکلیں بنانا اِسی انداز کیساتھ ہوتا ہے۔

☆☆☆☆☆

Marfat.com

لزُومِ کفر اور التزامِ کفر کے مابین بنیادی فرق

التزامِ کفر میں اصل کلام آپ ہی کفر ہوتا ہے جس میں کفر ثابت کرنے کیلئے کسی خارجی دلیل و ملازمت کی ضرورت نہیں ہوتی جبکہ لزُومِ کفر میں اصل کلام خود کفر نہیں ہوتا بلکہ ''مفضیٔ اِلی الکُفر'' اور ''مُنتج بِالکُفرِ'' ہوتا ہے۔

نیز التزام کفر میں اصل کلام خود کفر اس لیے ہوتا ہے کہ اُس کی دلالت کفر پر صریح ہوتی ہے جس میں غیر کا احتمال اور تاویل کی گنجائش نہیں ہوتی جبکہ لزُومِ کفر میں کلام کی دلالت کفر پر صریح نہیں ہوتی جس وجہ سے کفر سے بچنے کا احتمال اور تاویل کی گنجائش موجود ہوتی ہے۔

نیز التزام کفر میں کفر پر کلام کی دلالت بلا واسطہ اور بدیہی ہوتی ہے جس میں استدلال کی ضرورت نہیں ہوتی جبکہ لزُومِ کفر میں دلالت بلا واسطہ ہوتی ہے نہ بدیہی نہ مستغنی عن الدلیل بلکہ کلام کے اندر موجود دیگر احتمالات کی طرح کفر بھی اُس سے فی الجملہ مفہوم ہوتا ہے۔

نیز التزام کفر میں ثبوت کفر قطعی و یقینی امر ہوتا ہے جبکہ لزُومِ کفر میں غیر یقینی بلکہ ظنی ہوتا ہے۔ یہ تمام ما بہ الامتیازات لزُومِ کفر اور التزام کفر کی مذکورہ مثالوں پر غور کرنے والوں سے پوشیدہ نہیں رہ سکتے ہیں۔ اور نہ سہی دارالافتاء کے ذمہ دار حضرات صرف اس بات کا خیال رکھیں کہ لزُومِ کفر میں کفر فی الجملہ مفہوم مِن الکلام ہوتا ہے جس کے ساتھ غیر کفر کا احتمال بھی موجود ہے یا کفر سے بچنے کے لیے جائز تاویل کی گنجائش موجود ہے جبکہ التزامِ کفر میں کفر کا فی الجملہ مفہوم مِن الکلام ہونے کے بجائے وہ واحد مفہوم کلام ہے، صریح مفہوم کلام ہے اور معلوم فی البدیہہ من الکلام ہے جس کے ساتھ غیر کفر کا نہ احتمال موجود ہے نہ تاویل کی گنجائش باقی ہے۔

Marfat.com

یقین سے کہا جاسکتا ہے کہ صرف اِس قدر توجہ سے ہی دارالافتاء کے ذمہ دار حضرات لزُومِ کفر کے مواقع پر التزامِ کفر کا فتویٰ صادر کر کے التباس الحق بالباطل کرنے کے جرم سے بچ سکتے ہیں۔

مفتیانِ اسلام کی توجہ کے لیے مزید وضاحت:۔ التزامِ کفر کی مذکورہ قسموں کی فہرست کو پیش نظر رکھتے ہوئے لزوم کفر کی ان مثالوں سے واضح ہوگیا کہ لزوم کفر کی کسی بھی صورت میں کفر کی متنوع قسمیں جمع ہوسکتی ہیں جبکہ ایک دوسرے سے ان کی تفریق کر کے دوسروں کو سمجھانا اور تسلی بخش فتویٰ صادر کر کے لزوم کفر کے مرتکب حضرات کو اس کے شرعی احکام پر عمل کے لیے آمادہ کرنے کی سہولت تفصیلی دلیل کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ مثال کے طور پر لزوم کفر کی مذکورہ مثالوں میں یہ کہنے والے کہ ''نماز کی پابندی نہ کرنا اتنا بڑا جرم نہیں ہے کہ بے نماز سے نفرت کی جائے'' کو انجانے میں کفر کی چار قسموں کے مرتکب ہونے پر اطمینان اس وقت تک نہیں ہوسکتا۔ جب تک دارالافتاء کے ذمہ دار حضرات ایک ایک پر تفصیلی دلیل پیش نہ کریں کہ تو نے ہوش مندی اور عقل وحواس کی سلامتی میں اپنے اختیار کے ساتھ یہ جو کلام کیا ہے تجھے پتہ ہی نہیں ہے کہ یہ چار وجوہ سے کفر کو مستلزم ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ یہ کلام نماز کے شرعی حکم پر ایمان کے لازمہ یعنی جذبہ عمل کے نقیض کو مستلزم ہے اِس لیے کہ نماز والے عمل کے ساتھ جس کے دل میں جذبہ موجود ہوگا وہ بے نماز سے نفرت کی نفی کبھی نہیں کرسکتا کیوں کہ بے نماز ہونے کی حیثیت سے اس سے نفرت کرنا ایمان کا لازمہ ہونے کے ساتھ جذبہ عمل کا نتیجہ اور اس کا معلول بھی ہے اور عدم نفرت کی موجودگی میں نفرت موجود نہیں ہوسکتی جبکہ نفرت کی عدم موجودگی اس کی علت یعنی جذبہ عمل کی عدم موجودگی کو مستلزم ہے کیوں کہ معلول کا وجود علت کے وجود کو اور معلول کا عدم علت کے عدم کو مستلزم ہونا عین مقتضاء فطرت ہے جیسے کہا جاتا ہے؛

Marfat.com

''کُلَّمَا کَانَ النَّھَارُ مَوْجُوْدًا کَانَتِ الشَّمْسُ طَالِعَةً لٰکِنَّ النَّھَارَ لَیْسَ بِمَوْجُوْدٍ فَلَیْسَتِ الشَّمْسُ بِطَالِعَةٍ''

الغرض بے نماز سے اس کے بے نماز ہونے کی حیثیت سے نفرت نہ کرنے والے شخص کا یہ کلام کہ ''نماز کی پابندی نہ کرنا اتنا بڑا جرم نہیں ہے کہ بے نماز سے نفرت کی جائے''۔

کلمہ کفر اور لزومِ کفر ہے کیوں کہ یہ ضرورت دینی پر ایمان لانے کے لازمہ یعنی جذبہ عمل کے نقیض کو مستلزم ہے۔

اور جو کلام بھی ایسا ہو وہ ہمیشہ کلمہ کفر ہوتا ہے۔

لہٰذا یہ بھی کلمہ کفر و لزوم کفر ہے۔

دوسرے کفر کے ثبوت کے لیے مذکورہ دلیل میں ہم نے جس واسطہ فی الاثبات کا ذکر کیا ہے یعنی اس کلام کا نماز کے شرعی حکم کی تعظیم کے نقیض کو مستلزم ہونا اس کی وضاحت کر کے لزوم کفر کے ارتکاب کرنے والے کو سمجھا کر لزوم کفر کے شرعی احکام پر عمل کرنے کی راہ میں اس کے لیے اطمینان کا سامان پیدا کرنا بھی دارالافتاء کی ذمہ داری ہے۔ یہی حال اس کلام کا تیسرے اور چوتھے کفر کو مستلزم ہونے کے واسطہ کا ہے کیوں کہ ان میں سے ہر ایک غیر صریح ہونیکی بناء پر محتاج وضاحت ہے۔ جب تک وضاحت نہیں ہوتی اس وقت تک دارالافتاء کی ذمہ داری پوری نہیں ہوتی۔ ''التزام کفر کو سمجھنے کے مقابلہ میں لزوم کفر کی حقیقت تک پہنچنا زیادہ مشکل ہے''۔

ہماری اِس تحقیق سے التزام کفر اور لزوم کفر کے مابین سہولت فہم اور عدم سہولت فہم کے حوالہ سے تقابل کا بھی پتہ چل گیا کہ التزام کفر کے مقابلہ میں لزوم کفر کی پہچان زیادہ مشکل ہے کیوں کہ التزام کفر میں کلام کا صرف ایک مفہوم ہوتا ہے۔ جس پر کلام کی دلالت بھی صریح ہوتی ہے اور بدیہی ہونے کی بناء پر ہر شخص قدرے توجہ کے بعد آسانی کے ساتھ کفر کی نوعیت کو پہچان سکتا ہے جبکہ لزوم کفر اس کے برعکس ہونے کی وجہ سے محل اجتہاد ہوتا ہے جس کے مطابق

Marfat.com

کلام کا مستلزم کفر ہونے کے لیے جو خارجی واسطہ ہوتا ہے اسے متعین کرنے میں مفتی کو مغالطہ بھی لگ سکتا ہے۔

نیز جب لزوم کفر میں کفر کی نوعیت کو پہچاننا آسان ہو اور خارجی واسطہ کے ماسوا کفر سے بچانے والا کوئی احتمال آسانی سے ذہن میں نہ آتا ہو تو التزام کفر کا بھی اشتباہ ہو سکتا ہے۔ لزوم کفر کے ایسے ہی مشکل محل اجتہاد جزئیات میں مغالطہ کھانے کے تجربات سے گزرنے کے بعد ہی مذہب حنفی کے مسلمہ مفتی اسلام نے تکفیری فتویٰ دینے سے اجتناب کو ضروری قرار دیتے ہوئے کہا؛

''اَلْزَمْتُ نَفْسِیْ اَنْ لَّا اُفْتِیَ بِشَیْ ءٍ مِنْهَا''(۱)

یعنی کسی بھی اختلافی مسئلہ میں فتاویٰ کفر صادر نہ کرنے کا میں نے التزام کیا ہے۔

اِس کے علاوہ کتب فتاویٰ میں جن باتوں کے کفریہ ہونے یا نہ ہونے کا جو اختلاف پایا جاتا ہے اس کا فلسفہ بھی یہی کچھ ہے کہ ایسے تمام کے تمام مسائل لزوم کفر کے قبیل سے ہیں التزام کفر کے ساتھ ان کا کوئی تعلق نہیں ہوتا کیوں کہ التزام کفر کی فہرست میں موجود مذکورہ قسموں میں سے کوئی ایک بھی ایسی نہیں ہے جو محل اختلاف یا محل اجتہاد بن سکے تو پھر فقہاء کرام کے مابین کفر اور عدم کفر ہونے کے حوالہ سے مختلف فیہ مسائل کو التزام کفر کے زمرہ میں شمار نے کا کیا جواز ہو سکتا ہے۔ حاشا وکلا ایسا ہونا ممکن ہی نہیں ہے بلکہ اس قسم کے تمام اختلافی کفر کا محل ومصرف لزوم کفر کے جزئیات ہی ہو سکتے ہیں کہ التزام کفر کے مقابلہ میں یہاں پر کفر کی نوعیت اور اس کے لزوم کی علت اور خارجی واسطہ کا محل اجتہاد ہونا عدم کفر کے لیے ایسے عوامل ہیں جن کی وجہ سے اختلاف پیدا ہو رہا ہے کہ جنہوں نے کفر کی علت اور خارجی واسطہ کو قوی جانا، متبادر الی الذہن سمجھا اور دوسرے احتمالات کے مقابلہ میں اسے ترجیح دی تو لزوم کفر کا فتویٰ دیا اور

(۱) فتاویٰ بحر الرائق، ج5، ص135، مطبوعہ مصر۔

Marfat.com

جنہوں نے اس کے برعکس روش اختیار کی اُنہوں نے عدم لزوم کفر کا فتویٰ صادر کیا۔ یہ کوئی اجنبی بات ہے نہ تعجب کی اِس لیے کہ جس جگہ میں بھی کلام کے محامل ومصارف ایک سے زیادہ ہوں وہیں پر ایسا ہی ہوتا ہے۔ پھر یہ بھی ہے کہ ایسے مسائل میں متضاد فتویٰ صادر کرنے والے مفتیان کرام قابل ملامت ہوتے ہیں نہ مستحق عذاب بلکہ مصیب ہونے کی صورت میں دو چند ثواب کے مستحق ہوتے ہیں۔ ایک حق کو پاکر اسے ظاہر کرنے کا اور دوسرا محل اجتہاد مسئلہ میں حق کو ظاہر کرنے کے لیے فکری کاوش انجام دینے کا جبکہ مخطی اور غیر مصیب ہونے کی صورت میں للہ فی اللہ فکری کاوش انجام دینے کا اجر ہی پاتے ہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا؛

"اِنَّ اللّٰہَ لَایُضِیۡعُ اَجۡرَ الۡمُحۡسِنِیۡنَ" (۱)

جس کا مفہوم یہ ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نیک کاروں کا اجر ضائع نہیں فرماتا۔

اہل علم سے مخفی نہیں ہے کہ لوگوں کو کفر سے بچانے، التزام کفر اور لزوم کفر کی تفریق بتانے اور "مَا بِہِ الۡاِسۡلَام وَ مَا بِہِ الۡکُفۡر" کی تمیز بتانے کے لیے للہ فی اللہ شبانہ روز فکری مجاہدہ کرنے والوں سے بڑے محسن اور کون ہو سکتے ہیں۔ درحقیقت دین اسلام کی بقاء وتحفظ ان ہی حضرات کے دم قدم سے وابستہ ہے، ان کا وجود مسعود نہ ہو تو اہل دنیا اور ان کی خواہش کے مطابق چلنے والے علماء سوء کے ہاتھوں جائز وناجائز کی تمیز رہے گی نہ اسلام اور کفر کی تفریق، چہ جائیکہ التزام کفر اور لزوم کفر سے بچانے والا کوئی ہو۔ حقیقی مفتیان اسلام کی اس اہمیت کی بنیاد پر حدیث شریف میں حقانی علماء کے قلم کی سیاہی کو شہداء اسلام کے خون کے برابر قابل احترام بتایا گیا ہے، ان کے وجود مسعود کو شعائر اللہ سمجھا گیا ہے، ان کی عزت واحترام کو جملہ مسلمانوں پر لازم قرار دے کر ان کی توہین کو کفر کہا گیا ہے۔

مناسب سمجھتا ہوں کہ علماء حق کے وجود مسعود کی تعظیم کے منافی حرکات کے حوالہ سے تشکیل

(۱) التوبہ، 120۔

Marfat.com

پائے والے لزوم کفر اور التزام کفر کی مثالوں کی طرف بھی اہل دانش کے ذہنوں کو متوجہ کروں۔

1 کسی مدعی اسلام شخص کا عالم دین سے متعلق محض اس کے دینی علم کی وجہ سے یہ کہنا کہ "وہ گمراہ ہے" یا اس کا مذاق اڑانا، استہزاء کرنا یا کسی بھی انداز میں اس کی توہین کرنا التزام کفر ہے۔ کیوں کہ عالم دین ہونے کی حیثیت سے اس کی عزت و تعظیم کرنے کا جو شرعی حکم ہے وہ ضروریاتِ دینی کے قبیل سے ہے کہ شروع سے لے کر اب تک بلا اختلاف جملہ اہل اسلام اس کو اسلام کا حصہ سمجھتے آئے ہیں اور اس کو اسلامی حکم ثابت کرنے کے لیے دلیل کی ضرورت محسوس نہیں کی جاتی جبکہ توہین کی یہ تمام شکلیں اس ضرورت دینی کی ضد ہیں اور ضدین میں سے ایک کا وجود آپ ہی دوسرے کی نفی پر صریح دلیل ہے جسکے بعد کسی اور دلیل کی ضرورت نہیں رہتی۔

حاشیتی افادہ:۔ علم کلام کی کتابوں میں جہاں پر کسی عالم دین کو عویلم کہہ کر پکارنے والوں کو جو کافر قرار دیا گیا ہے اس کا اصل فلسفہ بھی یہی کچھ ہے جو ہم نے پیش کیا۔ اس کے علاوہ جن کتابوں میں علماء کرام کے ساتھ عداوت رکھنے اور انہیں گالی دینے یا انہیں مارنے والوں کو جو کافر کہا گیا ہے اس کا پس منظر بھی اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ یہ سب کچھ کفر التزامی کی دوسری ﴿یا﴾ چوتھی قسم میں شمار ہوتے ہیں۔ اس فلسفہ پر شرح صدر حاصل کرنے کے لیے التزامی کفر کی مذکورہ قسموں پر مشتمل فہرست پر بار بار غور کرنیکی ضرورت دارالافتاء کے لیے ناگزیر ہے۔

2 اگر اس کے دینی علم سے قطع نظر یہ کہے کہ "عالم دین ہو کر اس نے کیا کمایا جبکہ اس کے ہم عمر دنیا کے مزے لوٹ رہے ہیں" تو یہ لزوم کفر ہے کیوں کہ اِس سے علم دین کی تعظیم کی ضد یعنی توہین مفہوم ہو رہی ہے۔ (صغریٰ)

اور ایسا ہر کلام کفر ہوتا ہے۔ (کبریٰ)

Marfat.com

لہٰذا اس میں بھی لزوم کفر ہے۔ (شرعی حکم ونتیجہ)

3 اور اگر کسی دنیوی بات میں ناراضگی وخفگان کی وجہ سے اس کی توہین کرتا ہے' مارتا ہے' گالی دیتا ہے، غیبت کرتا ہے یا بہتان لگاتا ہے تو التزام کفر ہوگا نہ لزوم کفران کے ماسوا جو کچھ بھی ہوگا اس کے مواقع ومحرکات اور فلسفہ وتوجیہات پر غور کرنے کے زاویے ہی جدا ہیں۔

خلاصۃ الکلام:۔ ورثۃ الانبیاء ہونے کی بنیاد پر الٰہیات کے علماء کرام کی عزت وتعظیم کو اللہ تعالیٰ نے اپنے خودکار نظام قدرت کے تحت ضروریات دین کے زمرہ میں رکھا ہوا ہے جس کے مطابق آغازِ اسلام سے لے کر اب تک تاریخ کے ہر دور میں کل مکاتب فکر اہل اسلام اسے اسلامی حکم سمجھتے آئے ہیں اور ہر ایک کو اس پر بدیہی علم حاصل ہے جس کے نتیجہ میں اس کی صراحتاً تکذیب کرنے والا یا اس کی ضد کا صراحتاً ارتکاب کرنے والا یا اس پر ایمان لانے کے کسی لازمہ کی ضد یا نقیض کا صراحتاً مرتکب ہونے والا شخص بالیقین ملتزم کفر قرار پاتا ہے جبکہ غیر صریح انداز سے اور خارجی واسطہ کی رو سے ان چیزوں تک پہنچنے والے پر لزومِ کفر ثابت ہو جاتا ہے۔

ہماری اِس تحقیق سے مسلم شریف کی اس مرفوع حدیث کا محمل بھی واضح ہو جاتا ہے جس میں اللہ کے حبیب رحمت عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے؛

''اِذَا اَکْفَرَ الرَّجُلُ اَخَاهُ فَقَدْ بَاءَ بِهَا اَحَدُهُمَا'' (۱)

ایک اشتباہ کا ازالہ:۔ اِس تحقیق کے ایام میں ایک اہل علم نے یہ اشتباہ پیش کیا کہ لزوم کفر کی مثالوں کی مذکورہ فہرست کی نویں قسم کے مذکورہ جزیہ کا کفر کی چار شکلوں کو مستلزم ہونے کی تشریح کرتے ہوئے ہم نے جو کہا ہے کہ معلول کا وجود علت کے وجود پر دلیل ہے اور معلول کا

---

(۱) مسلم شریف، ج 1، ص 57، کتاب الا یمان۔

Marfat.com

عدم علت کے عدم پر دلیل ہے۔ یہ تو درست ہے لیکن اس کی تمثیل وتشبیہ میں جو کہا ہے کہ ''کُلَّمَا کَانَ النَّھَارُ مَوْجُوْدًا کَانَتِ الشَّمْسُ طَالِعَۃً لٰکِنَّ النَّھَارَ لَیْسَ بِمَوْجُوْدٍ فَلَیْسَتِ الشَّمْسُ بِطَالِعَۃٍ '' یہ مثال غلط ہے کیوں کہ یہ قیاس استثنائی اتصالی ہے جسکے نتیجہ خیز ہونے کے لیے صرف دوصورتیں ہیں؛

ایک:۔ استثناء وضع مقدم منتج ہوتا ہے وضع تالی کا جیسے ''کُلَّمَا کَانَتِ الشَّمْسُ طَالِعَۃً کَانَ النَّھَارُ مَوْجُوْدًا '' میں وجود نہار کو بطور نتیجہ ثابت کرنے کے لیے کہا جاتا ہے ''لٰکِنَّ الشَّمْسَ طَالِعَۃٌ فَالنَّھَارُ مَوْجُوْدٌ ''۔

دوسرا:۔ استثناء رفع تالی منتج ہوتا ہے رفع مقدم کا جیسے اسی مثال میں عدم طلوع شمس کو بطور نتیجہ ثابت کرنے کے لیے کہا جاتا ہے '' لٰکِنَّ النَّھَارَ لَیْسَ بِمَوْجُوْدٍ فَلَیْسَتِ الشَّمْسُ بِطَالِعَۃٍ '' جبکہ اس تشبیہاتی مثال میں ''کُلَّمَا کَانَ النَّھَارُ مَوْجُوْدًا کَانَتِ الشَّمْسُ بِطَالِعَۃً لٰکِنَّ النَّھَارَ لَیْسَ بِمَوْجُوْدٍ فَلَیْسَتِ الشَّمْسُ بِطَالِعَۃٍ '' کہہ کر استثناء رفع مقدم سے رفع تالی کو نتیجہ بنایا گیا ہے۔ جو منطق کے مسلمہ اصول کے خلاف ہونے کی بناء پر نا معقول ہے۔

اِس کا جواب یہ ہے کہ اس تشبیہاتی مثال میں منطق کے مذکورہ اصول کی خلاف ورزی ہرگز نہیں ہے بلکہ یہ ''وُجُوْدُ الْمَعْلُوْلِ بِدُوْنِ عِلَّتِہٖ مُحَالٌ '' اور ''تَخَلُّفُ الْمَعْلُوْلِ عَنْ عِلَّتِہٖ مُحَالٌ '' کے دونوں بدیہیات کا منطقی نتیجہ ہے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ منطق کے تمام اُصول کلی ودائمی ہوتے ہیں جو تاریخ کے ہر دور میں ہر جگہ اور ہر وقت جاری ہوتے ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی بات میں ایک فیصد بھی تخلف ہو وہ منطق کا اصول نہیں ہوسکتا اگر چہ فی نفسہٖ درست ہو، واقعہ کے مطابق اور

Marfat.com

حقیقت ہو، لیکن منطق کا اُصول نہیں کہلائے گا۔ اسے منطق نہ کہنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ خلاف حقیقت ہے کیوں کہ واقعیت اور منطق کے مابین عموم وخصوص مطلق کی نسبت ہونے کی بناء پر منطق کا ہر مسئلہ واقعی ہوتا ہے جبکہ ہر واقعی مسئلہ کا منطق ہونا ضروری نہیں ہے۔ مثال کے طور پر کسی قیاس استثنائی اتصالی کے اندر مقدم وتالی کے مابین علت ومعلول کی نسبت ہو تو وہیں پر چاروں صورتیں منتج ہوتی ہیں:

❶ استثناء رفع مقدم منتج ہوتا ہے۔ رفع تالی کا جیسے ''اِنْ كَانَتِ الشُّمْسُ طَالِعَةً فَالنَّهارُ مَوْجُوْدُ لٰكِنَّ الشَّمْسَ غَيْرُ طَالِعَةٍ فَالنَّهارُ لَيْسَ بِمَوْجُوْدٍ''

❷ استثناء وضع تالی منتج ہوتا ہے وضع مقدم کا جیسے ''اِنْ كَانَتِ الشُّمْسُ طَالِعَةً فَالنَّهارُ مَوْجُوْدُ لٰكِنَّ النَّهارَ مَوْجُوْدُ فَالشَّمْسُ طَالِعَةٌ''۔

❸ استثناء وضع مقدم منتج ہوتا ہے وضع تالی کا جیسے ''اِنْ كَانَتِ الشُّمْسُ طَالِعَةً فَالنَّهارُ مَوْجُوْدُ لٰكِنَّ الشَّمْسَ طَالِعَةٌ فَالنَّهارُ مَوْجُوْدٌ''۔

❹ استثناء رفع تالی منتج ہوتا ہے رفع مقدم کا جیسے ''اِنْ كَانَتِ الشُّمْسُ طَالِعَةً فَالنَّهارُ مَوْجُوْدُ لٰكِنَّ النَّهارَ لَيْسَ بِمَوْجُوْدٍ فَالشَّمْسُ لَيْسَتْ بِطَالِعَةٍ''۔

ان چاروں استثنائی صورتوں کا نتیجہ خیز ہونا امر واقعی ہے اور نا قابل انکار حقیقت ہے کیوں کہ ان سب میں مقدم وتالی کے مابین علت ومعلول کی نسبت ہونے کا فطری تقاضا یہی ہے کہ ان میں سے ہر ایک کا وجود آپ ہی دوسرے کے وجود کی دلیل ہو جس کے بعد دوسرے کا وجود ثابت کرنے پر کوئی اور دلیل تلاش کرنے کی ضرورت نہیں ہے ورنہ ''يَسْتَحِيْلُ وُجُوْدُ الْمَعْلُوْلِ بِدُوْنِ عِلَّتِهٖ'' اور ''يَسْتَحِيْلُ تَخَلُّفُ الْمَعْلُوْلِ عَنْ عِلَّتِهٖ'' جیسے قضایا کے بدیہی ہونے کا کوئی مطلب ہی نہیں رہتا۔ اسی طرح ان میں سے ہر ایک کی نفی وعدم آپ ہی دوسرے کی نفی وعدم پر دلیل ہے جس کے بعد اس کی نفی وعدم پر کوئی اور دلیل تلاش کرنے کی

Marfat.com

ضرورت نہیں ہے ورنہ مذکورہ بدیہی قضایا بے ثمر و بے اثر ہو کر رہ جاتے ہیں جو خلاف عقل و ناممکن ہے۔ ہم نے لزوم کفر کی نویں مثال کے مذکورہ جز ئیہ کے حوالہ سے جو تشبیہاتی مثال قیاس استثنائی اتصالی کی شکل میں پیش کر کے استثناء رفع مقدم سے رفع تالی کا جو نتیجہ بتایا ہے وہ اسی اُصول کے مطابق ہے جو منطق نہ ہونے کے باوجود امر واقعی، مقتضاء فطرت اور نا قابل انکار حقیقت ہے۔ کیوں کہ ہر امر واقعی کا منطق ہونا ضروری نہیں ہے جبکہ ہر منطقی مسئلہ کا امر واقعی ہونا ضروری ہے۔

☆☆☆☆☆

Marfat.com

قیاس استثنائی اتصالی کا نتیجہ خیز ہونے کے لیے استثناء رفع تالی کا رفع مقدم کے منتج ہونے اور استثناء وضع مقدم کا وضع تالی کا منتج ہونے کا فلسفہ

لزومِ کفر کی نویں قسم کی مثال کو واضح کرنے کے لیے ہم نے جو تشبیہاتی مثال پیش کی ہے اس کو منطق کی کتابوں میں مذکور اس اصول کے خلاف سمجھ کر اشتباہ میں پڑنے کی اصل وجہ اور منشاء غلطی یہ ہے کہ اشتباہ کرنے والے نے قیاس استثنائی اتصالی کا نتیجہ خیز ہونے کے لیے ان دو صورتوں کا اُصولِ منطق مقرر ہونے کے فلسفہ کو نہیں سمجھا ورنہ اس اشتباہ میں کبھی نہ پڑتا۔ اس قسم حضرات کو مزید اشتباہ سے بچانے کے لیے ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ منطق کے مذکورہ اصول کا فلسفہ بتا دیں۔ وہ یہ ہے کہ قیاس استثنائی کے ہر دونوں جزو یعنی مقدم و تالی اپنے آپس لازم وملزوم ہوتے ہیں یعنی مقدم تالی کو مستلزم وملزوم ہوتا ہے جبکہ تالی اس کو لازم ہوتا ہے۔ اہل علم پر مخفی نہیں ہے کہ لازم ہمیشہ اپنے ملزوم کے ساتھ مساوی فی المصداق یا مساوی فی الوجود نہیں ہوتا بلکہ کبھی اس سے عام بھی ہوتا ہے اور یہ بھی مسلمہ حقیقت ہے کہ عام کا وجود خاص کے وجود کے بغیر بھی پایا جاتا ہے۔ جیسے حیوان کا وجود انسان کے بغیر کسی اور جاندار کی صورت میں بھی ہو سکتا ہے جبکہ خاص کا وجود ہمیشہ عام کے وجود کو مستلزم ہے یعنی عام کے بغیر خاص کا وجود ممکن نہیں ہے جیسے انسان کی موجودگی اس کے اندر موجود حیوان کی موجودگی کے بغیر ناممکن ہے اسی طرح یہ بھی ناقابل انکار حقیقت ہے کہ عام کی نفی خاص کی نفی کو مستلزم ہے یعنی جہاں پر عام کی نفی ہو وہیں پر ہمیشہ خاص کی بھی نفی ہوتی ہے یعنی عام کی نفی خاص کی نفی پر صریح دلیل ہے جس

Marfat.com

کے بعد کوئی اور دلیل تلاش کرنے کی ضرورت نہیں ہے ان مسلمات کو سمجھنے کے بعد قیاس استثنائی اتصالی کے نتیجہ دینے کے لیے مذکورہ دوصورتوں کو اُصول مقرر کرنے کا فلسفہ آپ ہی واضح ہوجاتا ہے کہ مذکورہ چارصورتوں میں سے پہلی دوصورتیں ہمیشہ درست نہیں ہوتیں، کلی اور دائمی نہیں ہوتی جو ہر جگہ جاری وساری ہوسکے جس وجہ سے ان کو قیاس استثنائی اتصالی کے نتیجہ کے لیے منطقی اصول مقرر کرنے کا جواز ہی پیدا نہیں ہوتا کیوں کہ منطق کا ہر اصول کلی و دائمی ہوتا ہے۔ جبکہ آخری دونوں صورتیں کلی اور دائمی ہونے کی بناء پر منطقی اُصول قرار پانے کے لائق تھی اس لیے ان ہی کو قیاس استثنائی اتصالی کے نتیجہ کے لیے اُصول مقرر کیا گیا ہے لیکن اس کا یہ مقصد ہرگز نہیں ہے کہ ان دوصورتوں کے سوا قیاس استثنائی اتصالی کے نتیجہ کے لیے کوئی اور صورت ہی نہیں ہے یا یہ کہ جو منطقی اصول کے ماتحت نہیں ہے وہ مفید مقصد اور مطابق واقعہ وصادق بھی نہیں ہے۔ (حاشاوکلا) منطق کے کسی بھی اُصول میں ایسا تصور نہیں ہے پیش نظر مسئلہ کو ہی لے لیجیے جسکے مطابق قیاس استثنائی اتصالی کی ان دونوں منطقی اُصولوں کے علاوہ پہلی دوصورتیں بھی مندرجہ ذیل حالات میں منتج ہوتی ہیں۔

(1) مقدم وتالی کے مابین لازم الماہیت ہونے کی نسبت ہو، مثلاً ''کُلَّمَا کَانَ هٰذَا الاِنْسَانُ مُؤمِنًا کَانَ صَحِیْحَ الْعَقِیْدَةِ''

1:۔ ''لٰكِنَّهُ لَيْسَ بِمُؤمِنٍ فَهُوَ لَيْسَ بِصَحِيْحِ الْعَقِيْدَةِ''

2:۔ ''لٰكِنَّهُ صَحِيْحَ الْعَقِيْدَةِ فَهُوَ مُؤمِنٌ''

(2) مقدم وتالی کے مابین مترادفین ہونے کی نسبت ہو، مثلاً ''كُلَّمَا كَانَ هٰذَا الْحَيْوَانُ اَسَدًا فَهُوَ لَيْثٌ''

1:۔ ''لٰكِنَّهُ لَيْسَ بِاَسَدٍ فَهُوَ لَيْسَ بَلَيْثٍ''

2:۔ ''لٰكِنَّهُ لَيْثٌ فَهُوَ اَسَدٌ''

(3) مقدم وتالی کے مابین علت ومعلول ہونے کی نسبت ہو، مثلاً ''كُلَّمَا كَانَتِ الشَّمْسُ

Marfat.com

طَالِعَۃً کَانَ النَّھَارُ مَوْجُوْدًا''

1:۔ ''لٰکِنَّ الشَّمْسَ لَیْسَتْ بِطَالِعَۃٍ فَلَیْسَ النَّھَارُ مَوْجُوْدًا''

2:۔ ''لٰکِنَّ النَّھَارَ مَوْجُوْدٌ فَالشَّمْسُ طَالِعَۃٌ''

(۲) مقدم وتالی کے مابین کسی علت کے ماتحت یکساں معلول ہونیکی نسبت ہو، مثلاً ''کُلَّمَا کَانَ النَّھَارُ مَوْجُوْدًا کَانَتِ الْفَضَآءُ مُضِیْئَۃً''

1:۔ ''لٰکِنَّ النَّھَارَ لَیْسَ بِمَوْجُوْدٍ فَلَیْسَتِ الْفَضَآءُ بِمُضِیْئَۃٍ''

2:۔ ''لٰکِنَّ الْفَضَآءَ مُضِیْئَۃٌ فَالنَّھَارُ مُوْجُوْدٌ''

اہل علم پر مخفی نہیں ہے کہ ان سب جزئیات میں استثناء رفع مقدم کا رفع تالی کو منتج ہونا اور استثناء وضع تالی کا وضع مقدم کو منتج ہونا ایسا ہی یقینی امر ہے۔ جیسے منطقی اصول کے مطابق استثناء وضع مقدم کا وضع تالی کو منتج ہونا اور استثناء رفع تالی کا رفع مقدم کو منتج ہونا امر یقینی ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ منطقی اُصول کے مطابق نتیجہ دینے والی یہ دونوں صورتیں بلا تخصیص واستثناء ہر جگہ میں سو فیصد نتیجہ خیز ہوتی ہیں جبکہ استثناء رفع مقدم کا رفع تالی کو منتج ہونا اور استثناء وضع تالی کا وضع مقدم کو منتج ہونا صرف اس قسم معدودی چند صورتوں میں ہوتا ہے اسی طرح منطق کے ہر اُصول کا کوئی فلسفہ ضرور ہوتا ہے جس کو سمجھے بغیر اشتباہ پیدا ہوسکتا ہے۔ لیکن ہمیں افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ آج کل ہمارے درس نظامی کے مدارس سے فارغ التحصیل ہونے والے حضرات کی غالب اکثریت اُصول منطق سے ہی ناآشنا ہوتی جارہی ہے۔ چہ جائیکہ اس کے پس منظر و فلسفہ کو سمجھ سکے۔ جس اشتباہ کا جواب یہاں پر میں نے پیش کیا اس کے وارد کرنے والے بھی ہمارے معاصر علماء کرام کی صف میں بڑے منطقی و فلسفی مشہور ہیں جب درس نظامی کے مدارس کے ساتھ مربوط اتنے بڑے حضرات کا یہ حال ہے تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ کم درجہ کے مفیدین و مستفیدین کا کیا عالم ہوگا؟ الٰہیات کے حوالہ سے علمی زوال کے اس المیہ کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ ہمارے دینی مدارس کی کامیابی کا معیار طلباء کے حوالہ سے کثرت رؤس کو سمجھا جاتا

Marfat.com

ہے اور مدارس چلانے والے حضرات طلباء کی حقیقی تعلیم وتربیت کو پیش نظر رکھنے کی بجائے عددی اکثریت دکھانے کی مسابقت میں مبتلا ہیں شاید اس المیہ کی شروعات کو دیکھ کر علامہ اقبال مرحوم نے کہا تھا کہ ؎ ''رہ گیا فلسفہ تلقین غزالی نہ رہی''

اہل علم جانتے ہیں کہ مویدمن عند اللہ نفوس قدسیہ کے ماسواوہ حضرات جوالٰہیات کے ساتھ مربوط ہوتے ہیں بطور علم آلی منطق کو سمجھے بغیر فقہ کو سمجھ سکتے ہیں نہ اُصولِ فقہ کو، علم کلام کو سمجھ سکتے ہیں، نہ لزومِ والتزامِ کفر کے مابین تمیز کو یہ کوئی ایسا مسئلہ نہیں ہے جو درس نظامی پڑھنے اور پڑھانے والے حضرات سے پوشیدہ ہو بلکہ درسی کتابوں میں بھی لکھا ہوا موجود ہے جس کی اہمیت کا احساس کرتے ہوئے سلف صالحین نے منطق کے ناگزیر مسائل کو فقہ اور کلام سے مقدم رکھا ہے۔ جیسے حضرت ابن ہمام نے فتاویٰ فتح القدیر اور تحریر الاصول کے مندرجات کی سمجھ میں آسانی کے لیے مقصودی مسائل کو بیان کرنے سے پہلے منطق کے ان مسائل کو بیان کیا ہے جن پر ان دونوں کی فہم موقوف ہے۔ مسلم الثبوت والے نے بھی فقہ اور اس کے اُصول کو سمجھنے کے لیے ان مسائل کو ناگزیر قرار دیتے ہوئے کہا ہے؛

''لزوم کفر اور التزام کفر خالص علم کلام سے متعلق ہونے کی بناء پر بغیر منطق کے ان کی حقیقتوں کو جاننا متوسط ذہنوں کے لیے ممکن ہی نہیں ہوسکتا''۔

علم الکلام عند المتاخرین کے مندرجات کو بغیر منطق کے سمجھنے کی اُمید کرنا ''بیل سے دودھ ملنے کی'' اُمید کرنے سے مختلف نہیں ہے۔ شرح عقائد کی ابتداء میں ہی کہا گیا ہے؛

''حَتّٰی کَادَ لَا یَتَمَیَّزُ عَنِ الْفَلْسَفَةِ لَوْلَا اشْتِمَالُهٗ عَلَی السَّمْعِیَّاتِ''

یعنی علم کلام کے مسائل اگر سمعیات پر مشتمل نہ ہو تو منطق سے ان کو جدا سمجھنا ہی مشکل ہو۔

خیالی علی شرح العقائد نے اسلامی عقائد کی سمجھ کیلئے منطق کو ناگزیر قرار دیتے ہوئے لکھا ہے؛

''اِنَّ مَبَاحِثَ النَّظَرِ وَالدَّلِیْلِ جُزْءٌ مِنْهُ عَلٰی مَاهُوَ الْمُخْتَارُ''

جس کا مفہوم یہ ہے کہ متاخرین متکلمین کی روش وپسند کے مطابق منطق کے مباحث کلام

Marfat.com

کے جزو ہیں۔

الخیالی علی شرح العقائد' صفحہ ۹ جس کی تشریح کرتے ہوئے عبدالحکیم سیالکوٹی نے لکھا ہے:

''لِاَنَّ مَبَاحِثَ النَّظَرِ جُزْءٌ مِّنْهُ عَلٰی مَااخْتَارَهُ الْمُتَاخِّرُوْنَ فَیَکُوْنُ اَسَاسَ الْعَقَائِدِ''(۱)

جس کا مفہوم یہ ہے اسلامی عقائد کو سمجھنے کے لیے منطق کی اہمیت اِس لیے ہے کہ منطق کے مسائل متاخرین متکلمین کی روش کے مطابق اس کے جزو ہیں تو یہ لازماً عقائد اسلامیہ کی تفصیلی دلائل کی بھی بنیاد ہوگا۔

اِسلامی عقائد کو سمجھنے کے لیے منطق کی اہمیت سے متعلق اسلاف کی یہ تصریحات قوت فکری کے غیر ترقی یافتہ دور تاریخ کی بات ہے جبکہ سائنسی دور کے موجودہ حریت فکر میں اسلامی عقائد کی حقیقی فہم اُس دور تاریخ کے مقابلہ میں زیادہ محتاج منطق ہے۔ 200ھ تا 1200ھ کے ہزار سالوں کے دورانیہ میں ان حضرات نے معتزلہ، قدریہ، نواصب وخوارج جیسے معدودی چند گمراہوں کی فریب کاریوں سے اسلامی عقائد کو بچانے کے لیے منطق کو ناگزیر جانا تھا جبکہ موجودہ دور ترقی میں اسلامی عقائد کے خلاف شکوک وشبہات پیدا کرنے والوں کی شرح پیدا وار میں روز افزوں ترقی در ترقی ہوتی جارہی ہے ایسے میں منطق سے بے اعتنائی کا جو انجام ہوسکتا ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہ ہونا چاہئے۔ لزومِ کفر اور التزامِ کفر علم کلام کے باریک مسائل کے زمرہ میں ہونے کی وجہ سے بغیر منطق ان کو سمجھنا عام علماء کے لیے ایسا ہی ناممکن ہے۔ جیسے ''بیل سے دودھ حاصل کرنا''۔

☆☆☆☆☆

---

(۱) عبدالحکیم سیالکوٹی علی الخیالی مع جامع التقاریر، ص 73، مطبوعہ بیروت۔

Marfat.com

لزومِ کفر اور التزامِ کفر کی کچھ اور مثالیں

1. کسی مدعی اسلام کا یہ کہنا کہ: ''بالفرض اگر کوئی ملک مقرب یا رسول معظم ﷺ علم غیب ذاتی کو جانے تو اللہ تعالیٰ کی توحید علمی میں کوئی فرق نہیں آئے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی عالمیت بالغیب بالذات ہے جبکہ ان ذوات قدسیہ کی عالمیت بالغیب بالعرض ہے یعنی ان ہستیوں کا علم غیب ذاتی کو جاننا کسی واسطہ کی وجہ سے ہے۔''

لہٰذا اس قضیہ مفروضہ کے مطابق ان مقدس ہستیوں کا علم غیب ذاتی کو جاننا ایسا ہی حقیقت ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کا علم غیب ذاتی کو جاننا حقیقت ہے۔ دنیائے محسوسات میں اس کی ایسی مثال ہے، جیسے تالا کو کھولتے وقت چابی کو حرکت دینے والے ہاتھ پر بھی اور چابی پر بھی حرکت کا حمل درست ہوتا ہے۔ جس کے مطابق ''اَلْمِفْتَاحُ مُتَحَرِّکٌ'' اور ''اَلْیَدُ مُتَحَرِّکَۃٌ'' کے دونوں جملوں میں حمل کی نوعیت یکساں ہے، دونوں حقیقت ہیں اور دونوں کا حرکت کے ساتھ متصف ہونا امر واقعی ہے اگر کچھ فرق ہے تو وہ صرف بالذات اور بالواسطہ کا ہے جو حمل اور اتصاف کی راہ میں رکاوٹ نہیں ہے۔ جیسے واسطہ فی العروض غیر سفیر محض کے تمام جزئیات میں ہوتا ہے۔

انصاف یہ ہے کہ قائل کا یہ کلام التزامِ کفر کی دوسری قسم ہونے کے سوا اور کچھ نہیں ہے جس کے مطابق غیر اللہ کے لیے علم غیب ذاتی جاننے کو اللہ تعالیٰ کی توحید علمی کے منافی نہ کہہ کر ضرورتِ دینی کے نقیض کا صراحتاً ارتکاب کیا گیا ہے کیوں کہ غیر اللہ کا علم غیب ذاتی کو جاننا توحید علمی کے منافی ہونے کا جو اسلامی عقیدہ ہے وہ اپنی جگہ ضرورت دینی ہے کہ اہل اسلام کے دیندار طبقہ کا خاص و عام تاریخ کے ہر دور میں اس کو اسلام کا حصہ سمجھتا آیا ہے اور مسلم معاشرہ میں اس کا اسلامی اعتقادیات کا حصہ ہونا اتنا مشہور ہے کہ اس پر دلیل دینے کی ضرورت محسوس نہیں کی

Marfat.com

جاتی۔ جبکہ اس قول میں توحید علمی میں کچھ فرق نہیں آئے گا کہنا اس کی صریح نقیض ہے اور نقیضین میں سے ایک کا ارتکاب آپ ہی دوسرے کی نفی ہے جس کے بعد کوئی اور دلیل تلاش کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کے جواز کے لیے اتصاف بوصف العالمیت بالذات و بالعرض کی مذکورہ تاویل کا سہارا لینا اور واسطہ فی العروض غیر سفیر محض کی مثال دینا الٰہیات کو مادیات پر قیاس کرنے کی بے محل جسارت کے سوا اور کچھ نہیں ہے کیوں کہ علم غیب ذاتی اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہونا الٰہیات کا مسئلہ ہے مادیات کا نہیں اور غیر اللہ کا اس کے ساتھ متصف ہونا ضرورت دینی کے منافی ہونے کی وجہ سے عقیدہ کا مسئلہ ہے جو معنوی اور غیر محسوس چیز ہے جبکہ واسطہ فی العروض کی مذکورہ مثال محسوسات کے قبیلہ سے ہے لہٰذا توحید فی العلم کے منافی اس صریح التزامِ کفر کو اسلام کا حصہ ثابت کرنے کے لیے یہ جو کچھ کہا گیا ہے بے محل اجتہاد اور وسوسہ شیطان کے سوا اور کچھ نہیں ہے جس سے سطحی ذہنوں کا شکوک وشبہات میں مبتلا ہونا تو ان کی مجبوری ہے جبکہ اسلام شناس حضرات اس کو مجنون کی بڑ سے مختلف نہیں سمجھتے ہیں۔

شیطانی وسوسہ پر دوسرا رد:۔ اِس شیطانی وسوسہ پر دوسرا رد یہ ہے کہ اس کے مطابق الوہیت کی بھی تقسیم لازم آتی ہے۔ مثلاً کوئی شخص شان الوہیت کی عظمت و بے مثلیت کا اظہار کرنے کی غرض سے یہ کہہ دے کہ اگر بالفرض اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی دوسرا شخص بھی وصف الوہیت کے ساتھ متصف ہو جائے تو پھر بھی اللہ تعالیٰ کی توحید فی الذات میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا اس وصف کیساتھ متصف ہونا بالذات ہے جبکہ دوسرے کا اتصاف بالعرض ہے جب اتصاف بوصف الالوہیت میں یکسانیت نہیں ہے تو پھر توحید فی الذات میں فرق کیوں آئے؟

اِسی طرح ماوراء العقل والحواس باتوں کو محسوسات پر قیاس کرنیکی غلطی میں مبتلا کوئی پیر پرست گمراہ شخص یہ کہہ دے کہ ''اگر بالفرض میرے پیر و مرشد کو ازلی وابدی کہا جائے تو پھر بھی اللہ تعالیٰ کا واحد فی الازل والابد ہونے میں کوئی فرق نہیں آئے گا کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی ازلیت ابدیت بالذات ہے جبکہ اس کی بالعرض ہے''۔ تو اس قسم جملہ دجل کاریوں کے جواب میں یہی

Marfat.com

کہا جاتا ہے کہ اس میں ضروریاتِ دینیہ کو عقل کے تابع بنانے کی کوشش کی گئی ہے جو خلاف فطرت ہے، غیر محسوس کو محسوس پر قیاس کیا گیا ہے جو جہل ہے اور بے محل اجتہاد کیا گیا ہے جو ظلم وتعدی ہے یہ اس لیے ہے کہ ضروریات دینیہ چاہے علم غیب ذاتی کا اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہونے کا عقیدہ ہو یا ازلیت وابدیت کو اللہ تعالیٰ کا خاصہ جاننے کا عقیدہ ہو، اللہ وحدہ لاشریک کو وصف الوہیت میں تنہا، یکتا ومنفرد سمجھنے کا عقیدہ ہو ﴿یا﴾ رسول معظم خاتمی مرتبت ﷺ کو خاتم النبیین بمعنی نبی آخر الزمان جاننے کا عقیدہ ہو ﴿یا﴾ کوئی اور ایسا عقیدہ وحکم ہو جس کا حصہ اسلام ہونا تاریخ کے ہر دور میں جملہ اہل قبلہ کے مابین ایسا مسلمہ ومشہور ہو کہ اس کو اسلامی حکم ثابت کرنے کے لیے دلیل تلاش کرنیکی ضرورت محسوس نہ کی جاتی ہو تو اس کی ضد یا نقیض کا عقیدہ رکھنے والا یا انجانے میں اس کی ضد یا نقیض کا ارتکاب کرنے والا ملتزم کفر ہو جاتا ہے۔ جس میں اہل قبلہ میں سے کسی ایک فرقہ کا بھی اختلاف نہیں ہے۔ ہاں البتہ غیر ارادی طور پر محض سبقت لسانی سے ایسا ہو جائے یا جبر واکراہ کی صورت ہو تو اس میں لزوم کفر بھی نہیں ہے چہ جائیکہ التزام کفر ہو۔ اس کا موضوع سخن کے ساتھ کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔ ان استثنائی صورتوں کے سوا جہاں پر بھی اور جس اختیاری کلام میں بھی کسی ضرورت دینی کی نقیض یا ضد کا ارتکاب ہو اس کا صریح کفر ہونا۔ التزام کفر اور نا قابل تاویل کفر بواح ہونا جملہ اہل اسلام کے مابین متفقہ ہے جس میں اتصاف بالذات وبالعرض کی تاویل کرنا بجائے خود بدعت وگمراہی ہے اور عقل و حواس سے ماوراء اور غیر مادی باتوں کو مادیات ومحسوسات پر قیاس کرنیکی ناکام جسارت ہے۔

قضیہ مفروضہ کے مغالطہ کا ازالہ:۔ اِس قسم صریح التزامِ کفر میں مبتلا لوگوں کو مرتد کے شرعی احکام کے اجراء سے بچانے کے لیے کچھ حضرات قضیہ مفروضہ کا بہانہ کر کے نیم خواندہ لوگوں کو مغالطہ دیتے ہیں جو مغالطہ برائے مغالطہ کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ اِس لیے مناسب سمجھتا ہوں کہ اس کا بھی ازالہ کروں مغالطہ دینے والے حضرات کا کہنا یہ ہے کہ ''اس قسم عبارات میں بالفرض کا لفظ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ جس جملہ پر یہ داخل ہوا ہے وہ امر واقع اور متکلم کے عقیدہ کے مطابق نہیں بلکہ قضیہ مفروضہ ہے جس میں ایک ناممکن بات کو

Marfat.com

بالفرض والمحال مفروضہ بنایا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بھی قرآن شریف میں ''لَوْ کَانَ فِيْهِمَا اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا '' فرما کر اسلامی عقیدہ کے خلاف شرکاء الوہیت کی موجودگی کو بالفرض والتقدیر ذکر فرمایا ہے۔ لہٰذا پیش نظر عبارات بھی قضیہ مفروضہ کے قبیل سے ہونے کی بنیاد پر التزام کفر سے ماوراء ہیں۔ جبکہ قضیہ مفروضہ پر مشتمل ان عبارات وکتب کے مصنف بھی اہل علم، مرشد الناس، حقائق شناس اور الٰہیات کے ماہر تھے پھر یہ بھی ہے کہ ان حضرات نے یہ جو کچھ بھی کہا ہے، لکھا ہے اور دنیا کے سامنے پیش کیا ہے اس میں انکا مقصد اللہ کی اور اللہ کے رسول ﷺ کی عظمت شان کا اظہار کرنا ہے۔ ایسے میں ایک قضیہ مفروضہ کی بناء پر اتنے بڑے حضرات کو ملتزم کفر کہہ کر ارتداد کے احکام ان پر جاری کرنیکا فتویٰ صادر کرنا انصاف کے منافی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ مغالطہ برائے مغالطہ کے سوا اور کچھ نہیں ہے جس سے نیم خواندہ حضرات کا متاثر ہونا تو ان کی مجبوری ہے جبکہ قضیہ مفروضہ اور قضیہ حقیقیہ کی ماہیتوں کو جاننے والے حضرات اسے مجنون کی بڑ سے مختلف نہیں سمجھتے۔ صریح التزامِ کفر کی ان جزئیات کو جائز ثابت کرنے کے لیے مشہور کیا جانے والا یہ مغالطہ قضیہ مفروضہ کی حقیقت سے ناآشنائی کا نتیجہ ہے۔ حقیقت میں قضیہ مفروضہ کوئی مستقل قضیہ نہیں ہے کہ اس کی جامع و مانع تعریف کہیں لکھی ہوئی موجود ہوتی جیسے قضیہ حملیہ اور اس کے جملہ اقسام اسی طرح قضیہ شرطیہ اور اس کے جملہ اقسام بمع مالہ وما علیہ فلسفہ کے حصہ منطق میں لکھے ہوئے موجود ہیں اور سب کو معلوم ہیں اگر قضیہ مفروضہ بھی کوئی مستقل قضیہ ہوتا تو بالیقین منطق کے مباحث قضایا میں دوسرے قضایا کی طرح اس کا تعارف بھی کیا گیا ہوتا۔ لیکن مختلف انواع علوم میں اس کا وجود اس طرح سے پایا جاتا ہے کہ کسی جائز مدعا کو ثابت کرنے کے لیے کسی ایسی چیز کو موضوع مقدم فرض کیا جاتا ہے جو مقصود متکلم تو نہیں ہے لیکن نسبت محمول کے حامل ہونے کے بعد متکلم کے مدعا کو مستلزم ہوتی ہے اس کا ناممکن ومحال ہونا کوئی ضروری نہیں ہے بلکہ کبھی ناممکن ومحال ہوتی ہے۔ اور کبھی ممکن بھی ہوتی ہے فرق صرف اتنا ہے کہ محال ہونیکی صورت میں کبھی ناممکن کو مستلزم ہوتی ہے، کبھی

Marfat.com

ممکن کو جبکہ ممکن ہونے کی صورت میں ہمیشہ ممکن کو ہی مستلزم ہوتی ہے، ناممکن کو کبھی نہیں۔ گویا قضیہ مفروضہ درحقیقت قضیہ شرطیہ متصلہ کی ایک مفروضی شکل ہے جس کو بسا اوقات قیاس جدلی یا خطابی کیلئے استعمال کیا جاتا ہے جس میں شرطیہ کے اندر موجود نسبتین میں سے اول یعنی مقدم والی نسبت مقصود متکلم نہیں ہوتی بلکہ ایک جائز مدعا کو ثابت کرنے کے لیے اسے مفروض الوجود فی الذہن تصور کر کے مخاطب کو قائل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ نیز قضیہ شرطیہ متصلہ سے قیاس استثنائی اتصالی بنانے کی صورت میں جو صورتیں فطری طور پر منتج ہوتی ہیں یعنی استثناء رفع تالی کا رفع مقدم پر منتج ہونا اور استثناء وضع مقدم کا وضع تالی پر منتج ہونا یہ بھی قضیہ مفروضہ کی شکل میں بالیقین اور 100% درست نہیں ہوتی جس وجہ سے اس کو منطق کا مسئلہ بھی نہیں کہا جا سکتا کیونکہ مسائل منطقیہ ہمیشہ کلی اور دائمی اور یقینی ہوتے ہیں جو ہر جگہ، ہر وقت اور بالیقین بلاتغیر وتبدیل جاری ہو سکے۔ یہ اس معیار کا قضیہ نہ ہونے کی وجہ سے نہ منطق کا مسئلہ ہے نہ مناطقہ اس سے بحث کرتے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ دوسرے علوم میں کچھ باتوں کا ضمناً تذکرہ ہونیکی طرح منطق کی کچھ کتابوں میں بھی اس کی کچھ شکلیں ضمناً مذکور ہوئی ہیں۔ جیسے قاضی مبارک علی السلم میں ہے:

''لَوْ کَانَ اعْتِبَارِیاً لَمْ یَتَحَقَّقْ عِنْدَ انْقِطَاعِ الْاِعْتِبَارِ''(۱)

جو حضرات قضیہ مفروضہ کو منطقی مسئلہ سمجھنے کی غلطی میں مبتلا ہیں انہیں اس حقیقت پر غور کرنا چاہئے۔ جس میں اچھے خاصے علماء کرام کو بھی ہم نے مبتلا دیکھا ہے۔ نیز قضیہ مفروضہ اپنے اس مفہوم وحقیقت کے ساتھ جیسے منطق کی کتابوں میں ضمناً مذکور ہوا ہے ویسے ہی دوسرے علوم وکتب میں بھی مذکور ہوا ہے۔ جیسے شرح عقائد میں ہے کہ؛

''لَوْ اَمْکَنَ اِلٰهَانِ لَامْکَنَ بَیْنَهُمَا التَّمَانُعُ''

(۱) قاضی مبارک مع حاشیہ حافظ دراز، ص235۔

Marfat.com

اسی طرح نبراس میں ہے کہ

''لَوْوُجِدَ وَاجِبَانِ لَاشْتَرَ کَافِی الْوُجُوْبِ وَتَمَا یَزَا بِغَیْرِہٖ''(۱)

بلکہ قرآن شریف کے اندر بھی اس کی متعدد مثالیں موجود ہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا؛

''لَوْ کَانَ فِیْهِمَا اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا''(۲)

جس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر بالفرض زمین وآسمان میں اللہ تعالیٰ کے سوا الٰہ ہوتے تو بالیقین ان کا یہ نظام درہم برہم ہو جاتا۔

اہل علم جانتے ہیں کہ زمین وآسمان میں اللہ وحدہ لاشریک کے سوا اور الہٰہ کا موجود ہونا فی نفسہ ناممکن ومحال ہے۔ جس کو اس آیت کریمہ میں موجود فرض کر کے اس کے لازمہ کو جو فی نفسہ ممکن ہے انسانی فہم کے مطابق ذکر کر کے توحید کی فہمائش کی گئی ہے۔ جس میں اصل قضیہ مفروضہ زمین وآسمان میں اللہ کے سوا آلہہ کا موجود ہونا ہے۔ جس کو محض وجود ذہنی کے درجہ میں موجود فرض کرنے سے مقصد یہاں پر توحید کی فہمائش کرنے کے سوا اور کچھ نہیں ہے جس کو لسان قرآنی کے ماسوا دوسری زبانوں کے متوسط ذہن کے لوگوں کی سہولت فہم کے لیے قیاس استثنائی اتصالی کی شکل میں یوں سمجھا جا سکتا ہے کہ ''لَوْ کَانَ فِیْهِمَا اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا'' ''لٰکِنَّهُمَا لَمْ تَفْسُدَا حَتّٰی الْاٰنَ کَمَا تَرَوْنَ فَلَمْ یَکُنْ فِیْهِمَا اٰلِهَةٌ'' یہ اِس لیے کہ کسی بھی چیز کے لازمہ کی نفی آپ ہی ملزوم کی نفی ہوتی ہے جس کے بعد ملزوم کی نفی کی فہمائش کے لیے کوئی اور دلیل تلاش کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

قرآن شریف میں قضیہ مفروضہ کی دوسری مثال:۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا؛

''لَوْاَرَدْنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا لَّا تَّخَذْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّآ اِنْ کُنَّا فٰعِلِیْنَ''(۳)

---

(۱) نبراس، ص155۔

(۲) الانبیاء، 22۔

(۳) الانبیاء، 17۔

Marfat.com

جس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر ہم اس نظام کائنات کو لہو ولعب بنانے کا ارادہ کرتے تو اسے عالَم غیب میں اپنے پاس سے ہی اختیار کرتے اگر ہمیں کرنا ہوتا۔

اہل فہم سے مخفی نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کا لہو ولعب کا ارادہ کرنا ناممکن ومحال ہے چاہے عالَم ظہور میں ہو یا عالَم غیب میں جبکہ اِس آیت کریمہ میں قضیہ مفروضہ کے طور پر عالَم ظہور کے اس نظام کائنات سے متعلق ارادہ الٰہی کو لہو ولعب سے متعلق مفروض الوجود قرار لے کر عالَم غیب میں لہو ولعب کے ارادہ کرنے کو اس کا لازمہ بتایا گیا ہے یعنی ایک محال کو دوسرے محال پر منتج ٹھہرایا گیا ہے جو مخاطبین کی فہم وادراک کے عین مطابق ہے کیوں کہ ہر انسان اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرح اس کی صفات وافعال کو بھی اس نظام کائنات کا حصہ ہوئے بغیر محض غیب ہونے پر یقین رکھتا ہے۔ جس میں مسلم وغیر مسلم کی کوئی تفریق نہیں ہے۔ ایسے میں ''لَوۡ اَرَدۡنَآ اَنۡ نَّتَّخِذَ لَهۡوًا'' کی شرط پر ''لَّا تَّخَذۡنٰهُ مِنۡ لَّدُنَّاۤ'' کے جزاء کو مرتب ہوتے ہوئے سننے کے ساتھ ہی بلا تاخیر مرادِ الٰہی کو سمجھا جاتا ہے کہ عالَم ظہور کے اس نظام کائنات سے اللہ تعالیٰ نے لہو ولعب کا ارادہ نہیں فرمایا ہے۔ یہ اِس لیے کہ ''لَّا تَّخَذۡنٰهُ مِنۡ لَّدُنَّاۤ'' سے مراد عالَم غیب کا لہو ولعب ہے جس کا نظام کائنات کے اس عالَم ظہور کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے کیوں کہ عالَم ظہور اور عالَم غیب اپنے آپس مخصوص ضدین ہونیکی بناء پر ایک کا مخصوص انداز سے ثبوت آپ ہی دوسرے کی اسی انداز سے نفی پر دلیل ہے۔ جس کے بعد دوسری دلیل کی ضرورت نہیں رہتی جس کے مطابق ''لَّا تَّخَذۡنٰهُ مِنۡ لَّدُنَّاۤ'' کہنے کے ساتھ ہی عالَم غیب کے لہو ولعب کا باوصف محال ذہن میں آنا آپ ہی نظام کائنات کے اس عالَم ظہور کے لہو ولعب کی نفی کا تصور دے رہا ہے۔ جو عین مرادِ الٰہی ہے جسے مخاطبین کو سمجھانے کے لیے اس قضیہ مفروضہ کو استعمال کیا گیا ہے۔

قرآن شریف میں قضیہ مفروضہ کی تیسری شکل:۔ جن لوگوں کے نوشتہ تقدیر میں ایمان لانا نہیں ہے۔ ان کا دنیوی زندگی میں ایمان نہ لانے سے متعلق اللہ نے فرمایا؛

Marfat.com

”وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَا اِلَیْهِمُ الْمَلٰٓئِکَةَ وَ کَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰی وَحَشَرْنَا عَلَیْهِمْ کُلَّ شَیْءٍ قُبُلًا مَّا کَانُوْا لِیُؤْمِنُوْا“(۱)

جس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر ہم ان کے پاس فرشتے بھی اتار کر بھیجتے اور مردے بھی ان کے ساتھ باتیں کرتے اور ہر چیز بھی ہم ان کے سامنے اٹھا کر لاتے پھر بھی وہ ایمان لانے کے نہیں ہیں۔

اِس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے تبلیغ کے لیے فرشتے ان کی طرف اُتار کر بھیجنے کو، مردُوں کا ان کے ساتھ دین اسلام کی حقانیت کی باتیں کرنے کو اور ہر چیز کو ان کے سامنے دین اسلام کی حقانیت پر گواہی دینے کے لیے اکٹھے کرنے کو مفروض الوجود قرار دے کر ان کے ایمان نہ لانے کو بیان فرمایا کہ جس کے نوشتہ تقدیر میں ایمان موجود نہ ہو اس کے ان سب مطالبات کو پورا کیا جائے پھر بھی اسے ایمان نصیب نہیں ہوگا۔ تو ظاہر ہے کہ یہاں پر جن تین باتوں کو مفروض الوجود قرار دے کر قضیہ مفروضہ بنایا گیا ہے وہ سب کے سب ممکن بنفسہ ہیں۔ یعنی تقدیر الٰہی سے قطع نظر فرشتوں کا اتارا جانا بھی ممکن ہے مردوں کا قبروں سے اٹھ کر زندوں کے ساتھ کلام کرنا بھی ازروئے عقل ممکن ہے۔ اسی طرح ہر چیز کو ان کے سامنے پیش کرنا بھی ممکن ہے اور اس پر مرتب ہونے والی سزا بھی فی نفسہ ممکن ہے تو جن چیزوں کو یہاں پر مفروض الوجود قرار دے کر قضیہ مفروضہ کے طور پر ایسے لوگوں کے ایمان نہ لانے کی بابت آگاہی دی گئی ہے وہ امر ممکن ہونے کے باوجود مراد الٰہی نہیں ہیں یعنی اللہ تعالیٰ انہیں موجود کرنا نہیں چاہتا اس کے باوجود انہیں مفروض الوجود قرار دے کر قضیہ مفروضہ کے انداز سے ایسے لوگوں کو ایمان نصیب نہ ہونے کا اعلان فرمایا گیا ہے۔ یہ ہے قضیہ مفروضہ کی حقیقت و اقسام اور وضاحت جس کو منطق کا ناقابل فہم مسئلہ ہونے کا تاثر مشہور کر کے صریح التزام کفر کرنے والوں کو تحفظ دینے کی شرمناک کوشش کی جا رہی ہے، التباس الحق بالباطل کا گناہ کمایا جا رہا ہے

---

(۱) الانعام، 111۔

Marfat.com

اور انجانے میں التزام کفر کا نیا دروازہ کھولا جا رہا ہے، جس پر جتنا افسوس کیا جائے کم ہے۔ میں سو فیصد یقین سے کہتا ہوں کہ التباس الحق بالباطل کرنے والوں کی اس قسم دجل کاریوں سے متاثر ہونے والوں کی معاشرہ میں بہتات نہ ہوتی تو ان کی ایک بھی نہ چلتی ہوتی۔ سچ کہا گیا ہے ''لَوْلَا الْجُهَلَاءُ لَبَطَلَتِ الْحِكْمَةُ''

خلاصۃ الکلام بعد التحقیق:۔ قضیہ مفروضہ میں کسی غیر مرادی چیز کو موجود فرض کر کے اس سے جائز مدعا کو ثابت کیا جاتا ہے۔ جیسے قرآن شریف کی مذکورہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے بالترتیب شرک کو باطل اور توحید کو ثابت کرنے کے لیے الٰہ غیر اللہ کو مفروض الوجود کر کے توحید کی فہمائش فرمائی۔ محسوس نظام کائنات سے لہو ولعب کے ارادہ کرنے کو مفروض الوجود فی اذہان السامعین کر کے نظام کائنات کے اِس عالَم محسوس کو با مقصد وباحکمت پیدا کرنے کی فہمائش کی ہے۔ نظام مصطفیٰ ﷺ سے عنادی منکرین کی طرف فرشتے بھیجنے، مردوں کا ان سے کلام کرانے اور ہر شے کو ان کے سامنے پیش کرنے کی غیر مرادی باتوں کو مفروض الوجود کر کے ان کے ایمان نہ لانے کو بیان کیا گیا ہے۔ جیسے '' ءَ اَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ''(۱) میں بیان فرمایا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس قرآن وسنت کے جن جن مقامات پر قضیہ مفروضہ استعمال کیا گیا ہے وہیں پر ہمیشہ کسی جائز مدعا کو ہی ثابت کیا گیا ہے جبکہ التزام کفر کی مذکورہ مثالوں کے ارتکاب کرنے کے لیے اس کا ناجائز اور بے محل بہانہ بنایا جا رہا ہے جس میں ذرہ برابر معقولیت نہیں ہے۔ مثال کے طور اللہ تعالیٰ کی توحید فی العلم کے ضرورت دینی والے عقیدہ کے منافی شرک ایجاد کرنے والوں کا یہ کہنا کہ ''بالفرض اگر کوئی ملک مقرب یا رسول معظم علم غیب ذاتی کو جانے تو اللہ تعالیٰ کی توحید علمی میں کوئی فرق نہیں آئے گا'' کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی عالمیت بالغیب بالذات ہے جبکہ انکی عالمیت بالغیب بالعرض اور ہر ما بالعرض ما

(۱) البقرہ، 6۔

Marfat.com

بالذات کا ثمر اور اس کا لازمہ ہے۔ جب لازم وملزوم کا اور بالذات و بالعرض کا فرق ہے تو پھر مشرک کیوں ہو اور توحید میں فرق کیوں آئے؟ تو ظاہر ہے کہ یہ انداز استدلال کسی جائز مدعا کو ثابت کرنے کیلئے نہیں بلکہ ضرورت دینی کے نقیض کو ثابت کرنے کے لیے ہے جو بجائے خود صریح التزام کفر ہے، جس کی گنجائش قضیہ مفروضہ کے حوالہ سے اسلام میں نہیں ہے۔

اِسی طرح غیر اللہ کی ازلیت وابدیت کے محال کو مفروض الوجود تصور کر کے جھوٹے مدعیان تصوف گمراہوں کا یہ کہنا کہ ''اگر میرے قیوم زمان پیرو مرشد کو ازلی وابدی کہا جائے تو توحید میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔'' کسی جائز مدعا اور اسلامی بات کو ثابت کرنے کے لیے نہیں ہے بلکہ توحید کو توڑنے کے لیے ہے، ضرورت دینی کے نقیض کو ثابت کرنے کے لیے ہے ایسا قضیہ مفروضہ نہ دنیائے اسلام میں ممکن ہے نہ دنیائے عقل میں۔

اِسی طرح ختم نبوت زمانی کا بند دروازہ توڑنے والوں کا یہ کہنا کہ ''اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی ﷺ کوئی دوسرا نبی پیدا ہو جائے پھر بھی ختم نبوت محمدی ﷺ میں کوئی فرق نہیں آئے گا'' کسی اسلامی بات کو ثابت کرنے کے لیے نہیں ہے بلکہ ختم نبوت محمدی ﷺ کو توڑنے کے لیے ہے، ضرورت دینی کے نقیض کو ثابت کرنے کے لیے ہے اور ختم نبوت کے ضرورت دینی والے اجماعی عقیدہ اسلام کے مقابلہ میں جدید عقیدہ کو مروج کرنے کے لیے ہے جو بجائے خود صریح التزام کفر ہے۔ ایسے قضیہ مفروضہ کا مومن مسلمان تو سوچ بھی نہیں سکتا چہ جائیکہ اس کا بہانہ بنا کر ناسمجھ دنیا کو مغالطہ دے۔

ایک بچکانہ تصور اور اُس کا پسِ منظر:۔ قادیانی دھرم اور تحذیر الناس کی مذکورہ عبارت ''اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی بھی کوئی نبی پیدا ہو تو بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا۔'' جو صراحتاً التزامِ کفر ہے اور اِسے التزامِ کفر کی مذکورہ اقسام کی فہرست میں نمبر 4 قسم کی مثال ہونے میں کسی مسلک کے مفتی کو بھی شک نہیں ہو سکتا لیکن سُننے میں آتا ہے

Marfat.com

کہ کچھ حضرات ایسے صریح التزامِ کفر کے جواز کے لیے بعض کتابوں میں موجود اُس روایت سے استدلال کرتے ہیں جس میں حضرت ابراہیم ابن رسول اللہ ﷺ سے متعلق کہا گیا ہے کہ:

''لَوْعَاشَ إِبْرَاهِیمُ لَکَانَ صِدِّیقًا نَبِیًّا''

اُن کے استدلال کا انداز اِس طرح ہے کہ جب قضیہ مفروضہ کے طور پر حضرت ابراہیم ابن رسول اللہ ﷺ کی نبوت کے لیے خود رسول اللہ ﷺ سے ایسا کلام ثابت ہے جو تحذیر الناس کی مذکورہ عبارت کے انداز پر ہے تو پھر تحذیر الناس کی مذکورہ عبارت کو التزامِ کفر قرار دینے کا کیا جواز ہے جب وہ التزامِ کفر نہیں ہے تو پھر مرزا غلام احمد قادیانی کا خود کو نبی قرار دینے کو اور فرقہ احمدیہ کا اُس پر بطورِ نبی ایمان لانے کو التزامِ کفر قرار دینے کا سارا قصہ بے مصرف وغلط قرار پاتا ہے کیوں کہ تحذیر الناس والے نے حدیث نبوی ﷺ کے مطابق کلام کیا ہے جبکہ مرزا غلام احمد قادیانی اور بطورِ نبی اُس پر ایمان لانے والوں کا عقیدہ وعمل تحذیر الناس والے کی مذکورہ عبارت وعقیدہ سے مختلف نہیں ہے ایسے میں تحذیر الناس کی مذکورہ عبارت کو التزامِ کفر قرار دینا جائز ہے نہ مرزا غلام احمد قادیانی اور اُسے نبی تسلیم کرنے والوں کو کافر قرار دینا کیوں کہ یہ سب کچھ مذکورہ حدیث نبوی ﷺ پر مبنی ہے جس کو غلط نہیں کہا جاسکتا۔

جواب:۔ اِس استدلال کی حیثیت بچکانہ تصور سے مختلف نہیں ہے کہ حدیث کی کچھ کتابوں میں پائے جانے والی مذکورہ روایت کو حدیثِ نبوی ﷺ سمجھ کر اُس پر التزامِ کفر کی عمارت کھڑی کرنے کی کوشش کی جارہی ہے جس کی شرعی حیثیت نہ صرف بناء الغلط علی الغلط بلکہ بناء الارتداد علی الغلط ہے (اَعَاذَنَا اللّٰہُ مِنْہُ) یہ اِس لیے کہ مذکورہ روایت ''لَوْ عَاشَ إِبْرَاهِیمُ لَکَانَ صِدِّیقًا نَبِیًّا'' کو حدیث نبوی ﷺ سمجھنا غلط ہے کیوں کہ حدیث نبوی ﷺ کا فی الواقع صادق ہونا ضروری ہے جبکہ یہ صادق نہیں بلکہ کذب ہے اِس لیے کہ اِس کا نقیض صادق ہے جو ''لَوْ عَاشَ إِبْرَاهِیمُ لَمَا کَانَ نَبِیًّا'' ہے یعنی ابراہیم ابن رسول اللہ ﷺ اگر زندہ رہتے تب بھی نبی نہ ہوتے۔ اور اہل علم جانتے ہیں کہ نقیضین کا جمع ہونا ایسا ہی محال ہے جیسا رفع

Marfat.com

ہونا بلکہ ایک کا صدق لِذاتہ دوسرے کے کذب کو مستلزِم ہے جس کے بعد اُس کے کذب پر کوئی اور دلیل تلاش کرنے کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں۔

باقی رہا یہ تصور کہ اِس کا نقیض کیوں صادق ہے؟

کیوں کہ وہ حقیقت پر مبنی ہے جو آیت کریمہ "وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ "(۱) اور صحیح حدیث "خُتِمَ بِيَ النَّبِيُّونَ لَانَبِيَّ بَعْدِيْ وَلَارَسُوْلَ " کی روشنی میں قطعی ویقینی اور اجماعی عقیدہ ہے کہ نبی اکرم سید عالم ﷺ کے بعد کسی دوسرے نبی کی پیدائش ناممکن ہے جس پر نہ صرف یہ کہ شروع سے ابتک جملہ اہل اسلام کا اجماع ہے، مُسلّمہ اسلامی عقیدہ ہے اور ناقابلِ تردّد قطعی ویقینی ہے بلکہ ضرورتِ دینی کے قبیل سے ہے ایسے میں مذکورہ روایت "لَوْ عَاشَ إِبْرَاهِيمُ لَكَانَ صِدِّيقًا نَبِيًّا" کے جھوٹ ومن گھڑت اور کذب محض ہونے میں کس کو شک ہوسکتا ہے جبکہ اس کا نقیض "لَوْ عَاشَ إِبْرَاهِيمُ لَمَا كَانَ نَبِيًّا" صادق ہے جو اِس کا کلامِ نبوی نہ ہونے بلکہ کسی وَضاع وگمراہ کا اختراع ہونے پر قطعی ویقینی دلیل ہے جس کی تفصیل قیاس استثنائی اتصالی کی مندرجہ ذیل شکلوں میں کی جاسکتی ہے؛

1 "لَوْكَانَ كَلَامًا نبويا لَكَانَ صَادِقًا لَكِنه لَيْسَ بِصَادِق فَلَيْسَ بِكَلَامِ نبوى ﷺ".

2 "لَوْكَانَ كَلَام الرَّسُوْل ﷺ لَمَا كَانَ خِلَاف الْقُرْآن لَكِنه خِلَاف الْقُرْآن كَمَاهُوَ الظَّاهِر فَهُوَلَيْسَ بِكَلَامِ الرَّسُوْل ﷺ".

3 "لَوْكَانَ كَلَام الرَّسُوْل ﷺ لَمَا كَانَ صَادِق النَقِيْض لَكِنه صَادِق النَقِيْض كَمَاهُوَ الظَّاهِر فَهُوَلَيْسَ بِكَلَامِ الرَّسُوْل ﷺ"۔

4 "لَوْكَانَ كَلَام الرَّسُوْل ﷺ لَمَا خَالَفَ الثابت مِنْهُ ﷺ عَلَى سَبِيْل الضَرُوْرَةِ الدِيْنِيه وَهُوَعَقِيْدَة ختم النُبُوة بِهِ ﷺ لَكِنه خِلَاف الثابت مِنْهُ ﷺ

(۱) الاحزاب،40۔

Marfat.com

عَلَى سَبِيلِ الضَّرُورَةِ الدِينيه كَمَاهُوَ الظَّاهِرِ فَهُوَ لَيْسَ بِكَلَامِ الرَّسُوْلِ عليه الصلوة والسلام".

اِسی طرح اس کے موضوع ہونے پر بھی استدلالِ غیر مباشر کے انداز پر مندرجہ ذیل تفصیل کی جاسکتی ہے؛

1 "هُوَ مُوضُوع وَمُختَرع.

لِأَنَّهُ تُوجَدُ فِيهِ الْعَلَامَةُ الْيَقِينِيةِ لِلْوَضْعِ وَالْإِخْتِرَاعِ.

وَهِيَ مُخَالَفَته لِلضَّرُورَة الدينيه.

وَكُلُّ مَا تُوجَدُ فِيهِ عَلَامَةُ الْوَضْعِ وَالْإِخْتِرَاعِ مُوضُوع.

فَهٰذَا مُوضُوع مُختَرعٌ".

باقی رہا یہ تصور کہ اسلام کے کسی قطعی ویقینی عقیدہ سے خلاف ہونے کا وضع واختراع کی علامت ہونے کی کیا حیثیت ہے تو وہ اِس طرح ہے کہ جملہ مکاتب فکر اہل اسلام کے اکابرین کی تصریحات کے مطابق کسی روایت کے موضوع ومختر ع ہونے کی پہچان کے لیے متعدد طریقے اور مختلف علامات ہیں جن میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں؛

I آیت قرآن کے کسی قطعی حکم سے خلاف ہو۔

II نبی اکرم سید عالم ﷺ سے ثابت کسی ایسے اسلامی حکم سے خلاف ہو جو ضرورتِ دینی کی حد تک مشہور ہے۔

III جملہ مکاتب فکر اہل اسلام کے اکابرین سے ثابت اجماعِ قطعی سے خلاف ہو۔

IV حدیث متواتر ومشہور سے خلاف ہو۔

V مشاہدہ سے خلاف ہو۔

VI عقل سے خلاف ہو۔

موضوع روایت کی پہچان وعلامات کے سلسلہ دراز میں اِن کے علاوہ بھی بہت سی چیزیں اَسلاف کی کتابوں میں لکھی ہوئی موجود ہیں لیکن یہ چھ (6) وہ ہیں جن پر سب متفق ہیں اور

Marfat.com

اِس موضوع سے متعلق لکھی گئی سب کتابوں میں موجود ہیں جو علماء اُصول سے مخفی ہیں نہ علماء حدیث سے مشتے نمونہ ازخروارے امام جلال الدین السیوطی نے تدریب الراوی شرح تقریب النواوی میں کسی روایت کے موضوع ہونے کے لیے یقینی علامات کی تفصیل بتاتے ہوئے لکھا ہے؛

"اَوْیَکُوْن منا فیالدلالة الکتٰب القطعیة اوالسنة المتواتره اوالاجماع القطعی "(۱)

اِس کے بعد محدث ابن جوزی کے حوالہ سے لکھا ہے؛

"مَااَحسَنَ قَوْلَ الْقَائِلِ اِذَا رَئیتَ الْحدِیثَ یُبَایِنُ الْمَعْقُوْلَ اَوْیخَالِفُ الْمَنقُول اَوْیُنَاقِضُ الاُصُوْل فاعلم انَّهُ مُوضُوع"(۲)

الغرض کسی روایت کے موضوع ومَن گھڑت ہونے کی پہچان وعلامات کے زمرہ میں یہ چھ(6) وہ ہیں جن میں دورائے کی گنجائش ہی نہیں ہے جس کے مطابق ان کی موجودگی آپ ہی متعلقہ روایت کے موضوع ومن گھڑت ہونیکی دلیل قرار پاتی ہے جس کے بعد کوئی دوسری دلیل تلاش کرنے کی قطعاً ضرورت نہیں رہتی۔

حقائق کی اِس روشنی میں پیشِ نظر روایت "لَوْ عَاشَ إِبْرَاهِیمُ لَکَانَ صِدِّیقًا نَبِیًّا" کو دیکھنے سے صاف نتیجہ آرہا ہے کہ یہ عقل سے بھی خلاف ہے کیوں کہ اِس کا نقیض صادق ہے یعنی "لَوْ عَاشَ إِبْرَاهِیمُ لَمَا کَانَ نَبِیًّا"۔ اہل علم جانتے ہیں کہ اجتماعِ نقیضین خلافِ عقل ہے اور نبی اکرم سید عالم ﷺ سے ثابت اُس اسلامی عقیدہ "ختم النبوۃ" سے بھی خلاف ہے جو ضرورتِ دینی کی حد تک مشہور ہے کہ اسلامی معاشرہ میں اُسے ثابت کرنے کے لیے دلیل تلاش کرنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی جاتی۔

---

(۱) تدریب الراوی، ج1،ص276،مطبوعہ دارالکتب الحدیثیہ مصر۔

(۲) تدریب الراوی، ج1،ص277،مطبوعہ دارالکتب الحدیثیہ مصر۔

Marfat.com

اور اجماعِ قطعی سے بھی خلاف ہے کیوں کہ شروع سے لے کر اب تک اسلامی ماحول کے کل مکاتب فکر اہل علم کسی قسم انکار و نزاع کے بغیر اس پر متفق چلے آرہے ہیں کہ نبی اکرم سید عالم ﷺ کے بعد دوسرے نبی کی پیدائش ممکن نہیں ہے۔ اور نصِ قرآنی ''وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ'' سے بھی خلاف ہے جس کا مفہوم اجماعِ اُمت کے مطابق قطعی و یقینی ہے۔

ایسے میں اِس روایت ''لَوْ عَاشَ إِبْرَاهِيمُ لَكَانَ صِدِّيقًا نَبِيًّا'' کے موضوع و من گھڑت ہونے میں کس کو شک ہوسکتا ہے جس پر تفصیلی دلیل قیاسِ اقترانی کے مندرجہ ذیل غیر مباشر انداز سے بھی پیش کی جاسکتی ہے۔

❶ هُوَمُوضُوع.

لِاَنَّهُ خِلَافِ الضَّرُورَة الدِينيه.

وَكُلُّ مَاهُوَخِلَافِ الضَّرُورَة الدينيه موضوع.

فَهٰذَامُوضُوع.

❷ هُوَمُوضُوع.

لانه خِلَافِ الْعَقْلِ للزومه اِجتِمَاعَ النَّقِيضَين.

وَكُلُّ مَاهُوَخِلَاف الْعَقْلِ موضوع.

فَهٰذَامُوضُوع.

❸ هُوَمُوضُوع.

لِاَنَّهُ خِلَاف الْقُرْآنِ فِى ضوء الاِجْمَاع.

وَكُلُّ مَاهُوَخِلَافِ الْقُرْآن مُوضُوع.

فَهٰذَامُوضُوع.

اسی وجہ سے محدثین نے اِسے کسی شک و تردّد کے بغیر جزم و یقین کے ساتھ موضوع روایات میں شمار کیا ہے جو اہل علم سے پوشیدہ نہیں ہے۔

Marfat.com

جب اِس کا موضوع اور مَن گھڑت ہونا اظہر من الشمس ہو چکا تو پھر اِس کا سہارا لے کر قادیانی اور تحذیر الناس والے عقیدہ کو جائز ثابت کرنے کی ناکام کوشش کو بچکانہ تصور کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے جس کا پسِ منظر حدیث کی کتابوں میں پائے جانیوالی ہر بات کو حدیثِ نبوی ﷺ سمجھنے کی غلطی یا دیدہ ودانستہ جان بوجھ کر دُنیا کو مغالطہ دینے کی خیانت سے خالی نہیں ہے۔

باقی رہا یہ تصور کہ کچھ محدثین نے اِسے حدیث نبوی ﷺ ہونے کا احتمال بھی بیان کیا ہے اور اِس کی توجیہ کرنے کی بھی کوشش کی ہیں خاص کر ملا علی قاری نے اِس کی توجیہ کرتے ہوئے کہا ہے:

"اِذالمعنی انہ لایأتی نبیٌّ بعدہ ینسخ مِلّتہٗ ولم یکُن مِن اُمّتِہٖ"

جس سے قادیانی عقیدہ کے ساتھ تحذیر الناس والے عقیدہ کو بھی تقویت ملتی ہے اِس لیے کہ تحذیر الناس کے مصنف اور قادیانی بھی نبی اکرم سیدِ عالم ﷺ کے بعد ایسے نبی کی پیدائش کو ہی جائز کہتے ہیں جو نبی اکرم سید عالَم کے لائے ہوئے دین وملت کو منسوخ نہ کرے بلکہ دین محمدی ﷺ کے متبع ہونے کے ساتھ نبی اکرم سیدِ عالَم ﷺ کے اُمتی بھی ہو ایسے میں اہل سنت کے اِن اَسلاف اور تحذیر الناس اور قادیانی والا عقیدہ کے مابین کوئی فرق ہی نہیں رہتا، ختم النبوۃ کے حوالہ سے جب اِن میں فرق ہی نہیں ہے تو پھر تحذیر الناس کے مصنف اور قادیانی کو مرتد وقابلِ نفرت اور اپنے اِن اَسلاف کو مؤمن مسلمان اور قابلِ محبت کہہ کر تفریق کرنے کا فلسفہ کیا ہے؟

اِس کا جواب اولاً:۔ حدیث کی کتابوں میں لکھی ہوئی ہر بات حدیث نبوی ﷺ نہیں ہوتی، قابلِ تسلیم اور واجب العمل نہیں ہوتی بلکہ دوسرے علوم وفُنون کی کتابوں میں کچھ ضمنی، ناقابلِ عمل اور غلط باتیں پائے جانے کی طرح حدیث کی کچھ کتابوں میں بھی لوگوں نے کچھ غلط باتیں نبی الانبیاء والمرسلین خاتم النبیین ﷺ کی طرف منسوب کی ہیں جو اپنی قطعی ویقینی علامات سے پہچانی جاتی ہیں کہ وہ اللہ کے رسول سیدِ عالَم ﷺ کی حدیث ہر گز نہیں بلکہ موضوع ومَن گھڑت ہیں جن کی مثالوں پر مشتمل سینکڑوں صفحات ہمارے اَسلاف نے لکھے ہیں۔ پیشِ

Marfat.com

نظر روایت ''لَوْ عَاشَ إِبْرَاهِيمُ لَكَانَ صِدِّيقًا نَبِيًّا'' بھی بالیقین موضوعات کی اُس فہرست میں شامل ہے جس پر دلائل ابھی ہم بیان کر آئے ہیں۔

ثانیاً:۔ جن حضرات نے اِسے حدیث نبوی ہونے کا امکان بتانے کے ساتھ اِس کے لیے جائز مصرف تلاش کرتے ہوئے توجیہات کے چکر میں پڑے ہوئے نظر آتے ہیں اُنہوں نے اِس کے ایک سے زیادہ اَسناد اور متعدد طریقوں کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے احتیاط کی راہ اختیار کی ہیں جو درحقیقت عین بے احتیاطی اور صحیح وسقیم کی پہچان کے لیے فطری علامات سے صرفِ نظر کرنے کا نتیجہ ہے۔ نیز اِن کی توجیہات ایک دوسرے سے متضاد ہونے کیساتھ بعید از قیاس اور شرعی مآخذ میں نادیدہ وناشنیدہ ہیں مثلاً بعض کا یہ کہنا کہ ''نبی کا بیٹا ہمیشہ نبی ہوتا ہے'' اور بعض کا یہ کہنا کہ ''حضرت ابراہیم ابن رسول اللہ ﷺ پر اللہ کے رسول سید عالم ﷺ کا نماز جنازہ نہ پڑھنا اِس لیے تھا کہ بڑے ہو کر اُس نے نبی ہونا تھا جبکہ ایک نبی دوسرے نبی پر نماز جنازہ نہیں پڑھتا'' اور بعض کا یہ کہنا کہ ''یہ قضیہ شرطیہ ہے اور قضیہ شرطیہ کے صدق کے لیے اُس کے مقدم کا صدق ضروری نہیں ہے بلکہ اُس کے کذب یعنی عدم تحقق کی صورت میں بھی صادق ہوسکتا ہے۔ جیسا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا فرمان حضرت صُہیب رضی اللہ عنہ کے لیے ''نِعْمَ الْعَبْدُ صُهَيْبٌ لَوْ لَمْ يَخَفِ اللّٰهَ لَمْ يَعْصِهِ ''(۱) میں صادق ہے۔ نیز حضرت سالم مولیٰ ابی حذیفہ رضی اللہ عنہ کے لیے فرمانِ نبوی ﷺ ''إِنَّ سَالِمًا شَدِيدُ الْحُبِّ لِلّٰهِ لَوْ لَمْ يَخَفِ اللّٰهَ مَا عَصَاهُ ''(۲) میں صادق ہے۔ اِسی طرح یہاں پر بھی ''لَوْ عَاشَ إِبْرَاهِيمُ لَكَانَ صِدِّيقًا نَبِيًّا'' کے صادق ہونے کے لیے ابراہیم ابن رسول اللہ ﷺ کا رجال میں شمار ہونے کی عمر تک زندہ نہ رہنے کے باوجود قضیہ شرطیہ کے طور پر کلام صادق ہے یہ سب کچھ لکھتے وقت اِن حضرات نے اتنا بھی نہیں سوچا کہ نبی کا بیٹا اگر ہمیشہ نبی ہوتا ہے تو پھر حضرت آدم صفی اللہ کا بیٹا

---

(۱) کنز العمال، ج13، ص437، حدیث نمبر37146۔

(۲) حلية الاولياء، ج1، ص177، مطبوعه دار الفكر بيروت۔

Marfat.com

قاتل اور عمل غیر صالح کیوں ہوتا، حضرت نوح نبی اللہ کا بیٹا کافر اور عمل غیر صالح کیوں ہوتا۔ علی ہذا القیاس اسی طرح اتنا بھی نہیں سوچا کہ ایک نبی کا دوسرے نبی کی نمازِ جنازہ نہ پڑھنے کا حکم اسلام کے کس مآخذ سے ثابت ہے۔ ظاہر ہے کہ کہیں بھی نہیں ہے اسی طرح یہ بھی نہیں سوچا کہ پیشِ نظر روایت ''لَوْ عَاشَ إِبْرَاهِيمُ لَكَانَ صِدِّيقًا نَبِيًّا'' کے صدق و کذب کے حوالہ سے جو بحث کی جارہی ہے اُس کا تعلق مقدم کے صدق وتحقق کے ساتھ ہرگز نہیں ہے بلکہ عنداہل العربیت تالی میں موجود حکم ''لَكَانَ صِدِّيقًا نَبِيًّا'' کے ساتھ ہے اور مناطقہ کے مطابق بین المقدم والتالی جو حکم پایا جاتا ہے اُس کے ساتھ ہے یعنی ابراہیم کا نبی ہونے کی نسبت کا اُس کے زندہ رہنے کی نسبت پر مرتب ہونے کے ساتھ جس کے مطابق مؤوّلین کی اس تاویل اور موجّہین کی اس توجیہ کو بے مصرف کہے بغیر کون رہ سکتا ہے۔

ایسے میں قادیانی اور تحذیر الناس والا عقیدہ کے جواز کے لیے اِن حضرات کا یہ اندازِ استدلال بچکانہ تصور سے مختلف نہیں ہے جس کی کوئی حقیقت ہے نہ ثبات۔ نیز ان حضرات کی یہ غفلت و لغزش محض تصوراتی حد تک محدود ہے اُنہوں نے نبی اکرم سیدِ عالم ﷺ کے بعد کسی دوسرے نبی کے پیدا ہونے کو جائز نہیں کہا ہے اور نہ ختم زمانی کے اجماعی عقیدہ کو جاہلوں کا عقیدہ کہہ کر اُس سے انکار کیا ہے جبکہ تحذیر الناس کے مصنف اور قادیانی نے یہ سب کچھ کہا ہے البتہ ملا علی القاری جیسے جن حضرات نے پیشِ نظر روایت کی توجیہ میں یہ کہا ہے ''لَا يَأْتِي نَبِيٌّ بَعْدَهُ يَنْسَخُ مِلَّتَهُ وَلَمْ يَكُنْ مِنْ أُمَّتِهِ'' اِس سے سطحی ذہن والے ناواقف حال حضرات کو مغالطہ لگ سکتا ہے کہ بظاہر یہ قادیانی اور تحذیر الناس والا عقیدہ کا وہمہ دے رہا ہے جبکہ درحقیقت ان میں زمین وآسمان کا فرق ہے جس کی تفصیل سمجھنے کے لیے تمہید کے طور پر مندرجہ ذیل حقائق کو سمجھنا ضروری ہے؛

❶ سلوک فی الدین کی دو قسمیں ہیں؛

پہلی قسم:۔ وہ ہے جس کا تعلق احکام اللہ کے ساتھ ہے کہ شریعتِ مقدسہ کے اوامر ونواہی

Marfat.com

اور ترغیبات وترھیبات پر عمل کیا جائے جو انسان کے اندر موجود قوتِ فکری وعملی کے اعتدال اور اُن میں امانت داری سے عبارت ہے اِسے سلوک تقویٰ کہا جاتا ہے جو کسی تخصیص کے بغیر سب پر فرض ہے۔

دوسری قسم:۔ جس کا تعلق بالترتیب اسمآء اللہ، صفات اللہ، افعال اللہ اور ذات اللہ کے رُموز ومعارف کے ساتھ ہے جس کا رُتبہ سلوک تقویٰ کے فریضہ کی دست آوری کے بعد آتا ہے اِسے سلوکِ احسان کہا جاتا ہے۔

۲ سلوکِ احسان عام مسلمانوں کے لیے نفلی عبادت ہے جبکہ ذواتِ قدسیہ انبیاء ومرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کے لیے فرضی عبادت ہے یعنی انبیاء ومرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم میں کوئی نبی اور کوئی رسول ایسا نہیں گزرا جس نے اعلانِ نبوۃ کے زمانہ سے پہلے اِس فریضہ کی دست آوری نہ کی ہو چاہے اِس کے حصول کے طریقے جیسے بھی ہوں۔

۳ سلوکِ احسان کے مسافروں کے دو طبقے ہیں، ایک کو اولیاء اللہ کہا جاتا ہے۔ دوسرے کو انبیاء ومرسلین۔

۴ ذواتِ قدسیہ انبیاء ومرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کا سلوک بعد الجذب ہوتا ہے جبکہ اولیاء اللہ میں بعض کا سلوک قبل الجذب اور بعض کا بعد الجذب ہوتا ہے۔

۵ سفرِ سلوک کی چار قسمیں ہیں؛

I سَفَر مِنَ الْخَلْقِ اِلَى الْحَق جس میں اپنی ذات وصفات، ظاہر وباطن اور ایک ایک جزو کے مختلف عمل پر غور وفکر کرنے سے لے کر دوسری خلائق علویہ وسفلیہ کے حالات پر حسبِ استعداد غور وفکر کی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا؛

''سَنُرِيهِمْ اٰيٰتِنَا فِى الْاٰفَاقِ وَفِىٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ''(۱)

جس میں ہر سالک کے اِس فکری سفر کا حجم اور اُس کی شرح وسعت اُس کی استعداد کے

(۱) فصلت، 53۔

Marfat.com

مطابق ہوتی ہے اسی طرح اِس سفر کے دورانیہ کا شرح تناسب بھی سالکین کی استعداد کے مطابق ہوتا ہے یعنی جس کی استعداد جتنی زیادہ قوی ہوتی ہے اُس کا منزلِ مقصود تک پہنچنے میں بھی کم وقت لگتا ہے۔

(II) **سَفر مِنَ الحَق اِلی الحَق بِالحَق** ہے جس میں وُصول الی الحق کے بعد سالک کی فکری حرکت وسفر خلق کی طرف ہونے اور اُنہیں مستفیض کرنے پر توجہ دینے کے بجائے ذاتِ الٰہی میں مستغرق ہوجاتا ہے اپنی ذات میں اُسے ذاتِ الٰہی نظر آنے، اپنی صفات وافعال میں اُسے صفات وافعال الٰہی نظر آنے کی طرح دوسروں کی ذوات و صفات اور افعال میں بھی اُسے ذات وصفات اور افعالِ الٰہی کے سوا اور کچھ نظر نہیں آتا جب تک وہ ذاتِ الٰہی کے حوالہ سے اِس ماوراء العقل سفر میں ہوتا ہے اُس سے ماوراء العقل افعال واقوال بھی صادر ہوتے رہتے ہیں۔ جس کی مثالوں سے سلوک ومعارف کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔

(III) **سَفر مِنَ الحَق اِلی الخَلق بِالحَق** ہے۔

(IV) **سَفرمِنَ الخَلق اِلی الخَلق بِالحَق** ہے۔

اِن دونوں میں سالِک راہِ حق اپنا اول سفر ''**سفرمن الخلق الی الحق**'' کامیابی کے ساتھ طے کر کے وصول الی الحق کا شرف پانے کے بعد اُس وحدہ لاشریک کی ذات میں مستغرق ہونے کے بجائے خلق کی طرف بھی متوجہ ہوجاتا ہے اور توجہ الی الخلق کے اِس فکری سفر سے مقصد حق تعالیٰ عزّ وجلّ سے ملنے والے معارف وہدایات خلقِ خدا کو''انسانوں'' کو پہنچانا ہوتا ہے، توفیقِ الٰہی کے مطابق اُن کی اصلاح احوال کرنے کے ساتھ ہر ایک کی استعداد کے مطابق اُنہیں معارفِ الٰہی سے متعارف کرانا ہوتا ہے۔ اِس اعتبار سے سفرِ سلوک کی یہ دونوں قسمیں یعنی تیسرا اور چوتھا بظاہر ایک جیسے نظر آتے ہیں جبکہ حقیقت میں مندرجہ ذیل وجوہ سے فرق ہے۔

Marfat.com

1 تیسرا سفر یعنی **سَفَر مِنَ الْحَق اِلَی الْخَلْق بِالْحَق** ولایت کے ساتھ خاص ہے عام اِس سے کہ ولایت نبی ورسول کی ہو یا اُمتی کی اِس لیے کہ شرعی مفہوم میں ہر نبی و رسول کے لیے اللہ کا ولی ہونا بھی ضروری ہے کیوں کہ ولایتِ شرعی نبوتِ شرعی کے لوازمات میں سے ہے جس کے بغیر نبوت ورسالت کا تصور نہیں ہے بخلاف ولایت کے کہ ہر ولی اللہ کے لیے اللہ کا نبی ورسول ہونا ضروری نہیں ہے، جبکہ چوتھا سفر یعنی **سَفَر مِن الخلق الی الخلق بالحق** نبوت ورسالت کے شرعی مفہوم کے ساتھ مختص ہے۔

2 ولایت کے ساتھ مختص سفر کی جانب آغاز وبدایت میں اِتصال مع الخلق نہیں بلکہ اتصال مع الحق معتبر ہوتا ہے جبکہ نبوت ورسالت کے ساتھ مختص سفر میں اِس سے برعکس اتصال مع الخلق معتبر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا؛

''لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَی الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ''(۱)

اِس سے مقصد یہ نہیں ہے کہ اولیاء اللہ میں اِتصال مع الخلق نہیں ہوتا اور انبیاء ومرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم میں اِتصال مع الحق نہیں ہوتا (العیاذ باللہ) ایسا تصور ہی اسلام میں نہیں ہے بلکہ ہر طبقہ میں اِتصال مع الحق کے ساتھ اِتصال مع الخلق بھی ہوتا ہے لیکن فرق صرف اعتبار کا ہے کہ ولایت کے ساتھ مختص سفر کی جانب آغاز وبدایت میں اِتصال مع الحق کا اعتبار کرتے ہوئے بزرگانِ دین نے اُس کا نام **سَفَر مِنَ الْحَق اِلَی الْخَلْق بِالْحَق** رکھ دیا جبکہ شرعی نبوت ورسالت کے ساتھ مختص سفر کی جانب آغاز وبدایت میں انبیاء ومرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کی ذواتِ قدسیہ کے اِتصال مع الخلق اور انسانوں کے ہم جنس، ہم نسب اور اُن کے معاشرہ کا فرد ہونے کا اعتبار کرکے اِس کا نام **سَفَر مِنَ الْخَلْق اِلَی الْخَلْق بِالْحَق** رکھ دیا۔

3 ولایت کے ساتھ مختص سفر یعنی **سَفَر مِنَ الْحَق اِلَی الْخَلْق بِالْحَق** میں راہِ

(۱) آلِ عمران، 164۔

Marfat.com

سلوک کے مسافر صاحبِ وحی نہیں بلکہ صاحبِ الہام ہوتا ہے جبکہ وحی کے حوالہ سے اپنے نبی ورسول کے مطیع ومتبع ہوتا ہے اِس کے برعکس شرعی مفہوم میں نبی ورسول کا صاحبِ وحی ہونا ضروری ہوتا ہے اور وہ وحی کے حوالہ سے کسی طرح بھی ولی کی طرف محتاج یا اُس کے متبع نہیں ہوتا۔

4 **سفر من الحق الی الخلق بالحق** کی مسئولیت میں اولیاء اللہ جن معارف کے امین ومبلغ ہوتے ہیں اُن کی متنوع اقسام ہیں جن کے مطابق اولیاء اللہ کے بھی مختلف طبقے ہوتے ہیں اور ہر طبقہ کی ذمہ داری ومسئولیت دوسرے سے جدا ہوتی ہے جبکہ سفر من الخلق الی الخلق بالحق کی مسئولیت میں انبیاء ومرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم جن علوم ومعارف اور جن احکام کی تبلیغ کے ذمہ دار ہوتے ہیں اُن کے اُصول اور بنیادی تعلیمات یکساں ہوتی ہیں جبکہ فروع میں کچھ فرق ہوسکتا ہے۔ جیسا قرآن وسنت کی روشنی میں سب کو معلوم ہے۔

5 **سفر من الحق الی الخلق بالحق** کی مسئولیت میں اکثر اولیاء اللہ کی تعلیمات وتبلیغات کا بنیادی محور اسماء اللہ، صفات اللہ، افعال اللہ اور ذاتِ الٰہی سے متعلق رُموز ومعارف ہوتے ہیں تاہم حسبِ ضرورت احکام اللہ یعنی شریعتِ مقدسہ کے ظاہری احوال سے متعلق بھی دُنیا کی رہنمائی کرتے ہیں جبکہ **سفر من الخلق الی الخلق بالحق** کی مسئولیت میں انبیاء ومرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کی تعلیمات وتبلیغات کا بنیادی محور احکام اللہ ہوتے ہیں اور کبھی کبھی حسبِ ضرورت اسماء اللہ، صفات اللہ، افعال اللہ اور ذات اللہ سے متعلق رُموز واسرار کی تعلیم بھی دیتے ہیں لیکن ہر ایک کو نہیں بلکہ اس کے لیے ایسے خواص ہوتے ہیں جن کو سمجھنے سے عام لوگ عاجز ہیں۔ جیسا حضرت امام زین العابدین اللہ تعالیٰ سے مناجات کرتے ہوئے کہا ہے؛

Marfat.com

اِلٰھِی جَوَاھِر عِلْم لَوْاَبُوحُ بِھَا
لَقِیْلَ لِی اَنْتَ مِمَّنْ یَعْبُدالوَثَنَا
وَلَاسْتَحَلَّ رِجَال مُسْلِمُوْنَ دمی
یَرُوْنَ اَقْبَحَ مَایَاْتُوْنَہ حَسَنًا
وَقَدْتَقَدَّمَ فِی ھٰذَا اَبُوحَسَنٍ
اِلَی الْحُسَیْنِ وَاَوْصَاقَبْلَہ الحَسَنَا (۱)

اِسی طرح ابوہریرہ ص کا یہ کہنا کہ "وَاَمَّا الْاٰخر فَلَو بَثَثْتُہٗ فِیْکُمْ قُطِعَ ھٰذَا الْبُلْعُوْم"(۲)

6 سلوک کے مذکورہ اسفارِ اربعہ میں سے سفرِ اول **مِنَ الْخَلْقِ اِلَی الْحَق** کی حسب الاستعداد تکمیل کرنے کے بعد حق سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے ملنے والے جن معارف کی تعلیم وتبلیغ کے لیے خلق کی طرف سفر اختیار کیا جاتا ہے یعنی توجہ الی الخلق بالحق اسے صوفیاء کاملین کی زبان میں مقام نُبوۃ اور منزلۃ اور نُبوۃ تعریف جیسے ناموں سے یاد کیا جاتا ہے اور اس نُبوۃ سے مراد لُغوی نُبوۃ ہے کیوں کہ قرآن شریف کی زبان میں لفظ نبی جو صفتِ مشبّہ کا صیغہ ہے "نباء" بمعنی خبر یا "نبو" بمعنی "رِفعت" سے اشتقاق پا کر مختلف ابواب سے حسب المواقع متعدد معانی کیلئے استعمال ہوتا ہے جن کی مثالوں سے قرآن شریف بھرا پڑا ہے۔

سفرِ اوّل کی حسب الاستعداد تکمیل کر کے وصول الی اللہ کے بعد تیسرے اور چوتھے سفر میں توجہ لِاِفاضۃ الخلق جو اولیاء اللہ اور ذواتِ قدسیہ انبیاء ومرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کے مابین بظاہر قدرِ مشترک نظر آ رہی ہے اور صوفیاء کاملین کی زبان میں مقامِ نُبوۃ کہلاتی ہے۔

یہ نبوۃ اپنے دونوں لُغوی مفہوموں کے اعتبار سے اگر چہ درست ہے کہ انبیاء واُولیاء دونوں رفیع

(۱) تفسیر روح المعانی، ج3، ص174، مطبوعہ دارالاحیاء التراث العربی بیروت۔

(۲) مشکوٰۃ شریف کتاب العلم، ص37، بحوالہ بخاری شریف۔

Marfat.com

المرتبہ بھی ہوتے ہیں اوراللہ تعالیٰ کی ذات وافعال، صفات واسماء اوراحکام سے متعلق خبر دینے والے بھی ہوتے ہیں جوغیبی خبر کہلاتی ہے۔جس وجہ سے ایک سے بھی انکار کی گنجائش نہیں ہے تاہم لفظ ''نبی اور نبوۃ'' کا زیادہ تر استعمال اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات، افعال واسماء کے رُموز ومعارف سے خبر دینے کے مفہوم میں ہوا ہے جیسا قرآن وسُنّت کے مطالعہ سے معلوم ہورہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا؛

''نَبِّئْ عِبَادِی اَنِّی اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ''(۱)

میرے متعلق میرے بندوں کو خبر دے کہ میں ہی غفور ورحیم ہوں۔

حدیث شریف میں فرمایا؛ ''اَنَا النَّبِیُّ لا کَذِبْ''(۲)

میں غیب کی خبریں بتانے والا پیغمبر ہوں جس میں جھوٹ نہیں۔

المنجد میں ہے؛ ''النبوئۃ والنبوۃ الاخبار عَنِ الْغَیْبِ اَوِالْمُسْتَقْبِلِ بِالْھَامِ مِنَ اللّٰہِ''

نیز اصل وضع کے اعتبار سے اِس کے لُغوی مفہوم میں عظمتِ فائدہ بھی معتبر ہے کہ کسی حقیر اور بے فائدہ خبر کے لیے استعمال نہیں ہوتا اور افادہ علم کے اعتبار سے یہ بھی ضروری ہے کہ سُننے والے کو اِس سے یقین یا کم از کم ظنِ غالب حاصل ہوجائے۔ انجامِ کار یہ کہ جھوٹی خبر کے لیے استعمال نہیں ہوتا۔ مفردات امام الراغب الاصفہانی میں ہے؛

''النباء خبر ذوفائدۃ عظیمۃ یحصل بہ علم او غلبۃ ظن ولا یقال للخبر فی الاصل نَباءُ حتی یتضمن ھذہ الاشیاء الثلاثۃ وحق الخبر الذی یقال فیہ نباءُ ان یتعرّٰی عن الکذب کالتواتر وخبر اللہ تعالٰی وخبر النبی علیہ السلام''(۳)

اور یہ بھی ہے کہ لفظ ''نُبُوَّۃ'' اپنے اِس لُغوی مفہوم میں مذکورہ تخصیصات وقیودات کے ساتھ

(۱) الحجر،49۔

(۲) بخاری شریف، کتاب المغازی، ج2،ص 617۔

(۳) مفردات القرآن مادہ(ن،ب،ء)۔

Marfat.com

مختص ہونے کے ساتھ اپنے موصوف کے اعتبار سے عام ہے کہ مذکر و مونث دونوں کو شامل ہے جس کے مطابق اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات سے متعلق غیبی معارف کی سچی خبریں دینے والے نہ صرف صالح مرد بلکہ صالح عورتیں بھی ہوسکتی ہیں۔المنجد میں اِس کے لُغوی مفہوم کے عموم سے مطابق مذکر کے جمع و مفرد کا استعمال بتاتے ہوئے لکھا ہے؛

''وَالنَّبِی جمع انبیاء ونبیون وانباء ونُباءٌ''

اِس کے بعد مونث کے جمع و مفرد کا استعمال بتاتے ہوئے لکھا ہے؛

''نبیئة ونبیئات المُخبِرعَنِ الْغَیبِ اَو الْمُستَقْبِل بِالْهَامِ مِنَ اللّٰهِ وَالْمُخبِر عَن اللّٰه وَمَایَتعَلَّق بِهٖ تَعَالٰی''(۱)

نبوت کے لُغوی مفہوم کی اِس روشنی میں بالترتیب اولیاء اللہ اور ذواتِ قدسیہ انبیاء و مرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کی مذکورہ توجہ لِا فاضة الخلق کے رُتبے کو لُغوی مفہوم میں مقامِ نبوۃ کہنا صوفیاء کاملین کی وسعتِ بصیرت کی دلیل ہے اِس لیے کہ توجہ لا فاضة الخلق کا یہ رُتبہ اولیاء اللہ کے سفر یعنی **سفر من الحق الی الخلق بالحق** کی غایت ونہایت ہونے کی صورت میں مقام نبوۃ سے مقصد یہ ہوگا کہ اولیاء اللہ کا اسمآء اللہ، صفات اللہ، افعال اللہ اور ذات اللہ سے متعلق معارف کی خبر دینے کا مقام جس کے لیے وحی کے سوا باقی الہام، حدس، نورِ بصیرت، فراست نفث فی الروع جیسے کوئی بھی سبب میسر ہوسکتا ہے۔اور توجہ لِا فاضة الخلق کا یہ رُتبہ ذواتِ قدسیہ انبیاء و مرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کے سفر یعنی **سفر من الخلق الی الخلق بالحق** کی غایت ونہایت ہونے کی صورت میں پھر دو صورتیں ہیں؛

پہلی صورت:۔ اِن حضرات کے لیے اعلان نبوت اور نزولِ وحی کا وقت ابھی نہ آیا ہو اِس صورت میں مقامِ نبوۃ سے مقصد وہی لُغوی مفہوم ہوگا جو اولیاء اللہ کے حق میں ہے یعنی اسمآء اللہ، صفات اللہ، افعال اللہ اور ذات اللہ سے متعلق غیبی رُموز و معارف کی خبر دینے کا

(۱) المنجد، مادہ(ن،ب،ء)۔

Marfat.com

مقام چاہے وحی کے سوا کوئی بھی سبب میسر ہو۔ اس لیے کہ نزول وحی اور اعلانِ نبوت سے قبل شرعی مفہوم میں ہر نبی و رسول کے لیے ولایت کا حصول بھی مسلّماتِ اسلامیہ کے زُمرہ میں شامل ہے کہ ہر نبی و رسول قبل نزولِ الوحی اور اعلانِ نبوت سے قبل ولی اللہ ہوتا ہے اور یہ ایسی ولایت ہے کہ نبوت و رسالت کے شرعی مفہوم کے ساتھ بھی جمع رہتی ہے جیسا نبی کی مذکورہ ''نبوۃ'' منقطع نہیں ہوتی۔ اِسی طرح یہ بھی منقطع نہیں ہوتی۔

دوسری صورت:۔ اِن حضرات کے لیے اعلان نبوت اور نزول وحی کا وقت بھی آ پہنچا ہو اِس صورت میں مقامِ نبوت سے مقصد اُس کے لُغوی مفہوم نہیں بلکہ شرعی مفہوم ہی متعین ہوگا یعنی وحی کی خبر دینے کا مقام اور نزول وحی کے حوالہ سے احکام اللہ، اسمآء اللہ، صفات اللہ، افعال اللہ اور ذات اللہ سے متعلق علوم و معارف کی خبر دینے کا رُتبہ ایسے میں صوفیاء کاملین کی نگاہِ بصیرت کی وسعت کا اعتراف کیے بغیر کون رہ سکتا ہے کہ اُنہوں نے اِس مختصر لفظ ''مقامِ نبوۃ'' میں معرفت کا سمندر سمو دیا ہے۔ اِسی مقام سے متعلق حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی نے فُصوص الحکم شریف کے فَصِ عزیریۃ میں فرمایا ہے؛

''وَاعْلَم ان الْوِلَايَة هِيَ الفَلَكُ الْمُحِيْط العَامُ وَبِهٰذَا لَمْ تَنْقَطِعْ وَلَهَا الْاِنْبَاء العَامُ وَاَمَّا نُبُوَّة التَشْرِيْع وَالرِسَالَةُ فَمُنْقَطِعَة فِي مُحَمَّدٍ ﷺ قَدِ انْقَطَعَتْ فَلَا نَبِي بَعْدَه مشرِّعًا اَوْمشرَّعًا لَهُ وَلَارَسُوْلَ وَهُوَ الْمشرِّع''(۱)

بعد التمہیدات خلاصۃ التحقیق:۔ سفرِ اول جو **سفر من الخلق الی الحق** ہے کی تکمیل کے بعد تیسرا سفر جو **سفر من الحق الی الخلق بالحق** کہلاتا ہے اور اولیاء اللہ کے ساتھ مختص ہے اِسی طرح چوتھا سفر جو **من الخلق الی الخلق بالحق** کہلاتا ہے اور ذواتِ قدسیہ انبیاء و مرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کے ساتھ مختص ہے اِن دونوں کی جانب غایت و نہایت جس کی تعبیر توجہ لِافاضۃ الخلق سے کی جاسکتی ہے صوفیاء کاملین کے مطابق

---

(۱) فصوص الحکم شریف، فصٌّ حکمةٍ قدريةٍ فی کلمةٍ عزيريةٍ۔

Marfat.com

''منزلہ اور مقامِ نبوۃ'' کہلاتی ہے جو بمنزلہ دریا ہے جس میں اولیاء اللہ کے معارفِ ولایت کے متنوع جواہرِ رُموز سے لے کر ولایتِ نبوۃ قبل اعلانِ النبوۃ کے قسما قسم جواہرِ رُموز و معارف سمیت بعد اعلان النبوۃ کے جملہ کمالات بھی پوشیدہ ہیں جو بعد میں اپنے اپنے اوقات پر ظاہر ہوتے ہیں۔ فرق یہ ہے کہ ولایت کے دونوں حصوں یعنی نبی و رسول کی ولایت اور غیر نبی و رسول کی ولایت کے اعتبار سے مقام نبوۃ کے اِس لفظ سے مراد اس کے لُغوی مفہوم ہے جبکہ نزولِ وحی اور اِعلانِ نبوۃ کے بعد نبی و رسول کے اعتبار سے اِس سے شرعی مفہوم متعین ہے جو عرفِ شرع میں یعنی قرآن و سنّت کی زبان میں نبی و رسول کہلانے والی ذواتِ قدسیہ کے ساتھ مختص ہے۔ گویا اولیاء کرام اور صوفیاء کاملین کی زبان پر استعمال ہونے والا یہ الفاظ (الفلک المحیط، مقام نُبوّۃ، مقام الانباء العام، منزلہ) اپنے لُغوی مفہوم کے اعتبار سے ولایتِ نبی و رسول اور ولایت غیر نبی و رسول کے اُس خاص رُتبے کو شامل ہونے کے ساتھ شرعی مفہوم میں نبی و رسول کے اُس مخصوص منصب کو بھی شامل ہے اِس لیے کہ عُرفِ شرع میں ہر نبی و رسول کہلانے والے کے لیے لُغوی مفہوم کے مطابق نبی ہونا ضروری ہے جیسا مفردات القرآن امام الراغب الاصفہانی میں ہے؛

''وبدفعه يقع على الانسان اسم الالحاد''(۱)

یعنی عُرفِ شرعی میں نبی و رسول کہلانے والی ذواتِ قدسیہ سے لُغوِی مفہوم میں نبوۃ کی نفی کرنے والا شخص ایمان سے نکل کر مُلحد قرار پاتا ہے۔

لیکن لُغوی مفہوم میں نبی کہلانے والے اولیاء کے لیے شرعی مفہوم میں نبی ہونا ضروری نہیں ہے۔ لُغوی نبی اور شرعی نبی کے مابین عموم و خصوص مطلق کی اِس نسبت کی روشنی میں ہر ایک کی حقیقت و لوازمات اور ذمہ داریوں کے خانے بھی جدا جدا ہیں جس کے مطابق شرعی مفہوم میں

(۱) تفسیر مفردات القرآن امام الراغب الاصفہانی، ص 377، مطبوعہ اصح المطابع آرام باغ کراچی۔

Marfat.com

نبی ہر وہ مقدس انسان ہے جو سلوک کے سفرِ اول **سفر من الخلق الی الحق** کی تکمیل کے بعد چوتھے سفرِ سلوک **سفر من الخلق الی الخلق بالحق** کے مطابق بندوں کی اصلاح کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مبعوث کیا جاتا ہے جس کی طرف وحی کی جاتی ہے جس کا مرد ہونا ضروری ہے اور جملہ حسی ومعنوی اور عرفی عیوب ونقائص سے پاک ومحفوظ ہونا ضروری ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے مبعوث ہونے اور نبی ہونے کا دعویٰ کرنا ضروری ہے اور اپنے اِس دعویٰ پر معجزہ دکھانا ضروری ہے اور لوگوں کی اصلاحِ احوال کے حوالہ سے حسبِ ضرورت دعوت وتبلیغ کرنا بھی ضروری ہے۔ عام اِس سے کہ مستقل شریعت کے مُشرِّع اور مستقل آسمانی کتاب کے حامل ہو یا اپنے سے پیش رُو نبی کی شریعت کے پابند، اُس کے مُتبع اور اُس کی طرف داعی ومبلّغ ہو اِس کے باوجود کسی حکم کے لیے مستقل وحی اور سابق نبی ورسول کی شریعت میں پہلے سے موجود احکام سے اضافی احکام کا مُشرِّع ہونا بھی ضروری ہے اگرچہ صرف ایک مستقل حکم کا اضافہ کرنے یا سابقہ احکام میں سے صرف ایک حکم کو منسوخ قرار دینے والا ہی کیوں نہ ہو۔

شرعی مفہوم میں نبی ورسول یعنی قرآن وسنت کی زبان میں نبی ورسول کے نام سے مشہور ہونے والی کسی ہستی کا وجود اِن دو قسموں سے متجاوز نہیں ہے جبکہ **لُغوی مفہوم میں نبی** وہ اولیاء اللہ ہوتے ہیں جنہوں نے سفرِ سلوک کا پہلا سفر **سفر من الخلق الی الحق** کی تکمیل کے بعد تیسرے سفر یعنی **سفر من الحق الی الخلق بالحق** کے مطابق انسانوں کی روحانی اصلاح پر مقرر کیے جاتے ہیں جس میں وحی نبوۃ کے سوا الہام، تحدیث، فراستِ ایمانی اور نفث فی الروع جیسے کوئی بھی سبب پایا جاسکتا ہے اور یہ حضرات مرد بھی ہوسکتے ہیں اور عورت بھی اور لُغوی مفہوم میں نبی ہونے کے باوجود خود کو نبی ہرگز نہیں کہتے تاکہ شرعی مفہوم میں نبی ہونے کا اشتباہ نہ ہو جائے اِس لیے کہ کسی ناجائز بات کا وہمہ دینے والا کلام عام

Marfat.com

مسلمانوں کے لیے بھی ناجائز ہے چہ جائیکہ اولیاء اللہ اِس کے مرتکب ہوں۔ یہ حضرات خود مجسّمہ کرامت ہوتے ہیں عوامی کرامات دکھانا اِن کے لیے ضروری نہیں ہے تاہم حسبِ ضرورت دکھاتے بھی ہیں اور اللہ کے نبی و رسول کی شریعت میں مقررہ احکام میں سے کسی کو ختم کرنا یا کسی حکم کا اضافہ کرنا دور کی بات ہے جبکہ یہ حضرات شریعتِ نبوی ﷺ کے کسی بھی حکم کی خلاف ورزی کرنے سے بھی محفوظ ہوتے ہیں جنھیں لُغوی مفہوم میں معصوم بھی کہا جا سکتا ہے کیوں کہ یہ حدیث نبوی ﷺ ''اَلْمَعْصُوْمُ مَنْ عَصَمَهُ اللّٰهُ'' کے مظہر ہوتے ہیں۔ جملہ خلائق میں ذواتِ قدسیہ انبیاء و مرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کے بعد یہ سب سے زیادہ اہل علم، اہل عرفان اور خداشناس ہوتے ہیں اور سب سے زیادہ جمالِ الٰہی کے اُمیدوار اور جلالِ الٰہی سے خائف ہوتے ہیں اور خواہشِ نفس کی فوتگی کے غم اور اُس کی عدم دست آوری کے خوف سے بالاتر ہوتے ہیں یعنی آیت کریمہ ''لَاخَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَاهُمْ يَحْزَنُوْنَ''(۱) کے مظہر ہوتے ہیں۔

اِن مابہ الاشتراک کمالات کے علاوہ اِن میں مختلف طبقے ہوتے ہیں، ہر ایک کی ذمہ داری دوسرے سے مختلف ہوتی ہے اور سب سے بڑی ذمہ داری، سب سے اعلیٰ اور سب سے افضل طبقہ وہ ہوتا ہے جو اسماء و صفات اور افعال الٰہی اور ذاتِ الٰہی سے متعلق معارف کی فیض رسانی کرنے کے ساتھ تجدیدی خدمات بھی انجام دے اور حدیث نبوی ﷺ ''لَنْ تَزَالَ طَائِفَةٌ مِّنْ اُمَّتِی ظَاهِرِيْنَ عَلَى الْحَقِّ لَايَضُرُّهُمْ مَنْ خَالَفَهُمْ''(۲) کے مظہر ہوں۔ اور ''يَنْفُوْنَ عَنْهُ تَحْرِيْفَ الْغَالِيْنَ وَانْتِحَالَ الْمُبْطِلِيْنَ وَتَأْوِيْلَ الْجَاهِلِيْنَ''(۳) کے

(۱) البقرہ، 62۔

(۲) مشکوۃ شریف، ص 583، باب ثواب ھذہ الأمہ۔

(۳) مشکوٰۃ شریف کتاب العلم، ص 36۔

Marfat.com

مصداق ہوں۔ اِسی رُتبہ سے متعلق صدرالدین شیرازی نے المبداء والمعاد میں لکھا ہے:

''وھٰذا ضربٌ مِنَ النُبوۃ''(۱)

حضرت مجددالف ثانی نے فرمایا: ''مجدّد آن است کہ ہرچہ دران مدت از فیوض بامّتان برسد بتوسّط او برسد اگرچہ اقطاب واوتادِ وبُدلا ونجبا باشند''(۲)

حضرت پیرانِ پیر شیخ عبدالقادر جیلانی نے اِس رُتبے پر فائز اولیاء اللہ کو صاحبِ قلب ولسان کہہ کر اُن کے منصب کے متعلق فرمایا ہے:

''وَجَعَلَہُ جھیدًا وَدَاعِیًا لِلْعِبَادِ وَنَذِیْرًا لَھُمْ وَحُجَّۃً فِیْھِمْ ھَادِیًامَّھْدِیًا شَافِعًا مُشَفَّعًا صَادِقًا مُصَدَّقًا بَدَلَا لِرُسلِہٖ وَاَنبِیَائِہٖ عَلَیْھِمْ صَلوَاتہ وَتَحِیّاتُہٗ وَبَرکَاتُہٗ فَھٰذَا ھُوَالْغَایَۃ وَالْمُنْتَھٰی فِی بَنِی آدَمَ لَامَنْزِلَۃَ فَوْق ھٰذِہِ الْمَنْزِلَۃِ اِلَّاالنُّبُوَّۃ فَعَلَیْکَ بِہٖ''(۳)

حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی نوّراللّٰہ مَرْقَدَہُ الشّرِیْف نے نُبوّۃ کے لُغوی مفہوم کی وسعت سے بحث کرتے ہوئے نتیجہ کے طور پر لکھا ہے:

''فَالنُّبُوَّۃ سَارِیۃ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَہ فِی الْخلق وَاِنْ کَانَتْ التَشْرِیْع قَدِانْقَطَعَ فَالتَّشْرِیْع جُزْء مِن اَجْزَاءِ النُّبُوّۃ فَاِنَّہٗ یَسْتَحِیْلُ اَنْ یَنْقَطِعَ خبرُاللّٰہ وَاخبارُہٗ مِنَ الْعَالَم اِذْلَوِانْقَطَعَ لَمْ یَبْقَ لِلْعَالَم غذاء یَتغذی بِہٖ فِی بَقَاءِ وُجُوْدِہٖ''(۴)

---

(۱) المبداء والمعاد، ص603، مطبوعہ دارالھادی بیروت۔

(۲) مکتوب نمبر4، حصہ نورالخلائق۔

(۳) فتوح الغیب، مقالہ نمبر33۔

(٤) الفتوحات المکیہ، ج2، ص90، مطبوعہ دارصار بیروت۔

Marfat.com

ایک اور مقام پر نبوۃ کے لُغوی اور شرعی دونوں مفہوموں سے متعلق مظاہر سے بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ؛

''میں نے فتوحات مکیہ میں ایک لفظ بھی اپنی طرف سے نہیں لکھا جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھے الہام والقاء نہ کیا گیا ہو حالاں کہ میں ہرگز نبی ورسول نہیں ہوں بلکہ اپنے نبی خاتم الانبیاء والمرسلین جنکے بعد نبوۃ کا سلسلہ ہمیشہ کیلئے بند ہو چکا ہے کا متبع اور اُن کے وارث ہوں۔''

حضرت شیخ اکبر کے اپنے الفاظ اس طرح ہیں؛

''فَوَاللّٰہ مَا کَتَبْتُ مِنْہُ حَرفاالا عَنْ اِمْلَاءِ اِلٰھِی وَاِلْقَاءِ رَبَّانِی اَوْنَفْثٍ رُوْحَانِی فِی رُوْعٍ کِیَانِی ھٰذَاجُمْلَۃَ الْاَمْرِمَعَ کونِنَا لَسنا بِرسلِ مُشَرِّعِین وَلَاانْبِیَاءَ مُکَلِّفِیْنَ بِکَسْرِ اللَّامِ اِسْمِ فَاعِلٍ فَانِ رِسَالَۃَ التَشْرِیْعِ وَنُبُوَّۃَ التَکْلِیْفِ قَدِ انْقَطَعَتْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰہ مُحَمَّدٍ ﷺ فَلَا رَسُوْل بَعْدَہٗ ﷺ وَلَانَبِی یُشَرِّعُ وَلَایُکَلِّفُ وَاِنَّمَا ھُوَعِلْمٌ وَحِکْمَۃ وَفَھْمٌ عَنِ اللّٰہِ فِیْمَاشَرَعَہٗ عَلَی السُّنَّۃِ رُسُلِہ وَاَنْبِیَائِہٖ عَلَیْھِمْ سَلَامُ اللّٰہُ وَمَاخطہ وَکَتَبَہٗ فِی لَوْحِ الْوُجُوْدِ مِن حُرُوْفِ الْعَالَمِ وَکَلِمٰتِ الْحَقِّ فَالتَّنْزِیْل لَایَنْتَھِی بَلْ ھُوَدَائِمٌ دُنْیَاوَ آخِرَۃِ''(۲)

اِس میں شرعی مفہوم کے اعتبار سے ''نُبوۃ'' کا رسول اللہ ﷺ کے بعد ہمیشہ کے لیے ختم ہونے کا اسلامی عقیدہ بتانے کے ساتھ جس تنزیل کے قائم ودائم اور غیر منقطع ہونے کا کہا ہے اُس کا مظہر بھی بتایا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے علم وحکمت کا اِفاضہ کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

فُصوص الحِکم شریف کے شارح حضرت امام الاولیاء داؤد القیصری نَوَّرَاللّٰہُ مَرْقَدَہُ الشَّرِیْف نے بھی نُبوۃ کے لُغوی اور شرعی مفہوم کا ایک دوسرے سے مختلف ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے اُن کے الفاظ میں؛

''وَعِنْدَ اِنْقِطَاعِ النُّبُوَّۃِ التَشْرِیْعِ بِاِتِّمَامِ دَائِرَتِھَا وَظُھُوْرِ الوِلَایَۃِ مِنَ الْبَاطِنِ

(۱) فتوحات مکیہ، ج1، ص456، مطبوعہ دار صادر بیروت۔

Marfat.com

اِنتَقلَتِ القُطبِیة اِلی الاُولِیَآءِ مُطلَقًا"(۱)

شرح فقہ اکبر میں ملاعلی القاری نے نبی اکرم سیدِ عالَم خاتم النبیین ﷺ کی قبل البعثت حالات سے متعلق گفتگو کرتے ہوئے امام فخر الدین الرازی کے حوالہ سے لکھا ہے:

"لَم یَکُن اُمَّۃ نَبِیٍ قط لکِنه کَانَ فِی مَقَامِ النُبوَّۃ قبل الرسالة فکَان یعْمَلُ بِمَا هُوَالحَق الَّذِی ظهر عَلَیهِ فِی مَقَامِ نُبوَّتِهٖ بالوَحی الخَفِی وَالکشوف الصادقة من شریعة اِبرَاهِیم عَلَیهِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلام وَغیرِهَا"(۲)

اِن تمہیدی حقائق کی روشنی میں مذکورہ روایت "لَو عَاشَ اِبرَاهِیمُ لَکَانَ صِدِّیقًا نَبِیًّا" سے متعلق ملاعلی قاری سے منقول توجیہہ واضح ہوجاتی ہے کہ اُنہوں نے یا اُن جیسے دوسرے بزرگوں نے حدیث نبوی ﷺ "اَنَا خَاتَمُ النَّبِیِّینَ لَانَبِیَّ بَعدِیْ" کا مفہوم "لا یَاْتِی نَبِیٌّ بَعدَہٗ یَنسَخُ مِلَّتَهٗ وَلَم یَکُن مِن اُمَّتِهٖ" میں جو بتایا ہے اِس سے اُن کی مراد حدیث کی عبارۃ النص اور اُس سے مقصد کو متعین کرنا ہے کہ نبوی ارشاد کے یہ الفاظ محض لُغوی معنی پر نہیں بلکہ شرعی مفہوم پر محمول ہیں یعنی یہ بتانا مقصد ہے کہ "اَنَا خَاتَمُ النَّبِیِّینَ" میں جو "نُبوۃ" ہے وہ بھی اور اس کے بعد مذکور "لَانَبِیَّ بَعدِیْ" میں بھی شرعی مفہوم پر محمول ہے کہ عُرف شرع میں جن ذواتِ قدسیہ کو نبی کہا جاتا ہے میں اُن سب کا خاتم ہوں، سب کی آخری کڑی ہوں اور حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک جتنے بھی گزرے ہیں اُن سب کے لیے مہرِ نُبوت ہوں کہ میرے بعد کسی ایسی ہستی کا پیدا ہونا ممکن نہیں ہے جو میری شریعت کو منسوخ کرے یا اُس میں کسی حکم کا اضافہ کرے یا اُس کے کسی حکم کو منسوخ کرے چاہے صرف ایک حکم ہی کیوں نہ ہو۔ اہل علم جانتے ہیں ختم النبوۃ سے متعلق قطعی ویقینی عقیدہ جو اجماعی ہے

---

(۱) شرح فُصوص الحکم لداؤد القیصری، ج 1، ص 149، مطبوعہ بوستان کتاب قم ایران۔

(۲) شرح فقه اکبر لملاعلی القاری، ص 107، مطبوعه مکتبه حقانیه پشاور پاکستان۔

Marfat.com

اورضرورتِ دینی ہے ''نُبوۃ'' کے لُغوی مفہوم سے نہیں بلکہ اُسکے شرعی مفہوم سے متعلق ہے۔
ملاعلی قاری کی مذکورہ عبارت سے مقصد بھی اِس کے سوااور کچھ نہیں ہے ایسے میں اُس کا سہارا لے کرتحذیرالناس والاعقیدہ اور قادیانی عقیدہ جوصریح التزامِ کفر ہیں کے جواز کا تصور کرنا بچکانہ تصور سے مختلف نہیں ہے۔

نتیجۃ الکلام:۔ ملاعلی قاری کی مذکورہ عبارت ختم النبوۃ سے متعلق اسلامی عقیدہ جوضرورتِ دینی کے زمرہ میں ہے سے خلاف نہیں ہے بلکہ اُسکے عین مطابق ہےاوراس سے تحذیرالناس اورقادیانی والاعقیدہ کے جواز کا پہلونکالنا غلط ہے، بے بنیاداور''نُبوۃ'' کےلُغوی اورشرعی مفہوم کے مابین تمیزنہ کرنے کا نتیجہ ہے۔ نیز مذکورہ تمہیدات جومسلّماتِ اسلامیہ ہیں سے غفلت کا منطقی نتیجہ ہے کیوں کہ بدفہمی کا نتیجہ بدفہمی کے سوااور کچھ نہیں ہوتا۔البتہ ملاعلی قاری سے اِس عبارت کے حوالہ سے جوکوتاہی ہوئی ہے وہ صرف اتنی ہے کہ مذکورہ موضوع وَمَن گھڑت روایت ''لَوْ عَاشَ إِبْرَاهِيمُ لَكَانَ صِدِّيقًا نَبِيًّا'' کوبےحقیقت وموضوع قرار دینے کے بعد متکلمین کے ارخاءِ عِنان کا انداز اختیار کر کے اُس کی صحت کی صورت میں اُس کے اورحدیث ''اَنَاخَاتَمُ النَّبِيِّينَ لَانَبِيَّ بَعْدِيْ'' کے مابین تطبیق کے لیے یہ عبارت لکھی ہے کہ حدیث ''اَنَاخَاتَمُ النَّبِيِّينَ لَانَبِيَّ بَعْدِيْ'' میں مذکور نبی سے مرادشرعی مفہوم میں نبی ہے جبکہ ''لَوْ عَاشَ إِبْرَاهِيمُ لَكَانَ صِدِّيقًا نَبِيًّا'' میں مذکور نبی سے مرادلُغوی مفہوم میں نبی ہے۔یعنی وہ اگرزندہ رہتے تو اِنباءِعام وصدیقین کے رُتبے پرفائزہوتے۔

کاش مذکورہ روایت موضوع وَمَن گھڑت نہ ہوتی تو ملاعلی قاری اوراُن کے ہم زبان حضرات کی اِس تطبیق کوہم بھی دادِتحسین پیش کرتے تاہم تحذیرالناس اورقادیانی والے عقائد کواس سے کوئی مفاد ہاتھ نہیں آتا کیوں کہ اِن میں زمین وآسمان کافرق ہے۔(وَاللّٰہُ الْھَادِی اِلٰی سَبِیْلِ الرَّشَادِ)
جب معلوم ہوا کہ التزامِ کفر بدیہیات کے قبیل سے ہے جومحتاجِ دلیل نہیں ہے، خوداپنے آپ پردلیل ہےاورصریح ہے جومحتاج نیت وقرینہ بھی نہیں ہے، اختلاف کی گنجائش نہیں رکھتا کہ کسی

Marfat.com

طریقے سے ارتداد کے احکام سے اسے بچایا جا سکے، جس کے ثبوت کے بعد اسے مرتد جاننا، غیر مسلم کہنا اور مرتد کے جملہ احکام اس پر صادر کرنا لازم ہو جاتا ہے یہاں تک کہ اس کے کفر میں شک کرنے اور اسے کافر کہنے میں تردد کرنے والا بھی التزام کفر کے زمرہ میں شامل ہو جاتا ہے چہ جائیکہ اسے مسلمان قرار دینے کے لیے تاویل ڈھونڈنے والا مسلمان رہ سکے۔ اس کے برعکس لزوم کفر نظریات کے قبیل سے ہے جو محتاج دلیل ہوتا ہے، خود کفر نہیں ہوتا بلکہ کفر کو مستلزم ہوتا ہے، کفر سے اسے بچانے کی گنجائش موجود ہوتی ہے اور اسے کافر نہ جاننے یا اسے کافر نہ کہنے والوں پر بھی کفر کا اطلاق جائز نہیں ہوتا۔

گزشتہ صفحات میں ان دونوں کی تفصیلی فہرست جو ہم بیان کر آئے ہیں۔ اس کی روشنی میں ان دونوں کے مابین حقیقی تفریق کا مسئلہ تو بے غبار ہو گیا ہے کہ التزامِ کفر کی کوئی صورت لزومِ کفر ہو سکتی ہے نہ لزومِ کفر کی کوئی شکل التزامِ کفر ہو سکتی ہے۔ اِسی نکتہ تفریق کی بنیاد پر ان کے فقہی احکام بھی ایک دوسرے سے مختلف ہیں کہ نہ التزامِ کفر کے احکام کو لزومِ کفر کے مرتکب پر جاری کرنا جائز ہے نہ لزومِ کفر کے احکام کو التزامِ کفر کرنے والوں پر جاری کر کے انہیں مرتد قرار دینے کی گنجائش ہے اس کے باوجود کچھ الفاظ ایسے بھی ہیں جن کا لزومِ کفر یا التزامِ کفر ہونے یا کچھ بھی نہ ہونے کی تمیز نہایت مشکل ہے۔ اس قسم الفاظ کی فہرست بہت طویل ہے الٰہیات کے حصہ فتاویٰ میں سب سے زیادہ موضوع سخن ایسے ہی الفاظ ہوتے ہیں جن کی حقیقت تک پہنچنا بغیر نیت متکلم یا بغیر خارجی قرینہ کے ممکن نہیں ہوتا اور محل اجتہاد ہونے کی بناء پر ان میں التزامِ کفر کی کوئی صورت تو ہو نہیں سکتی لہٰذا ان کا دائرہ کار لزومِ کفر کے مذکورہ خانوں سے متجاوز نہیں ہوتا تو جن ائمہ و مجتہدین نے ان پر فتویٰ کفر لگایا ہے، انہوں نے ان کا مفضیٰ الی الکفر ہونے پر غالب گمان کر کے لزومِ کفر کا حکم کیا ہے اور جنہوں نے تکفیر نہیں کی ہے انہوں نے مفضیٰ الی الکفر ہونے کو موہوم و مرجوح کے درجہ میں اور جائز ہونے کے احتمالات کو راجح اور غالب گمان ہونے کا لحاظ کیا ہے۔ ایسے الفاظ کی فہرست میں ایک لفظ کسی غیر اللہ کو قیوم زمان یا

Marfat.com

قیوم جہان کہنا بھی شامل ہے جس کو فقہاء کرام نے کفر لکھا ہے۔جیسے فتاوی مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر میں ہے؛

''اِذَا اُطْلِقَ عَلَی الْمَخْلُوْقِ مِنَ الْاَسْمَآءِ الْمُخْتَصَّةِ بِا لْخَالِقِ جَلَّ وَعَلٰی نَحْوِ الْقُدُّوْسِ وَالْقَیُّوْمِ وَالرَّحْمٰنِ وَ غَیْرِهَا یَکْفُرُ''(۱)

جبکہ کچھ اہل علم نے بعض مشائخ کے لیے اسے استعمال کیا ہے۔تو ظاہر ہے کہ جنہوں نے اسے کلمہ کفر کہہ کر اس کے قائل کی تکفیر کی ہے اس کفر سے مراد کفر لزومی ہے کہ انہوں نے اس کلام کو اللہ تعالیٰ کی صفت خاص کا غیر اللہ کے لیے ثابت کرنے کو مستلزم جانا ہے کہ قیوم بمعنی خلائق کی حاجت روائی کرنے اور علی الاطلاق سب پر تصرف کرنے والا کے ہیں تو ظاہر ہے کہ اس مفہوم کا اللہ کی صفت خاصہ ہونے اور اللہ کے سوا کسی اور کے لیے ناجائز سمجھنے کا جو اسلامی حکم وعقیدہ ہے وہ ضروریات دین کے قبیل سے ہے جس کا انکار یا اس کے نقیض یا ضد کا ارتکاب یا اس پر ایمان وعقیدہ رکھنے کے کسی لازمہ کی ضد و نقیض کا ارتکاب کرنا التزامِ کفر وارتداد کے زمرہ میں شامل ہے لیکن یہاں پر غیر اللہ کے لیے اس کو استعمال کرنے والا چونکہ اس کے اس مفہوم کو صراحتاً غیر اللہ کے لیے استعمال نہیں کر رہا بلکہ اس پر دلالت کرنے والے اس لفظ کو استعمال کر رہا ہے تو ظاہر ہے کہ یہ لفظ اپنے اس مفہوم میں اللہ تعالیٰ کی صفت خاصہ ہونے کے باوجود کل مکاتب فکر اہل اسلام کے نزدیک اتنا مشہور و متواتر اور واضح نہیں ہے کہ ضروریات دین کے قبیل میں شامل ہو جب ضرورت دینی نہیں ہے تو پھر التزامِ کفر کی کوئی صورت ہی متصور نہیں ہو سکتی جبکہ لزومِ کفر درست ہے کیوں کہ یہ خود کفر نہیں ہے لیکن مستلزم کفر ہونے کا احتمال رکھتا ہے۔جس کو پیش نظر رکھ کر فقہاء نے اس کے قائل کی تکفیر کی ہے ان کے مطابق لزوم کفر کی صورت اس طرح ہے کہ؛

مدعا:۔ کسی غیر اللہ کے لیے قیوم جہاں یا قیوم زمان کہنا کفر ہے۔

---

(۱) فتوحات مکیه، ج 1، ص 456، مطبوعه دار صادر بیروت۔

Marfat.com

صغریٰ:۔اِس لیے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی صفت خاصہ کو غیر اللہ کے لیے تسلیم کرنے کو مستلزم ہے۔
کبریٰ:۔اور جو کلام بھی اللہ تعالیٰ کی صفت خاصہ کو غیر اللہ کے لیے تسلیم کرنے کو مستلزم ہو کفر ہوتا ہے۔
نتیجہ:۔لہٰذا کسی غیر اللہ کو قیوم جہاں یا قیوم زمان کہنا بھی کفر ہے۔

یہ ہوا فقہاء کرام کی تکفیر کا محل وتوجیہہ جبکہ غیر اللہ کے لیے اسے استعمال کرنے والے حضرات کا محل وتوجیہہ اس طرح ہے کہ وہ اس کو اس مفہوم میں استعمال نہیں کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی صفت خاص ہے بلکہ اس کے دیگر مواقع استعمال کو پیش نظر رکھ کر ایسا کرتے ہیں جن سے اس کا اللہ تعالیٰ کی صفت خاصہ نہ ہونا معلوم ہو رہا ہے۔جیسے ''ذَالِکَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ''(۱) ظاہر ہے کہ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کی صفت خاصہ نہیں بلکہ نظامِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت کے طور پر استعمال ہوا ہے، جس کی تعبیر دین اسلام سے ہوئی ہے۔اور قیوم وقیم دونوں میں معنی فاعلیت کی زیادتی پائی جاتی ہے مادہ بھی ایک ہے اور تفریق پر کوئی خارجی دلیل بھی موجود نہیں ہے۔اسی طرح ''فِیْھَا کُتُبٌ قَیِّمَةٌ''(۲) یہاں پر شرعی احکام کی صفت کے طور پر استعمال ہوا ہے۔اور آیت کریمہ ''کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ شُھَدَآءَ لِلّٰہِ''(۳) میں بھی اس کا ہم معنی لفظ صراط مستقیم والی معتدل امت کے لیے استعمال ہوا ہے۔ایسے میں یہ حضرات ان میں سے کسی ایک مفہوم میں اسے استعمال کرتے ہیں جس کے مطابق مندرجہ ذیل محامل پر حمل کر کے ان حضرات کے پاکیزہ نفوس کو سوئِ ظن سے بچایا جا سکتا ہے۔مثال کے طور پر وہ اپنے ممدوح اور حقیقی شیخ طریقت کے بارے میں انہیں استعمال کر کے یہ کہنا چاہتے ہیں کہ میرا ممدوح دین ہے، صراط مستقیم ہے یعنی جیسے دین اسلام انسانیت کے لیے رہنما ہے، اسی طرح

---

(۱) التوبہ،36۔

(۲) البنیة،3۔

(۳) النساء،135۔

Marfat.com

میرے ممدوح بھی انسانیت کے رہبر ورہنما ہیں اگر اپنے حلقہ اثر کے لوگوں کی دین اسلام کی طرف یہ رہنمائی نہ کریں تو صراط مستقیم کی دولت انہیں نصیب نہیں ہوسکتی۔ نیز یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ ''قیم'' بمعنی نگران ورہنما ہے میرے ممدوح بھی اپنے حلقہ اثر کے روحانی نگران ورہنما ہیں۔ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ قیوم وقیم بمعنی شرعی احکام کے ہیں جیسے شرعی احکام واجب التعظیم ہیں، ویسے میرے ممدوح کی تعظیم بھی شیخ کامل وعالم ربانی ہونے کی بناء پر اس کے واقف حال ہم عصروں پر واجب ہے۔ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ دین اسلام کی رہنمائی میرے ممدوح کے حلقہ اثر کو ملنے میں یہ چونکہ واسطہ فی العروض ہے اور واسطہ فی العروض میں واسطہ اور ذوالواسطہ دونوں کا اتصاف اصل وصف کے ساتھ درست ہوتا ہے اسی نکتہ کے پیش نظر اسے قیوم زمان اور قیوم جہاں جیسے القاب کے ساتھ موسوم کیا جارہا ہے لیکن ان تمام توجیہات کی درستی کے لیے ضروری ہے کہ زمان وجہاں سے مراد صرف اور صرف ممدوح کا زمانہ حیات اور اسی کے حلقہ اثر میں موجود خصوصی افراد انسان ہوں گے ورنہ یہ کلام بے محل مبالغہ اور خلاف حقیقت ہوگا۔ جس کی نسبت حضرت شیخ بہاء الحق والدین جیسے حقیقی مشائخ کی طرف درست نہیں ہو سکتی۔ اس کے علاوہ غیر اللہ کے لیے اس قسم الفاظ استعمال کرنے والے حضرات یہ توجیہ بھی کر سکتے ہیں کہ یہاں پر مضاف محذوف ہے یعنی مظہر قیوم جہان اور مظہر قیوم زمان تو ظاہر ہے کہ جملہ خلائق قیوم جہاں جل جلالہ کی تجلیات کے مظاہر ہیں اگر اس کی جلوہ فرمائی نہ ہو تو کچھ بھی نہیں ہوگا۔ جیسے حضرت شاہ نعمت اللہ ولی نے فرمایا؛

''فَلَوْلَاهُ وَلَوْ لَانَا لَمَا كَانَ الَّذِىْ كَانَ''

اس کے چند سطر بعد فرمایا ''فَصَارَ الْاَمْرُ مَقْسُوْمًا بِاِيَّاهُ وَاِيَّانَا''(۱)

یعنی قیوم جہاں جل جلالہ کی جلوہ فرمائی اور ہماری مظہریت نہ ہو تو دنیا کا یہ نظام ہی نہ ہوگا۔ بخاری شریف کی حدیث میں آیا ہے کہ جنگ احزاب کے موقع پر خندق کھودتے ہوئے اللہ

(۱) دیوان شاہ نعمت اللہ ولی، ص23۔

Marfat.com

کے رسول رحمت عالم ﷺ نے اپنی ذات وصفات سمیت صحابہ کرام کی ذوات وصفات کو مظہر جلوہ الٰہی قرار دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے بایں الفاظ مناجات کی:

''لَوْلَا اَنْتَ مَااهْتَدَيْنَا وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّيْنَا''(۱)

ان مقدس ہستیوں کے اس قسم کلام کی مذکورہ توجیہات وتاویلات ان کے ساتھ حسن ظن کی بناء پر کی جاتی ہیں کیوں کہ جو کلام صریح کفر یا التزام کفر نہ ہو تو اسے کفریہ قرار لے کر اس کے قائل کو اسلام سے خارج کرنا بجائے خود گناہ کبیرہ واشد الحرام ہے۔ جبکہ کفر سے بچنے کے لیے رکیک سے رکیک اور ضعیف سے ضعیف محمل وتوجیہ ممکن ہو تب بھی گنہگار سے گنہگار مسلمان کے کلام کو بھی کفر سے بچا کر حسن ظن پر محمول کرنے کا حکم ہے۔

جیسے فتاویٰ بحر الرائق میں ہے:

''اِذَا كَانَ فِي الْمَسْئَلَةِ وُجُوْهٌ تُوْجِبُ التَّكْفِيْرَ وَوَجْهٌ وَاحِدٌ يَّمْنَعُهٗ فَعَلَى الْمُفْتِيْ اَنْ يَّمِيْلَ اِلَى الْوَجْهِ الَّذِيْ يَمْنَعُ التَّكْفِيْرَ تَحْسِيْنًا لِلظَّنِّ بِالْمُسْلِمِ''(۲)

جس کا مفہوم یہ ہے کہ جب کسی مسئلہ میں تکفیر کی وجوہ بہت ہوں اور کفر سے بچنے کی صرف ایک وجہ ہو تو مفتی پر لازم ہے کہ مسلمان سے اچھا گمان کرتے ہوئے اس ایک پر عمل کریں۔

ایسے میں اسلام کے ان عظیم نفوس قدسیہ کے اس قسم کثیر الاحتمال کلام کو کفریہ قرار دینا خطرے سے خالی نہیں ہوسکتا۔

ایک مغالطہ کا ازالہ:۔ ہماری اس تحقیق سے کوئی اس مغالطہ میں مبتلا نہ ہو جائے کہ جب مرشد الناس اور پیشروانِ اسلام ہونے کی بنیاد پر اکابرین اسلام کے اس قسم کلام کو کفر سے بچایا جاسکتا ہے تو جن لوگوں نے ختم نبوت زمانی کے عقیدہ کو جہلاء کا خیال کہہ کر اس کے مقابلہ میں دوسرے نبی کی پیدائش کو جائز قرار دیا ہے وہ بھی تو مرشد الناس کہلاتے ہیں تو پھر اس تفریق کا

---

(۱) بخاری شریف، کتاب المغازی، ص213۔

(۲) بحر الرائق، ج5، ص134۔

Marfat.com

کیا جواز ہے؟

اِس کا جواب یہ ہے کہ سلف صالحین کے اس قسم کلام کو اس بنیاد پر کفر سے نہیں بچایا جارہا کہ وہ مرشد الناس اور پیشروانِ اسلام تھے۔ (حاشا وکلا) التزام کفر کے حوالہ سے اس تفریق کا تصور بھی اسلام میں نہیں ہے بلکہ اسلام کے اُصول واحکام سب کے لیے برابر ہیں کفر ہوگا تو سب کے لیے ہوگا، اسلام ہوگا تب بھی سب کے لیے ہوگا بلکہ اکابرین اسلام کے اس قسم کلام کو محض اس بنیاد پر کفریہ قرار نہیں دیا جاسکتا ہے کہ اس میں التزامِ کفر نہیں ہے اور لزومِ کفر کے فتویٰ سے بچنے کے لیے بھی جائز احتمالات وتاویلات کی طویل فہرست موجود ہے۔ جبکہ ختم زمانی کا عقیدہ ضروریاتِ دین کے قبیل سے ہے اسے جہلاء کا خیال قرار لے کر اس کے مقابلہ میں دوسرا مفہوم اختراع کرنے والا ضرورتِ دینی سے صراحتاً منکر ہو رہا ہے۔ جو التزامِ کفر ہے جس کو بزرگانِ دین کے اس کثیر الاحتمال کلام پر قیاس کرنا آسمان کو زمین پر قیاس کرنے سے مختلف نہیں ہے بلکہ صریح کفر کو مسلمان کے کسی مبہم کردار کے ساتھ تشبیہ دینے کے مترادف ہونے کی وجہ سے ناقابل التفات وسوسہ کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ تاہم اِس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ ہر کسی کو ایسے مبہم اور قابل اعتراض کلام کرنے کی اجازت دی جائے نکتہ بعد الوقوع کے طور پر جائز محمل تلاش کرکے بزرگوں کے بارے میں اچھا گمان کرنا اور چیز ہے جبکہ قابل اعتراض اور عدم جواز کے موہم کلام سے اجتناب کرنے سے متعلق شرعی احکام پر عمل کرنا اپنی جگہ ضروری ہے۔ جس میں اہل علم اور غیر اہل علم کی کوئی تفریق نہیں ہے۔ جیسے فقہاء کرام نے بیک آواز فرمایا:

''مجرد ایہام المعنی المحال کافٍ فی المنع''(۱)

شریعت مقدسہ کے ان امتناعی احکام کی موجودگی میں اِس قسم کلام کی کھلے عام اجازت ہرگز نہیں دی جاسکتی ورنہ غیر معیاری مشائخ کیا سے کیا بنادیں گے۔ (العیاذ باللہ)

☆☆☆☆☆

---

(۱) فتاوی ردالمحتار، ج5، ص253۔

Marfat.com

ایک اہم اشتباہ کا ازالہ

سوال یہ ہے کہ لزومِ کفر کی تفصیل میں بے نمازی کو قابل نفرت جرم نہ کہنے کو کلمہ کفر اور لزوم کفر قرار دیا گیا ہے جبکہ کلمہ کفر ہمیشہ التزام کفر کو کہا جاتا ہے۔ جیسے فتاویٰ درالمختار میں ہے؛

''وَرُکْنُهَا اِجْرَآءُ کَلِمَةِ الْکُفْرِ عَلَی اللِّسَانِ بَعْدَ الْاِیْمَانِ''(۱)

یعنی مرتد ہونے کے لیے رکن یہ ہے کہ ایمان کے بعد کلمہ کفر کو زبان پر جاری کیا جائے۔

تو ظاہر ہے کہ کلمہ کفر کا لزوم کفر ہونے کی صورت میں ارتداد نہیں ہوتا کیوں کہ ارتداد کے لیے لزوم کفر نہیں بلکہ التزام کفر کا ہونا ضروری ہے۔ کلمہ کفر بولنے کو ارتداد کے لیے رکن قرار دینے کا مقصد اس کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے کہ جہاں پر بھی بعد الایمان کلمہ کفر بولا جائے وہیں پر ارتداد ثابت ہو جاتا ہے جو التزامِ کفر کے بغیر ممکن ہی نہیں ہے کیوں کہ ارتداد اور التزامِ کفر ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔ جس کے پائے جانے کے لیے کلمہ کفر بولنا رکن ہے ایسے میں کلمہ کفر کو لزومِ کفر کہنے کا کیا جواز ہوسکتا ہے؟

اِس کا جواب یہ ہے کہ جہاں تک التزامِ کفر کو اور ارتداد کو مساوی فی المصداق کہہ کر ایک چیز کے دو نام کہنا ہے یہ تو درست ہے کہ ارتداد اور التزامِ کفر کے مفہوم ایک دوسرے سے جدا ہونے کے باوجود مصداق دونوں کا ایک ہے کہ ارتداد کا پایا جانا التزامِ کفر کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ اِسی طرح التزام کفر کا پایا جانا ارتداد کے بغیر ناممکن ہے لیکن ہر کلمہ کفر کو التزامِ کفر کہنا حقیقت کے خلاف ہے۔ فتاویٰ درالمختار کی مذکورہ عبارت سے اس پر استدلال کرنا سوءِ فہم کا نتیجہ ہے کیوں کہ صاحب درالمختار کا ''اِجْرَآءُ کَلِمَةِ الْکُفْرِ عَلَی اللِّسَانِ بَعْدَ الْاِیْمَانِ'' کو

(۱) فتاویٰ درالمختار، باب المرتد، ج 1، ص 355۔

Marfat.com

ارتداد کے لیے رکن قرار دینے کا مقصد کسی پر مرتد کے احکام جاری کرنے کے لیے ظاہری رکن بتانے کے سوااور کچھ نہیں ہے کہ جب تک اپنی رضا واختیار کے ساتھ بلا جبر واکراہ صراحتاً کلمہ کفرنہیں بولتا اس وقت تک کسی بھی مدعی اسلام کو غیر مسلم قرار دے کر مرتد کے احکام اس پر جاری کرنا جائز نہیں ہے۔فتاویٰ ردالمحتار علی الدرالمختار میں حضرت ابن عابدین نَوَّرَاللّٰہُ مَرْقَدَہٗ نے بھی درمختار کی اس عبارت کو اسی مقصد پر محمول قرار دیا ہے۔جس کے الفاظ یہ ہیں؛

''هٰـذَا بِـالـنِّسْبَةِ اِلَى الظَّاهِرِ الَّذِىْ يَحْكُمُ بِهِ الْحَاكِمُ وَاِلَّا فَقَدْ تَكُوْنُ بِدُوْنِهٖ كَمَا لَوْ عَرَضَ لَهٗ اِعْتِقَادُ بَاطِلٍ اَوْ نَوٰى اَنْ يَّكْفُرَ بَعْدَ حِيْنٍ ''(۱)

جسکا مفہوم یہ ہے کہ صاحب درالمختار کا'' اِجْرَآءُ كَلِمَةِ الْكُفْرِ عَلَى اللِّسَانِ بَعْدَ الْاِيْمَانِ '' کو ارتداد کیلئے رکن قرار دینے کا مطلب یہ ہے کہ یہ شریعت کے ظاہری احکام اس پر جاری کرنے کے لیے ہے ورنہ اگر ایسا نہ ہو تو پھر نفس ارتداد کے لیے اس کو رکن قرار دینا غلط ہوگا کیونکہ نفس ارتداد اس کے بغیر بھی پایا جاتا ہے جیسے کوئی شخص بعد الایمان کسی ضرورت دینی کی ضد یا نقیض کا عقیدہ کرے یا بعد میں کسی وقت کافر ہونیکی نیت کرے۔ان صورتوں میں ارتداد بالیقین پایا جاتا ہے جبکہ'' اِجْرَآءُ كَلِمَةِ الْكُفْرِ عَلَى اللِّسَانِ ''موجود نہیں ہے۔

حضرت ابن عابدین کے معاصر سید احمد طحطاوی نے طحطاوی علی الدرالمختار میں فتاویٰ درالمختار کے اس کردار پر اعتراض کرنے کے بعد اس کو ارتداد کی صرف ظاہری قسم کے ساتھ خاص قرار دیا ہے۔جس کے الفاظ یہ ہیں؛

''فِيْـهِ اِنَّهَا تَتَحَقَّقُ بِالْاِعْتِقَادِ الْقَلْبِيِّ كَمَا اِذَا اعْتَقَدَ اِتِّصَافَهٗ تَعَالٰى بِمَا لَا يَلِيْقُ بِـهٖ فَـاِنَّـهٗ يَـرْتَدُّ وَ اِنْ لَمْ يَتَلَفَّظْ بِهٖ وَكَمَا اِذَا نَوَى الْكُفْرَ بَعْدَ حِيْنٍ وَقَدْ يُقَالُ اِنَّ الْمَوْضُوْعَ الرِّدَّةُ الظَّاهِرَةُ''

جس کا مفہوم یہ ہے کہ فتاویٰ درالمختار کا ارتداد کے لیے'' اِجْرَآءُ كَلِمَةِ الْكُفْرِ عَلَى

(۱) فتاویٰ ردالمحتار علی درالمختار، باب المرتد، ج3، ص 310۔

Marfat.com

اللِّسَانِ ''کورکن قرار دینا اِس لیے غلط ہے کہ ارتداد اس کے بغیر بھی پایا جاتا ہے۔ جیسے کوئی مدعی ایمان اللہ تعالیٰ کو اس کی شان کے منافی کام سے متصف ہونے کا عقیدہ کرے یا بعد میں کسی وقت کافر ہونے کی نیت کرے۔

درالمختار کی اس عبارت کو اس اعتراض سے بچانے کے لیے کہا جاتا ہے کہ اس سے مراد صرف ظاہری ارتداد ہے کہ مصنف نے اسی کو موضوع کلام بنایا ہے۔ الغرض کتب فقہ میں موجود اس عبارت سے یہ استدلال کرنا کہ کلمہ کفر ہمیشہ التزام کفر ہوتا ہے سُوفہم اور اِسکے متعلقہ تشریحات وتصریحات سے غفلت کا نتیجہ ہے، جس پر مذکورہ اعتراض کو بنا کرنا بناء الغلط علی الغلط کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

کلمۂ کفر، لزومِ کفر، التزامِ کفر کے مفاہیم ثلاثہ کی باہمی مناسبت:۔

مذکورہ اعتراض کے اس **اِجمالی جواب** کے بعد ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ اس کی مکمل تفصیل پیش کریں جو کلمہ کفر، لزومِ کفر، التزامِ کفر کے مفاہیم ثلاثہ کے ماصدق علیہ اور ان کے افراد کے حوالہ سے مناسبت کو واضح کیے بغیر نہیں ہوسکتی۔ اس سے قبل ہم بتا چکے ہیں کہ ارتداد اور التزام کفر ایک چیز کے دو نام ہیں۔ لہٰذا ان کے افراد کا ایک دوسرے کے بغیر پائے جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ نیز لزومِ کفر اور التزامِ کفر کے مابین تباین کلی اور ان کے افراد کا جمع نہ ہونا بھی گزشتہ صفحات میں تفصیل کے ساتھ بیان ہو چکا ہے۔ ایسے میں کلمہ کفر کے حوالہ سے صرف لزومِ کفر اور التزامِ کفر ہی محتاج بیان رہ جاتے ہیں۔

تو اِس کی تفصیل یہ ہے کہ لزومِ کفر و التزامِ کفر میں سے ہر ایک کلمہ کفر کے ساتھ عموم وخصوص کی نسبت رکھتا ہے کہ التزامِ کفر بغیر کلمہ کفر کے پایا جاتا ہے جیسے زبان سے کچھ کہے بغیر محض دل ہی دل میں کسی ضرورت دینی سے انکار یا اس کی ضد یا نقیض کے ساتھ عقیدہ رکھنے کی صورتوں میں ہوتا ہے، اِسی طرح کلمہ کفر بھی التزامِ کفر کے بغیر پایا جاتا ہے جیسے لزومِ کفر کی مذکورہ تمام

Marfat.com

صورتوں میں ہوتا ہے۔ایک دوسرے سے بغیر علیحدہ علیحدہ پائے جانے کی ان صورتوں کے علاوہ کبھی اکٹھے بھی پائے جاتے ہیں۔جیسے زبان سے کسی ضرورت دینی سے صراحتاً انکار کرنے یا اس کی ضد یا نقیض کے ساتھ عقیدہ کا زبان سے اقرار کرنے یا اس کے ساتھ ایمان لانے کے لوازمات خمسہ مذکورہ فی الصفحات الماضیہ میں سے کسی ایک کی ضد یا نقیض کا زبان سے اقرار کرنے کی صورتوں میں ہوتا ہے۔

اِسی طرح لزوم کفر اور کلمہ کفر میں سے ہر ایک من وجہ عام اور من وجہ خاص ہے کہ لزومِ کفر کلمہ کفر کے بغیر ان تمام صورتوں میں پایا جاتا ہے جہاں پر کسی مدعی ایمان کا زبان سے کچھ بولے بغیر کسی ضرورت دینی کے بظاہر منافی کسی بھی غیر صریح عمل کا ارتکاب کرتا ہے۔مثال کے طور کسی بدنصیب کا قرآن شریف کو موجودہ دور کے لیے نا قابل عمل اور غیر مفید کہنے پر سننے والے کا ہنستے ہوئے سر ہلانا جو بالیقین لزوم کفر ہے کیوں کہ یہ رضا بالکفر فی الجملہ کی علامت ہے اور رضا بالکفر کی ہر علامت کفر ہوتی ہے۔لہٰذا یہ بھی کفر ہے لیکن التزام کفر اس لیے نہیں ہے کہ یہ صریح فی الکفر نہیں ہے جبکہ التزام کفر کے لیے صریح فی الکفر ہونا ضروری ہے۔

نیز اس میں کفر نہ ہونے کا احتمال بھی موجود ہے کہ شاید اس کے اس کفر کو مجنون کی بڑ سمجھ کر ایسا کیا ہو یا کھلے بندو اتنی بڑی جرات کرنے پر تعجب کی بناء پر ایسا کیا ہو تو ظاہر ہے کہ عدم کفر کے احتمال کی موجودگی میں التزام کفر کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔کلمۂ کفر کا لزومِ کفر کے بغیر پائے جانے کی مثالوں میں کفر التزامی قولی کی تمام صورتیں شامل ہیں کیوں کہ لزوم کفر اور التزام کفر کے مابین تباین کلی کی نسبت کا لازمہ ہے کہ ان میں سے ایک کے ساتھ جمع ہونے والا دوسرے کے ساتھ جمع نہ ہو ورنہ تباین کلی کا کوئی مطلب ہی نہیں رہتا۔جانبین کا ایک دوسرے کے بغیر پائے جانے کی ان صورتوں کے علاوہ کلمۂ کفر اور لزومِ کفر کی اجتماعی موجودگی کی مثالوں میں لزومِ کفر کی تمام قولی وکلامی اور زبان سے متعلقہ صورتیں شامل ہیں۔

مثال کے طور پر قرآن شریف کو موجودہ دور کے لیے نا قابل عمل اور غیر مفید کہنے والے مرتد

Marfat.com

کے اس جملہ پر تبصرہ کرتے ہوئے کسی مسلمان کا یہ کہنا کہ ''یہ عام سی بات ہے'' لزوم کفر اس لیے ہے کہ یہ اس ارتداد سے عدم بیزاری پر مشتمل ہے۔

جو کلمہ بھی ارتداد سے عدم بیزاری پر مشتمل ہو کفر ہوتا ہے۔

لہٰذا یہ بھی کفر ہے۔

التزامی کفر اِس کو اس لیے نہیں کہہ سکتے ہیں کہ یہ کلمۂ ارتداد سے عدم بیزاری پر مشتمل ہونے میں صریح نہیں ہے جبکہ التزامی کفر صریح ہوتا ہے۔ نیز یہ کہ اس میں یہ احتمال بھی موجود ہے کہ اس نے صریح کفر کے اس کردار سے بیزاری، افسردگی اور دنیا کے زیادہ انسانوں کو اس میں مبتلا دیکھ کر از روئے افسوس یہ کہہ دیا ہو کہ اس کفر میں یہ تنہا نہیں ہے بلکہ خدا ناشناسوں کی عام دنیا اس میں مبتلا ہے تو ظاہر ہے کہ کفر سے بچنے کے احتمال کی موجودگی میں التزام کفر نہیں ہو سکتا۔

نیز التزامی کفر اپنی بداہت کی وجہ سے خود اپنے آپ پر دلیل ہوتا ہے کسی خارجی دلیل کا محتاج نہیں ہوتا جبکہ یہاں پر ایسا نہیں ہے کیوں کہ قرآن شریف کا ہر دور تاریخ کے لیے قابل عمل اور مفید ضابطۂ حیات ہونے پر ایمان کے لازمہ یعنی اس کے ساتھ محبت و جذبہ عمل اور اس کے مقابلہ میں کسی اور نظام سے بیزاری کے نقیض کو جب تک واسطہ فی الاثبات بنا کر تفصیلی دلیل نہیں بنائی جاتی تب تک کفر کا ثبوت نہیں ہوتا، ایسے میں التزامی کفر کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

کلمۂ کفر، التزامِ کفر اور لزومِ کفر کے مابین مناسبت کے حوالہ سے اس حقیقت کو سمجھنے کے بعد مذکورہ سوال نامہ میں کلمۂ کفر کو ہر جگہ میں التزامِ کفر سے عبارت قرار دینے کی غلطی آپ ہی واضح ہو گئی۔ اس کے ساتھ نوخیز مفتیان کرام وعلماء اسلام کو بھی رہنمائی مل گئی کہ کتب فتاویٰ میں کلمۂ کفر، لفظ کفر اور کفریہ کلام یا کفریہ عبارات جیسے الفاظ جو کثرت کے ساتھ لکھے ہوئے ملتے ہیں وہیں پر ہمیشہ اور ہر جگہ التزامِ کفر ہی مراد نہیں ہوتا بلکہ ایسے الفاظ و مقامات کو التزامِ کفر و لزومِ کفر میں سے کسی ایک کی فہرست میں شامل کرنے کیلئے جنس کفر کے ماتحت ان دو متبائن انواع کی حقیقتوں کو جاننا ضروری ہے جس کے بغیر کوئی بعید نہیں ہے کہ دارالافتاء کے ناتجربہ

Marfat.com

کار اہل کاروں کے ہاتھوں کسی غیر ملتزم الکفر کو مرتد قرار دینے کی غلطی ہو سکے جو اصلاح کی بجائے فساد ہے "اَلْاِسْلَام یَعْلُوْ" کے بجائے اسلام کو کمزور کرنے کا سبب ہے اور مسلمانوں کی رہنمائی کی جگہ التباس الحق بالباطل کی بدترین صورت ہے۔ ہمارے موجودہ دور کے دینی مدارس کی روش اس حوالہ سے قابل رحم ہے کہ سالانہ ہزاروں کی تعداد میں فارغ تحصیل ہونے والوں میں 2% بھی ایسے نظر نہیں آ رہے ہیں جو لزوم کفر اور التزام کفر کے مابین بنیادی فرق کو ہی سمجھ سکیں چہ جائیکہ ان سے کلمۂ کفر کی لزومِ کفر اور التزامِ کفر کے ساتھ نسبت کو سمجھنے کی توقع کی جا سکے۔ ایسے میں مذکور فی السوال جیسے "بِنَاءُ الْغَلَطِ عَلَی الْغَلَطِ" کا اشتباہ ان حضرات کو نہ ہوگا تو اور کس کو ہوگا۔ (فَاِلَی اللّٰهِ الْمُشْتَکٰی)

مزید برآں یہ کہ جن مدارس میں مفتی کورس کرایا جاتا ہے اصل مسئلہ کی طرف توجہ دیئے بغیر اس کا نتیجہ بھی وقت ضائع کرنے والوں کا مزید وقت ضائع کرنے کے سوا اور کچھ نہیں ہے کیوں کہ اس کورس میں رسم المفتی کے چند طریقے بتانے کے علاوہ ہر نظریہ کے مفتیان کرام ماضی قریب میں اپنے مخصوص نظریہ و پسند کے مفتیوں کی لکھی ہوئی مخصوص دستاویزات کی تمرین و مشق کراتے ہیں۔ جہاں تک فتویٰ نویسی کے مخصوص طریقے ہیں وہ حقیقت میں ایک ہفتہ سے زیادہ عرصہ کے اسباق نہیں ہیں تو پھر ان پر ایک سال کا طویل دورانیہ صرف کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے اور جہاں تک اپنے مخصوص نظریہ کی مخصوص کتابوں کے مندرجات کی تمرین کرانے کا مسئلہ ہے تو یہ نو خیز متلاشیان علم کے لیے خود فریبی کے مترادف ہے، دینی مدارس سے وابستہ عوامی امیدوں کے مطابق نہیں ہے اور اسلام کی جامعیت و گہرائی کے برعکس سطحیت و محدودیت کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ اس روش کے بجائے اگر درس نظامی کی حقیقی تعلیم و تدریس کا اہتمام کیا جائے تو اس کی افادیت زیادہ ہو سکتی ہے۔ سچ کہا گیا ہے۔

خدا جب حسن دیتا ہے تو نزاکت آ ہی جاتی

حقیقت یہ ہے کہ برصغیر پاک و ہند کے اس پورے خطے کے دینی مدارس میں درس نظامی کا

Marfat.com

خالی نام وڈھانچہ باقی رہ گیا ہے جس کو گلے کا ہار اور ماتھے کا جھومر بنا کر اصحاب مدارس حسن تماشا دکھا رہے ہیں، غیر معیاری مدارس کی شرح پیداوار میں روز افزوں اضافہ ہو رہا ہے اور جس شرح تناسب سے ان مدارس اور ان کی پیداوار میں اضافہ ہو رہا ہے اسی شرح تناسب سے تفقہ فی الدین کا تنزل ہو رہا ہے اس افتادگی کی بنیادی وجہ میں نے اپنی دوسری تصنیف ''اسبابِ زوالِ اُمت'' میں تفصیل کے ساتھ لکھی ہوئی ہے یہاں پر چونکہ یہ ضمناً ذکر ہو رہا ہے لہٰذا صرف اس کی تاریخ کے ذکر کرنے پر اکتفا کرنا مناسب سمجھتا ہوں وہ یہ ہے کہ درس نظامی اور دینی مدارس کے حوالہ سے اس شرمناک تنزل کی تاریخ اُس وقت سے شروع ہوئی جب سے خصوصی مقاصد کے تحت دینی مدارس کے لیے کامیابی کا معیار کثرت روس کو سمجھا جانے لگا۔ طلباء کے حوالہ سے کثرت روس بھرتی کرنے کی اِس تقابلی روش نے اہل مدارس کو اصل مقصد بھلا دیا جس کے نتیجہ میں معکوس العملی کا عالَم کچھ ایسا ہو چکا ہے کہ اگر کچھ با مقصد مدارس میں اکائیوں یا سینکڑوں کی تعداد کو پڑھا کر با مقصد بنایا جا رہا ہے۔ ان کے مقابلہ میں اُن اداروں کو کامیاب تصور کیا جاتا ہے جن میں غیر معیاری معلمین ہزاروں کی تعداد کو لیے بیٹھے ہوئے ہیں، جن سے فارغ تحصیل ہونے والے مخصوص مسلکی مفادات کے پرچارک ہونے، فرقہ واریت ومذہبی تفرقہ بازی کو فضیلت کا معیار تصور کرنے اور ''جو میرے نظریہ پر نہیں وہ مسلمان بھی نہیں'' کی تبلیغ کرنے کے سوا اور کوئی وزن نہیں رکھتے ہیں۔ ایسے میں واقف حال حضرات افسوس کیے بغیر نہیں رہ سکتے ہیں۔ قربان جاؤں اللہ کے حبیب بانی اسلام رحمتِ عالم ﷺ کی دوربین نگاہ بصارت وبصیرت پر ساڑھے چودہ سو (1400) سال قبل ان ہی حالات کی نشان دہی کرتے ہوئے فرمایا تھا:

''یَاتِیْ عَلَی النَّاسِ زَمَانٌ لَا یَبْقٰی مِنَ الْاِسْلَامِ اِلَّا اسْمُہٗ وَلَا یَبْقٰی مِنَ الْقُرْآنِ اِلَّا رَسْمُہٗ''(۱)

---

(۱) مشکوٰۃ شریف کتاب العلم، ص 38۔

Marfat.com

لگتا ہے کہ دینی مدارس کی شرح پیداوار اور ان کے ساتھ مربوط مفیدین و مستفیدین کے تفقہ فی الدین کے حوالہ سے قابل رحم حالت کے متلاطم موجوں میں مستغرق ہو کر اصل موضوع سے کافی دور نکل گیا۔ کلمہ کفر کا لزوم اور التزام کفر کے ساتھ تناسب کی ہماری یہ تحقیق جہاں اسلامی مدارس کے دارالافتاء سے مربوط مفیدین و مستفدین کے لیے رہنما اُصول ہے وہاں پڑھے لکھے اُن عوام کے لیے تنبیہ بھی ہے جو فقہ اسلامی کی مختلف کتابوں میں کچھ باتوں سے متعلق کلمہ کفر لکھا ہوا دیکھ کر مسلمانوں کو کافر کہتے پھرتے ہیں، انہیں سوچنا چاہئے کہ کس قدر خطرناک غلطی کا ارتکاب کر رہے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ اگر ان حضرات کو بے محل کسی مسلمان کو کافر کہنے کے انجام بد کا علم ہو یا کوئی اُنہیں سمجھانے والا ہو یا کم از کم لزوم کفر و التزام کفر کی حقیقتوں کا ادراک ہو تو ایسی بے محل جسارت کبھی نہ کرتے۔ یہ سب کچھ بے علمی کی وجہ سے ہو رہا ہے۔

تکفیری ٹولہ میں مختلف طبقے:۔ الٰہیات کو اُن کے جملہ لوازمات کے ساتھ سمجھ کر پڑھے بغیر کفر کا انتشار پھیلانے والے ان نادانوں کو اگر تکفیری ٹولہ کہا جائے تو بے محل نہیں ہوگا جس میں مندرجہ ذیل طبقے پائے جاتے ہیں؛

1. وہ جو دینی مدارس میں کچھ کتابیں کچی پکی پڑھ کر اسلام سے متعلق جو عقیدہ اور ایمان کا جو معیار قائم کر لیتے ہیں اُس سے خلاف ہر بات کو کفر کہتے ہیں جسے بد تربیتی کا نتیجہ کہا جا سکتا ہے۔
2. وہ جو اسلام کے حوالہ سے بد تربیت اور ایمان و کفر کے مابین حدِ فاصل کے حوالہ سے بدفہم حضرات کے حلقۂ اثر سے متاثر ہیں وہ بھی اپنی مَن پسند سے ہر خلاف قول و عمل کو کفر کہتے ہیں جسے ''صُحبتِ جاہل ترا جاہل کند'' کے سوا اور کچھ نہیں کہا جا سکتا۔
3. غیر معیاری مشائخ اور ناقص پیروں کا وہ طبقہ ہے جو مذہب ناشناس، دینِ اسلام کے عمومی احکام سے بھی نابلد اور جاہلِ محض ہونے کے باوجود علم و معرفت کے مدعی ہوتے ہیں اور جس کسی کے قول و عمل کو بھی اپنے مخصوص اندازِ فکر سے خلاف سمجھتے ہیں اُسے کفر قرار دیتے ہیں۔ اور اُن کے حلقۂ اثر والے بھی جہاں کہیں بھی ہوتے ہیں یہی فساد کرتے ہیں۔ جسے جہل

Marfat.com

محض یا نفس اَمّارہ کے ہاتھوں مغلوب کے سوا اور کچھ نہیں کہا جا سکتا۔

❹ خود کو مذہبِ اسلام کے ذمہ دار اور محراب منبر کے امین کہلانے والے وہ حضرات جو درحقیقت استعمار کے آلہ کار ہوتے ہیں جن کی ڈوری استعمار کے ہاتھ میں ہوتی ہے جسے افتراق بین المسلمین کے لیے ہلائی جاتی ہے اور ایسا ماحول پیدا کیا جاتا ہے جس میں راز داں صرف اکائیوں میں ہوتے ہیں جبکہ اُن کی ہاں میں ہاں ملانے والوں کی بہتات ہوتی ہے مسلمانوں کی تکفیر کرنے والوں کی فہرست میں یہ طبقہ سب سے زیادہ خطرناک ہوتا ہے چاہے اس کی ڈوری مسلم استعمار کے ہاتھ میں ہو یا غیر مسلم استعمار کے ہاتھ میں کیوں کہ اس سے فرقہ واریت کی وہ بلائیں جنم پاتی ہیں جن کی راہیں مسدود کرنے کے لیے مصلحینِ اُمت کی جملہ تدبیریں ماند پڑ جاتی ہیں اور حکومتیں عاجز آ جاتی ہیں۔

❺ محراب و منبر کے ذمہ داروں کے زمرہ میں وہ حضرات جو اسلام کے مزاج سے نا آشنا ہونے کے ساتھ تنگ نظری کے زندان کے اسیر اور عصبیت کے زنگ میں آلودہ ہونے کی وجہ سے کبھی گالی کے طور پر اور کبھی فتویٰ کے طور پر دوسروں کی تکفیر کا گناہ کماتے ہیں۔

❻ دارالافتاء کے ذمہ دار وہ غیر معیاری مفتی جو ایمان اور اُسکی ضد کے مابین حدِ فاصل اور تکفیر کے لیے عندالشرع مقررہ اُصولوں سے غفلت کی بنا پر کسی کے خلاف بے مصرف تکفیر کا فتویٰ صادر کر دیتے ہیں جو اُصولِ تکفیر سے خلاف ہوتا ہے جسے مفتی کی نا اہلی کے سوا اور کچھ نہیں کہا جا سکتا۔

❼ مکفر المسلمین کے طبقہ میں موجود وہ علماءِ سُو ہیں جو کسی کے آلۂ کار بن کر اس جرم کا ارتکاب کرتے ہیں چاہے اِس کیلئے اِنہیں استعمال کرنے والے کے مقاصد سیاسی ہوں یا مذہبی اور اقتصادی ہوں یا معاشرتی، بہر تقدیر علماءِ سُو کو منفی مقاصد کے لیے استعمال کر کے اُن سے تکفیری فتویٰ کی آواز ہ پھیلانے والے باطل پرستوں سے تاریخ کا کوئی دور خالی نہیں ہے۔

Marfat.com

کفربازوں کے آلودہ معاشرہ میں پائے جانے والے یہ سات (7) طبقے وہ ہیں جن سے کوئی شخص انکار نہیں کرسکتا یہ بھی ممکن ہے کہ اِن کے سوا مزید کوئی اور طبقہ بھی کسی معاشرہ میں پایا جاتا ہو۔ بہرحال اسلامی احکام کی روشنی میں یہ سب کے سب کبیرہ گناہ میں مبتلا ہیں، معصیت کار ہیں اور حدیث نبوی ﷺ ﴿اِذا اکفر الرَّجُلُ أخاہُ فقد باء بھا أحدُھما﴾(۱) کے مظہر ہیں جس کے مطابق خود کو کفر کی سرحد تک پہنچاتے ہیں (اَعَاذَنَا اللّٰہُ مِنْہُ)۔ نیز حدیث نبوی ﷺ ﴿لا تُکفِّرْہُ بِذَنْبٍ ، وَلا تُخرِجْہُ مِنَ الإسلامِ بِعَمَلٍ﴾(۲) جیسے اسلامی احکام کو پامال کر کے اللہ تعالیٰ کے قہر وغضب کو دعوت دے رہے ہیں۔ نیز حدیث نبوی ﷺ ﴿مَنْ أُفْتِیَ بِغَیرِ عِلْمٍ کَانَ إِثْمُہُ عَلَی مَنْ أَفْتَاہُ﴾(۳) کے مصداق ہیں۔

تکفیرِ مُسلِم کے جُرم میں مبتلا ساتوں طبقوں کی اِن بدانجامیوں اور اُخروی سزاؤں کے علاوہ یہ کہ ہر مسلمان کو اِن کے ماحول سے دور رہنا چاہیے ہے ورنہ اِن کے رنگ میں رنگین ہونے کے لیے بھی وہی سزائیں لازم ہوتی ہیں جو اُن کے لیے حدیثوں میں مذکور ہوئی ہیں۔ (وَاللّٰہُ الْھَادِی اِلٰی سَبِیْلِ الرَّشَادِ)

☆☆☆☆☆

---

(۱) مسلم شریف، ج 1، ص 57۔

(۲) مشکوۃ شریف، ص 17، باب الکبائر وعلامات التفاق۔

(۳) مشکوۃ شریف، ص 35، کتاب العلم۔

Marfat.com

ایک سوال کا جواب اور مزید تحقیق

یہاں پر یہ سوال اُٹھایا جاسکتا ہے کہ ''اُصولِ تکفیر'' کی اس تحریر میں عارضی کفر کی صرف دو قسمیں بتائی گئی ہیں جبکہ حدیث شریف میں گناہ کبیرہ کے مرتکب کی بھی تکفیر کی گئی ہے۔ جیسے مسلم و بخاری کی مرفوع حدیث میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے آیا ہے:

''قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم لَاتَرْغَبُوْا عَنْ آبَائِکُمْ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ اَبِیْہِ فَقَدْ کَفَرَ''(۱)

یعنی اپنا نسب مت بدلو اور جس نے اپنا نسب تبدیل کیا بے شک وہ کافر ہو گیا۔

تو ظاہر ہے کہ لزومی اور التزامی کفر میں سے ایک بھی اس کو شامل نہیں ہے ایسے میں عارضی کفر کو صرف دو قسموں میں منحصر کرنے کا کیا جواز ہے؟

اِس کا جواب یہ ہے کہ کفر کے دو مفہوم ہیں: **ایک**: شرعی، **دوسرا**: لغوی۔

شریعت کی زبان میں کفر ضرورت دینی کی تکذیب سے عبارت ہے چاہے اصلی ہو یا عارضی۔ اپنے اس مفہوم کے اعتبار سے کفر کا لفظ دنیا بھر میں غیر مسلموں کے جتنے مذاہب پائے جاتے ہیں ان سب کو شامل ہے۔ لیکن ہمارا موضوع بیان چونکہ کسی مدعی اسلام کی تکفیر سے متعلق ہے جس کو عارضی کفر کہا جاتا ہے اِس لیے ہم اِسی کو پیش نظر رکھ کر گفتگو کر رہے ہیں۔ ہمارے موضوع سخن کا تعلق لغوی کفر کے ساتھ نہیں ہے بلکہ یہ صرف اور صرف شرعی مفہوم میں عارضی کفر کیساتھ خاص ہے اور ہم نے کسی مدعی اسلام کی تکفیر کے حوالہ سے اس کو مذکورہ دو قسموں میں جو منحصر بتایا ہے وہ عین حقیقت ہے۔ جہاں تک کفر کے لُغوی مفہوم کی بات ہے وہ یہ ہے کہ عربی لغت میں کفر کا لفظ کسی چیز کو چھپانے کیلئے وضع کیا گیا ہے اور اس کا مادہ یعنی (ک، ف، ر)

(۱) مشکوۃ شریف۔

Marfat.com

کا مجموعہ اس ترتیب کے ساتھ جس شکل وصورت میں بھی پایا جاتا ہے وہیں پر چھپانے کا مفہوم کسی طریقے سے ضرور پایا جاتا ہے۔مفردات القرآن امام الراغب الاصفہانی میں ہے:

''اَلْکُفْرُ فِی اللُّغَۃِ سَتْرُ الشَّیْئِ وصِفَ اللَّیْلُ بِالْکَافِرِ لِسَتْرِہِ الاَشْخَاصَ وَالذراعُ لِسَتْرِہِ الْبَذرَ فِی الْاَرْضِ''(۱)

جس کا مفہوم یہ ہے کہ لغت میں کفر کسی چیز کے چھپانے کو کہتے ہیں اور رات کو اس لیے کافر کہتے ہیں کہ وہ بھی اشخاص کو چھپاتی ہے اور زمیندار کو کافر اس لیے کہتے ہیں کہ وہ بھی تخم کو زمین کے اندر چھپاتا ہے۔

لُغت کے حوالہ سے اس حقیقت کو سمجھنے کے بعد اصل سوال آپ ہی حل ہوجاتا ہے وہ اس طرح کہ قرآن وسنت میں جہاں کہیں گناہ کبیرہ کے مرتکب کو یا ناشکری کرنے والوں کو کافر کہا گیا ہے یا لزوم کفر کا غیر حقیقی فتویٰ صادر کر کے بے گناہوں پر لزوم کفر کے شرعی احکام جاری کیے جاتے ہیں جبکہ حقیقت میں لزوم کفر نہیں ہوتا۔اس قسم کے تمام مواقع کا جائزہ لینے کے بعد کسی مدعی اسلام کو کافر قرار دینے یا کافر کہنے کی مندرجہ ذیل شکلیں سامنے آتی ہیں۔

❶ التزامِ کفر جس میں صاحب کردار کا کفر اپنے شرعی مفہوم میں متعین ویقینی اور بدیہی ہوتا ہے۔جس کو کافر جاننے اور کافر کہنے کے وجوب کے ساتھ مرتد کے جملہ احکام کو اس پر جاری کرنا مسلمانوں کی اجتماعی ذمہ داری ہوتا ہے۔

❷ لزومِ کفر جس میں صاحب کردار کا کفر اپنے شرعی مفہوم میں ظنی طور پر ثابت ہوتا ہے جو نظری اور محتاج دلیل ہونے کی بناء پر دلیل کی نوعیت کا تابع اور غیر یقینی ہے جس وجہ سے صاحب کردار کو کافر جاننا اور کافر کہنا ناجائز وظلم ہے۔جس پر تجدید اسلام،تجدید نکاح اور التوبہ والاستغفار کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

(۱) مفردات القرآن،امام الراغب الاصفهانی، ماده(ك،ف،ر)۔

Marfat.com

۳ لزومِ کفر کی وہ ظاہری اور غیر حقیقی شکل ہے جو کسی غیر معیاری مفتی کے غیر حقیقی فتویٰ کی وجہ سے کفر مشہور ہوا ہے۔ جس کی تمیز بعد میں کسی حقیقی مفتی کی تحقیق کی بدولت ہوتی ہے۔ یہاں پر صاحب کردار دوسرے عام مسلمانوں سے مختلف نہ ہونے کی بناء پر اس کے لیے کوئی خاص احکام بھی نہیں ہیں۔

۴ زجری کفر یعنی کسی گناہ سے لوگوں کو بچانے کی غرض سے اس کے ارتکاب کرنے والوں کو کافر کہنا۔ تکفیر کی اس نوعیت کا حق صرف ان اصحاب محراب ومنبر کو حاصل ہے جن کو علماء حق کہا جاسکتا ہے، جو مذہبی تعصب، فرقہ واریت اور تنگ نظری سے پاک ہونے کے ساتھ باکردار اور مسلمانوں کے خیر خواہ مشہور ہوں۔ جن کو حقیقی معنی میں پیغمبر کریم ﷺ کے جانشین اور ورثۃ الانبیاء کہا جاسکتا ہو۔ اصحاب محراب ومنبر حضرات کی طرف سے زجراً وتوبیخاً اور وعظاً وتبلیغاً کسی گناہ پر تکفیر کرنے کے اس کردار کا تعلق حقیقت میں کفر کے شرعی مفہوم کے ساتھ متعلق نہ ہونے کی وجہ سے لزوم کفر کے ساتھ اس کا کوئی تعلق ہے نہ التزام کفر کے ساتھ۔

۵ تعصبی کفر یعنی مذہبی تعصب کی بناء پر جان بوجھ کر بلاوجہ اپنے مخالف نظریہ والوں کی تکفیر کرنا جس کا حقیقت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ جس کا اصل منشاء جہل اور خدا ناترسی ہوتا ہے۔ جس میں تکفیر کرنے والے متعصب کا مقصد معاشرہ میں اپنے مذہبی حریف کو بدنام و ذلیل کرنے کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا۔ جب کفر کے شرعی مفہوم کے ساتھ اس کا تعلق نہیں ہے تو پھر لزوم کفر یا التزام کفر میں سے کسی ایک زمرہ میں شامل ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

۶ شتمی کفر یعنی گالی کے طور پر کسی مسلمان کو کافر کہنا جس میں تکفیر کرنیوالا مغلوب النفس ہوتا ہے اور اپنے مدمقابل پر غصہ نکالنے کے سوا کوئی اور مقصد اس کا نہیں ہوتا۔ اس کا تعلق بھی کفر کے شرعی مفہوم کے ساتھ نہیں ہے لہٰذا اس کی کسی قسم میں مندرج ہونے کا تصور ہی نہیں ہوسکتا۔

۷ کفر ضیاع العمل، جس میں ایمان کے کسی مقتضاء کو ضائع کیا جائے، ترک کیا جائے یا تقاضائے کفر کا ارتکاب کیا جائے۔ لُغوی کفر کی اِس آخری قسم کے اِجمال کی تفصیل یہ ہے کہ

Marfat.com

شریعت کی زبان میں جس چیز کو حقیقت ایمان کہا جاتا ہے یعنی التصدیق والاقرار بجمیع ضروریات الدین اِس کے کچھ لوازمات ہیں اور کچھ مقتضیات۔

لوازمات سے مراد وہ چیزیں ہیں جن سے حقیقت ایمان کا انفکاک ممکن نہیں ہوتا کہ شریعت نے اُن کے بغیر تصدیق بالقلب اقرار باللسان کو کالعدم قرار دیا ہے جن کو قرآن وسنت کے مطابق تفصیلاً آگے بیان کیا جائے گا۔ (انشاء اللہ تعالیٰ) جبکہ مقتضیات ایمان سے مراد وہ اعمال ہیں جو ایمان کے مظاہر و پہچان ہیں، ایمان کیلئے بمنزلہ جناح وپَر اور زینت ہیں۔ اِسکے باوجود اُن کے بغیر بھی حقیقت ایمان موجود ہوسکتی ہے۔ اِس میں نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور جملہ اعمال صالحہ شامل ہیں جن کو ایمان تقاضا کر رہا ہوتا ہے۔ قرآن وسنت اور محاورہ ولُغت کی زبان میں ایمان کے اِن فروعات ومقتضیات کے ترک پر بھی کفر کا اطلاق آیا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا؛

''وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ'' (۱)

''یعنی جس نے استطاعت کے باوجود فریضہ حج کو ترک کیا تو اللہ تعالیٰ جملہ خلائق سے بے نیاز ہے۔''

دوسری جگہ فرمایا ''فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ'' (۲) یعنی اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے سے انکار کیا۔

اِسی طرح حدیث شریف: ''وَمَنْ تَرَكَ الصَّلٰوةَ فَقَدْ كَفَرَ''

''یعنی جس مسلمان نے نماز کو ترک کیا تو وہ کافر ہوگیا۔''

اہل علم کو جاننا چاہئے کہ اِس قسم سینکڑوں نصوص میں جن باتوں کو کفر کہا گیا ہے وہ مقتضیات ایمان کا ترک ہونے کے سوا اور کوئی شے نہیں ہے۔ یعنی اِس قسم تمام مواقع میں کفر سے مراد حقیقت کفر نہیں ہے جو حقیقت ایمان کی ضد ہے۔ جس سے ایمان ختم ہوکر آدمی مرتد قرار پاتا ہے بلکہ مقتضیات اور فروع ایمان کا ترک ہے اور یہ بھی جاننا چاہئے کہ کفر جو بالیقین ایمان کی

(۱) آلِ عمران، 97۔

(۲) النحل، 112۔

Marfat.com

ضد ہے۔ اِس تفصیل کے ساتھ ہے کہ حقیقت ایمان اور حقیقت کفر باہمی مخصوص ضدین ہیں کہ ایک کا وجود آپ ہی دوسرے کے عدم پر دلیل ہے۔ جس کے بعد اُس کے معدوم ہونے پر کوئی اور دلیل تلاش کرنیکی ضرورت نہیں۔ اِسی طرح فروع ومقتضیات کفر اور فروع ومقتضیات ایمان بھی اپنے آپس مخصوص ضدین ہیں یعنی ایسا نہیں ہوسکتا کہ ایک کی فرع ومقتضا دوسرے کی اصل وحقیقت کی ضد ہو جائے نہیں ایسا ہرگز نہیں ہے۔

تکفیر کی ان قسموں کو سمجھنے کے بعد مذکورہ سوال کا جواب بھی واضح ہوگیا کہ کسی کبیرہ گناہ کے مرتکب کو قرآن وسنت میں جو کافر کہا گیا ہے اس کا تعلق محراب ومنبر کیساتھ ہے دارالافتاء کے ساتھ نہیں، زجر وتوبیخ اور تہدید وتحذیر کے ساتھ ہے حقیقت کے ساتھ نہیں اور کفر کے لغوی معنی کیساتھ ہے شرعی مفہوم کیساتھ نہیں جبکہ عارضی کفر کو لزومی والتزامی میں منحصر کہنے میں شرعی مفہوم کے اعتبار سے حقیقی کفر کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ (فَلِلّٰہِ الْحَمْدُ اَوَّلاً وَّ آخِرًا ظَاهِرًا وَّبَاطِنًا)

خاص دارالافتاء کی رہنمائی کے لیے حاشیتی افادے:۔ لزوم کفر اور التزام کفر میں سے ہر ایک کے جداگانہ احکام کی تفصیل سے گزشتہ صفحات میں ہم فارغ ہوکر آئے ہیں لہٰذا یہاں پر صرف باقی چاروں قسموں کے احکام وعواقب کو بیان کرنا مناسب سمجھتے ہیں تاکہ دارالافتاء کی رہنمائی ہونے کیساتھ عام قاریوں کے لیے بھی ہدایت کا سامان ہوسکے۔

1 تکفیر کی تیسری قسم یعنی تکفیر کرنے میں اجتہادی غلطی سے کسی نارمل مسلمان پر لزوم کفر کے احکام جاری کرنے والے اگر معیاری مفتی ہوں۔ جنہوں نے لزوم کفر کی علت کو تلاش کرنے اور وجہ لزوم کو متعین کرنے میں اجتہادی غلطی کرنے کی بناء پر ایسا کیا ہوتو ان پر کوئی وبال نہیں ہے کیوں کہ شریعت کے مسلمہ اُصول ''اَلْمُجْتَهِدُ قَدْ يُخْطِئُ وَقَدْ يُصِيبُ'' کے مطابق وبال وعذاب کا کوئی تصور ہی نہیں کیا جاسکتا جبکہ اخلاص کے ساتھ حق تک پہنچنے کی کوشش کرنے کا اجر ملنا ممکن ہے۔ اور اگر غیر معیاری ہوتو پھر قابل ملامت ومستحق عذاب ہوسکتا ہے کیوں کہ نااہل کو منصب اِفتاء پر بیٹھنے کی اجازت اسلام میں نہیں ہے۔ جسکی بدانجامی سے متعلق اللہ کے

Marfat.com

حبیب رحمت عالم ﷺ کی حدیث ہے؛

''مَنْ اَفْتَا بِغَیْرِ عِلْمٍ لَعَنَتْهُ مَلَائِکَةُ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ''(۱)

جس کا مفہوم یہ ہے کہ جس نے معیاری علم کے بغیر فتویٰ دیا تو اس پر آسمان وزمین کے فرشتے لعنت بھیجتے ہیں۔

دارالافتاء پر ایسے ہی نااہلوں کے مسلط ہونے کی بدانجامی کی خبر دیتے ہوئے اللہ کے حبیب ﷺ نے فرمایا ''فَسئلُوْا فَافْتَوْا بِغَیْرِ عِلْمٍ فَضَلُّوْا وَاَضَلُّوْ''(۲)

جس کا مفہوم یہ ہے کہ حقیقی علماء دین کے فقدان کے وقت لوگ نااہلوں سے مسئلہ پوچھیں گے تو وہ بغیر علم کے فتویٰ دے کر خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔

فتاویٰ بحرالرائق میں ہے ''وَاَمَّا مَا ثَبَتَ عَنْ غَیْرِہٖ فَلَا یُفْتیٰ بِهٖ فِیْ مِثْلِ التَّکْفِیْرِ''(۳)

جسکا مفہوم یہ ہے کہ اگر غیر معیاری مفتی کسی بات کولزوم کفر قرار دیں تو اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

فتاویٰ فتح القدیر میں بھی ''وَلَا عِبْرَةَ بِغَیْرِ الْفُقَهَاءِ'' کا لفظ لکھا ہوا ہے۔

اِس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب غیر معیاری مفتی کا دیا ہوا لزوم کفر کا فتویٰ حسن اتفاق سے درست بھی ہو پھر بھی اپنی حیثیت سے تجاوز کرنیکی بناء پر وہ سزا کا مستحق قرار پاتا ہے اور غلط ہونیکی صورت میں دوہری سزاؤں کا مستحق ہوتا ہے جبکہ معیاری مفتی کا معاملہ اسکے برعکس ہے کہ اسے غلط ہونیکی صورت میں ایک اجر اور درست ہونیکی صورت میں دوچند اجر کا مستحق قرار دیا گیا ہے۔ جیسے منہاج الوصول، جلد 4، صفحہ 556 پر لکھا ہوا ہے کہ اہل سنت کے تمام مسالک میں ایسا ہی ہے۔

❹ تکفیر کی چوتھی قسم کا شرعی حکم یہ ہے کہ قرآن وسنت کے خلاف نہ ہونے کی بناء پر جائز عمل

---

(۱) کنز العمال شریف، ج10، ص193، حدیث نمبر29018، مطبوعہ بیروت۔

(۲) مشکوٰۃ شریف، کتاب العلم بحوالہ مسلم وبخاری شریف، ص33۔

(۳) بحرالرائق، ج5، ص129۔

Marfat.com

ہے اوراس بنیاد پر بھی موجب اجر ہے کہ انکے اس انداز تبلیغ کے نتیجہ میں جتنے لوگ گناہوں سے بچتے ہیں یا نفرت کرتے ہیں ان سب کے برابر اجر وثواب کا استحقاق ان کو بھی حاصل ہوتا ہے۔ جیسے مرفوع حدیث شریف میں آیا ہے، اللہ کے حبیب رحمت عالم ﷺ نے فرمایا:

''لَاَنْ یَھْدِیَ اللّٰہُ بِکَ رَجُلاً وَّاحِداً خَیْرُ لَکَ مِنْ حُمُرِ النَّعَمِ''(۱)

جس کا مفہوم یہ ہے کہ تیری تبلیغ کی برکت سے ایک آدمی کا ہدایت پانا بھی تیرے لیے سرخ اُونٹوں سے زیادہ بہتر ہے۔

۴ تکفیر کی پانچویں قسم کا شرعی حکم یہ ہے کہ تعصب کی بناء پر دیدہ دانستہ ایک دوسرے کی بے محل تکفیر کرنا کبیرہ گناہ ہے لہٰذا جو سزائیں اور عذاب دوسرے کبیرہ گناہوں کے مرتکبوں کے لیے مقرر ہیں اِس کی سزاوانجام بھی اُن سے مختلف نہیں ہے۔ اس کے علاوہ حدیث شریف میں ایسی تکفیر کو قتل کے برابر جرم قرار دیا گیا ہے۔ جیسے فرمایا:

''مَنْ رَمیٰ مُوْمِناً بِکُفْرٍ فَھُوَ کَقَتْلِہٖ''(۲)

جس کا مفہوم یہ ہے کہ جس نے کسی مسلمان کی بے محل تکفیر کی تو وہ اس کے قتل کرنے کے برابر جرم ہے۔

دوسری حدیث میں آیا:

''وَمَنْ دَعَا رَجُلاً بِالْکُفْرِ اَوْقَالَ عَدُوَّ اللّٰہِ وَلَیْسَ کَذَالِکَ اِلَّاحَارَ عَلَیْہِ''(۳)

جس کا مفہوم یہ ہے کہ جس نے بھی کسی مسلمان شخص کو کافر کہا یا اللہ کا دشمن کہا جبکہ حقیقت میں وہ ایسا نہیں ہے تو اس کا وبال واپس اسی پر آئے گا۔

تیسری حدیث میں آیا ہے کہ ''اَیُّمَا امْرِیءٍ قَالَ لِاَخِیْہِ کَافِرُ فَقَدْ بَاءَ بِھَا اَحَدُھُمَا اِنْ

(۱) بخاری شریف، ج2، ص606۔

(۲) جامع الصغیر مع فیض القدیر، ج6،ص139۔

(۳) مسلم شریف، ج1،ص57۔

Marfat.com

كَانَ كَمَاقَالَ وَاِلَّارَجَعَتْ عَلَيْهِ''(۱)

جس کا مفہوم یہ ہے کہ جس نے بھی اپنے کسی اسلامی بھائی کو کافر کہا تو ان میں سے ایک بالیقین اس کا مستحق قرار پاتا ہے۔ اگر حقیقت میں ایسا ہی ہے جیسے اس نے کہا ہے تو پھر ٹھیک کہا ہے ورنہ اس کا وبال واپس اسی پر آجائے گا۔

چوتھی حدیث میں اس کو زنا کی تہمت لگانے کے کبیرہ گناہ کے ساتھ تشبیہ دینے کے ساتھ قتل کے برابر قرار دیا گیا ہے۔ جیسے فرمایا؛

''وَمَنْ قَذَفَ مُؤْمِنًابِكُفْرٍ فَهُوَ كَقَتْلِهِ''(۲)

جس کا مفہوم یہ ہے کہ جس نے بھی کسی مومن مسلمان پر کفر کی تہمت لگائی تو وہ اس کے قتل کرنے کی طرح ہے۔

تعصب کی بناء پر اپنے کسی مخالف نظریہ والے مسلمان کو یا جماعت کو کافر کہنے والے نہ صرف ایک بار گناہ کبیرہ کے مرتکب ہوتے ہیں بلکہ کم از کم تین بار اللہ کے عذاب ولعنت کا استحقاق پا رہے ہیں؛

ایک:۔ تعصب جیسی حرام کاری میں مبتلا ہیں۔

دوسرا:۔ تکفیر مسلم کی لعنت میں مبتلا ہیں۔

تیسرا:۔ مسلم معاشرہ میں نفرت وتعصب پھیلانے کے جرم میں مبتلا ہیں۔

اِس کے علاوہ یہ بھی ہے کہ بعض حدیثوں کے مطابق تعصب کی وجہ سے اپنے مخالف نظریہ والوں کو کافر قرار لے کر مسلم معاشرہ میں فرقہ واریت پھیلانے اور بیضۃ الاسلام کو پراگندہ کرنے والوں کو واجب القتل قرار دیا گیا ہے۔ جیسے فرمایا؛

---

(۱) مسلم شریف، ج 1، ص 57۔

(۲) مشکوٰۃ شریف، باب الایمان والنذور۔

Marfat.com

''سَیَکُوْنُ هُنَاتٌ وَهُنَاتٌ فَمَنْ اَرَادَ اَنْ یُفَرِّقَ اَمْرَ هٰذِهِ الْاُمَّةِ وَهِیَ جَمِیْعٌ فَاضْرِبُوْهُ بِالسَّیْفِ کَائِناً مَنْ کَانَ''(۱)

جس کا مفہوم یہ ہے کہ آئندہ تم پر شر وفساد کا دور آئے گا تو جس نے بھی اس اُمت کی جمعیت کو متفرق کرنے کا ارادہ کیا اسے شمشیر کے ساتھ قتل کرو چاہے کسی باشد۔

❻ تکفیر کی چھٹی قسم کا شرعی حکم یہ ہے کہ یہ بھی کبیرہ گناہ ہے لہٰذا گناہ کبیرہ کے مرتکب سیاہ کاروں کے لیے جو عذاب مقرر ہے وہ ان کے لیے بھی ہے اس کے علاوہ انفرادی سزاؤں کے سلسلہ میں ان کے خود کافر ہونے کا اندیشہ بھی ہوسکتا ہے۔ جیسے اللہ کے حبیب ﷺ نے فرمایا:

''مَنْ دَعَا رَجُلاً بِالْکُفْرِ اَوْقَالَ عَدُوَّاللّٰهِ وَلَیْسَ کَذَالِکَ اِلَّا حَارَ عَلَیْهِ''(۲)

جس کا مفہوم یہ ہے کہ جس نے بھی کسی مسلمان شخص کو کافر کہا یا اللہ کا دشمن کہا جبکہ حقیقت میں وہ ایسا نہیں ہے تو اس کا وبال خود اسی پر آئے گا۔

☆☆☆☆☆

---

(۱) مشکوٰۃ شریف، ص320، کتاب الامارۃ بحوالہ مسلم شریف۔

(۲) مسلم شریف، ج1، ص57۔

Marfat.com

لزومِ کفر اور التزامِ کفر کی تمیز شاہ عبدالعزیز کے کلام میں

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ نے عارضی کفر کی ان دو قسموں کے مابین جو فرق بتایا ہے وہ ان کے اپنے کلام میں اس طرح ہے۔

''فرق در لزوم کفر والتزام آنست کہ نصیکہ کہ در مقدمہ وارد شدہ و آن نص را کسی تاویل دور از کار کہ باعتبار قواعد عربیہ واصول راست نیاید نمودہ مدلول ظاہران را انکار نماید پس لزوم کفر متحقق شد لکن التزام وقتی متحقق می شود کہ مدلول نص را مدلول نص اعتقاد کردہ بے تاویل انکارش نماید و گوید کہ ہر چند نص وارد شدہ است اما من ان معنی را قبول نہ دارم پس لزوم کفر نظر بواقع و نفس الامر است والتزام باعتبار اعتقاد منکر و معنی لزوم کفر آنست کہ این عقیدہ کہ در حقیقت کفر است وجحود لازم می آید بر قائل گو قائل آن نداند کہ جحود و کفر است''(۱)

جس کا مفہوم یہ ہے کہ لزوم کفر اور التزام کفر میں فرق یہ ہے کہ جس مسئلہ میں نص وارد ہوا ہے قواعد عربیہ اور مسلمہ اُصولوں کے خلاف اس میں تاویل کر کے اس کے ظاہری مدلول و مفہوم سے انکار کیا جائے تو اس میں لزوم کفر ثابت ہوتا ہے جبکہ التزام کفر تب ثابت ہو سکتا ہے کہ نص کے ظاہری مدلول و مفہوم کو اس کا مدلول و مفہوم عقیدہ کرنے کے بعد بغیر کسی

(۱) فتاویٰ عزیزی، حصہ اول، ص 122، مطبوعہ کتب خانہ رحیمیہ، یو پی، ہندوستان۔

Marfat.com

تاویل کے انکار کیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ اس پر نص اگرچہ موجود ہے تاہم میں اس کے اس مدلول و مفہوم کو تسلیم نہیں کرتا۔ تو لزوم کفر واقعہ اور نفس الامر کے اعتبار سے ہوتا ہے جبکہ التزام کفر منکر کے عقیدہ کے اعتبار سے ہوتا ہے اور کفر کے لازم ہونے کے معنی یہ ہیں کہ قائل پر انکار و کفر والا جو عقیدہ عائد ہو رہا ہے اسے اس کا علم ہی نہیں ہے۔

لزوم اور التزام کفر کے مابین تفریق کے سلسلہ میں حضرت شاہ صاحب کا یہ کلام اپنی جگہ حقیقت ہونے کے باوجود بادی النظر میں درج ذیل اشتباہات کا موجب ہے:

اوّل:۔ اِس سے لزومِ کفر کا تاویل اور التزامِ کفر کا عدم تاویل کے ساتھ مخصوص ہونے کا شبہ ہو رہا ہے جو حقیقت کے خلاف ہے کیوں کہ لزومِ کفر بغیر تاویل کے بھی ہوسکتا ہے جیسے دنیا تاویل سے نا آشنا عوام کے کلام میں ہوتا رہتا ہے۔ اِسی طرح التزامِ کفر تاویل کی صورت میں بھی ہوتا ہے۔ جیسے ختم نبوت زمانی علیہ السلام کے اجماعی تواتری اور ضرورتِ دینی والے عقیدہ سے متعلقہ آیت کریمہ کو خاتم النبین بمعنی افضل الانبیاء اور متصف بوصف النبوۃ بالذات کے مفہوم میں تاویل کر کے ختم النبوۃ زمانی والے عقیدہ کو جہلاء کا خیال قرار دینے میں ہوتا ہے۔

دوسرا:۔ اِس سے لزومِ کفر میں قائل کو کفر کا علم نہ ہونے اور التزامِ کفر میں قائل کو اس کا علم ہونے کے تقابل کا اشتباہ ہو رہا ہے جو حقیقت کے خلاف ہے کیوں کہ التزامِ کفر میں متکلم کو اپنے کلام کا کفریہ ہونے کا علم ہونا کوئی ضروری نہیں ہے بلکہ انجانے میں بھی شجرہ خبیثہ کے اس زہر کو پیا جاسکتا ہے۔ جس کی عملی اور معروضی صورتوں کی تفصیل گزشتہ صفحات میں بیان ہو چکی ہے۔ ایسے میں قائل کو کفر کا عقیدہ ہونے اور نہ ہونے کی تفریق کا کوئی مقصد ہی نہیں رہتا۔

تیسرا:۔ اِس میں بظاہر تاویل اور عدم تاویل کی تفریق کے ساتھ کسی منصوص علیہ حکم سے انکار کو دونوں کے لیے معیار قرار دیا گیا ہے جبکہ منصوص علیہ ظنی بھی ہوسکتا ہے قطعی بھی اور ضرورتِ دینی بھی۔ حضرت شاہ عبدالعزیز نوّر اللّٰہ مرقدہٗ الشّریف کے مذکورہ کلام سے ان اشتباہات کے جنم پانے کو ہم سوءِ فہم کے سوا اور کچھ نہیں سمجھتے ہیں ورنہ حضرت موصوف کا یہ کلام بے غبار اس

Marfat.com

لیے ہے کہ اس میں لزوم کفر اور التزام کفر کی تفریق کے سلسلہ میں ہر ایک کی مخصوص شکلوں کے ذکر پر اکتفا کیا گیا ہے۔ ان اشتباہات کی کچھ حقیقت تب ہوتی اگر حضرت موصوف کا یہ کلام لزومِ کفر اور التزامِ کفر کی جامع و مانع تعریف کے طور پر کیا گیا ہوتا ایسا ہرگز نہیں ہے بلکہ اس میں تفریق کی تفہیم کی غرض سے ہر ایک کی ایک ایک وضاحتی مثال کو ذکر کیا گیا ہے۔ نیز یہ کہ لزوم کفر کے مفہوم میں جو فرمایا ہے؛

''کہ نصیکہ کہ در مقدمہ وارد شدہ و آن نص را کسی تاویل دوراز کار کہ باعتبار قواعد عربیہ واصول راست نیاید نمودہ مدلول ظاہر آن را انکار نماید پس لزوم کفر متحقق شد''

اس میں نص کا مصرف ومحمل وہ ہے جو متواتر الثبوت ہو یعنی قرآن شریف کی کوئی آیت اور مقدمہ سے مراد اس کا ہر وہ مدلول ومفہوم یا شرعی حکم ہے جو ضرورت دینی کی حد تک مشہور و متواتر نہیں ہے تو ظاہر ہے کہ کسی نامعقول تاویل کے سہارے ایسے حکم کا انکار کرنا التزامِ کفر ہر گز نہیں ہے کیوں کہ اس میں ضرورت دینی سے انکار نہ ہونے کے ساتھ تاویل کا اشتباہ بھی ہے جبکہ التزامِ کفر کے لیے ضرورت دینی سے انکار کے ساتھ کسی قسم کے اشتباہ کا نہ ہونا بھی ضروری ہے جو یہاں پر مفقود ہیں جبکہ لزوم کفر اس میں پایا جاتا ہے کیوں کہ ایسے متواتر الثبوت نص قرآنی کے ظاہری مدلول وحکم سے محض بے بنیاد تاویل کے سہارا انکار کرنا اس نص کے بے مقصد ہونے پر منتج ہے اور جو کردار بھی کسی متواتر الثبوت نص کے بے مقصد ہونے پر منتج ہو وہ لزوم کفر ہوتا ہے' لہٰذا یہ بھی لزوم کفر ہے۔ جہاں تک اس دلیل کے دوسرے حصہ یعنی کبریٰ کا تعلق ہے یعنی ''جو کردار بھی کسی متواتر الثبوت نص کے بے مقصد ہونے پر منتج ہو وہ لزوم کفر ہوتا ہے'' اس کی وضاحت یہ ہے کہ قرآن شریف کی ہر ایک آیت متواتر الثبوت ہے اور اس کا با مقصد ہونے کا جو اسلامی عقیدہ ہے وہ ضروریات دین کے قبیل سے ہے یعنی بلانکیر جملہ مکاتب اہل اسلام اول سے آخر تک اس کے با مقصد ہونے کا عقیدہ رکھتے آئے ہیں اور

Marfat.com

مسلمانوں کا یہ عقیدہ اسلامی ماحول میں اتنا مشہور ہے کہ اس کو ثابت کرنے کے لیے کوئی دلیل طلب کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی جاتی جبکہ باطل تاویل کے سہارے ظاہری اور معمول بہ مدلول ومفہوم سے انکار کر کے اس کے مدمقابل باطل عقیدہ رکھنے والے کا یہ عقیدہ اس آیت کو بے مقصد کرنے کے سوا اور کچھ محمل نہیں رکھتا۔

گویا حضرت شاہ عبدالعزیز نَوَّرَ اللّٰہُ مَرْقَدَہُ الشَّرِیْفَ نے مذکورہ کلام کے اس حصہ میں لزوم کفر کی اس قسم کو ذکر کیا ہے جو ہماری تحقیق کے مطابق لزوم کفر کی مذکورہ فہرست کے مطابق دوسرے نمبر پر ہے یعنی کسی ضرورتِ دینی کے انکار پر منتج ہو۔ ایسے میں اشتباہ اول، دوم اور چہارم کی راہ بند ہو جاتی ہے کیوں کہ ان کے پیدا ہونے کا امکان اس کلام کا لزوم کفر اور التزامِ کفر کی جامع مانع تعریف پر محمول ہونے کی صورت میں ہوسکتا تھا جب یہ نہیں تو وہ بھی نہیں۔ یہی حال حضرت موصوف کے اس کلام کے دوسرے حصہ کا ہے جس میں التزامِ کفر کی صورت بتاتے ہوئے فرمایا ہے ''التزام وقتی متحقق می شود کہ مدلول نص را مدلول نص اعتقاد کردہ بے تاویل انکارش نماید و گوید کہ ہر چند نص وارد شدہ است اما من ان معنی راقبول نہ دارم'' کہ یہ بھی التزامِ کفر کی جامع و مانع تعریف اور اس کی حقیقت بتانے کے لیے نہیں بلکہ لزوم کفر اور التزامِ کفر کی تمیز بتانے میں سہولت فہم اور فہمائش کی وضاحت کی غرض سے بطور مثال ایک قسم کے بیان پر اکتفا کیا ہے جو ہماری تحقیق کے مطابق التزامِ کفر کی مذکورہ بارہ (12) اقسام میں سے تیسری قسم ہے۔ ایسے میں دیگر اشتباہات کے دفع ہونے کی طرح چوتھے اشتباہ کی راہ بھی بند ہوگئی جس کے نتیجہ میں حضرت موصوف کا یہ کلام جو لزوم کفر اور التزامِ کفر کی تمیز بتانے کے سلسلہ میں ہے۔ اس کا اول حصہ لزوم کفر کی جامع و مانع تعریف ومفہوم کے مصادیق وافراد میں سے خاص قسم پر محمول ہے۔ اِسی طرح دوسرا حصہ التزامِ کفر کی جامع و مانع تعریف ومفہوم کے مصادیق وافراد میں سے خاص قسم پر محمول ہے جبکہ لزوم کفر کی حقیقی تعریف ومفہوم

Marfat.com

اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ ''کسی ضرورتِ دینی کا اس انداز سے انکار کیا جائے جو بلا واسطہ نہ ہو، صراحتاً نہ ہو، بداہۃً اور بلا احتمال غیر نہ ہو بلکہ اس پر منتج ہو اور اسے مستلزم ہو اور واسطہ فی الاثبات کی بنیاد پر تفصیلی دلیل کی صورت میں اس تک پہنچائے۔ اور التزامِ کفر کی حقیقی تعریف یہ ہے کہ کسی ضرورتِ دینی کا بلا واسطہ انکار کیا جائے، جو مفضیٰ الی الکفر نہیں بلکہ خود کفر ہو، صریح ہو، بلا احتمال غیر ہو اور اسے کفر ثابت کرنے کے لیے کسی واسطہ فی الاثبات کے ذریعہ تفصیلی دلیل تلاش کرنے کی ضرورت نہ ہو۔ ہر ایک کی جامع و مانع تعریف اور حقیقت شناسی کا یہ انداز عام انسانوں کی رسائی فہم سے دور ہونے کی وجہ سے خواص علماء کے سامنے ہی بیان کیا جا سکتا ہے جبکہ عوام کو سمجھانے کے لیے بطور فتویٰ جو مسائل لکھے جاتے ہیں ان میں چونکہ ہر خاص و عام کی فہمائش مقصود ہوتی ہے جس کے لیے مفہومات کلیہ کے ماتحت جزئیات و افراد کو ذکر کرنا مفید ہوتا ہے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز کا مذکورہ کلام بھی اُصولِ فطرت کے اسی انداز پر محمول ہے کیوں کہ لزوم کفر اور التزامِ کفر میں سے ہر ایک کی حقیقی تعریف و مفہوم بجائے خود کلیات کے قبیل سے ہیں جس کو اگر جنس کہا جائے تو زیادہ مناسب ہوگا جس کے ماتحت متبائن انواع ہیں اور ہر نوع کے تحت متبائن جزئیات و افراد ہیں۔ مثال کے طور پر لزوم کفر کا جو حقیقی مفہوم ہے بجائے خود ایک جنس ہے جسکے ماتحت لزوم کفر کی فہرست میں شامل مذکورہ چودہ (14) انواع ہیں جن کے افراد کا مختلف اوقات اور مختلف انسانوں سے ظہور ہوتا رہتا ہے۔ اسی طرح التزامِ کفر کا جو مفہوم بیان ہوا ہے وہ بھی ایک جنس ہے جس کے تحت التزامِ کفر کی فہرست میں شامل چودہ (14) قسمیں بطور انواع مندرج ہیں۔ انسانوں کا عام ذہن چونکہ اپنے گرد و پیش سے مانوس ہوتا ہے جس کے مطابق اجناس سے زیادہ مانوسیت ان کے انواع سے ہوتی ہے اور انواع سے زیادہ انکے خارج میں پائے جانے والے افراد سے ہوتی ہے۔ مفتی کے پیش نظر چونکہ خواص و عوام سب کو سمجھانا ہوتا ہے جس کے لیے جنس کی بجائے نوع کو ذکر کرنا زیادہ مناسب ہے جس کو پیش نظر رکھتے ہوئے لزوم کفر اور التزامِ کفر کا فرق سمجھانے والے حضرات

Marfat.com

نے جامع و مانع تعریف بتانے کی بجائے مخصوص انواع کو سامعین کی سہولت فہم کے لیے ذکر کرنے پر اکتفا کیا ہے۔ جیسے فتاویٰ درالمختار نے التزام کفر کر کے مرتد قرار پانے والے کے لیے ''اِجْرَآءُ کَلِمَةِ الْکُفْرِ عَلَی اللِّسَانِ'' کو رکن بتاتے ہوئے لکھا ہے ''وَرُکْنُهَا اِجْرَآءُ کَلِمَةِ الْکُفْرِ عَلَی اللِّسَانِ بَعْدَ الْاِیْمَانِ'' جبکہ التزام کفر وارتداد اس کے بغیر بھی پایا جاتا ہے حالانکہ رکن کے بغیر کوئی چیز نہیں پائی جا سکتی۔ عدم جامعیت کے اس اعتراض سے بچنے کے لیے جملہ شارحین نے درالمختار کی اس عبارت کو التزام کفر کی خاص قسم پر محمول قرار دیا ہے۔ جیسے فتاویٰ شامیہ میں اس کی توجیہہ کرتے ہوا لکھا ہے؛

''هٰذَا بِالنِّسْبَةِ اِلَی الظَّاهِرِ الَّذِیْ یَحْکُمُ بِهِ الْحَاکِمُ وَاِلَّا فَقَدْ تَکُوْنُ بِدُوْنِهٖ کَمَا لَوْ عَرَضَ لَهٗ اِعْتِقَادُ بَاطِلٍ اَوْ نَوٰی اَنْ یَّکْفُرَ بَعْدَ حِیْنٍ''

حضرت شاہ عبدالعزیز نَوَّرَ اللّٰهُ مَرْقَدَهُ الشَّرِیْف نے بھی فتاویٰ عزیزیہ کی مذکورہ عبارت میں اسی انداز کو اختیار کیا ہے۔ (فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ اَوَّلاً وَّ آخِراً ظَاهِراً وَّ بَاطِناً)

لزوم کفر کا کفر وارتداد نہ ہونے کیلئے قائل کو اُس کا مستلزم کفر ہونے کا علم نہ ہونا شرط ہے:۔ حضرت شاہ عبدالعزیز کی مذکورہ عبارت میں لزوم کفر کا امر واقعی ہونے اور التزام کفر کا امر اعتقادی ہونے کی وضاحت اس طرح ہے کہ لزوم کفر کے دو لفظوں میں سے اول لزوم ہے جو کفر کی طرف مضاف ہے اور دوسرا لفظ کفر ہے جو مضاف الیہ ہے اور یہی مضاف الیہ ''کفر'' اپنے مضاف یعنی لزوم کے لیے فاعل بھی ہے جسکے معنی ہیں (کفر کا لازم ہونا) حقیقت بھی یہی ہے کہ لزوم کفر میں کفر آپ ہی کلام کو لازم ہو جاتا ہے جس کا اس کے قائل کو علم بھی نہیں ہوتا۔ جس کے نتیجہ میں کہا جا سکتا ہے کہ لزوم کفر میں قائل کو اس کا مستلزم کفر ہونے کا علم نہ ہونا شرط ہے۔ ورنہ لزوم کفر نہیں رہے گا بلکہ التزام کفر کی صورت بنے گی۔ کیوں کہ کلام کے لازمہ ونتیجہ اور انجام کار کو جانتے ہوئے جیتے جاگتے، سلامتی عقل وحواس کی صورت میں بلا جبر واکراہ ایسے کلام کو اختیار کرنا التزام کفر کی مذکورہ فہرست کے مطابق التزام کفر کی چھٹی قسم

Marfat.com

سے مختلف نہیں ہے لہٰذا التزام کفر سے بچا کر لزوم کفر کے دائرہ میں رکھنے کے لیے شرط قرار پاتا ہے کہ قائل کو اس کا علم نہ ہو۔ قربان جاؤں حضرت شاہ عبدالعزیز کی نگاہ بصیرت پر کہ انہوں نے مذکورہ عبارت میں ''پس لزوم کفر نظر بواقع ونفس الامر است والتزام باعتبار اعتقاد منکر'' کہہ کر لزوم کفر اور التزام کفر کے مابین ایک مستقل مابہ الامتیاز کی فہمائش کی ہے۔ (فَجزَاہُ اللّٰہُ خَیرَ الْجزَاءِ)

امام عبدالوہاب الشعرانی نے الیواقیت والجواہر فی بیان عقائد الاکابر میں فرمایا:

''لا یَکْفُرُ اِذَا لَمْ یَعْلَمْ بِاَنَّ الَّازِمَ کُفْرٌ'' (۱)

یعنی جب متکلم اپنے کلام کے لازمہ وانجام کو نہ جانتا ہو تو کافر بھی نہیں ہوگا۔

المواقف میں ہے: ''مَنْ یَلْزَمُہُ الْکُفْرُ وَلَا یَعْلَمُ بِہٖ لَیْسَ بِکَافِرٍ'' (۲)

یعنی جس کے کلام سے کفر لازم آتا ہو اور وہ اسے نہ جانتا ہو تو کافر نہیں ہوگا۔

یہ اس لیے ہے کہ کسی کے کلام سے کفر کا لازم ہونا اور بات ہے جبکہ اس کا غیر مسلم وکافر ہونا اور چیز ہے۔ جبکہ التزام کفر میں ایسا نہیں ہے کیوں کہ اس کی بعض اقسام میں متکلم کو نہ صرف علم ہوتا ہے بلکہ دیدہ ودانستہ کفر کو اختیار کر رہا ہوتا ہے۔ جیسے التزام کفر کی عنادی صورتوں میں ہے اور کبھی نہ بھی ہوتا ہے۔ لزوم کفر اور التزام کفر کی اس تمیز کو علی وجہ البصیرت سمجھنے کے لیے ان میں سے ہر ایک کی گزشتہ صفحات میں بیان شدہ تفصیلی فہرست کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔ جس کو سمجھے بغیر دارالافتاء کا تکفیر مسلم کے حوالہ سے غلطی سے بچنا ممکن نہیں ہے کیوں کہ لزوم کفر میں متکلم کو کافر قرار دینے کا جواز نہیں ہے جبکہ التزام کفر میں قائل کو کافر قرار دینا واجب ہے۔ ایسے میں فقہاء کرام کی ان عبارات کو سمجھنے کے لیے بھی کفر لزومی والتزامی کے احکام کو جدا جدا سمجھنا دارالافتاء کے فرائض میں سے ہے۔

---

(۱) الیواقیت والجواهر فی بیان عقائد الاکابر، ج2، ص123، مطبوعه مصر۔

(۲) المواقف، ص556۔

Marfat.com

کسی غیر اللہ کو مسجود الخلائق کہنے کا حکم:۔ لزومِ کفر اور التزامِ کفر کے حوالہ سے باعث اشتباہ الفاظ میں کسی غیر اللہ کو مسجود الخلائق کہنا بھی شامل ہے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز نَوَّرَاللّٰہُ مَرْقَدَہُ الشَّرِیْف نے حضرت پیران پیر شیخ عبدالقادر جیلانی اور حضرت نظام الدین محبوب اولیاء کیلئے اسے استعمال فرمایا ہے جبکہ ہمارے معاصر علماء کرام میں بعض حضرات اس کو التزام کفر کے قبیل سے قرار دیتے ہیں۔ حضرت شاہ عبدالعزیز نَوَّرَاللّٰہُ مَرْقَدَہُ الشَّرِیْف کے الفاظ یہ ہیں:

''برخی از اولیائے امت را شمہ محبوبیت آن نصیب شدہ و مسجود خلائق و محبوب دلہا گشتہ اند مثل حضرت غوث الاعظم و سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء''(۱)

جس کا مفہوم یہ ہے کہ امت کے کچھ اولیاء اللہ کو رسول اللہ ﷺ کی محبوبیت کا حصہ نصیب ہوا ہے تو خلائق کے مسجود اور دلوں میں محبوب بن گئے' جیسے حضرت غوث الاعظم اور سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء۔

جبکہ معاصر علماء اس لفظ کو التزام کفر میں شامل کرنے کا فلسفہ یہ بتاتے ہیں کہ یہ جملہ خلائق کے مسجود ہونے کے مفہوم میں صریح ہے اور تمام خلائق کی طرف سے مسجود ہونا صرف اللہ وحدہ لا شریک کا خاصہ ہے۔ جیسے:

''وَلِلّٰہِ یَسْجُدُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ''(۲)

جسکا مفہوم یہ ہے کہ خاص اللہ کو سجدہ کرتے ہیں وہ تمام خلائق جو زمین و آسمانوں میں ہیں۔ اِس قسم کی جتنی آیات ہیں ان سب سے یہی معلوم ہو رہا ہے کہ مسجود الخلائق ہونا صرف اللہ کا خاصہ ہے جس کو غیر اللہ کے لیے ثابت کرنا صریح شرک ہونیکی بناء پر التزام کفر ہے۔ انصاف

(۱) تفسیر عزیزی "فتح العزیز" ص322، زیر تفسیر سورۃ الم نشرح۔

(۲) المواقف، ص556۔

Marfat.com

یہ ہے کہ معاصر حضرات کا یہ کردار بے محل جرات ہے۔ حقیقت کی نگاہ سے دیکھا جائے تو اس میں لزوم کفر بھی نہیں ہے چہ جائیکہ التزام کفر ہو سکے۔ اس کا فلسفہ یہ ہے کہ لفظ سجدہ اپنے شرعی مفہوم کے اعتبار سے عبادت ہے جو صرف اللہ وحدہ لاشریک کے لیے خاص ہے یعنی اس معنی کے اعتبار سے نہ کبھی کسی غیر اللہ کے لیے جائز ہوا ہے نہ ہوگا اور نہ ہی کوئی مومن مسلمان اس کا تصور کر سکتا ہے۔ جبکہ لغت میں کسی کے لیے تعظیم، اطاعت و تذلل اور اس کے ارادہ کی تکمیل میں موافقت کرنے کے مفہوم میں استعمال ہوتا ہے۔

جیسے مفردات القرآن امام راغب الاصفہانی میں ہے؛

''وَسُجُوْدُ تَسْخِيْرٍ وَهُوَ عَامٌ فِي الاِنْسَانِ وَالْحَيَوَانَاتِ وَالنَّبَاتِ''

جس کا مفہوم یہ ہے کہ سجدہ عبادت کے مقابلہ میں سجدہ تسخیر ہے جو انسانوں اور حیوانات سے لے کر نباتات تک جملہ خلائق کو شامل ہے۔

اِس مفہوم پر چند قرآنی آیات کو منطبق کرنے کے بعد امام راغب الاصفہانی نے ملائکہ کو حضرت آدم علیہ السلام کے لیے سجدہ کرنے سے متعلق امر الٰہی کی توجیہ کرتے ہوئے لکھا ہے؛

''وَقِيْلَ اُمِرُوْا بِالتَّذَلُّلِ لَهُ وَالْقِيَامِ بِمَصَالِحِهِ وَمَصَالِحِ اَوْلَادِهِ فَأْتَمَرُوْا اِلَّا اِبْلِيْسُ''

اس کے بعد بنی اسرائیل کو باب خطہ میں سجدہ کی حالت میں داخل ہونے سے متعلق امر الٰہی کا مفہوم بتاتے ہوئے فرمایا ''اَیْ مُتَذَلِّلِیْنَ مُنْقَادِیْنَ''(۱)

لسان العرب مادہ (س۔ج۔د) میں ہے؛''سَجَدَ سُجُوْدًا وَضَعَ جَبْهَتَهٗ بِالْاَرْضِ''

اِس کے بعد لکھا ہے؛''سَجَدَا اِذَا انْحَنٰی وَ تَطَامَنَ اِلَی الْاَرْضِ''

اِس کے بعد لکھا ہے ''وَكُلَّ مَنْ ذَلَّ وَخَضَعَ لِمَا اُمِرَ بِهٖ فَقَدْ سَجَدَ'' اور اسی تذلل واطاعت والے مفہوم کی تمثیل کے لیے ''تَرَی الْاُكْمَ فِيْهَا سُجَّدًا لِلْحَوَافِرِ'' کے مشہور قول کو ذکر کیا ہے۔ جس کی پوری تفصیل اور پس منظر بتاتے ہوئے محی الدین شیخ زادہ علی البیضاوی نے لکھا ہے؛

---

(۱) مفردات القرآن، امام راغب الاصفہانی، ص222، مادہ(س،ج،د)۔

Marfat.com

''یَجعَلُ الجِبَالَ الصِغارَ مُذلَّلَۃً لِلحَوافِرِ وَمقھُورَۃً تحتھا حتّٰی کَانَّھا اِذَا رَئتِ الحَوافِرِ یَسجُدنَ لَھَا وَ یَدخُلنَ تَحتَھَا''(۱)

جس کا مفہوم یہ ہے کہ حملہ آور لشکر کی تیز رفتاری کا عالم یہ ہے کہ وہ ٹبوں کو اپنے سموں کے تابع اور انکے نیچے مسخر بنا لیتے ہیں گویا جب وہ ان کے گھوڑوں کے سموں کو دیکھتے ہیں تو ان کے ارادہ کی تکمیل کرتے ہیں اور ان کے ماتحت مسخر ہو کر داخل ہو جاتے ہیں۔

خلاصہ کلام:۔ سجدہ عبادت جو وضع الجبۃ علی الارض بنیت غایۃ التعظیم والتذلل جو انسانوں کا خاصہ ہے اور عبادت ہے صرف اللہ وحدہ لاشریک کا خاصہ ہونے کی وجہ سے کسی غیر اللہ کیلیے کسی بھی جہت سے کسی بھی وقت نا قابل تصور جرم اور شرک ہونے کی بناء پر نہ کبھی جائز ہوا ہے نہ ہوگا بلکہ محض تعظیم لاعلی وجہ العبادت کے طور پر وضع الجبۃ علی الارض کے مفہوم میں تاریخ کے مختلف ادوار میں مختلف انداز کے ساتھ غیر اللہ کے لیے جائز ہونے پر ''سورۃ یوسف اور سورۃ بقرۃ'' میں نا قابل انکار ثبوت موجود ہے جو کسی بھی اہل علم سے مخفی نہیں ہے۔اسی طرح سجدہ بمعنی اطاعت و تذلل علی سبیل العبادۃ بدون وضع الجبۃ علی الارض چاہے جس انداز سے بھی ہو جو انسانوں کے سوا باقی جملہ خلائق میں بھی پایا جاتا ہے جس کو غیر اختیاری عبادت بھی کہا جا سکتا ہے یہ بھی عبادت ہونیکی بناء پر اللہ تعالیٰ کیساتھ خاص ہے لہذا اس مفہوم کے اعتبار سے بھی کسی غیر اللہ کو مسجود الخلائق کہنے کا تصور اسلام میں نہیں ہے۔ بالفرض والتقدیر اگر کوئی مدعی اسلام چاہے مرشد الناس اور عظیم روحانی بزرگ کہلانے والا ہی کیوں نہ ہو کسی غیر اللہ کو سجدہ کرے یا اسے مسجود الخلائق کہے یا کم از کم سجدہ عبادت کا مستحق سمجھے تو مشرک ہونیکی بناء پر ملتزم کفر ہوگا۔ جس میں اہل علم، غیر اہل علم اور چھوٹے بڑے کی قطعاً کوئی تمیز نہیں ہو سکتی کیونکہ التزام اسلام اور التزام کفر کے احکام میں خواص وعوام اور اہل علم غیر اہل علم کی تفریق ممکن نہیں ہے۔ جبکہ سجدہ عبادت کی ان شکلوں کے مقابلہ میں سجدہ تسخیر بمعنی اطاعت، تواضع وتذلل کے مفہوم

(۱) شیخ زادہ علی البیضاوی، ج1، ص257۔

Marfat.com

میں نہ صرف جائز بلکہ جملہ خلائق میں بالفعل جاری وساری ہے، خالق کائنات جل جلالہ وعم نوالہ کی طرف سے مقرر کردہ خودکار نظامِ تکوین کا حصہ ہے اور خلائق میں کوئی چیز ساجد ومسجود ہونے سے خالی نہیں ہے۔ جس پر آیت کریمہ ''وَلِلّٰہِ یَسْجُدُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ طَوْعًا وَ کَرْھًا وَّ ظِلٰلُھُمْ بِالْغُدُوِّ وَ الْاٰصَالِ''(۱)

نیز فرمایا: ''اَوَلَمْ یَرَوْا اِلٰی مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَیْءٍ یَّتَفَیَّؤُ ظِلٰلُهٗ عَنِ الْیَمِیْنِ وَ الشَّمَآئِلِ سُجَّدًا لِّلّٰهِ وَھُمْ دٰخِرُوْنَ''(۲)

نیز اس کے بعد متصل آیت نمبر (49) جیسی آیات دلالت کر رہی ہیں۔ ایسے میں ہم عصر حضرات کا کسی غیر اللہ سے متعلق مسجود الخلائق کہنے پر فتویٰ کفر صادر کرنا لزوم کفر اور التزامِ کفر کے مابین تفریق کرنے سے قاصر ہونے کے ساتھ قرآن شریف کی زبان سے بھی غفلت کا نتیجہ ہے۔ جب لغت کی زبان میں خلائق کی ہر شے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ نظامِ تکوین کے تحت سجدۂ تسخیری کے مفہوم میں ساجد ومسجود ہے تو پھر کسی غیر اللہ کو مسجود الخلائق کہنے میں کفر کا کیا سوال پیدا ہوسکتا ہے؟ لفظ سجدہ، ساجد ومسجود کے حوالہ سے لغت کی عمومی اور شریعت کی خصوصی زبان میں اس عمومی گفتگو کے بعد اب حضرت شاہ عبدالعزیز کے مذکورہ کلام کا ہم جائزہ لیتے ہیں تو سجدہ کے لغوی مفہوم ''اطاعت وتذلل اور تکمیل ارادہ میں موافقت کرنے'' کے مفہوم میں حضرت موصوف کا یہ کلام عین حقیقت نظر آرہا ہے کیوں کہ اس سے پہلے حضرت موصوف نے سرور کائنات رحمت عالم ﷺ کی بابت مسجود الخلائق کہا جس کی وجہ سرورِ کائنات ﷺ کا محبوب اللہ ہونا بتائی جس کے بعد سرورِ کائنات محبوبِ ربّ العلمین ﷺ کی کامل اتباع کی بنیاد پر حضرت پیران پیر شیخ عبدالقادر جیلانی اور سلطان المشائخ محبوب اولیاء کو بھی بالواسطہ مقام محبوبیت سے حصہ ملنے کا ذکر فرمایا۔ اس کے بعد اسی محبوبیت کی بنیاد پر

---

(۱) الرعد، 15۔

(۲) النحل، 48۔

Marfat.com

ان دونوں بزرگوں کو بھی مسجود الخلائق ہونے کا لقب دیا ہے۔
اہل علم جانتے ہیں کہ خلائق میں ایک مشخص شیطان اور اس کے اذناب واتباع کے ماسواوہ کون سی چیز ہے جو سرورِ کائنات محبوبِ ربّ العٰلمین کو سجدہ بمعنی اطاعت نہ کرتی ہو، ان کی بارگاہ میں سجدہ بمعنی تواضع نہ کرتی ہو یا آپ ﷺ کے ارادہ کی تکمیل کرنے میں موافقت نہ کرتی ہو۔
بخاری شریف کی مرفوع حدیث میں آیا ہے کہ ایک موقع پر جب اللہ کے حبیب ﷺ نے فرمایا کہ:

''ہر بنی آدم کے ساتھ پیدائشی طور پر ایک شیطان ہوتا ہے۔(ہمزاد)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا کہ: ''کیا آپ ﷺ کے ساتھ بھی ہے۔'' تو فرمایا کہ:

''میرے ساتھ بھی ہے لیکن مسلمان ہو کر رہتا ہے اور مجھے ہمیشہ اچھائی کا ہی کہتا ہے۔''

جب ہمزاد جیسے شیطان کی بارگاہ نبوت میں اطاعت گزاری کا یہ عالم ہے تو پھر اشجار واحجار اور جانوروں کے سجدہ بمعنی اطاعت وتواضع سے متعلقہ بے شمار روایات سے انکار کی گنجائش کس کو ہو سکتی ہے۔ شق القمر سے لیکر درختوں کا اطاعت گزاری کے لیے حاضر خدمت ہونے تک، بکریوں کے خشک تھانوں میں دودھ پیدا ہونے سے لے کر پتھروں کے کلمہ پڑھنے تک اور انگلیوں سے پنج آبوں کا جاری ہونے سے لیکر جام بھر دودھ سے ستر اصحاب کا پیٹ بھرنے تک، یہ سب کچھ محبوب رب العٰلمین ﷺ کے مسجود الخلائق بمعنی تکمیل ارادہ میں موافقت کرنیکے ناقابلِ انکار شواہد ہیں۔ اس عظیم رتبے کی اصل وجہ اللہ کا محبوب ہونا ہے جبکہ اللہ کا محبوب ہونیکا حقیقی فلسفہ خود کو منشاء مولیٰ جل وعلیٰ پر قربان کرنا ہے، فنا کرنا ہے اور قوتِ فکری وعملی کی امانتوں کو اسکی منشاء کے مطابق صرف کرنا ہے جس میں سرورِ کائنات رحمتِ عالم ﷺ فرد کامل، بے مثل اطاعت گزار اور بے مثل فنافی اللہ ہیں جبکہ اُمتیوں میں سے جن خوش قسمتوں نے آپ ﷺ کی اتباع میں اس فلسفہ کو جس شرح تناسب سے اپنایا اسی تناسب سے محبوبیت کے رتبے پر فائز ہوئے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ''(۱)

---

(۱) آلِ عمران، 318۔

Marfat.com

محبت کلی مشکک ہونیکی طرح ولایت بھی کلی مشکک ہے۔ جیسے سرورِ کائنات رحمت عالم ﷺ کی ولایت باقی تمام اولیاء اللہ کی ولایت سے اقدم واقویٰ ہے ویسے ہی محبوبیت نبوی ﷺ بھی سب سے اقدم واقویٰ اور بے مثل و بے نظیر ہے۔ جیسے دوسرے انبیاء ومرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کی ولایت ومحبوبیت ''بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ'' ہے اسی طرح اولیاء امت کی ولایت و محبوبیت بھی حرکت صعودی کی شکل میں ''بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ'' کے سلسلہ کیساتھ منسلک ہے۔

الغرض مسجود الخلائق بمعنی خلائق کی طرف سے اطاعت گزاری اور ارادہ کی تکمیل میں موافقت کرنے کا فی الجملہ استحقاق تو سب کو حاصل ہوتا ہے۔ جسکے مطابق حضرت شاہ عبدالعزیز نَوَّرَاللّٰهُ مَرْقَدَهُ الشَّرِيف نے اولاً اصل الخلائق، سرورِ کائنات رحمتِ عالم ﷺ کے مسجود الخلائق ہونے کو بیان فرمایا اور آپ ﷺ کی بارگاہِ اقدس کا سجدہ گاہ خلائق ہونے کی حقیقت کا بمع فلسفہ ذکر فرمایا۔ اس کے بعد اپنے مشاہدہ وتجربہ کے مطابق اُولیاءِ اُمت میں سے ان دو بزرگوں کا اس رتبے پر فائز ہونے کو بمع فلسفہ بیان فرمایا۔ جو اُصولِ اسلام کے عین مطابق ہے، جس میں کفر کا شائبہ تک موجود نہیں ہے۔ یہاں پر اگر یہ کہہ دوں تو بے جا نہ ہوگا کہ اس لفظ پر تکفیر کرنے والے ہم عصروں کو اگر معلوم ہوتا کہ حضرت شاہ عبدالعزیز کے کلام میں بھی یہ موجود ہے تو ان حضرات کو تکفیر کرنے کی قطعاً جرأت نہ ہوتی۔ تکفیر کے حوالہ سے دوہرے معیار کا یہ مضحکہ خیز انداز مسلم معاشرہ کے لیے المیہ سے کم نہیں ہے۔ ہم عصر مفتیوں کی اس قسم بے محل جرات ناواقف حال حضرات کے لیے تو باعث تعجب ہوسکتی ہے جبکہ ہماری نگاہ میں عام مشاہدات سے مختلف نہیں ہے کیوں کہ ہم سمجھتے ہیں کہ دارالافتاء جیسے اہم منصب پر جب ایسے حضرات کا راج ہو جو لزومِ کفر اور التزامِ کفر کی تفریق نہ کرسکیں، قرآن وحدیث کی زبان اور اس کے مواقع استعمال کی تمیز نہ کرسکیں اور فتویٰ صادر کرنے میں دوہرے معیار سے اجتناب نہ کرسکیں تو اس کا منطقی نتیجہ ایسا ہی ہوتا ہے۔ (فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ اَوَّلاً وَّآخِراً ظَاهِراً وَّبَاطِناً)

Marfat.com

ایک اشتباہ کا ازالہ:۔ یہاں پر کسی قاری کو یہ اشتباہ نہیں ہونا چاہئے کہ جب کسی غیر اللہ کو مسجود الخلائق کہنا لزوم کفر ہے نہ التزامِ کفر تو پھر اس حوالہ سے اس کو قابلِ توجہ الفاظ میں شمار نے کا کیا جواز ہے۔

یہ اشتباہ اِس لیے غلط ہے کہ اپنی جگہ کوئی مسئلہ بھی مشکل نہیں ہوتا بلکہ اشکال و مغالطہ یا التباس سامعین وقارئین کی سُوفہم کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے یہاں پر بھی ایسا ہی ہے کچھ دارالافتاء کے ناتجربہ کار ہم عصروں نے اس آسان مسئلہ کو اپنی کج فہمی کی بناء پر اسلام سے نکال کر کفر کے زمرہ میں شامل کر کے التباس الحق بالباطل کر دیا تو آسان و بے غبار ہونے کے باوجود اُس معاشرہ کے لوگوں کے لیے مسئلہ مشکل ہو گیا، یہاں تک کہ جس کے کانوں تک یہ پہنچے گا مغالطہ کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا جائے گا۔ خلافِ حقیقت باتوں کو چونکہ دوام نصیب نہیں ہوتا انجام کار کسی حقیقت شناس کی طرف سے مسئلہ کا اصل رُخ سامنے لائے جانے کے بعد یہ مسئلہ حقیقت میں آسان و بے غبار ہونے کے باوجود وجہ نزاع بن سکتا ہے ایسے میں مشکل اور قابل توجہ نہ ہوگا تو اور کیا ہوگا۔ یہ سب کچھ علماء کرام کیلیے، بالخصوص دارالافتاء کے ذمہ داروں کے لیے امتحان سے کم نہیں ہے۔

☆☆☆☆☆☆

Marfat.com

ایک اہم اسلامی اُصول

کسی غیر اللہ سے متعلق قیوم زمان کہنے یا مسجود الخلائق کہنے جیسے الفاظ کا کفر نہ ہونے سے متعلق اس تحقیق کو پڑھنے والے قارئین کو اس بات کا اشتباہ نہ ہونا چاہئے کہ ہم اس قسم کے الفاظ غیر اللہ کے لیے استعمال کرنیوالوں کی حوصلہ افزائی کر رہے ہیں۔ (حاشا وکلا) ایسا ہرگز نہیں ہے بلکہ اِس قسم کے الفاظ کو یہاں پر بیان کرنے سے ہمارا مقصد صرف یہ ہے کہ بعض الفاظ کچھ ایسے ہوتے ہیں کہ حقیقت نا آشنا حضرات انہیں کفریہ کلمات کہہ کر ان کے قائل کو کافر کہتے ہیں جو حقیقت کے خلاف ہے، ''اُصولِ تکفیر'' کے برعکس ہے اور ثواب کے بجائے گناہ و موجب عذاب ہے ہمارا مقصد قرآن و سنت اور قابلِ ذکر اَسلاف کی روشنی میں کسی مدعی اسلام پر فتویٰ کفر صادر کرنے کے لیے شرعی معیار بتانے کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ جہاں تک کسی غیر اللہ کے لیے قیوم زمان یا مسجود الخلائق جیسے القاب استعمال کرنے کا مسئلہ ہے تو اس کے لیے ایک اہم اسلامی اُصول موجود ہے وہ یہ ہے کہ جو لفظ سامعین و قارئین کی فہم سے بالا ہو یا اس سے غلط مطلب اخذ کر کے گمراہ ہونے اور دوسروں کو گمراہ کرنے کا اندیشہ ہو۔ ایسے ماحول میں اس قسم کے الفاظ کو تقریر یا تحریر میں لانا کسی مبلغ کو مناسب ہے نہ کسی مصنف کو، ایسے مواقع کے لیے حدیث شریف میں آیا ہے؛

''مَا اَنْتَ بِمُحَدِّثٍ حَدِیْثًا لَا تَبْلُغُهُ عُقُوْلُهُمْ اِلَّا کَانَ لِبَعْضِهِمْ فِتْنَةً''(۱)

جس کا مفہوم یہ ہے کہ تو کسی قوم کے سامنے ایسا مسئلہ نہیں بتائے گا جس کی حقیقت تک ان کی عقل کی رسائی نہ ہو مگر ان میں سے بعض کے لیے فتنہ کا سبب ہوگا۔

(۱) مسلم شریف، ج 1، ص 9۔

Marfat.com

مولیٰ علی نور اللہ وجہہ الانور سے منقول ہے، انہوں نے فرمایا؛

''حَدِّثُوا النَّاسَ بِمَا یَعْرِفُوْنَ اَتُحِبُّوْنَ اَنْ یُّکَذَّبَ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ''(۱)

جس کا مفہوم یہ ہے کہ لوگوں کو ان کی فہم کے مطابق مسئلہ بتایا کرو ورنہ کیا تم پسند کرو گے کہ اللہ اور اس کے رسول کو جھوٹا کہا جائے۔

اِس اُصول سے متعلق حضرت مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ سے ایک اور قول بھی منقول ہے، فرمایا؛

''اِیَّاکَ وَمَا سَبَقَ اِلَی الْقُلُوْبِ اِنْکَارُہٗ وَاِنْ کَانَ عِنْدَکَ اِعْتِذَارُہٗ''(۲)

جس کا مفہوم یہ ہے کہ ایسے مسئلہ بتانے سے اجتناب کریں جس سے ناسمجھوں کے دل نا آشنا ہوں اگرچہ تیرے پاس اس کا جواز موجود ہے۔

فقہاء کرام نے بھی بالاتفاق اسلام کے اِس اُصول کو ذکر کیا ہے۔ فتاویٰ شامیہ میں ہے؛

''مُجَرَّدُ اِیْھَامِ الْمَعْنَی الْمَحَالِ کَافٍ فِی الْمَنْعِ''(۳)

جس کا مفہوم یہ ہے کہ کسی لفظ میں ناجائز معنیٰ کی موجودگی کا وہمہ ہی اس کے استعمال کے ممنوع ہونے کے لیے کافی ہے۔

اِسلام کے اِس اُصول کی موجودگی میں غیر اللہ کے لیے قیوم زمان یا مسجود الخلائق جیسے الفاظ کو عام سامعین کے سامنے استعمال کرنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ ورنہ ایسا ہی اشتباہ پیدا ہوسکتا ہے جیسے ہمارے ہم عصر کچھ علماء کو ہوا ہے۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور شاہ عبدالعزیز جیسے بزرگانِ دین کا اِس قسم الفاظ کو بعض کامل اور مقدس اولیاء اللہ کے لیے استعمال کرنے کو سند بنا کر عوامی اسٹیجوں پر اپنی من پسند شخصیات کے لیے استعمال کرنے کا جو رواج ہم

---

(۱) بخاری شریف، ج1، ص24، کتاب العلم۔

(۲) مرقاۃ شرح مشکوٰۃ، ج3، ص 527۔

(۳) فتاویٰ شامیہ، ج5، ص253۔

Marfat.com

دیکھ رہے ہیں اس کو کفر کہنا اگرچہ غلط ہے تاہم اسلامی طریقہ بھی اسے نہیں کہا جاسکتا جس کو جہل محض کے سوا کچھ اور کہنا مناسب نہیں ہے۔ پھر یہ بھی ہے کہ اس حوالہ سے جن پاکیزہ ہستیوں کا حوالہ دیا جارہا ہے اُنہوں نے ایسے الفاظ کا استعمال نکتہ شناس اور اہل فہم خواص کے لیے اُن کی وفات کے بعد یا اُن کی زندگی میں بصیغہ خط وکتابت کیا ہے جس کا عوام کے ساتھ یا نیم خواندہ حضرات کے ساتھ کوئی واسطہ نہیں ہے یعنی اُنہوں نے ''لِکُلِّ مَقَالٍ مَقَامٌ وَلِکُلِّ مَقَامٍ رِجَالٌ'' کے فرق مراتب کو ملحوظ خاطر رکھ کر ایسا کیا ہے۔ جس میں کوئی قباحت ہے نہ گناہ اور حضرت شاہ عبدالعزیز کے کلام میں اگرچہ خواص کے ساتھ خاص ہونے کا کوئی قرینہ وشاہد موجود نہیں ہے تاہم اصاغر وخلف کے لیے اس طرح کی ناقابلِ تقلید باتوں سے اسلام کی شاید کوئی کتاب خالی ہو۔ بخاری خالی ہے نہ مسلم، ذخیرہ تفسیر خالی ہے نہ ذخیرہ حدیث، ذخیرہ تصوف خالی ہے نہ ذخیرہ فقہ۔ جیسے ان سب سے چشم پوشی کر کے مذکورہ اسلامی اُصول کو قابل عمل اور اصل الاصول تصور کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے تو یہاں پر بھی ایسا کیا جاسکتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت شاہ عبدالعزیز سمیت ہمارے یہ اسلاف کرام قدس اللہ اسرارہم القدسیہ کوئی معصوم نہیں تھے کہ ان سے کوئی خلافِ اولیٰ سرزد نہ ہو یا پیغمبرِ خدا رحمتِ عالم ﷺ کی طرح سب کے لیے آنکھیں بند کر کے واجب التقلید نہیں تھے، شاید اِسی نکتہ کے پیش نظر برصغیر پاک وہند کے سب سے عظیم فقیہہ امام احمد رضا خان نَوَّرَاللّٰہُ مَرْقَدَہُ الشَّرِیْف نے لکھا ہے کہ:

''لَیْسَ کُلُّ مَا یُذْکَرُ فِی اَکْثَرِ التَّفَاسِیْرِ الْمُتَدَاوِلَةِ وَاجِبَ الْقَبُوْلِ وَاِنْ لَمْ یُسَاعِدْہُ مَعْقُوْلٌ وَ یُؤَیِّدْہُ مَنْقُوْلٌ''(۱)

جس کا مفہوم یہ ہے کہ مشہور اور متداولہ تفسیروں میں پائے جانیوالی سب باتیں قابل قبول

(۱) فتاویٰ رضویہ، ج28، ص532۔

Marfat.com

نہیں ہیں کہ عقل ونقل کے ناموافق ہونے کے باوجود انہیں قبول کیا جائے۔

اور حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالی علیہ نے بھی اسی نکتہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے سرورِ کائنات رحمت عالم ﷺ کے مرقد انور کی طرف اشارہ کر کے فرمایا تھا؛

''کُلٌّ یُوخَذُ بِقَوْلِهٖ وَیُرَدُّ عَلَیْهِ اِلَّاصَاحِبَ هٰذَا الْقَبْرِ''(۱)

یعنی اس قبر انور کے مکین ﷺ کے سوا باقی ہر کسی کی بات کو مسترد کیا جا سکتا ہے۔

تو پھر اَسلاف کی تحریروں میں دیکھ کر ایسے الفاظ کے پیش منظر و پس منظر اور حال و مقام کی مناسبت کا لحاظ کیے بغیر عوامی اسٹیجوں میں ان کو استعمال کرنا کہاں کا انصاف ہے جس سے نہ صرف نیم خواندہ حضرات کو اشتباہ ہوتا ہے، عوام کے دلوں میں شکوک وشبہات پیدا ہوتے ہیں بلکہ جن حضرات کے منہ پر اُنہیں یہ القاب سنائے جاتے ہیں ان کا نفس امارہ اور بھی موٹا ہو جاتا ہے' خود کو سچ مچ قیوم زمان سمجھنے کے گھمنڈ میں مبتلا ہو کر تکبر میں مزید ترقی کر جاتے ہیں۔قرآن وسنت کے مطابق اللہ کے معصوم پیغمبر ﷺ کے سوا باقی کسی ہستی کے واقعی کمالات واوصاف اس کے منہ پر بیان کرنے سے بھی اس لیے منع کیا گیا ہے تا کہ اس کا نفس موٹا نہ ہو، تکبر میں مبتلا نہ ہو اور خود کو دوسروں سے مافوق ہونے کے گھمنڈ کا اسیر نہ ہو چہ جائیکہ جھوٹے القاب سنانے کی گنجائش اسلام میں ہو سکے۔ اللہ کے حبیب رحمتِ عالم ﷺ نے منہ پر تعریف کرنے والوں کے منہ میں مٹی ڈالنے کا حکم دیا ہے۔ بخاری شریف کی حدیث کے مطابق ایک موقع پر منہ پر تعریف کرتے ہوئے کسی کو سنا تو ناراضگی کا اظہار فرمایا۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں؛

''اَثْنٰی رَجُلٌ عَلٰی رَجُلٍ عِنْدَ النَّبِیِّ ﷺ فَقَالَ وَیْلَکَ قَطَعْتَ عُنُقَ صَاحِبِکَ' قَطَعْتَ عُنُقَ صَاحِبِکَ مِرَارًا ثُمَّ قَالَ مَنْ کَانَ مِنْکُمْ مَادِحًا اَخَاهُ

(۱) تفسیر روح المعانی، ج15، ص329۔

Marfat.com

لَا مَحَالَةَ فَلْيَقُلْ اَحْسَبُ فُلَانًا وَاللّٰهُ حَسِيْبُهٗ‘‘(۱)

حقیقت یہ ہے کہ بزرگانِ دین کے مقالات وتحریروں میں اپنی من پسند باتوں کا انتخاب کر کے عوامی اسٹیجوں پرانہیں بیان کرنا اور اہل کے کمالات والقاب کو نا اہلوں پر چسپاں کرنے کیساتھ منہ پرتعریف کرنیکی جوروش موجودہ دور میں ہم دیکھ رہے ہیں یہ اگر چہ کفرنہیں ہے تاہم اسلامی اندازِعمل بھی نہیں ہے، اور نہ ہی کم ازکم حقیقی اہل سنت کا کردار ہرگزنہیں ہوسکتا۔ واقعی اہل سنت تو وہی ہوسکتے ہیں جن کا کرداراور عقیدہ وعمل فرمان نبویﷺ ’’مَا اَنَا عَلَيْهِ وَ اَصْحَابِیْ‘‘ کے مطابق ہو۔

خلاصۃ الکلام:۔ قیوم زمان اور مسجود الملائکہ جیسے الفاظ موجودہ دور میں اپنی من پسند شخصیات کے لیے استعمال کرنے الے اوران پرالتزام کفروارتداد کا فتویٰ صادر کرنے والے دونوں طبقے علم کی روشنی سے متضاد ’’ظُلُمَاتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ‘‘ کے گھٹاٹوپ اندھیروں میں مبتلا ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں کوراہِ اعتدال وصراطِ مستقیم کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین

☆☆☆☆☆

(۱) بخاری شریف، ج 1، ص 366۔

Marfat.com

لزومِ کفر اور التزامِ کفر کا ایک اور زاویہ

عارضی کفر کی ان دونوں قسموں کی جداجدا تعریفوں، قسموں اور شرعی احکام کی جو تفصیل اب تک بیان ہو چکی اس سے واضح ہو چکا ہے کہ التزامِ کفر کے ساتھ لزومِ کفر کا تعلق بھی ضروریاتِ دینیہ کے سوا اور کسی چیز کے ساتھ نہیں ہے۔ یعنی دونوں کا ما بہ التعلق ضروریاتِ دینیہ ہیں جس سے ہر بیدار مغز قاری کے ذہن میں ضرورت بمعنی حاجت اور ضرورت بمعنی بداہت کے مابین فرق کو سمجھنے کی جستجو پیدا ہوتی ہے۔

اِس لیے ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ اِس کی بھی وضاحت کریں تا کہ اس زاویہ نگاہ سے بھی اصل موضوع بے غبار ہو سکے۔ وہ یہ ہے کہ ضرورت بمعنی حاجت خالص لغوی مفہوم ہے جبکہ ضرورت بمعنی بداہت صرف اور صرف فلسفہ کے حصہ منطق کی اصطلاح ہے جس کو مناطقہ نے لغوی مفہوم سے نقل کر کے بداہت والے مفہوم کے لیے وضع کیا ہے اور منطق چونکہ علم الکلام عند المتاخرین میں ممزوج اور اس کے لیے بمنزلہ جزو کے طور پر استعمال ہوتا ہے جس وجہ سے منطق کے اس اصطلاحی لفظ کو متکلمین اسلام بھی عام طور پر استعمال کرتے ہیں اِسی پس منظر کی بنیاد پر جملہ متکلمین اسلام نے کفر کے شرعی مفہوم متعین کرنے میں بلا اختلاف اس کو استعمال کیا ہے انجام کار سب نے ضرورتِ دینی کی تکذیب کو کفر کے شرعی مفہوم سے عبارت قرار دیا، لہٰذا منطقی مفہوم کے اعتبار سے یہ لفظ منقول کہلاتا ہے۔ جس کی ایک طرف منقول عنہ ہے یعنی حاجت والا مفہوم اور دوسری طرف منقول الیہ ہے یعنی بداہت والا مفہوم۔ لفظ جہاں پر منقول ہو وہیں پر منقول الیہ کی منقول عنہ کے ساتھ مناسبت کا ہونا لازم ہوتا ہے ورنہ لفظ منقول کہلانے کی بجائے مرتجل کہلائے گا اور اس مناسبت و ما بہ الاشتراک کو سمجھنا ہر جگہ آسان اور

Marfat.com

واضح نہیں ہوتا۔ یہاں پر بھی ایسا ہی ہے کہ ضرورت بمعنی بداہت کی ضرورت بمعنی حاجت کے ساتھ مناسبت واشتراک کو عمیق نظر سے کام لیے بغیر پہچاننا ممکن نہیں ہے۔

وہ یہ ہے کہ جیسے ضرورت بمعنی حاجت وحاجیات کا نظام حصول انسان کے اختیار میں نہیں ہے ویسے ہی ضروریات بمعنی بدیہیات پر حصول علم کا نظام بھی انسان کے اختیار میں نہیں ہے۔ مثال کے طور پر بھوک، پیاس، خوشی، غمی اوران کے پائے جانے کی صورت میں ان کے ساتھ حصول علم بھی امر یقینی ہوتا ہے جس میں انسان کوان چیزوں کو روکنے یاان کے لاحق ہوتے وقت ان کی موجودگی کا جوعلم حاصل ہوتا ہے اس کو روکنے کا اختیار وقدرت نہیں ہے، اِسی طرح ضروریات بمعنی بدیہیات کی ہر شکل میں علم کو روکنے کا اختیار وقدرت بھی نہیں ہے۔ مثال کے طور پر دن کے اُجالے کو دیکھنے کے ساتھ دن کی موجودگی کا جوعلم آپ ہی حاصل ہوتا ہے اسے روکنا دیکھنے والے کے اختیار وقدرت میں نہیں ہے، خوشی کی کوئی بات سنتے ہی اس کے ساتھ مسرت کے حصول اوراس حاصل ہونے والی مسرت کا جوعلم آپ ہی حاصل ہو جاتا ہے اس کو روکنے کا اختیار وقدرت نہیں ہے۔ علی ہٰذا القیاس ضروری بمعنی بدیہی جہاں پر بھی ہو یہ اس علم کی صفت ہوتا ہے جس کا حصول یا اسے روکنے پر انسانوں کو قدرت واختیار نہیں ہوتا بلکہ صرف اور صرف نظام قدرت کی تسخیر اوراسکے تابع وحصہ ہے۔ جیسے فطری ضروریات بمعنی حاجیات کے حوالہ سے انسان بے اختیار و بے قدرت ہے ویسے ہی ضروریات بمعنی بدیہیات کے حوالہ سے بھی انسان کا بے اختیار و بے قدرت ہونا ان دونوں مفہوموں کے مابین مابہ الاشتراک و مناسبت ہے جس کی بنیاد پر مناطقہ نے ضرورت کے لفظ کواس کے لغوی مفہوم بمعنی حاجت سے نقل کر کے بداہت کے مفہوم کے لیے وضع کیا۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان میں سے کس کو حقیقت کہا جائے اور کس کو مجاز؟

اِس کا جواب واضح ہے کہ اپنے اپنے ماحول میں ہر ایک حقیقت ہے کیوں کہ حقیقت ہر اس

Marfat.com

لفظ کو کہا جاتا ہے جس کو اسکے اپنے موضوع لہ میں استعمال کیا جائے لہٰذا اہل لُغت کے ماحول و معاشرہ اور زبان کے مطابق ضرورت کا لفظ حاجت کے مفہوم میں حقیقت ہے اور مناطقہ کے ماحول و معاشرہ اور زبان کے مطابق بداہت کے مفہوم میں حقیقت ہے تاہم مناطقہ حاجت والے مفہوم میں اس کے استعمال کو خلاف حقیقت بھی نہیں کہہ سکتے ہیں کیونکہ یہ منقول ہے اور منقولیت کے لیے حقیقت لغویہ کی موجودگی ناگزیر ہے جبکہ اہل لغت بداہت والے مفہوم میں اس کے استعمال کو خلاف حقیقت کہہ سکتے ہیں انکے لیے کوئی مانع موجود نہیں ہے۔ (فَلِلّٰہِ الْحَمْدُ اَوَّلاً وَ آخِرًا ظَاهِرًا وَ بَاطِنًا)

ایک سوال کا جواب اور مزید تحقیق:۔ یہاں پر اگر کسی کے دل میں یہ سوال پیدا ہو جائے کہ بداہت والے مفہوم میں اسکا منقول ہونا کہیں لکھا ہوا موجود نہیں ہے۔ منطق میں نہ لغت میں، اُصول میں نہ کلام میں، تو پھر بغیر ثبوت کے بداہت والے مفہوم میں منقول قرار دینے کا کیا جواز ہے جبکہ حاجت اور بداہت دونوں کیلیے جدا جدا اوضاع کیساتھ موضوع ہونا بھی ممکن ہے۔ ایسے میں اسے مشترک لفظی قرار کیوں نہیں دیا جاتا؟

اِس کا جواب یہ ہے کہ کسی بھی لفظ سے متعلق حقیقت ہونے یا مجاز ہونے اور منقول یا مشترک یا کسی بھی وصف کے ساتھ متصف کہنے کے لیے اس کے مواقع استعمال کو دیکھنا ضروری ہوتا ہے نہ صرف مفردات میں بلکہ ترکیب کے اعتبار سے بھی ہر زبان کے مواقع استعمال اور اہل لسان کے اندازِ کلام کو پیش نظر رکھ کر ہی الفاظ کو کسی اُصول کے زمرہ میں شمار کیا جاتا ہے۔ لسانیات کے اس عمومی اُصول کی روشنی میں جب ضرورت کے لفظ کو دیکھا جاتا ہے تو لغت کے کسی گوشہ میں بھی بداہت والے مفہوم کے لیے اس کا استعمال نہیں ملتا کوئی مثال اور کوئی محاورہ موجود نہیں ہے۔ ایسے میں اسے مشترک کہنے کا کوئی جواز نہیں رہتا کیوں کہ مشترک ایک سے زیادہ معانی میں استعمال ہوتا ہے جن میں سے ہر ایک کے لیے مستقل اوضاع کے ساتھ

Marfat.com

موضوع ہوتا ہے اور ہر ایک کے اعتبار سے حقیقت ہی حقیقت ہوتا ہے۔ جب ضرورت بمعنی بداہت کا لفظ لغت کے مواقع استعمال کے حوالہ سے دور بین میں بھی کہیں نظر نہیں آتا تو پھر اسے مشترک کہنے کی کیا تُک ہے۔ جبکہ ضرورت کو بمعنی بداہت یعنی منطقی معنی میں منقول قرار دینا اِس لیے درست ہے کہ منقول کی تعریف اس پر صادق آتی ہے اور اس کی پہچان و علامت بھی پائی جاتی ہے کہ منطق والوں کی زبان و معاشرہ میں جب بھی اس کو استعمال کیا جاتا ہے۔ سامعین کا ذہن بداہت والے مفہوم کی طرف ہی جاتا ہے یہاں تک کہ مناسبت کی موجودگی کے باوجود لغوی مفہوم ایسا متروک الاستعمال وبعید الفہم ہے کہ کسی کا ذہن اس کی طرف متوجہ نہیں ہوتا۔ منقولیت کی اس پہچان و علامت کی موجودگی کے ساتھ اس کی تعریف کا اس پر صادق آنا ایسے عوامل ہیں جو اس کے منقول منطقی ہونے کے لیے کافی ہیں۔

باقی رہا یہ سوال کہ اس کا منقول ہونے کی تصریح کہیں نہیں ہے۔

تو یہ اِس لیے غیر معقول و ناقابل توجہ ہے کہ کسی لفظ کا حقیقت ومجاز، صریح و کنایہ، منقول و مرتجل وغیرہ صفات کے ساتھ متصف ہونے کے لیے کہیں لکھا ہوا پایا جانا ضروری نہیں ہے بلکہ اس کا حقیقی معیار تعریف کا اس پر صادق آنے کے ساتھ پہچان وعلامت کا پایا جانا ہے ورنہ جملہ منقولات شرعیہ مثل صوم، صلوٰۃ، حج، زکوٰۃ وغیرہ کو بھی منقول شرعی کہنا غلط ہونا چاہیے کیوں کہ لکھا ہوا کہیں موجود نہیں ہے۔ الغرض ضروری بمعنی بدیہی منقول منطقی ہونے کے سوا اور کچھ نہیں ہے جس کا استعمال منطق کے ارباب عقول سے شروع ہو کر علم کلام، تفسیر، تصوف، فقہ اور اُصول فقہ تک شائع و مشہور ہوا۔ کلام میں اِس لیے کہ متوسط ذہن والوں کے لیے اس کے بنیادی مسائل کو جاننا منطق پر موقوف ہے جس وجہ سے کلام عند المتاخرین کے ساتھ ممزوج ہو کر بمنزلہ جزو قرار پایا ہے۔ جیسے شرح عقائد میں کہا گیا ہے؛

''حَتّٰی کَادَلَا یَتَمَیَّزُ عَنِ الْفَلْسَفَةِ لَوْلَا اشْتِمَالُهٗ عَلَی السَّمعِیَاتِ''(۱)

(۱) شرح عقائد مع جامع التقاریر، ص22۔

Marfat.com

جس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر علم کلام سمعیات ونصوص پر مشتمل نہ ہوتو دوسرے فلسفی علوم سے اس کی تمیز ہی مشکل ہو۔

جبکہ تفسیر، فقہ، اُصولِ فقہ، شروح حدیث اور تصوف کی کتابوں میں اس کا استعمال ہونا جزویت کے طور پر نہیں ہے بلکہ علم کلام کی اتباع وتقلید کی بنیاد پر ہے کیوں کہ ان تمام علوم میں اسلامی عقائد کی پہچان کے لیے ناگزیر معیار علم کلام ہی ہے جس کی تقلید کیے بغیر عقائد سے متعلقہ گفتگو فقہ میں ممکن ہے نہ اُصول فقہ وغیرہ میں۔ اسی نکتہ کی بنیاد پر ضروریاتِ دینیہ یا ضروریاتِ مذہبیہ جیسے الفاظ منطق وکلام کے ماسوا ان دوسرے علوم میں بھی استعمال ہوئے ہیں بالخصوص فقہ کے ذخیرہ فتاویٰ کی فہرست میں شاید کوئی کتاب ضرورتِ دینیہ اور ضرورتِ مذہبیہ کے الفاظ سے خالی ہو۔

☆☆☆☆☆☆

Marfat.com

لزومِ کفر اور التزامِ کفر کا ضروریاتِ دینیہ کے ساتھ خاص ہونے کا فلسفہ

اِن حقائق کو جاننے کے بعد دارالافتاء کے ذمہ داروں کو لزومِ کفر اور التزامِ کفر کا ضروریاتِ دینیہ کے ساتھ مختص ہونے کے فلسفہ کو سمجھنا بھی آسان ہو گیا کیوں کہ اسلام و کفر باہمی ضدین ہیں جن کے مابین کوئی اور واسطہ نہیں ہے لہٰذا ان میں سے ایک کی موجودگی آپ ہی دوسرے کی نفی ہے، جس کے بعد اس کی نفی پر کوئی اور دلیل تلاش کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ نیز ان میں سے ہر ایک کا محل و مصرف اور متعلق ضروریات دینیہ کے سوا اور کوئی شے نہیں ہے اور تعصب و نامساعد ماحولیاتی اثرات، تقلید جامد اور بے غفلتی جیسے کسی رکاوٹ سے آزاد سامعین کے لیے ضروریاتِ دینیہ کے ساتھ تصدیق کا حصول ایسا بدیہی و ضروری اور یقینی ہوتا ہے کہ توجہ کے ساتھ سننے کے علاوہ اور کسی چیز کا محتاج نہیں ہے۔ اسی نکتہ فطرت کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ نے انسانوں سے ضروریاتِ دینیہ کو توجہ اور آزاد ذہن کے ساتھ سننے کا مطالبہ فرمایا؛

''قُلْ اِنَّمَا اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ مَثْنٰى وَفُرَادٰى ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا مَا بِصَاحِبِكُمْ مِنْ جِنَّةٍ''(۱)

اور ضروریاتِ دینیہ کی بداہت سے متعلق فرمایا؛

''لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ''(۲)

(۱) السباء، 46۔

(۲) البقرہ، 256۔

Marfat.com

جبکہ اس پر حصول تصدیق کو آزاد ذہن سے سننے پر موقوف قرار دیتے ہوئے فرمایا:

"لَا یَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ"(۱)

یعنی آزاد ذہن کے ساتھ سننے اور غور کرنے والوں کے سوا کوئی شخص اس کے معارف کو مس نہیں کر سکتا۔

گویا ضروریاتِ دینیہ کے ساتھ تصدیق وایمان کا حصول آزاد ذہن کے ساتھ انہیں سننے اور متوجہ ہونے کے سوا کسی اور چیز پر موقوف نہیں ہے۔ یہی حال کفر کا بھی ہے چاہے لزوم کفر ہو یا التزام کفر بہر حال ایمان کی ضد ہونے کا فطری تقاضا یہی ہے کہ اس کا حصول بھی خارجی عوامل سے خالی ہو کر کلمہ کفر بولنے والے کے اختیاری عمل کے سوا اور کچھ نہ ہو جو ضرورت دینی کی تکذیب کی شکل میں پایا جا رہا ہے۔ اس کی سمجھ مومن وغیر مومن اور موحد ومشرک کے لیے برابر ہے۔ جیسے ضروریاتِ دینیہ کے زمرہ میں اسلام کے بنیادی احکام کو جاننا مسلم وغیر مسلم اور موحد ومشرک کے لیے یکساں ہے "اس تفصیل کے مطابق جو قرآنی آیات کی روشنی میں ابھی ہم بیان کر چکے ہیں" ویسے ہی ضرورتِ دینیہ کی تکذیب وکفر کو جاننا بھی سب پر یکساں عیاں ہے جس میں مسلم وغیر مسلم کا کوئی فرق نہیں ہے۔

خلاصۂ کلام:۔ ایمان وکفر کا متعلق بھی ایک ہے یعنی صرف اور صرف ضروریاتِ دینیہ اور ان کے وجود کے لیے فاعلی قوت بھی ایک ہے یعنی صرف اور صرف فاعل مختار کا اختیاری عمل یہی وجہ ہے کہ کفر کی ان دونوں قسموں میں ایمان کے منافی کردار کو اپنے اختیار کے ساتھ وجود میں لانے کے بعد اس پر کفر کے احکام جاری کرنے کے لیے متکلم کو اس کا علم اور اس کے ساتھ عقیدہ کا ہونا شرط نہیں ہے یعنی لزوم کفر میں کلمہ کفر بولنے والے پر مخصوص احکام جاری کرنے

(۱) الواقعہ،79۔

Marfat.com

کے لیے اس کو اپنے کلام کے انجام و نتیجہ کا علم ہونا شرط نہیں ہے۔ اِسی طرح التزام کفر میں کلمہ کفر بولنے والے کو کافر قرار لے کر مرتد کے احکام اس پر جاری کرنے کے لیے اس کو اپنے کلام کا کفر ہونے کا علم اور اس کے مطابق عقیدہ ہونا شرط نہیں ہے بلکہ اس کے بغیر بھی ہوتا ہے، جس کی مکمل تفصیل گزشتہ صفحات میں بیان ہو چکی ہے۔ ایسے میں لزومِ کفر اور التزامِ کفر کا تعلق ضروریاتِ دینیہ کے ساتھ مختص ہونا عین مقتضائے فطرت نہیں تو اور کیا ہے۔

ایک مغالطہ یا نکتہ شناسی:۔ کفر لزومی ہو یا التزامی بہر تقدیر اس کا خاص کر ضروریاتِ دینیہ کے ساتھ متعلق ہونے سے شاید کسی کو یہ مغالطہ ہو جائے کہ جس ضرورتِ دینی کی تکذیب کی وجہ سے کفر لزومی یا التزامی کا ارتکاب ہو رہا ہے وہ خود ضروری ہے جبکہ حقیقت میں شریعت مقدسہ کے تمام احکام نظری ہوتے ہیں کیوں کہ انہیں شریعت اور احکام اللہ ثابت کرنے کے لیے خبر رسول ثابت کرنا لازم ہے، جب تک کسی اسلامی حکم کو کسی طرح خبر رسول کے طور پر ثابت نہ کیا جائے تب تک اسے اسلام کا حکم، شریعت کا حصہ اور مفید علم قرار نہیں دیا جا سکتا۔ مثال کے طور نماز کی فرضیت کا جو حکم ہے اس کو اسلامی حکم، شریعت کا حصہ یا مفید علم اس وقت تک قرار نہیں دیا جا سکتا جب تک یہ نہ سمجھا جائے کہ اس کا الٰہی حکم ہونا رسول اللہ ﷺ کی بتائی ہوئی خبر ہے۔

صغریٰ:۔ اور رسول اللہ ﷺ چونکہ موید بالمعجزات اور معصوم ہیں۔

کبریٰ:۔ اور جو خبر بھی ایسی ہستی کی بتائی ہوئی ہو وہ ہمیشہ اسلامی حکم، شریعت کا حصہ اور مفید علم ہوتی ہے۔

نتیجہ:۔ لہٰذا یہ بھی اسلامی حکم، شریعت کا حصہ اور مفید علم ہے۔

Marfat.com

اسی طرح شریعت مقدسہ کے ایک ایک حکم کا یہی حال ہے کہ وہ اپنے ثبوت میں کسی طریقے سے بھی خبر رسول ثابت ہونے پر موقوف ہے۔ ایسے میں شرعی احکام کے ان مخصوص حصوں کو ضروری و بدیہی کہنے کا کیا جواز ہو سکتا ہے۔ اس حقیقت سے ناآشنا حضرات اگرچہ مذکورہ مغالطہ پر کان بھی نہیں دھریں گے جبکہ حقیقت آشنا حضرات اس کو مغالطہ کہنے کے بجائے نکتہ شناسی سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ بہر تقدیر حقیقت یہ ہے کہ شریعت مقدسہ کے جن مخصوص احکام کو ضرورت دینی کہہ کر ان کی تکذیب کرنے والوں پر لزومِ کفر یا التزامِ کفر کے احکام جاری کیے جاتے ہیں ان کو ضرورتِ دینی کہنے کا مطلب ان کے ساتھ حاصل ہونے والے علم کا ضروری و بدیہی ہونے کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ کیوں کہ ضروری و نظری معلوم کی نہیں بلکہ علم کی صفت ہے گویا یہ سب کچھ از قبیلہ تسمیۃ الشئی باسم متعلقہ اور تسمیۃ المعلوم باسم علمہ ہونے کی بناء پر محض مجاز ہے حقیقت نہیں۔

دارالافتاء کی خاص توجہ کے لیے:۔ کتبِ فتاویٰ اور کلام میں تکفیر سے متعلق موجباتِ کفر اور کلمہ کفر کے الفاظ لکھے ہوئے ہوتے ہیں، کیا یہ لزومِ کفر میں شامل ہیں یا التزام کفر میں یا ان دونوں سے جدا کوئی اور چیز ہے؟

اِس کا جواب یہ ہے کہ سلف صالحین کی کتابوں میں پائے جانے والے یہ الفاظ کفر دو الگ مفہوم رکھتے ہیں۔ جہاں تک موجبات کفر ہے، تو یہ مجاز بالحذف پر مشتمل ہے دراصل موجبات حکم الکفر ہے یعنی کسی مدعی اسلام کا ایسا کردار جو کفر کا حکم ثابت کرے اور اس کفر سے مراد عام ہے جو کفر لزومی اور التزامی دونوں کو شامل ہو سکتا ہے یعنی ایسا قول و عمل جس سے لزومی کفر کے احکام مثل تجدیدِ ایمان، تجدیدِ نکاح اور توبہ و استغفار کا وجوب ثابت ہو یا التزامی کفر کے احکام مثل محوِ اعمال، وجوبِ قتل اور وجوب تکفیر جیسے شرعی احکام ثابت ہو رہے ہوں یہ توجیہ اس لیے ضروری ہے کہ موجب الکفر کا لفظ اضافت لفظی ہے جس میں موجب کا لفظ صیغہ صفتی اور اسم

Marfat.com

فاعل ہونے کی وجہ سے اپنے مضاف الیہ یعنی کفر میں نصب کا عمل کر رہا ہے۔ جس کے مطابق لفظ کفر، دو اعرابوں کا حامل ہے جن میں سے؛

ایک:۔ جر ہے جو محلِ قریب کی بنا پہ ہے۔

دوسرا:۔ نصب ہے جو محلِ بعید کی بنا پر لفظ موجب کے لیے مفعول بہ ہے۔

اہل علم جانتے ہیں کہ جیسے مضاف و مضاف الیہ جدا جدا چیزیں ہوتی ہیں اِسی طرح عامل ناصب اور اس کا مفعول بہ بھی ایک دوسرے سے جدا جدا چیزیں ہوتی ہیں ایسے میں موجبات کفر کو عین کفر یعنی التزام کفر پر محمول سمجھنا نحوی قواعد کے خلاف ہونے کی بنیاد پر نا قابل التفات ہے۔ جبکہ لزوم کفر پر محمول کرنا مواقع کلام اور سیاق و سباق کے خلاف ہے کیوں کہ جہاں پر بھی یہ لفظ مذکور ہوا ہے وہیں پر حضرات نے اس کو التزام کفر کے احکام میں بیان کیا ہے۔ جیسے ملا علی القاری نے شرح فقہ اکبر میں لکھا ہے؛

''وَاِنَّ الْمُرَادَ بِعَدَمِ تَكْفِيرِ اَحَدٍ مِّنْ اَهْلِ الْقِبْلَةِ عِنْدَ اَهْلِ السُّنَّةِ اَنَّهُ لَا يُكَفَّرُ اَحَدُ مَا لَمْ يُوْجَدْ شَيْئٌ مِّنْ اَمَارَاتِ الْكُفْرِ وَعَلَامَاتِهِ وَلَمْ يَصْدُرْ عَنْهُ شَيْئٌ مِنْ مُوْجِبَاتِهِ''(۱)

جس کا مفہوم یہ ہے کہ اہل سنت کے نزدیک اہل قبلہ کی تکفیر نا جائز ہونے سے مراد یہ ہے کہ جب تک کفر کی یقینی علامت نہ پائی جائے اور موجب کفر کوئی چیز جب تک صادر نہ ہو جائے اس وقت تک تکفیر نہیں کی جا سکتی۔

اسی طرح شرح مقاصد میں ہے؛

''فَلَا نِزَاعَ فِیْ كُفْرِ اَهْلِ الْقِبْلَةِ الْمُوَاظِبِ طُوْلَ الْعُمْرِ فِی الطَّاعَاتِ بِاعْتِقَادِ قِدَمِ الْعَالَمِ وَنَفْيِ الْحَشْرِ وَنَفْيِ الْعِلْمِ بِالْجُزْئِيَّاتِ وَنَحْوِ ذَالِكَ وَ

(۱) شرح فقہ اکبر، ص 94۔

Marfat.com

كَذَالِكَ بِصُدُوْرِ شَيْءٍ مِنْ مُوْجِبَاتِ الْكُفْرِ عَنْهُ"(۱)

اس کا مفہوم یہ ہے کہ اُس اہل قبلہ کہلانے والے کے کفر میں قطعاً اختلاف نہیں ہے۔ جو پوری عمر عبادات میں صرف کرنے کے باوجود عالَم کے قدیم ہونے کا عقیدہ رکھتا ہے۔ اور حشر کی نفی کا عقیدہ رکھتا ہے یا جزئیات کے ساتھ اللہ کے علم کی نفی جیسا کوئی عقیدہ رکھتا ہے۔ اسی طرح موجبات کفر میں سے کسی چیز کا اس سے صادر ہونے کی صورت میں بھی اس کے کفر میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

تو ظاہر ہے کہ اسلاف کے کلام میں موجبات کفر کے الفاظ پر مشتمل اس پوری گفتگو کا محل و موضوع التزامِ کفر ہی ہے، ایسے میں ان مقامات کو لزوم کفر پر محمول کرنا ہر گز انصاف نہیں ہے۔ محل وقوع سے قطع نظر کسی لفظ کا ایک سے زیادہ معانی کو شامل ہونا اور بات ہے جبکہ موضوع گفتگو اور محل کلام کا مقتضاء و مدلول ہونا اور بات ہے۔ یہاں پر بھی ایسا ہی ہے کہ موجبات کفر بمعنی موجبات حکم کفر کے مفہوم میں لزومِ کفر اور التزامِ کفر میں سے ہر ایک کے احکام کو شامل ہونے کی صورت کے باوجود اسلاف کی کتابوں میں محض التزام کفر کے احکام کے ساتھ اِس لیے خاص ہے کہ ان کتابوں میں موضوع سخن صرف التزام کفر ہے ورنہ دونوں کے احکام کو شامل ہوتا۔

خلاصۂ کلام:۔ موجبات کفر کے لفظ پر ہر جگہ میں ایک جیسا حکم نہیں لگایا جا سکتا بلکہ کلام کے سیاق وسباق کے مطابق ہی فتویٰ صادر کیا جا سکتا ہے۔ جس کے مطابق لزومِ کفر کی جگہ التزامِ کفر کے احکام صادر کرنا غلط ہوگا اور التزامِ کفر کے محل پر لزومِ کفر کے احکام کا فتویٰ دینا غلط ہوگا۔ جہاں تک کلمہ کفر کے لفظ کا تعلق ہے تو اس میں اضافت لفظی تو ہے نہیں کہ مضاف الیہ کا مضاف کے لیے بیان ہونا ممکن نہ ہو۔ جیسے موجباتِ کفر کے لفظ میں تھا لہٰذا کتب فتاویٰ میں

(۱) شرح مقاصد، ج2، ص269۔

Marfat.com

پائے جانے والے اس لفظ سے مراد عین کفر ہو سکتا ہے۔ جس کے مطابق کلمہ سے مراد کلام ہے اور کلام سے مراد اس کا مضاف الیہ یعنی کفر ہے اور کفر کے دو مفہوموں میں سے ایک کو متعین سمجھنے کے لیے سیاق وسباق اور موضوع کلام کو پیش نظر رکھنا ناگزیر ہے تا کہ لزومِ کفر اور التزامِ کفر میں سے کسی ایک کا بالیقین تعین ہو سکے۔

گویا کلمہ کفر کا لفظ موجب کفر کے لفظ سے از روئے مفہوم مغائر ہونے کے باوجود انجام و نتیجہ کے اعتبار سے یگانگت رکھتا ہے جبکہ لزومِ کفر اور التزامِ کفر کے الفاظ ہر اعتبار سے مختلف ہیں۔ دار الافتاء کی ذمہ داری التزامِ کفر اور لزومِ کفر کی تمیز کے حوالہ سے اہم ہونے کی طرح کلمہ کفر اور موجبات کفر کے مفہوم و مصادیق اور مواقع استعمال کی تمیز کے حوالہ سے بھی کوئی کم نہیں ہے۔

☆☆☆☆☆

Marfat.com

غیر اللہ کے لیے علمِ غیب کا مسئلہ

لزومِ کفر اور التزامِ کفر کے حوالہ سے دارالافتاء پر مشتبہ ہونے والے مسائل کے زمرہ میں ایک مسئلہ غیر اللہ کے لیے علم غیب نسبت کرنے کا بھی ہے۔ جس کے مطابق کچھ حضرات نے اسے کفر وشرک یعنی التزامِ کفر قرار لے کر اس کے قائل کو کافر کہا ہے جبکہ بعض نے لزومِ کفر کہا ہے اور بعض نے ذوات قدسیہ انبیاء ومرسلین صلوات اللہ وتسلیماتہ علیہم اجمعین کے لیے جائز سمجھا ہے۔ اِس لیے مناسب سمجھتا ہوں کہ بزرگانِ دین کی تعبیر وتشریح کی روشنی میں قرآن وسنت سے اس کی بھی وضاحت کردوں۔

وہ اس طرح ہے کہ علم مشاہدات ومعقولات کا ہو یا ماوراء العقل والحواس چیزوں کا یعنی غیب کا، بہر تقدیر دوسرے اوصاف وکمالات کی طرح اس کی بھی دو قسمیں ہیں؛

ایک: ذاتی، **دوسری**: عطائی۔

ذاتی کا مطلب یہ ہے کہ عالم کی ذات کے سوا کسی اور چیز کا اس میں دخل نہ ہو، کسی اور سے مستفاد اور اس کا عطیہ نہ ہو۔

عطائی سے مراد اللہ کی عطاء اور اس کی توفیق ہے۔

اِن میں سے اول یعنی **ذاتی علم** خالق جل جلالہ کا خاصہ ہونے کی وجہ سے مخلوق کے لیے ناممکن ومحال ہے جبکہ دوسرا یعنی **عطائی علم** مخلوق کا خاصہ ہونے کی بناء پر خالقِ کائنات جل جلالہ کے لیے ناممکن ومحال ہے۔ اس کی ایسی مثال ہے، جیسے موجود ہونا کہ اللہ جل جلالہ کی موجودیت ذاتی ہے یعنی اس کی ذات وحدہ لاشریک کے سوا کسی اور سے مستفاد وعطیہ نہیں ہے جبکہ اس کے ماسوا جملہ خلائق کی موجودیت عطائی ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ جب تک کسی کو وجود میں نہیں لاتا تب

Marfat.com

تک اپنے آپ موجود ہونے کا امکان نہیں ہے۔ یہی حال دوسرے اوصافِ کمالیہ کا بھی ہے کہ سمیع وبصیر، قادر ومتکلم جیسے تمام اوصاف کے ساتھ متصف ہونا اللہ تعالیٰ کے لیے ذاتی ہے کہ کسی اور نے اُسے ان کمالات کے ساتھ متصف ولائق نہیں بنایا جبکہ یہی اوصاف انسان کے لیے عطائی ہیں کہ اللہ کی توفیق وعطاء سے ہیں اگر اللہ تعالیٰ اسے توفیق نہ دے تو سمیع ہوسکتا ہے نہ بصیر، نہ کسی کام پر قادر ہوسکتا ہے نہ کسی بات کے ساتھ متکلم، ان کمالات میں اپنی خدائی وکبریائی اور استقلال وبے محتاجی بتانے کے ساتھ انسان کے لیے ان سب کا اپنی عطاء و توفیق کے ساتھ ہونے کا اشارہ دیتے ہوئے فرمایا:

''فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًاۢ بَصِيْرًا''(۱) یعنی ہم نے انسان کو سمیع وبصیر بنایا ہے۔

پھر یہ بھی ہے کہ ہر صاحبِ کمال وموصوف کے کمالات واوصاف اس کی ذات کے مطابق ہوتے ہیں یعنی ذات وموصوف اگر قدیم ہے، ازلی وابدی اور بے محتاج ہے تو اس کے جملہ کمالات واوصاف کا بھی ایسا ہی ہونا ضروری ہے۔ اگر وہ حادث ومتغیر ہے تو اسکے ان اوصاف کا بھی حادث ومتغیر ہونا ضروری ہے، فطرت کے اِسی اُصول کے مطابق خالق کائنات جل جلالہ کے جملہ کمالات وصفات کو بھی ذات باری تعالیٰ کی طرح قدیم اور ازلی وابدی ہونے کا عقیدہ ضروریاتِ دین کے زمرہ میں ہونے کی طرح انسان کو اس کے جملہ کمالات واوصاف کے ساتھ حادث ومتغیر سمجھنے کا عقیدہ بھی ضروریاتِ دین کی فہرست میں شامل ہے، جس کے مطابق اللہ تعالیٰ کو یا اس کی کسی بھی صفت کو حادث ومتغیر کہنے والا مرتد قرار پاتا ہے۔ اِسی طرح انسان کو یا اُس کی کسی صفت کو حادث ومتغیر نہ سمجھنے والا بھی التزامی کفر میں مبتلا ہوجاتا ہے۔

اہل فہم جانتے ہیں کہ علم چاہے محسوسات کا ہو یا معقولات کا، ظاہری چیزوں کا ہو یا باطنی چیزوں کا، ماتحت الحواس والعقل چیزوں کا ہو یا ماوراء الحواس والعقل غیوب کا، بہر تقدیر اپنے موصوف وعالم کے لیے صفت کمال ہے، جس کی بنیاد پر حضرت آدم علیہ السلام کو ملائکہ پر فضیلت

(۱) الدھر، 2۔

Marfat.com

اور مسجود الملائکہ ہونے کا شرف ملا۔ علمی صفت کے اس کمال میں عطیہ الٰہی ہونے کے حوالہ سے شہادت وغیب کی قطعاً کوئی تفریق نہیں ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ نہ چاہے تو انسانوں کو اپنے سامنے موجود چیزوں کا بھی علم نہیں ہوسکتا ہے۔ جیسے فرشتوں سے فرمان الٰہی ''اَنْبِئُوْنِیْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ٥ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ''(۱) کے مضمون سے معلوم ہو رہا ہے۔

ان حقائق کی روشنی میں اللہ تعالیٰ کے ہر علم کو ذاتی اور مخلوق کے ہر علم کو عطائی کہے بغیر نہیں رہا جاسکتا، جس میں شہادت وغیب کی ذرہ برابر تفریق نہیں ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ کے لیے ہر علم کو ذاتی تسلیم کرنے کا عقیدہ ضروریات دین کے قبیل سے ہے جس کی تکذیب کرنے والا لزوم کفر یا التزام کفر سے خالی نہیں ہوسکتا۔ نیز انسان کے لیے ہر علم کو اللہ کی عطاء وتوفیق سمجھنے کا عقیدہ بھی ضروریاتِ دین کے قبیل سے ہونے کی بناء پر اس کی تکذیب کرنے والا بھی احد الحذ ورین سے خالی نہیں ہوسکتا۔

ایسے میں فرق مراتب کا لحاظ رکھے بغیر مطلق علم غیب کو اللہ تعالیٰ کے لیے صفت مختصہ قرار لے کر غیر اللہ کے لیے شایان ثبوت کو بھی کفر قرار دینا حقائق سے منہ چھپانے کے مترادف ہے۔

اس حوالہ سے انصاف یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جملہ صفات وکمالات کا اس کی شان کے لائق اور ذاتی ہونے کی طرح اس کے علم غیب کو بھی ذاتی، ازلی، ابدی اور حدوث وتغیر سے پاک ماننا ضروری ہے، یہی اس کی صفت خاصہ ہے جس کا ثبوت کسی غیر اللہ کے لیے نہ کبھی ہوا ہے نہ کبھی ہوسکتا ہے جبکہ ذواتِ قدسیہ انبیاء ومرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کے لیے اللہ کی عطاء وتوفیق سے فی الجملہ یعنی بلاتحدید وتفصیل تسلیم کرنا بھی ضروریاتِ دین کے زمرہ میں شامل ہے۔ جس کے بغیر کوئی شخص مسلمان ہوسکتا ہے نہ بعد الایمان اس کی نفی وتکذیب کرنے کے بعد مسلمان رہ

(۱) البقرہ، 32-31۔

Marfat.com

سکتا ہے۔ جیسے مفردات القرآن امام الراغب الاصفہانی میں ہے؛

''وَبِدَفعِهِ يَقَعُ عَلَى الْإِنْسَانِ اِسْمُ الْإِلْحَادِ''(۱)

جس کا مفہوم یہ ہے کہ انبیاء ومرسلین علیہم السلام کے بتائے ہوئے علم غیب کو تسلیم نہ کرنے والے انسان پر ملحد کا نام فٹ ہو جاتا ہے۔

منشاء غلطی اور اس کا ازالہ:۔ ذوات قدسیہ انبیاء ومرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کی طرف علم غیب نسبت کرنے پر کفر لزومی یا التزامی لاگو کرنے والے حضرات کو لگنے والے اس مغالطے کا اصل منشاء یہی ہے کہ اُنہوں نے ذاتی وعطائی کی اس فطری تفریق سے بے التفاتی کی ورنہ اس مغالطہ میں کبھی نہ پڑتے۔ علمِ غیب کے حوالہ سے ذاتی وعطائی کی اس حقیقی تفریق سے بے غوری، وبے توجہی کا انجام بدصرف اس حد تک محدود نہیں ہے کہ تکفیر مسلم کا گناہ سر پر لیا جا رہا ہے، التباس الحق بالباطل کیا جا رہا ہے اور فطرت کے اُصولوں سے انحراف کیا جا رہا ہے بلکہ انجانے میں ''اَفَتُؤْمِنُونَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَ تَكْفُرُونَ بِبَعْضٍ''(۲) کے وعید شدید کا بھی ارتکاب کیا جا رہا ہے اور قرآن وسنت کے نصوص کو بھی باہم متعارض قرار دیا جا رہا ہے۔ مثال کے طور پر ''لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللّٰهُ''(۳) جیسے درجنوں نصوص میں غیر اللہ سے علم غیب کی نفی کی گئی ہے۔ جبکہ ''إِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُولٍ''(۴) جیسے بے شمار نصوص میں ذوات قدسیہ انبیاء ومرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کے لیے ثابت کیا گیا ہے۔ یہی حال حدیث کے حوالہ سے بھی ہے۔ جیسے حضرت اُم المومنین عائشہ صدیقہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عنہا نے فرمایا؛

(۱) مفردات القرآن الاصفهانی، ص373،تحت مادة الغیب۔

(۲) البقرہ،85۔

(۳) النمل،65۔

(٤) الجن،27۔

Marfat.com

''مَنْ زَعَمَ اَنَّهُ عَلَیْہِ ﷺ یَعْلَمُ مَا فِی غَدٍ فَقَدْ اَعْظَمَ عَلَی اللّٰہِ الْفِرِیَّۃَ وَاللّٰہُ تَعَالٰی یَقُوْلُ قُلْ لَا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰہُ''(۱)

جبکہ جنگ بدر کے معرکہ سے ایک دن قبل رسول اللہ ﷺ کا مخصوص مشرکین مکہ کے قتل ہونے اوران کی موت کی جگہ کو جاننے اوراس کی خبر دینے سے متعلق بھی آیا ہے۔''ھٰذَا مَصْرَعُ فُلَانٍ وَ ھٰذَا مَصْرَعُ فُلَانٍ ''جس کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اُنہوں نے کہا؛

''وَالَّذِیْ بَعَثَہٗ بِالْحَقِّ مَا اَخْطَؤُا الْحُدُوْدَ الَّتِیْ حَدَّھَا رَسُوْلُ اللّٰہِ''

اور دوسری روایت میں ہے؛

''وَمَا تَجَاوَزَ اَحَدُھُمْ عَنْ مَوْضِعِ یَدِ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ''(۲)

ذاتی وعطائی کی اس تفریق کو پیش نظر رکھے بغیر ان نصوص میں تطبیق کا کوئی تصور ہی ممکن نہیں ہے جبکہ فطری اُصول کی اس تفریق کو پیش نظر رکھنے میں تعارض کا کوئی تصور ہی پیدا نہیں ہوتا کیوں کہ اس کی روشنی میں علم غیب کی غیر اللہ سے قطعی نفی کے لیے وارد شدہ تمام آیات و احادیث کا محمل ومصداق صرف اور صرف ذاتی ہے جو اللہ وحدہ لاشریک کی صفت مختصہ ہونے کی بناء پر ذوات قدسیہ انبیاء ومرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم سمیت کسی بھی غیر اللہ کے لیے ناممکن ومحال ہے،اس کی ایسی مثال ہے۔جیسے''لَا اِلٰـہَ اِلَّا ھُوَ ''(۳)یعنی اللہ کے سوا کوئی اور نفع نقصان علی الاطلاق کا مالک نہیں ہے۔یا مذہب صوفیاء کے مطابق''لَا مَوْجُوْدَ اِلَّا ھُوَ'' ذاتی موجودیت کے ساتھ موجود اس کے بغیر کوئی اور نہیں ہے۔جبکہ ذوات قدسیہ انبیاء ومرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کے لیے ثبوت پر مشتمل تمام آیات واحادیث کا محمل ومصداق وہی ہے جو ان کا

---

(۱) تفسیر مدارك، ج4،ص 27۔

(۲) مسلم شریف، ج2،ص62، کتاب الجهاد۔

(۳) الانعام،106۔

Marfat.com

خاصہ وشایان ہے جس کو عطائی اور توفیق الٰہی بھی کہا جا سکتا ہے۔ ذاتی وعطائی کی حقیقتوں کا ایک دوسرے سے جدا ہونے کی طرح قرآن وسنت اور اسلاف کی روشنی میں ان کی تعبیرات بھی ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ اللہ کا جو خاصہ ہے، اس کے متعلق عالم الغیب اور ''اِسْتَاثَرَ اللّٰہ بِعلمه'' جیسے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ جیسے فرمایا:

''عَالِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖ اَحَداً''(۱)

دوسری جگہ فرمایا: ''عَالِمُ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ''(۲)

حدیث میں بھی ''اِسْتَاثَرَ اللّٰہ بِعلمه'' جیسے الفاظ استعمال ہوئے ہیں اور مفسرین کرام نے بھی قرآنی تعبیرات کے مطابق ہی الفاظ استعمال کیے ہیں۔ جیسے تفسیر قرطبی میں ہے:

''قَالَ الْعُلَمَاءُ رَحْمَةُ اللّٰہِ عَلَیْهِمْ لَمَّا تَمَدَّحَ سُبْحَانَهٗ بِعِلْمِ الْغَیْبِ وَاسْتَاثَرَ بِهٖ دُوْنَ خَلْقِهٖ کَانَ فِیْهِ دَلِیْلٌ عَلٰی اَنَّه لَا یَعْلَمُ الْغَیْبَ اَحَدٌ سِوَاهُ''(۳)

جس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا عالم الغیب ہونے کی صفت کے ساتھ اپنی شان بیان کرنا اس بات پر دلیل ہے کہ اس کے سوا کوئی اور غیب کو نہیں جانتا۔

جبکہ انبیاء مرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم سے متعلق اظہار، اطلاع، تعلیم اور وحی جیسے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ جیسے فرمایا ''فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖ اَحَداً اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ''(۴)

نیز فرمایا: ''وَمَا کَانَ اللّٰهُ لِیُطْلِعَکُمْ عَلَی الْغَیْبِ وَلٰکِنَّ اللّٰهَ یَجْتَبِیْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ یَّشَآءُ''(۵)

---

(۱) الجن،26۔

(۲) الحشر،22۔

(۳) التفسیر القرطبی، ج19،ص28،زیر آیت26،سورۃ الجن۔

(٤) الجن ،27-26۔

(٥) آلِ عمران،179۔

Marfat.com

نیز فرمایا:''وَعَلَّمَکَ مَا لَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ وَ کَانَ فَضْلُ اللّٰہِ عَلَیْکَ عَظِیْماً''(۱)

نیز فرمایا:''تِلْکَ مِنْ اَنْبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْھَا اِلَیْکَ''(۲)

جس کے مطابق اللہ وحدہ لاشریک کے کسی علم سے متعلق ان ذرائع کو استعمال کر کے کسی اور کی توفیق وعطاء کہنا جائز ہوسکتا ہے نہ انبیاء ومرسلین علیھم الصلوٰۃ والتسلیم میں سے کسی کو عالم الغیب کہنا ممکن ہوسکتا ہے۔ جیسے'' عَلَّامُ الْغُیُوْبُ' عَالِمُ الْغَیْبِ ''اور'' عَالِمُ الْغَیْبِ وَالشَّھَادَۃِ ''جیسے مختص باللہ الفاظ کو غیر اللہ کے لیے استعمال کرنا ممنوع فی الاسلام ونا روا ہے ویسے ہی اللہ تعالیٰ کو مطلع علی الغیب، مظہر علی الغیب، معلّم الغیب اور علم غیب عطائی کے ساتھ متصف جاننے اور متصف کہنے کی اجازت بھی اسلام میں نہیں ہے۔ تعجب ہے کہ قرآن وسنت میں یہ مسئلہ اتنا واضح اور بے غبار ہونے کے باوجود اسے متنازعہ بنانا اور فتویٰ تکفیر تک غلو کرنے کا کیا جواز تھا۔

ایک مغالطہ کا ازالہ:۔ غیر اللہ کی طرف علم غیب نسبت کرنے پر تکفیر کرنے والے حضرات کو یہ اشتباہ ہوسکتا ہے کہ جہاں تک مذکورہ ذرائع سے یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی، تعلیم اور اظہار واطلاع کے بعد انبیاء ومرسلین علیھم الصلوٰۃ والتسلیم کا غیب کی باتوں کو جاننے کا مسئلہ ہے ۔یہ ضروریات دین کے قبیل سے ہونے کی بناء پر کسی سے مخفی یا قابلِ انکار نہیں ہے جبکہ ان ذرائع کے بغیر علم غیب کو کسی مخلوق کی طرف منسوب کر کے یہ کہنا کہ''فلاں غیب کی باتوں کو جانتا ہے''، محل تکفیر ہے ہم اسی قسم عقیدہ والفاظ کو کفریہ قرار دے رہے ہیں کہ قرآن وسنت سے بھی اس قسم عقیدہ کے ناجائز ہونے کا اشارہ مل رہا ہے۔ جیسے جنات سے علم غیب کی نفی کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا؛

---

(۱) النساء،113۔

(۲) ھود،49۔

Marfat.com

''اَن لَوۡ کَانُوۡا یَعۡلَمُوۡنَ الۡغَیۡبَ مَا لَبِثُوۡا فِی الۡعَذَابِ الۡمُهِیۡنِ''

یعنی اگر وہ غیب کو جانتے ہوتے تو خواری کی اس تکلیف میں نہ رہتے۔

حدیث میں اُم المومنین نے یہی فرمایا ہے؛

''مَنۡ زَعَمَ اَنَّهٗ ﷺ یَعۡلَمُ مَا فِیۡ غَدٍ فَقَدۡ اَعۡظَمَ عَلَی اللّٰهِ الۡفِرۡیَتَ وَاللّٰهُ تَعَالٰی یَقُوۡلُ قُلۡ لَا یَعۡلَمُ مَنۡ فِی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ الۡغَیۡبَ اِلَّا اللّٰهُ''(۱)

جس کا حقیقی فلسفہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ غیب کی باتوں کو جاننے میں مستقل ہے، کسی اور کا محتاج نہیں ہے جبکہ انبیاء ومرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم اللہ کے محتاج ہیں۔ جب اللہ نے ان کو وحی کے ذریعہ بتادیا تو پھر غیب نہیں رہا۔ ایسے میں بلا واسطہ علم غیب اللہ کے کسی مقدس رسول کی طرف منسوب کرنے کی بجائے مطلع علی الغیب' مظہر علی الغیب یا علم غیب عطائی کو جاننے والا کہنا چاہئے۔

اِس کا جواب یہ ہے کہ یہ مغالطہ کے سوا اور کوئی حقیقت نہیں رکھتا اور نہ لازم آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ماسوا کسی اور کی طرف موجودیت منسوب کر کے فلاں موجود کہنے کی بجائے فلاں مُعطی الوجود کہا جائے، اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سمیع وبصیر حیات وقدرت اور کلام منسوب کر کے فلاں سمیع، بصیر، حی، قادر متکلم کہنا بھی ناجائز ہو کیوں کہ ان تمام اوصاف وکمالات کے ساتھ اللہ تعالیٰ مستقل و بے محتاج ہے جبکہ انسان کے پاس یہ سب کچھ اللہ کا عطیہ ہیں۔

نیز یہ بات تب قابل غور ہو سکتی تھی کہ اگر اس کا متنازعہ ہونے سے پہلے پیشروانِ اسلام میں سے کسی مسلمہ ہستی نے اسے کفریہ قرار دیا ہوا ہوتا جبکہ حقیقت اس کے برعکس ہے کیوں کہ اسلاف اسلام میں اس طرح کا عقیدہ اور ایسے الفاظ کا استعمال بکثرت پایا جاتا ہے۔ جیسے تفسیر ابن جریر طبری میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا خضر علیہ السلام کے ساتھ ملاقات سے متعلقہ آیات کی تفسیر کے سلسلہ میں لکھا ہوا موجود ہے۔ جس کے الفاظ یہ ہیں؛

---

(۱) تفسیر مدارک، ج4، ص 27۔

Marfat.com

''وَكَانَ رَجلاً يَعْلَمُ عِلْمَ الْغَيْبَ''(۱)

فتاویٰ تاتارخانیہ میں ہے:'' وَاِنَّ الرُّسُلَ يَعْرِفُوْنَ بَعْضَ الْغَيْبِ''(۲)

تفسیر بیضاوی میں حضرت موسیٰ وخضر علیہما السلام کے واقعہ کے تحت'' وَعَلَّمْنَاهُ مِنْ لَدُنَّا عِلْماً'' کا مفہوم بتاتے ہوئے لکھا ہے؛

''اَیْ مِمَّا يَخْتَصُّ بِنَا وَلَا يُعْلَمُ اِلَّا بِتَوْفِيْقِنَا وَ هُوَ عَلْمُ الْغَيْبِ''(۳)

جس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو علم ہمارے ساتھ خاص ہے جس کو ہماری توفیق کے بغیر نہیں جانا جاسکتا وہ غیوب کا علم ہے، جن میں سے کچھ ہم نے خضر کو سکھایا تو وہ ہماری توفیق سے اس غیب کو جانتے ہیں۔

تفسیر ابن جریر میں حضرت خضر علیہ السلام سے متعلق یہ بھی لکھا ہوا موجود ہے؛

''اِیْ اِنَّمَا تَعْرِفُ ظَاهِرَ مَا تَرَیٰ مِنَ الْعَدْلِ وَلَمْ تُحِطْ مِنْ عِلْمِ الْغَيْبِ مَا اَعْلَمُ''(۴)

جس کا مفہوم یہ ہے کہ تو صرف ظاہری عدل سے متعلق جانتا ہے اور جس علم غیب کو میں جانتا ہوں اسے تو نہیں جانتا۔

اپنے وقت میں عالمِ اسلام کے عظیم مفتی حضرت ابن عابدین نے رسائل ابن عابدین میں لکھا ہے؛

''اَلْخَوَاصُ يَجُوْزُاَنْ يَعْلَمُوْا الْغَيْبَ فِیْ قَضِيَّةٍ اَوْ قَضَايَا''(۵)

---

(۱) تفسیر ابن جریر، ج15، ص280۔

(۲) فتاوی تارتار خانیه، ج2، ص610، کتاب النکاح۔

(۳) تفسیر بیضاوی، ج2، ص116۔

(٤) تفسیر طبری، ج 51، ص280، مطبوعه مصر، زیر بحث سورة الکهف، آیت نمبر 68۔

(٥) رسائل ابن عابدین، ج2، ص311۔

Marfat.com

جس کا مفہوم یہ ہے کہ ذوات قدسیہ کو کسی واقعہ یا وقائع سے متعلق علم غیب جاننا ممکن ہے۔
امام المتکلمین فخر الدین رازی نے تفسیر کبیر میں لکھا ہے؛

''لا یَمْتَنِعُ اَنْ نَقُوْلَ نَعْلَمُ مِنَ الْغَیْبِ مَا لَنَا عَلَیْهِ دَلِیْلٌ''(۱)

جس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر ہم یہ کہہ دیں کہ ہم اس غیب کو جانتے ہیں جس پر ہمارے پاس دلیل ہے تو یہ ناجائز نہ ہوگا۔
تفسیر قرطبی میں ہے؛

''اِنَّ الْاَنْبِیَاءَ یَعْلَمُوْنَ کَثِیْرًا مِنَ الْغَیْبِ بِتَعْرِیْفِ اللّٰهِ تَعَالٰی اِیَّاهُمْ''(۲)

محدث ابن جوزی نے تفسیر زاد المسیر میں حضرت خضر علیہ السلام کے ساتھ موسیٰ علیہ السلام کے قرآنی واقعہ کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت عبداللہ ابن عباس کا عقیدہ وقول نقل کر کے لکھا ہے؛

''قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ اَعْطَاهُ عِلْمًا مِنْ عِلْمِ الْغَیْبِ''(۳)

جس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت خضر علیہ السلام کو علم غیب عطاء کیا تھا۔
ذوات قدسیہ کی طرف علم غیب نسبت کرنے کے سلسلہ میں اسلاف کی ان تصریحات وعقیدہ کی موجودگی میں ''فُلَانٌ یَعْلَمُ الْغَیْبَ'' جیسے جزئیات کو کفریہ قرار دینے کا کوئی جواز باقی رہتا ہے نہ متنازعہ بنانے کا۔

اہل علم جانتے ہیں کہ یہ ان فروعی اور اجتہادی مسائل کے قبیل سے تو ہے نہیں جو حالات کے بدلنے سے بدل جاتے ہیں بلکہ اُصول دین اور عقائد کے زمرہ میں ہونے کی بنیاد پر ناقابل تبدیل ہیں۔ جس میں سلف صالحین کی تعبیر وتشریح اور ان کے عقیدہ وعمل سے جو ثابت ہیں انہیں بلاکم وکاست تسلیم کرنا ضروری ہوتا ہے۔ ذوات قدسیہ انبیاء ومرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم

(۱) تفسیر کبیر، ج1، ص28۔

(۲) تفسیر قرطبی، ج13، ص82۔

(۳) تفسیر زاد المسیر، ج5، ص118۔

Marfat.com

اوران کے نقش قدم کواپنانے کی بدولت اولیاء اُمت کیلئے اس عطیہ الٰہی کوان مقدس حضرات کی طرف منسوب کرنے کا عقیدہ جب پہلے سے چلا آرہا ہے۔ طبقہ مفسرین سے لیکر طبقہ مجتہدین اور طبقہ محدثین سے لیکر صوفیاء کرام اور فقہاء اسلام تک سب نے ایسا عقیدہ رکھا ہے اور اپنی کتابوں میں لکھ کر آئندہ نسلوں کو بھی اس کے مطابق عقیدہ رکھنے کی تعلیم دی ہے تو پھران سب کے خلاف جدید اندازِ کلام کی کیا ضرورت ہے۔ اگر اس اشتباہ کی ذرّہ برابر گنجائش ہوتی یا اس جدید انداز کلام میں کوئی وزن ہوتا تو سلسلہ اسلاف کے مختلف طبقات میں کسی نے تو اس کو اپنایا ہوا ہوتا، کسی کے کلام میں تو لکھا ہوا پایا جاتا یا کم از کم کسی نے تو اس پر کچھ گفتگو ہی کی ہوئی ہوتی جبکہ اس سے کم درجہ کے مسائل کو بھی محل اختلاف ہونے کی وجہ سے تشنۂ تکمیل نہیں چھوڑا ہے۔ مثال کے طور پر صاحبِ کرامت اولیاء اللہ کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے علم غیب کا عطیہ وتوفیق پانا جو اہل سنت عقیدہ کے مطابق ضروریاتِ مذہبیہ کے قبیل سے ہے جبکہ معتزلہ اسے ناجائز کہتے ہیں۔ پیشروانِ اسلام اس پر گفتگو کیے بغیر نہ رہ سکے چہ جائیکہ ضروریاتِ دینی والے اس عقیدہ میں اختلاف دیکھ کر خاموشی اختیار کرتے۔ ایں خیال است و محال است و جنون

اَلغرض علم غیب ذوات قدسیہ انبیاء ومرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کی طرف نسبت کر کے اللہ کی توفیق وعطاء کے عقیداہ کے ساتھ یہ کہنا کہ انبیاء ومرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم مطلق غیب کی باتوں کو جانتے ہیں، ضروریاتِ دین کے قبیل سے ہے۔ جس میں اہل قبلہ میں سے کسی کو بھی اختلاف نہیں ہے، اہل سنت کو نہ شیعہ کو، اہل اعتزال کو نہ اہل حدیث کو، اہل ظاہر کو نہ اہل باطن کو۔ علم غیب کے حوالے سے اگر اختلاف ہے تو وہ صرف اور صرف اولیاء اللہ کے بارے میں فقط اہل اعتزال کی طرف سے ہے۔ ایسے میں اس اشتباہ کو مغالطہ کہے بغیر نہیں رہا جاسکتا جس کا اصل منشاء اسلاف کے عقیدہ وکتب سے بے خبری کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

خلاصۃ الکلام بعد التحقیق:۔

1. علمِ غیب ذاتی اللہ وحدہ لاشریک کا خاصہ ہونے کی بناء پر ذوات قدسیہ انبیاء ومرسلین علیہم

Marfat.com

الصلوٰۃ والتسلیم سمیت کسی اور کے لیے تسلیم کرنا محض شرک اور التزام کفر ہے۔

2 علمِ غیب عطائی ذوات قدسیہ انبیاء ومرسلین کے لیے تسلیم کرنا ضرورت دینی ہے جس کی تکذیب وانکار التزام کفروارتداد ہے۔

3 قرآن وحدیث میں جس علم غیب کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ مختص قرار لے کر غیر اللہ سے نفی کی گئی ہے اس سے مراد صرف اور صرف علم غیب ذاتی ہے۔

4 قرآن وحدیث کے جن نصوص میں غیر اللہ کے لیے علم غیب ثابت کیا گیا ہے اس سے مراد صرف اور صرف علم غیب عطائی ہے۔

5 قرآن وسنت میں علم غیب کے حوالہ سے قطعاً کوئی تعارض وتضاد نہیں ہے بلکہ ہر ایک کا محل ومصداق ایک دوسرے سے جدا جدا ہے۔

6 ذواتِ قدسیہ انبیاء ومرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کے لیے مطلق علم غیب ضرورت دینی ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کے لیے علم الغیب المطلق کا عقیدہ رکھنا ضرورتِ دینی ہے اور ان دونوں کے مفہوم ایک دوسرے سے جدا ہیں۔

7 انبیاء ومرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کے نقش قدم پر چلنے کی بدولت اولیاء اُمت کے لیے علم غیب کی توفیق وعطیہ پر عقیدہ رکھنا بشمول اہل تشیع، اہل سنت کے چاروں مذاہب کے مطابق ضروریاتِ مذہبیہ کے قبیل سے ہے جسکے منکر یا تکذیب کرنے والوں کی تکفیر جائز نہیں ہوسکتی جبکہ معتزلہ کے نزدیک معاملہ برعکس ہے کیوں کہ ان کے مطابق اولیاء اللہ کے لیے اللہ تعالیٰ کی جانب سے علمِ غیب کی توفیق وعطیہ کا عقیدہ نہ ہونا ضروریاتِ مذہبیہ کے زمرہ میں شامل ہے۔

مندرجہ ذیل حوالہ جات سے ان سب کا نمونہ واضح ہورہا ہے۔ جیسے تفسیر کشاف کے مصنف معتزلی المذہب الزمخشری نے لکھا ہے؛

"لَا یَطَّلِعُ عَلَی الْغَیْبِ اِلَّا الْمُرْتَضیٰ الَّذِیْ هُوَ مُصْطَفیٰ لِلنُّبُوَّةِ خَاصَّةً لَا کُلَّ مُرْتَضیٰ وَفِیْ هٰذَا اِبْطَالٌ لِلْکَرَامَاتِ لِاَنَّ الَّذِیْنَ تُضَافُ اِلَیْهِمْ وَ اِنْ کَانُوْا

Marfat.com

اَوْلِیَاءُ مُرْتَضِیْنَ فَلَیْسُوْا بِرُسُلٍ وَ قَدْ خَصَّ اللّٰہُ الرُّسُلَ مِنْ بَیْنِ الْمُرْتَضِیْنَ بِالْاِطْلَاعِ عَلَی الْغَیْبِ"(۱)

جس کا مفہوم یہ ہے کہ نبوت کے لیے منتخب کیے ہوئے بندوں کے سوا کسی اور کو علم غیب پر مطلع نہیں کیا جاتا کیوں کہ یہ نبوت کے لیے منتخب کیے ہوئے بندوں کا خاصہ ہے۔ ہر منتخب ومرتضیٰ کے لیے نہیں ہے اور اس آیت میں اولیاء اللہ کے لیے مشہور کی جانے والی ان کرامات کا ابطال ہے جو اطلاع علی الغیب کے قبیل سے ہیں کیوں کہ اس قسم کرامات جن حضرات کی طرف منسوب کی جاتی ہیں وہ اگر چہ اللہ کے پسندیدہ ومنتخب کردہ اولیاء ہیں لیکن رسول نہیں ہیں جبکہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پسندیدہ ومنتخب بندوں میں سے صرف رسولوں کو اطلاع علیٰ الغیب کے لیے خاص فرمایا ہے۔

امام ناصر الدین احمد المالکی نے کشاف پر اپنی لکھی ہوئی تعلیقات بنام الانتصاف فیما تضمنہ الکشاف الاعتزال میں معتزلہ کے اس عقیدہ سے متعلق لکھا ہے:

"فَلَا جَرَمَ اِنَّھُمْ یَسْتَمِرُّوْنَ عَلَی الْاِنْکَارِ"(۲)

جس کا مفہوم یہ ہے کہ معتزلہ بالیقین اپنے اس انکاری عقیدہ پر قائم دائم رہتے ہیں۔

سلیمان الشافعی نے الفتوحات الالٰہیہ میں لکھا ہے:

"اِطْلَاعُ اللّٰہِ الْاَنْبِیَاءَ عَلَی الْغَیْبِ اَقْوٰی مِنْ اِطْلَاعِ الْاَوْلِیَاءِ"(۳)

جس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا انبیاء ومرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کو غیب پر مطلع کرنا اولیاء اللہ کو مطلع کرنے سے زیادہ قوی ہے۔

---

(۱) تفسیر کشاف، ج4، ص172، زیر بحث سورۃ الجن، آیت نمبر 26۔

(۲) الانتصاف علی ھامش الکشاف، ج4، ص172۔

(۳) تفسیر الفتوحات الالٰھیہ، ج4، ص425، زیر بحث سورۃ الجن، آیت نمبر36۔

Marfat.com

شیخ احمد المالکی المذہب نے لکھا ہے؛

''اِطْلَاعُ الْاَنْبِيَاءِ عَلَى الْغَيْبِ اَقْوىٰ مِنْ اِطْلَاعِ الْاَوْلِيَاءِ لِاَنَّ اِطْلَاعَ الْاَنْبِيَاءِ يَكُوْنُ بِالْوَحْيِ وَهُوَ مَعْصُوْمٌ مِنْ كُلِّ نَقْصٍ بِخِلَافِ اِطْلَاعِ الْاَوْلِيَاءِ فَعِصْمَةُ الْاَنْبِيَاءِ وَاجِبَةٌ وَعِصْمَةُ الْاَوْلِيَاءِ جَائِزَةٌ''(۱)

جس کا مفہوم یہ ہے کہ انبیاء و مرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کا غیب پر مطلع ہونا چونکہ وحی کے ذریعہ سے ہوتا ہے اور وحی غلطی سے محفوظ ہوتی ہے لہٰذا انبیاء و مرسلین کی عصمت بھی لازم و ضروری ہے اور اولیاء اللہ کا غیب پر مطلع ہونا بغیر وحی کے ہوتا ہے جس کا محفوظ ہونا ضروری نہیں ہے لہٰذا اولیاء اللہ کا معصوم ہونا بھی ضروری نہیں ہے۔

حنفی المذہب امام ابن عابدین نے لکھا ہے؛

''اِنَّ بَعْضَ الْاَوْلِيَاءِ قَدْ يُعَلِّمُهُ اللّٰهُ بِبَعْضِ الْمُغَيَّبَاتِ''

جس کا مفہوم یہ ہے کہ بیشک بعض اولیاء اللہ کو اللہ تعالیٰ کچھ غیوب کا علم دیتا ہے۔

8 اہلِ قبلہ کے ان تمام فریقوں کے برعکس فرقہ معتزلہ کے مطابق اولیاء اُمت کے لیے علم غیب کی توفیق وعطیہ نہ ہونے کا عقیدہ ان کے ماحول میں ضرورتِ مذہبی کے قبیل سے ہے۔ جنکے اصاغر و خلف کو اپنے ماحول میں اس کو بطور اسلامی عقیدہ ثابت کرنے کے لیے دلیل تلاش کرنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی کیوں کہ ان کے اکابر نے اپنے اپنے وقتوں میں اس حوالہ سے جو کچھ کہا ہے وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ اتنا مشہور و متواتر ہوا کہ اس کے خلاف یہ بے چارے کچھ سننے کے لیے بھی تیار نہیں ہیں۔

اِن حقائق کے پیش نظر ہم افسوس کیے بغیر نہیں رہ سکتے کہ موجودہ دور کے اکثر علماء اہل حدیث اور کچھ حنفی کہلانے والے حضرات اہل اعتزال کے نام سے ہی نفرت کرتے ہیں اور جب ان کا ذکر زبان پر لاتے ہیں تو تعصب کی آگ بجھاتے ہوئے ''خَذَلَهُمُ اللّٰهُ'' کے بددعائیہ

(۱) التفسیر الصاوی علی الجلالین، ج4، ص 257۔

Marfat.com

کلمات کے بغیر آگے جانا گوارہ ہی نہیں کرتے جبکہ اس مسئلہ میں نادانستہ طور پر ان سے بھی ایک قدم آگے ہیں کیوں کہ وہ ذوات قدسیہ انبیاء ومرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کے لیے علم غیب عطائی کو تسلیم کرنے میں اہل سنت سمیت جملہ اہل قبلہ کے ساتھ متفق ہیں جبکہ یہ حضرات اولیاء اللہ کی ذوات قدسیہ سے نفی کرنے میں ان کے ساتھ ہم خیال وہم عقیدہ ہونے کے بعد انکار میں ترقی کرتے ہوئے انبیاء ومرسلین کی ذوات قدسیہ سے بھی نفی کر رہے ہیں۔ ایسے میں بے ساختہ زبان پر آجاتا ہے کہ۔ ببین از کے بریدی وبا کے پیوستی

اگر ان حضرات کو پیش روانِ اسلام کے عقائد کو سمجھنے کی توفیق ہوتی یا قرآن وحدیث کو ماحولیاتی اثرات وترجیحات سے بالاتر ہو کر آزاد ذہن سے دیکھنے کی توفیق ہوتی تو بے محل تکفیر کی اس اُفتاد میں کبھی نہ پڑتے۔

ایک اور اشتباہ کا ازالہ:۔ یہاں پر شاید کچھ قارئین کو یہ خیال آجائے کہ اولیاء اُمت کے لیے علم غیب عطائی سے انکار کرنے پر اہل اعتزال کی تکفیر نا جائز ہونے کا فلسفہ تو سمجھ میں آرہا ہے کہ یہ مسئلہ ضروریاتِ دینیہ کے قبیل سے نہیں ہے۔ لیکن ذواتِ قدسیہ انبیاء ومرسلین کے لیے مطلق علم غیب عطائی کا عقیدہ ضروریاتِ دینیہ کے قبیل سے ہے کیوں کہ اہل قبلہ کی اس میں دو رائے نہیں ہیں بلکہ سب کا عقیدہ اور سب کے نزدیک مسلم ہونے کی وجہ سے اللہ کے کسی بھی رسول ونبی کا تصور ذہن میں آنے کے ساتھ ہی اس عقیدہ کا تصور بھی آجاتا ہے۔ کیوں نہ ہو جبکہ ہر رسول نبی ہوتا ہے اور نَبِـــی کا یہ لفظ نَبَــــاء سے بنا ہوا ہے جس کے معنی بالترتیب خبریں بتانے والے اور خبر کے ہیں۔

اہل علم جانتے ہیں کہ انبیاء ومرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم اُمتیوں کو جو خبریں بتاتے یا جن خبروں کی طرف دعوت لے کر عمل کے لیے بلاتے ہیں وہ غیب ہی ہوتی ہیں مثلاً اللہ کی ذات اور اس کی وحدانیت، قضاء وقدر کی حقانیت اور قوت فکری وعملی کی امانتوں کو اللہ کی رضا کے مطابق

Marfat.com

صرف کرنے میں ثواب وجنت کا ملنا اور اسکی نافرمانی میں صرف کرنے پر عذاب ودوزخ مقدر ہونا اور فلاں عمل کا فلاں ثواب ملنا، اتنا ملنا اور ایسا ملنا اور فلاں گناہ پر فلاں عذاب ملنا، کب ملنا کتنا ملنا اور کیسے ملنا یہ سب کچھ ماورائے العقل والحواس باتیں ہیں نہ کوئی شخص حواس کے ذریعہ ان کا ادراک کرسکتا ہے نہ عقل کی طاقت سے، غیب کی حقیقت بھی اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ ماورائے العقل والحواس ہو۔ اِسی فلسفہ کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ نے پیغمبرِ اکرم رحمتِ عالم ﷺ کے بتائے ہوئے ایمانیات پر یقین کرنے والے خوش نصیبوں کا تعارف ''یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ'' کے الفاظ میں کیا۔ جب ذواتِ قدسیہ انبیاء ومرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کے لیے مطلق علم غیب عطائی کا عقیدہ رکھنا ضروریاتِ دینیہ کے قبیل سے ہے تو پھر اس سے انکار کرنے والوں کی تکفیر کیوں جائز نہیں ہے؟

اِس کا جواب یہ ہے کہ پیشِ نظر مسئلہ میں ضرورتِ دینی اور متنازع فیہ جدا جدا چیزیں ہیں۔ یہاں پر جو چیز ضروریاتِ دینیہ کے قبیل سے ہے وہ اللہ کے ہر نبی ورسول کا منجانب اللہ علم غیب عطائی کے منصب پر فائز ہونا ہے اس سے انکار وتکذیب کرنے والا کوئی نہیں ہے ورنہ بالیقین مرتد وملحد قرار پاتا۔ جیسے مفردات القرآن امام الراغب اصفہانی میں ہے:

''وَبِدَفْعِهِ يَقَعُ عَلَى الْاِنْسَانِ اِسْمُ الْاِلْحَادِ''(۱)

یعنی انبیاء ومرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کے لیے علم غیب عطائی سے انکار وتکذیب کرنے والے پر ملحد کا نام فٹ ہوجاتا ہے۔

اور جس بات کو متنازعہ بنایا گیا ہے وہ اسی علم کو عطاء، اظہار اور وحی جیسی کسی قید کیساتھ مقید کیے بغیر انبیاء ومرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کی طرف منسوب کرنا ہے۔ مثلاً ''نَبِیُّنَا ﷺ یَعْلَمُ الْغَیْبَ'' یا ''کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ یَعْلَمُ الْغَیْبَ'' جیسے الفاظ اور اسکے مفہوم کے مطابق عقیدہ رکھنا ہے تو ظاہر ہے کہ اس قسم کے الفاظ وعقیدہ ضروریاتِ دینیہ کے قبیل سے نہ ہونے

(۱) مفردات القرآن امام راغب الاصفہانی، مادہ (غ، ی، ب)۔

Marfat.com

کی وجہ سے محل نزاع ہو سکتے ہیں، جب اس کا محل نزاع ہونا ممکن ہے تو پھر اس کے منکر پر لزومِ کفر بھی نہیں ہے چہ جائیکہ التزام کفر لاگو کرنا جائز ہو سکے۔ ایسے میں مذکورہ اشتباہ انبیاء و مرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کیلیے علم غیب کے حوالہ سے ضرورتِ دینی اور غیر ضرورتِ دینی کے مابین عدم تمیز کا نتیجہ ہے جس کو بناء الغلط علی الغلط کے سوا اور کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ (فَلِلّٰہِ الْحَمْدُ اَوَّلاً وَآخِراً ظَاھِراً وَبَاطِناً)

مفسرین کی نظر میں علم غیب کی قسمیں اور تحقیق:۔ خصوصیت مذہب سے قطع نظر عام اہل اسلام کی نظر میں علم غیب کی اس تحقیق کے بعد مناسب سمجھتا ہوں کہ طبقہ مفسرین نے قرآن شریف میں علم غیب سے متعلقہ آیات کی تفسیر کرتے ہوئے جو منہج اختیار کیا ہے اسے بھی دارالافتاء کے ذمہ داروں کے سامنے پیش کروں۔ اس اُمید کے ساتھ کہ شاید اس سے سبق لے کر بے محل فتویٰ کفر صادر کرنے کی غلطی سے گریز کریں۔

علم غیب کے حوالہ سے مفسرین کرام کا اندازِ بیان اس طرح ہے کہ وہ سب سے پہلے علم غیب کو حقیقی اور اضافی کی طرف تقسیم کرتے ہیں۔ علم غیب حقیقی وہ ہے جس میں معلوم اپنے عالم کی نگاہ سے غائب و پوشیدہ ہو۔ جیسے اللہ وحدہ لاشریک کی ذات ہم سے غائب ہے جبکہ ہمیں اس کی موجودگی اور یکتائی کا علم ہے، اِسی طرح جنت و دوزخ اور ان کے حال و احوال ہم سے پوشیدہ و غائب ہیں جبکہ ہمیں ان کی موجودگی و حقانیت کا بغیر مشاہدہ کیے علم و یقین ہے۔ الغرض اللہ کے فرمان ''یُؤمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ'' کا ایک ایک مظہر اس کی مثالوں میں شامل ہیں۔ علم غیب اضافی سے مراد وہ ہے جس میں معلوم اپنے عالم سے نہیں بلکہ اوروں کے مشاہدہ و نگاہ سے غائب ہو۔ جیسے جمیع مافی السمٰوٰت و مافی الارض ہم سے غائب ہیں جبکہ اللہ کے مشاہدہ میں ہیں۔ جیسے فرمایا؛

''وَمَا یَعْزُبُ عَنْ رَّبِّکَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّۃٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ''(۱)

---

(۱) یونس، 61۔

Marfat.com

یعنی تیرے رب سے ذرہ برابر کوئی چیز غائب نہیں زمین میں نہ آسمان میں۔

اس کے باوجود عالم الغیب ہے۔ جیسے فرمایا؛

''اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ''(۱)

یعنی بالیقین اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کے غیب کو جانتا ہے۔

اس کے بعد دوسری تقسیم ماعلیہ الدلیل اور مالیس علیہ الدلیل کی طرف کی ہیں یعنی ان میں سے ہر ایک کی دو دو قسمیں ہیں جس کے مطابق تقسیم رباعی کا نقشہ اس طرح قرار پاتا ہے۔

علم غیب:۔ حقیقی اور اضافی۔

حقیقی علم غیب:۔ مَاعَلَيْهِ الدَّلِيْل...... مَالَيْسَ عَلَيْهِ الدَّلِيْل

اضافی علم غیب:۔ مَاعَلَيْهِ الدَّلِيْل...... مَالَيْسَ عَلَيْهِ الدَّلِيْل

اِس دلیل کو یہ حضرات دلیل عقلی ونقلی دونوں کو شامل سمجھتے ہیں، جنکی مثالی وضاحت اِس طرح ہے کہ؛

❶ علم غیب حقیقی ماعلیہ الدلیل کی مثال جیسے ہر ایک مومن مسلمان کو اللہ کی ذات وحدہ لا شریک کی بمع افعال واوصاف واسماء واحکام موجودگی کا علم ویقین ہے جس پر دلیل یہ ہے کہ مخبر صادق ومعصوم نے اس کے متعلق ہم کو ایسا ہی بتایا ہے۔ اِس کے علاوہ عقلی دلیل یہ ہے کہ ہم اور ہمارے اِردگرد یہ سب کچھ ممکن الوجود ہیں یعنی ان کا ہونا بھی ضروری نہیں ہے اور نہ ہونا بھی ضروری نہیں ہے جو چیز بھی ایسی ہو اس کا خارجی علت کے بغیر موجود ہونا محال ہے یعنی ''يَسْتَحِيْلُ وُجُوْدُ الْمُمْكِنِ بِدُوْنِ عِلَّةٍ'' جب اس ناقابلِ انکار برہان سے ان کی ذات کی موجودگی کا علم حاصل ہوا تو اس کے افعال، اوصاف، اسماء واحکام کا آپ ہی ثابت ہو جاتا ہے کیوں کہ یہ سب اس کے لوازمات ہیں جو ''كُلَّمَا ثَبَتَ الشَّيْئُ ثَبَتَ بِجَمِيْعِ لَوَازِمِهٖ'' کے فطری اُصول کا مقتضاء ہے۔

---

(۱) الحجرات، 18۔

Marfat.com

۲ علم غیب حقیقی مالیس علیہ الدلیل کی مثال، جیسے خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مرض الموت اور زندگی کے آخری لمحات میں اپنی بیوی کے پیٹ میں موجود حمل کو یعنی مافی الارحام کو جان گئے کہ وہ لڑکی ہے اور اپنے اس علم پر انہیں اتنا یقین تھا کہ اس مافی الارحام لڑکی کو حضرت اسماء اور حضرت عائشہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا کے ساتھ شمار کر کے تین لڑکیوں کو وارث قرار لیکر تقسیم میراث سے متعلق خصوصی ہدایت دیں۔ جسکے متعلق موطا امام مالک کی روایت اس طرح ہے؛

''مَالِکُ عَنْ اِبنِ شَھَابٍ عَنْ عُرْوَۃِ اِبنِ الزُّبَیْرِ عَنْ عَائِشَۃَ زَوْجِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم اَنَّھَا قَالَتْ اِنَّ اَبَابَکْرِنِ الصِّدِّیْقَ کَانَ نَحَلَھَا جَادَّ عِشْرِیْنَ وَسْقًا مِنْ مَالِہٖ بِالْغَابَۃِ فَلَمَّا حَضَرَتْہُ الْوَفَاتُ قَالَ وَاللّٰہِ یَا بُنَیَّۃُ مَا مِنَ النَّاسِ اَحَدٌ اَحَبُّ اِلَیَّ غِنًی بَعْدِیْ مِنْکِ وَلَا اَعَزُّ عَلَیَّ فَقْرًا بَعْدِیْ مِنْکِ وَاِنِّیْ کُنْتُ نَحَلْتُکِ جَادَّ عِشْرِیْنَ وَسْقًا فَلَوْ کُنْتِ جَدَیْتِہٖ وَاحْتَرَیْتِہٖ کَانَ ذَالِکَ وَاَمَّا ھُوَ الْیَوْمَ مَالُ وَارِثٍ وَاِنَّمَا ھُمَا اَخَوَاکَ وَاُخْتَاکَ فَاقْتَسِمُوْہُ عَلٰی کِتَابِ اللّٰہِ قَالَتْ عَائِشَۃُ فَقُلْتُ یَا اَبَتِیْ وَاللّٰہِ لَوْ کَانَ کَذَا وَکَذَا لَتَرَکْتُہٗ اِنَّمَا ھِیَ اَسْمَآءُ فَمَنِ الْاُخْرٰی قَالَ ذُوْ بَطْنِ اِبْنَۃِ خَارِجَۃَ اَرَاھَا جَارِیَۃً''(۱)

اس کا مفہوم یہ ہے کہ اُم المومنین عائشہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھَا نے کہا کہ جب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو مرض الموت لاحق ہوئی تو انہوں نے مجھ سے کہا کہ اے میری پیاری بیٹی! اللہ کی قسم میرے بعد کسی اور کی غنا تجھ سے زیادہ مجھے پسند نہیں ہے اور تجھ سے زیادہ کسی اور کی بے استطاعتی بھی مجھ پر شاق نہیں ہے۔ میں نے مقام غابہ میں اپنے باغ سے بیس وسق کھجور اتارنے کا تجھے عطیہ کیا تھا اگر تو نے اسے اتار کر جدا کر دیا ہے تو ٹھیک ورنہ تو وہ مال میراث ہے جس کے وارثوں میں تیرے دو بھائی ہیں اور دو بہنیں ہیں تو اس کو کتاب اللہ

(۱) موطا امام مالک، ص645، کتاب القضاء۔

Marfat.com

کے مطابق تقسیم کرو۔

حضرت عائشہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھَا نے کہا کہ میں نے پوچھا کہ اے ابا جان! اللہ کی قسم اگر وہ بڑے سے بڑا مال ہوتا تب بھی میں اسے چھوڑ دیتی لیکن یہ بتاؤ کہ دوسری بہن میری کہاں ہے جبکہ میری ایک ہی بہن (حضرت اسماء) ہی تو ہے؟ تو ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا کہ وہ تیری ماں بنت خارجہ کے پیٹ میں جو حمل ہے وہی ہے جس کو میں سمجھتا ہوں کہ لڑکی ہے۔

اِسی طرح فتح خیبر سے ایک دن قبل اللہ کے حبیب رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان کہ ''کل میں یہ جھنڈا بالیقین ایسے آدمی کو دوں گا جس کے ہاتھ سے خیبر فتح ہوگا وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا محبّ ہے اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس کے محبّ ہیں'' حدیث شریف کے الفاظ یہ ہیں:

''لَاُعْطِيَنَّ هٰذِهِ الرَّايَةَ غَداً رَجُلاً يَفْتَحُ اللّٰهُ عَلٰى يَدَيْهِ يُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ وَ يُحِبُّهُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ فَاَعْطَاهَا عَلِيًّا كَرَّمَ اللّٰهُ وَجْهَهُ''(۱)

اِس حدیث کے الفاظ ''لَاُعْطِيَنَّ'' لام تاکید، نون تاکید اور جزم ویقین کے اظہار کے ساتھ کل کے ہونے والے کام کا بتانا سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس غیب کے علم ہونے پر دلالت کر رہے ہیں تو ظاہر ہے کہ جس غیب کے علم کا اس جزم ویقین کے ساتھ اظہار کیا گیا ہے۔ وہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے مشاہدہ سے غائب ہونے کی بناء پر غیب حقیقی کے زمرہ میں آتا ہے اور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس علم پر کوئی عقلی ونقلی دلیل بھی بظاہر موجود نہیں تھی۔ واضح رہے کہ حدیث کے حوالہ سے ان دونوں مثالوں کو علم غیب حقیقی مالیس علیہ الدلیل کے زمرہ میں شمار کرنا صرف ظاہری حالات پر مبنی ہے ورنہ ان دونوں میں اللہ کی توفیق اس پر دلیل ہے۔

۳ علم غیب اضافی ماعلیہ الدلیل کی مثال، جیسے بعض روایات کے مطابق حضرت نجاشی رضی اللہ عنہ کے جنازہ کو از روئے معجزہ اپنے حضور مشاہدہ میں دیکھ کر سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا اس پر نماز جنازہ پڑھنے سے معلوم ہو رہا ہے کہ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حاضر اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نگاہ سے

(۱) بخاری شریف، کتاب مناقب علی۔

Marfat.com

غائب ہونے کیساتھ خرق عادت اور معجزہ کے طور پر ایسا ہونا اس علم پر عقلی دلیل ہے۔ اس کے ساتھ اللہ کی خصوصی توفیق بھی اس پر دلیل ہے۔

❹ علم غیب اضافی مالیس علیہ الدلیل کی مثال، جیسے اللہ تعالیٰ کو جملہ خلائق کا ازل سے ابد تک یکساں علم ہے اور سب کے سب بالتفصیل اس کے حضور حاضر و مشاہدہ میں ہیں جبکہ ہم سے غائب ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات خود اس علم کی علت و منشاء اور دلیل ہے لہٰذا کسی اور دلیل کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

تقسیم رباعی کی اِس حقیقت کو مفسرین کرام نے اپنے مخصوص انداز کے ساتھ ''مَا لَا یُدْرَکُ بِبَدَاهَةِ الْعَقْلِ 'مَا یُمْکِنُ دَرْکُهٗ بِاسْتِدْلَالِ الْعَقْلِ وَمَا لَا یُمْکِنُ دَرْکُهٗ بِاسْتِدْلَالِ الْعَقْلِ ''اور'' مَاعَلَیْهِ الدَّلِیْلُ وَمَا لَیْسَ عَلَیْهِ الدَّلِیْلُ '' جیسے الفاظ میں بیان کیا ہے۔ جو درج ذیل حوالہ جات سے واضح ہو رہا ہے۔

❶ تفسیر روح المعانی میں ہے؛

''حَاصِلُ الْمَعْنٰی لَیْسَ لَکُمْ رُتْبَةُ الْاِ طْلَاعِ عَلَی الْغَیْبِ وَاِنَّمَا لَکُمْ رُتْبَةُ الْعِلْمِ الْاِ سْتِدْلَالِیِّ الْحَاصِلِ مِنْ نَصْبِ الْعَلَامَاتِ وَالْاَدِلَّةِ وَاللّٰهُ تَعَالٰی سَیَمْنَحُکُمْ بِذَالِکَ فَلَا تَطْمَعُوْافِیْ غَیْرِهٖ فَاِنَّ رُتْبَةَ الْاِ طْلَاعِ عَلَی الْغَیْبِ لِمَنْ شَاءَ مِنْ رُسُلِهٖ''(۱)

❷ تفسیر بیضاوی میں ہے؛

''لِاَنَّ مَجْمُوْعَهُمَا یَدُلُّ عَلٰی تَفَرُّدِهٖ بِالْعِلْمِ الذَّاتِیِّ التَّامِ الدَّالِ عَلٰی وَحْدَانِیَّتِهٖ''(۲)

جس کا مفہوم یہ ہے کہ ''وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِنْ عِلْمِهٖ اِلَّا بِمَا شَآءَ ''اور اس کا

(۱) روح المعانی، ج4، ص137، زیر بحث، سورۃ آل عمران، آیت نمبر179۔

(۲) التفسیر البیضاوی، ج1، ص569، مع شیخ زادہ علی البیضاوی۔

Marfat.com

معطوف علیہ یعنی "یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ" کا مجموعہ اللہ تعالیٰ کے علم ذاتی تام پر دلالت کرر ہاہے جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی دلیل ہے۔

اِسی بیضاوی میں سورۃ بقرۃ کی آیت نمبر 3 کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے:

"وَهُوَ قِسْمَانِ قِسْمٌ لَا دَلِیْلَ عَلَیْهِ وَهُوَ الْمَعْنِیُّ بِقَوْلِهٖ تَعَالٰی وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ لَا یَعْلَمُهَا اِلَّاهُوَ وَقِسْمٌ ،نُصِبَ عَلَیْهِ دَلِیْلٌ کَالصَّانِعِ وَصِفَاتِهٖ وَالْیَوْمِ الْآخِرِ وَ اَحْوَالِهٖ وَهُوَالْمُرَادُبِهٖ فِی هٰذِهِ الْاٰیَةِ"(۱)

اِس کا مفہوم یہ ہے کہ علم غیب کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جس پر کوئی دلیل نہیں ہے۔ اللہ کے فرمان "وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ لَا یَعْلَمُهَا اِلَّاهُوَ" سے یہی مراد ہے اور دوسری قسم وہ ہے جس پر دلیل مقرر کی گئی ہے۔ جیسے صانع عالم جل جلالہ اور اس کی صفات قدیمہ کا علم جس کو عقلی دلائل سے پہچانا جاتا ہے اور قیامت کا دن اور اس کے احوال کا علم جس کو قرآن و سنت کی دلیلوں سے پہچانا جاتا ہے اور آیت کریمہ "یُوْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ" سے اِسی قسم کا علم غیب مراد ہے۔

امام فخر الدین الرازی نے تفسیر کبیر میں لکھا ہے:

"ثُمَّ هٰذَاالْغَیْبُ یَنْقَسِمُ اِلٰی مَا عَلَیْهِ دَلِیْلٌ وَاِلٰی مَا لَیْسَ عَلَیْهِ دَلِیْلٌ"(۲)

مفسرین کرام کے اس اندازِ ترجیح سے مندرجہ ذیل باتیں ظاہر ہورہی ہیں۔

1. علمِ غیب ذاتی کا خاصہ خالق ہونا اور علم غیب عطائی کا خاصہ مخلوق ہونا مفسرین کرام کے مطابق نا قابل انکار حقیقت ہے جو علم غیب کی مخلوق سے نفی اور اثبات کے نصوص کے مابین تطبیق کی بنیاد ہے۔
2. علمِ غیب حقیقی کا مُعَنوَن ومفہوم اللہ تعالیٰ کے لیے ناممکن اور مخلوق کیلئے حسب مراتب ممکن ہے۔

---

(۱) التفسیر البیضاوی، ج1،ص88۔

(۲) التفسیر الکبیر، ج2،ص28۔

Marfat.com

❹ علمِ غیب ذاتی اضافی مالیس علیہ الدلیل خاصہ خالق ہونیکی بناء پر مخلوق کے لیے ناممکن ہے جبکہ علمِ غیب عطائی، حقیقی ماعلیہ الدلیل خاصہ مخلوق ہونیکی بنیاد پر خالق کائنات جل جلالہ کے لیے ناممکن ہے۔

❼ علمِ غیب اضافی لابشرط شئی کے درجہ میں خالقِ کائنات جل جلالہ کے لیے واجب وضروری ہے اور مخلوق کے لیے ناممکن ہے اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے لیے ذاتی اور مقتضاء ذات ہونا اور مخلوق کے لیے غیر ذاتی اور غیر مستقل ہونا۔ نیز اللہ تعالیٰ کے لیے مالیس علیہ الدلیل اور مخلوق کے لیے ماعلیہ الدلیل ہونا بھی نکتہ ہائے تفریق کے درخشاں ستارے ہیں جن کو مفسرین کرام نے اپنے اپنے انداز تعبیر میں ذکر کیا ہے۔

❽ علمِ غیب کا مصداق بداہت عقل وحواس سے ماوراء ہونے کی بنیاد پر خبر صادق، الہام، وحی فراست المومن، تجربہ سمیت نظری علوم کی ان تمام قسموں کو شامل ہے جس میں واقعہ کی مطابقت ہوتی ہے۔

مفسرین کرام کی غالب اکثریت کا منہج بیان علم غیب کے اس عمومی مفہوم پر مبنی ہونے کی وجہ سے علم غیب کی غیر اللہ سے نفی اور اثبات کے نصوص میں تطبیق کے سلسلہ میں غیر ضروری طوالت کے ساتھ ان کے کلام میں کچھ ایسی باتیں بھی پائی جاتی ہیں جن کو مزاجِ اسلام اور رُوحِ قرآن کے مطابق نہیں کہا جا سکتا۔

مشتے نمونہ از خروارے امام المتکلمین فخر الدین رازی نے ''عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا ٥ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ يَسْلُكُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا ٥'' (۱) کی تفسیر میں علم غیب کو اس کے جملہ مصادیق کو شامل وعام قرار دینے والوں پر رد کرتے ہوئے لکھا ہے؛

''وَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَابُدَّ مِنَ الْقَطْعِ بِاَنَّهٗ لَيْسَ مُرَادُاللّٰهِ مِنْ هٰذِهِ الْاٰيَةِ اَنْ لَّا يُطْلِعَ

(۱) الجن، 27-26

Marfat.com

اَحـدًا عَـلَـى شَـيْـى مِّنَ الـمُـغِيْبَـاتِ اِلَّا الـرُّسُلَ وَالَّذِى يَدُلُّ عَلِيْـهِ وُجُوْهُ (اَحـدُهَـا) اَنَّهٗ ثَبَتَ بِالَاخْبَارِ الْقَرِيْبَةِ مِنَ التَّوَاتِرِ اَنَّ شِقًّا وَسَطِيْحًا كَانَا كَاهِنَيْنِ يُخْبِـرَانِ بِـظُهُـوْرِ نَبِيِّـنَـا مُـحَـمَّـدٍ ﷺ قَبـلَ زَمَانِ ظُهُوْرِهٖ وَكَانَا فِى الْعَرَبِ مَشْهُـوْرَيْنِ بِهٰذَا النَّوْعِ مِنَ الْعِلْمِ حَتّٰى رَجَعَ اِلَيْهِمَا كِسْرٰى فِى تَعَرُّفِ اَخْبَارِ رَسُـوْلِـنَا مُحَمَّدٍ ﷺ فَثَبَتَ اَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى قَدْ يُطْلِعُ غَيْرَ الرُّسُلِ عَلٰى شَيْئٍ مِّنَ الْغَيْـبِ (وَثَـانِيْهَا) اَنَّ جَمِيْعَ اَرْبَابِ الْمِلَلِ وَالْاَدْيَانِ مُتَّفِقُوْنَ عَلٰى صِحَّةِ عِلْمِ التَّعْبِيْـرِ، وَاَنَّ الْـمُعَبِّرَ قَـدْ يُـخْبِرُ عَنْ وُقُوْعِ الْوَقَائِعِ الْاٰتِيَةِ فِى الْمُسْتَقْبِلِ وَيَـكُوْنُ صَادِقاً فِيْهِ (وَثَالِثُهَا) اَنَّ الْكَاهِنَةَ الْبَغْدَادِيَّةَ الَّتِىْ نَقَلَهَا السُّلْطَانُ سَنْجَرُ ابـنُ مَلِـكْ شَـاهْ مِـنْ بَـغْـدَادَ اِلٰى خُرَاسَانَ وَسَئَلَهَا عَنِ الْاَحْوَالِ الْاٰتِيَةِ فِى الْمُسْتَقْبِلِ فَذَكَرَتْ اَشْيَآءَ ثُمَّ اِنَّهَا وَقَعَتْ عَلٰى وَفْقِ كَلَامِهَا.

(قَـالَ مُـصَنِّفُ الْكِتَابِ) خَتَمَ اللّٰهُ لَهٗ بِالْحُسْنٰى: وَاَنَا قَدْ رَاَيْتُ اُنَاساً مُحَقِّقِيْنَ فِىْ عُـلُـوْمِ الْـكَلَامِ وَالْـحِـكْمَةِ، حَكَوْا عَنْهَا اَنَّهَا اَخْبَرَتْ عَنِ الْاَشْيَاءِ الْغَائِبَةِ اِخْبَـاراً عَـلٰـى سَبِيْـلِ التَّفْصِيْلِ، وَجَاءَتْ تِلْـكَ الْوَقَائِعُ عَلٰى وَفْقِ خَبَرِهَا، وَ بَـالَـغَ اَبُـوْ الْبَـرَكَاتِ فِىْ كِتَابِ الْمُعْتَبَرِ فِىْ شَرْحِ حَالِهَا، وَقَالَ لَقَدْ تَفَحَّصْتُ عَـنْ حَـالِـهَـا مُـدَّةَ ثَلَاثِيْـنَ سَـنَةً حَتّٰى تَيَقَّنْتُ اَنَّهَا كَانَتْ تُخْبِرُ عَنِ الْمُغِيْبَاتِ اِخْبَاراً مُّطَابِقاً.

(وَرَابِعُهَا) اَنَّا نُشَاهِدُ (ذَالِكَ) فِىْ اَصْحَابِ الْاِ لْهَامَاتِ، الصَّادِقَةِ، وَ لَيْسَ هٰـذَا مُـخْتَـصًّـا بِـالْاَوْلِيَـاءِ بَـلْ قَـدْ يُوْجَدُ فِى السَّحَرَةِ اَيْـضًـا مَـنْ يَكُوْنُ كَـذٰلِـكَ، وَنَرَى الْاِنْسَانَ الَّذِىْ يَكُوْنُ سَهْمُ الْغَيْبِ عَلٰى دَرَجَةِ طَالِعِهٖ يَكُوْنُ كَـذٰلِـكَ فِـىْ كَثِيْـرٍ مِـنْ اِخْـبَـارِهٖ وَاِنْ كَـانَ قَدْ يَكْذِبُ اَيْضًا فِىْ اَكْثَرِ تِلْـكَ الْاَخْبَـارِ، وَنَـرَى الْاَحْكَامَ النُّجُوْمِيَّةَ قَدْ تَكُوْنُ مُطَابِقَةً وَّمُوَافِقَةً لِلْاُمُوْرِ، وَاِنْ

Marfat.com

كَـانُوا قَدْ يَكْذِبُونَ فِي كَثِيرٍ مِنْهَا، وَإِذَا كَانَ ذٰلِكَ مُشَاهَدًا مَحْسُوسًا، فَالْقَوْلُ بِاَنَّ الْقُرْآنَ يَدُلُّ عَلَى خِلَافِهِ مِمَّا يَجُرُّ الطَّعْنَ اِلَى الْقُرْآنِ وَذٰلِكَ بَاطِلٌ فَعَلِمْنَا اَنَّ التَّاوِيلَ الصَّحِيحَ مَا ذَكَرْنَاهُ. وَاللّٰهُ اَعْلَمُ.(۱)

اِس کامفہوم یہ ہے کہ جان لے کہ اس آیت کریمہ میں غیر اللہ سے علم غیب کی نفی کرنے سے اللہ تعالیٰ کی مراد قطعاً یہ نہیں ہے کہ اپنے رسولوں کے سوا کسی اور کو غیب پر مطلع نہیں کرتا، اس پر چار وجوہ دلالت کرتی ہیں۔

ایک:۔قریب التواتر روایات سے ثابت ہے کہ شق و سطیح دو کاہن تھے جو ہمارے نبی ﷺ کے ظاہر ہونے کی خبر ان کے ظہور سے پہلے دیا کرتے تھے اور عرب میں وہ اِس غیب دانی کے ساتھ مشہور تھے یہاں تک کہ کسریٰ نے ہمارے رسول ﷺ کے حالات جاننے کے سلسلہ میں ان کی طرف رجوع کیا تو ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کے سوا لوگوں کو بھی کچھ غیب پر مطلع فرماتا ہے۔

دوسرا:۔تمام ملل و ادیان والے خوابوں کی تعبیر کے علم کا فی الجملہ درست ہونے پر متفق ہیں جبکہ تعبیر کرنے والا بسا اوقات آئندہ کے ہونے والے واقعات کی خبر دیتا ہے تو وہ اس میں سچا بھی ہوتا ہے۔

تیسرا:۔بغداد کی وہ مشہور کاہنہ عورت جس کو سلطان سنجر بن مالک شاہ نے بغداد سے خراسان کی طرف منتقل کیا تھا۔اس سے آئندہ کے حالات پوچھنے پر جو بتایا تھا اپنے وقت پر وہ اسکے بتانے کے مطابق واقع ہوئے۔(کتاب کے مصنف) اللہ اس کا بہتر خاتمہ فرمائے، کہتا ہے کہ میں نے خود علم کلام و حکمت کے کچھ ماہر علماء کو دیکھا ہے جنہوں نے اس کے متعلق کہا کہ اس نے غیب کی کچھ چیزوں کے متعلق تفصیل سے خبر دی تھی پس وہ ویسے ہی واقع ہوئے جیسے اس نے کہا تھا اور ابوالبرکات نے کتاب المعتبر میں اس کا حال بتانے

---

(۱) التفسیر الکبیر، ج30،ص169۔

Marfat.com

میں مبالغہ کیا ہے اور کہا ہے کہ میں نے تیس سالوں تک اس کے حالات کی جستجو کی یہاں تک کہ مجھے یقین ہو گیا کہ وہ مغیبات کی درست خبر دیا کرتی تھی۔

چوتھا:۔ہم سچے الہامات والے اولیاء میں اس کا مشاہدہ کرتے ہیں اور یہ صرف اولیاء اللہ کے ساتھ ہی خاص نہیں ہے بلکہ کبھی جادوگروں میں بھی ایسے لوگ پائے جاتے ہیں جو غیب پر مطلع ہوتے رہے اور ہم ایسے انسان بھی دیکھتے ہیں، جس کے ستارے پر غیب کا حصہ ہوتا ہے، وہ بہت سی غیبی چیزوں کی خبر دینے میں سچا ہوتا ہے اگرچہ ان میں بہت سی باتوں میں جھوٹا بھی ہوتا ہے اور نجومیوں کی کچھ باتوں کو بھی ہم واقعہ کے مطابق پاتے ہیں اگرچہ وہ زیادہ جھوٹ بولتے ہیں۔ جب مخلوق کا غیب پر مطلع ہونا مشاہدات ومحسوسات کے قبیل سے ہوا تو پھر یہ کہنا کہ قرآن اس کے خلاف پر دلالت کرتا ہے۔اُن چیزوں میں سے ہے، جو قرآن میں طعن کے موجب ہونے کی وجہ سے باطل ہیں تو ہم نے یقین جانا کہ مذکورہ آیت کریمہ کی درست تاویل وہی ہے جس کو ہم نے ذکر کیا ہے۔

اِس قسم کی لاطائل تطویل اور نجومی وکاہن اور ساحر جیسے اعداء اللہ کے لیے علم غیب ثابت کرنے کی ناگفتہ بہ باتوں کو دیکھ کر ہماری حیرت کی انتہا ہوتی ہے۔ پھر یہ بھی ہے کہ علم غیب جیسے ایک واضح مسئلہ کو مشکوک ومتنازعہ بنانے کے موجب بننے والی یہ لایعنی باتیں صرف تفسیر کبیر تک محدود نہیں ہیں، بطور شاذ ونادر دو، چار کتابوں میں نہیں ہیں اور نہ ہی گنتی کی چند شخصیات نے یہ کہا ہے بلکہ درجنوں سے زیادہ شخصیات کی سینکڑوں کتابوں میں پائی جاتی ہیں۔تفسیروں سے لے کر کلام اور فقہ کی بیشمار کتابوں میں اندازِ بیان کے اختلاف کے ساتھ پائے جانیوالی ان باتوں کا سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ اس سے نیم خواندہ علماء کو مغالطہ لگ جاتا ہے،نوخیز وناپختہ مفتیوں کو اشتباہ ہوتا ہے اور اسلام کے قطعی اُصولوں کے خلاف شکوک وشبہات پیدا ہو جاتے ہیں کہ امام المتکلمین فخر الدین رازی جیسی ہستیوں کی مذکورہ تحقیق کہ ''علم غیب علی

Marfat.com

الاطلاق اللہ تعالیٰ کی صفت مختصہ نہیں ہے بلکہ انبیاء واولیاء اور صاحب الہام حضرات کے لیے اس کا ثبوت مسلمہ حقیقت ہونے کے ساتھ نجومیوں، ساحروں اور کاہنوں جیسے اعداء اللہ کے لیے بھی ناقابل انکار حقیقت ہے''اس کو دیکھنے اور سننے کے بعد وہ کون سا نیم خواندہ عالم دین ہوگا جو اس مسئلہ کو متنازعہ نہ سمجھے گا؟ اسلاف کو خطاؤں، کوتاہیوں اور نسیان وغفلت سے معصوم تصور کرنے والے وہ کون سے اندھے مقلدین ہوں گے؟ جو نجومیوں اور کاہنوں جیسے اعداء اللہ کو علم غیب کی صفت میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک تصور نہیں کریں گے۔ (اَلْعَیاذُ بِاللّٰہِ ثُمَّ اَلْعَیاذُ بِاللّٰہ) اور دار الافتاء کے اُن ناپختہ مفتیوں سے کوئی شخص کیا اس موضوع سے متعلق درست فتویٰ صادر کرنے کی توقع کرسکتا ہے؟ جن کے سامنے اس قسم کا ذخیرہ کتب موجود ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ کچھ مسائل سے متعلق غلط فتویٰ مشہور ہونے کے دیگر عوامل کے ساتھ اسلاف کی ان کوتاہیوں کو بھی بڑا دخل ہے۔ شاید ایسی کوتاہیوں کو دیکھ کر امام احمد رضا خان فاضل بریلوی نَوَّرَاللّٰہُ مَرْقَدَہُ الشَّرِیْف نے فرمایا تھا کہ:

''تفسیروں میں لکھی ہوئی سب باتیں قابل عمل نہیں ہوتیں''۔

☆☆☆☆☆

Marfat.com

علم غیب اور اس کے مصادر کی وضاحت

1. علمِ غیب ذاتی ،حضوری علی الاطلاق اللہ وحدہ لاشریک کی صفت خاصہ ہونا ضروریات دین کے قبیل سے ہے۔ جس کے منکر یا اس میں شک کرنے والے کی اسلام میں جگہ نہیں ہے اگر مدعی اسلام ہوتے ہوئے ایسا کرتا ہے تو ملتزم شرک ہونے کی بناء پر مرتد قرار پاتا ہے کیوں کہ آغاز اسلام سے لے کر اب تک جملہ اہل اسلام کے مابین تاریخ کے ہر دور میں اس پر جو مشترکہ عقیدہ چلا آ رہا ہے وہ اتنا مشہور ہے کہ مسلم معاشرہ میں اس پہ دلیل تلاش کرنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی جاتی ،اگر چہ ثبوت اس کا قطعی نصوص سے ہے۔

2. علمِ غیب عطائی حصولی کے معنون ومفہوم کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ذواتِ قدسیہ انبیاء و مرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کو بطور لازمہ نبوت حاصل ہونے کا عقیدہ بھی ضروریات دین کے قبیل سے ہے۔ جس کا منکر یا شک کرنے والا التزامِ کفر کا مرتکب ہوتا ہے اِس لیے کہ یہ بھی آغاز اسلام سے لے کر اب تک تاریخ کے ہر دور میں جملہ اہل اسلام کا اتنا مشہور عقیدہ چلا آ رہا ہے کہ مسلم معاشرہ میں اس پہ دلیل تلاش کرنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ اِسی بنیاد پر مفردات القرآن میں امام الراغب الاصفہانی نے لکھا ہے؛

''وَبِدَفْعِهٖ يَقَعُ عَلَى الْاِنْسَانِ اِسْمُ الْاِلْحَادِ''(۱)

یعنی اس قسم علم غیب کے انکار کرنے والے انسان پر ملحد کا اسم فٹ ہوتا ہے۔

3. کاہن ،ساحر ،سرکش جنات اور نجومی جیسے کسی بھی اعداء اللہ سے مذہب کی زبان میں علمِ

---

(۱) مفردات القرآن امام الراغب الاصفہانی ،مادہ (غ،ی،ب)۔

Marfat.com

غیب کی نفی کا عقیدہ بھی ضروریاتِ دینی کے قبیل سے ہے کیوں کہ اس قسم گمراہوں سے علمِ غیب کی نفی سے متعلقہ آیات واحادیث جتنی بھی ہیں ان سب کو اسی عقیدہ پر محمول سمجھنے میں جملہ اہل اسلام طبقہ مفسرین سے لے کر طبقہ فقہاء اور محدثین سے لے کر صوفیاء کرام تک سب متفق ہیں۔ جس کے نتیجہ میں الٰہیات کے جملہ اہل علم اور ان کے حلقہ اثر کے تمام عوام میں اس کو اتنی شہرت حاصل ہے کہ مسلم معاشرہ میں اس پر دلیل تلاش کرنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی جاتی۔ اگرچہ شرعی دلائل اس پر قطعی اور اجماعی ہیں۔ مثال کے طور پر فرمان الٰہی:

''اَعِنۡدَہٗ عِلۡمُ الۡغَیۡبِ فَھُوَ یَرٰی''(۱)

''لَوۡ کَانُوۡا یَعۡلَمُوۡنَ الۡغَیۡبَ مَالَبِثُوۡافِی الۡعَذَابِ الۡمُھِیۡنِ''(۲)

اِس قسم کی تمام آیات کو اہل قبلہ کے جملہ مکاتب فکر مفسرین نے اعداء اللہ سے علم غیب کی نفی پر محمول سمجھا ہے، جس میں تاریخ کے کسی بھی دور میں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا۔ اس عقیدہ پر اتفاق رائے اتنا مشہور ہے کہ مسلم معاشرہ میں اس پر دلیل پوچھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی جاتی۔ اسی طرح فرمان نبوی ﷺ:

''مَنۡ اَتٰی کَاھِناً فَصَدَّقَہٗ بِمَا یَقُوۡلُ فَقَدۡ بَرِئَ مِمَّا اُنۡزِلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ''(۳) کی تشریح کرتے ہوئے کل مکاتب فکر اہل اسلام محدثین نے تاریخ کے ہر دور میں اسی عقیدہ کا اظہار کیا ہے جو خبر واحد اور ظنی ہونے کے باوجود اپنی شہرت کی بناء پر متواتر المفہوم اور ضرورت دینی قرار پایا ہے۔

---

(۱) النجم،35۔

(۲) سباء،14۔

(۳) مشکوٰۃ شریف، ص393، کتاب الکھانہ۔

Marfat.com

۴ پیغمبرِ اسلام رحمتِ عالم ﷺ کی کامل اتباع کی بدولت اولیاء اللہ کو ان کی شان کے لائق غیوب کا علم عطیہ ہونے کا عقیدہ اہل سنت کے مطابق ضروریاتِ مذہبیہ کے قبیل سے ہے، جس سے انکار کرنے والے کی تکفیر جائز نہیں ہے۔ مصادر کے اعتبار سے علم غیب کی ان معروضی اقسام اور ناقابلِ انکار حقائق کے ہوتے ہوئے امام فخر الدین رازی جیسے اکابرین کا نجومی وکاہن جیسے اعداء اللہ کے لیے علم غیب پر اطلاع کے جواز کا قول من حیث المذہب ہرگز قابل قبول نہیں ہے۔ اندھی تقلید کے حصار میں محصور حضرات اسلاف کے ان بے محل حوالہ جات کا سہارا لے کر اعداء اللہ کے لیے اطلاع علی الغیب کے جواز پر ہزاروں صفحات سیاہ کریں پھر بھی رات کو دن ثابت کرنے کی ناکام کوشش سے مختلف نہیں ہوگا۔ کیوں کہ حق اور صراط مستقیم کی پہچان کا حقیقی معیار یہ اقوال اور یہ عبارات ہرگز نہیں ہیں بلکہ اس کے لیے حقیقی پیمانہ قرآن وسنت کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

ایک اشتباہ اور اس کا ازالہ:۔ لزومِ کفر اور التزامِ کفر کی جدا جدا حقیقتیں، مختلف اقسام واحکام کی مذکورہ تحقیق کے ساتھ علم غیب کے ان مصادر واقسام میں سے نجومی وکاہنوں جیسے اعداء اللہ کے لیے علم غیب کی نفی کے ساتھ عقیدہ کا ضروریاتِ دین کے قبیل سے ہونے کو ملا کر پڑھنے والے حضرات کو شاید یہ اشتباہ ہو جائے کہ حضرت امام فخر الدین رازی اور اُن جیسے، جن اکابرین نے ان اعداء اللہ کے لیے اطلاع علی الغیب کو جائز قرار دیا ہے انکی ان عبارات سے التزامِ کفر معلوم ہو رہا ہے۔

اِس کا جواب یہ ہے کہ اس قسم کی عبارات سو فیصد غلط ہونے کے باوجود لزومِ کفر بھی نہیں ہیں چہ جائیکہ کہ التزامِ کفر ہو کیوں کہ ضرورتِ دینی کا ہر انکار یا اس کے نقیض یا ضد کا ہر ارتکاب کفر نہیں ہوتا بلکہ اس کے لیے ناقابلِ تاویل اور صریح ہونا بھی ضروری ہے جو یہاں پر مفقود ہے تاہم حضرت امام فخر الدین رازی جیسے مشاہیر اسلام کو ایسی خلافِ حقیقت باتیں ہرگز مناسب

Marfat.com

نہیں تھیں۔ اِس پر مستزاد قابل افسوس یہ کہ اسلاف کے کلام میں پائی جانیوالی اس قسم بے اعتدالیوں پر ان کی تقلید کرتے ہوئے کچھ حقیقت ناشناس حضرات اور کچھ نیم خواندہ علماء من پسند کے جاہل پیروں اور غیر معیاری مشائخ سے لے کر جنات تک کے لیے اطلاع علی الغیب کے من حیث المذہب جواز کا چرچا کرتے پھرتے ہیں جسکے نتیجے میں توہم پرست عوام میں ضعیف الاعتقادی کا مرض بڑھنے کے ساتھ علم غیب جیسے وسیع المرتبت مسئلہ کی بھی بے وقعتی ہو رہی ہے۔ اللہ وحدہ لاشریک کی اس صفت خاصہ کی جس طرح جاہل پیروں اور غیر معیاری مشائخ اور انکے ہاتھ کے ٹشو پیپر بننے والے علماءِ سوٗ کے حلقہ اثر میں تضحیک ہو رہی ہے وہ المیہ سے کم نہیں ہے۔ جس کی اصل وجہ قرآن وسنت کی حقیقی تعلیم سے غفلت اور علماء حق کی صحبت سے دوری کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

علمِ غیب کی ایک اور تقسیم:۔ مذکورہ تقسیمات کے علاوہ بعض مفسرین کرام کے منہج بیان سے علم غیب کی ایک اور تقسیم کا بھی پتہ چلتا ہے۔ یعنی ''عِلْمُ الْغَیبِ الْمُطْلَق، عِلْمُ الْغَیبِ الْمُقَیَّد''، مطلق سے مراد یہ ہے کہ بلا تخصیص جملہ خلائق کی دسترس سے ماوراء ہوتے ہوئے صرف اللہ وحدہ لاشریک کو عیاناً ومشاہدۃً معلوم ہے اور مقید سے مراد یہ ہے کہ بعض خلائق کو معلوم ہے جبکہ بعض سے پوشیدہ ونامعلوم ہے۔ ان میں سے اول اللہ وحدہ لاشریک کی صفت خاصہ ہونے کی وجہ سے کسی بھی مخلوق کے لیے ناممکن ہے اور یہی قسم غیر اللہ سے علم غیب کی نفی سے متعلق جملہ نصوص کی مورد ومراد ہے جبکہ دوسری قسم یعنی علم الغیب المقید ہر مخلوق کو اس کی شان کے لائق حاصل ہوسکتا ہے۔ اِسی سلسلہ میں حافظ ابن تیمیہ نے فتاویٰ کبریٰ کے حصہ تفسیر میں اللہ کے فرمان ''قُلْ لَّا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیبَ اِلَّا اللّٰہُ''(۱) کی تفسیر میں لکھا ہے:

---

(۱) النمل، 65۔

Marfat.com

''وَهٰذَاهُوَالْغَیْبُ الْمُطْلَقُ عَنْ جَمِیْعِ الْمَخْلُوْقِیْنَ الَّذِیْ قَالَ فِیْهِ (فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖ اَحَدًا) وَالْغَیْبُ الْمُقَیَّدُ مَا عَلِمَهٗ بَعْضُ الْمَخْلُوْقَاتِ مِنَ الْمَلَائِکَةِ اَوِالْجِنِّ اَوِالْاِنْسِ وَشَهِدُوْهُ فَاِنَّمَا هُوَ غَیْبٌ عَمَّنْ غَابَ عَنْهُ لَیْسَ هُوَغَیْبًا عَمَّنْ شَهِدَهٗ وَالنَّاسُ کُلُّهُمْ قَدْ یَغِیْبُ عَنْ هٰذَا مَا یَشْهَدُ هٰذَافَیَکُوْنُ غَیْبًامُقَیَّدًا اَیْ غَیْبًا عَمَّنْ غَابَ عَنْهُ مِنَ الْمَخْلُوْقِیْنَ لَاعَمَّنْ شَهِدَهٗ لَیْسَ غَیْبًامُطْلَقًا غَابَ عَنِ الْمَخْلُوْقِیْنَ قَاطِبَةً''(۱)

حصہ تفسیر:۔ حافظ ابن تیمیہ کی یہ تحقیق اور یہ الفاظ حقیقت کے زیادہ قریب ہونے کے باوجود جنات، نجومی وکاہن جیسی خلائق کی طرف علم غیب کی نسبت جائز ہونے کا پتہ دے رہے ہیں جو اعداء اللہ کے لیے علم غیب نہ ہونے کے اسلامی عقیدہ کے ساتھ بظاہر متصادم ہونے کی بناء پر نامناسب ہے کیوں کہ مردۃ الجن سے لے کر ساحر و نجومی اور کاہن تک جملہ اعداء اللہ و اعداء الرسول سے علم غیب کی نفی کا جو عقیدہ ہے یہ بجائے خود ضروریاتِ دینی کے قبیل سے ہے۔ ایسے میں حافظ ابن تیمیہ کے مذکورہ کلام کا اولین حصہ جس میں علم غیب کو مطلق و مقید کی طرف تقسیم کیا گیا ہے سو فیصد درست اور بعض مفسرین کرام کے مطابق ہونے کے باوجود اس کا دوسرا حصہ (جس میں علم غیب مقید کی مثالیں بیان کی ہیں) حقیقت شناس حضرات اس کو محل نظر قرار دیئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ جب ہم آگے چل کر آخری تحقیق پیش کریں گے، تو اس میں حافظ ابن تیمیہ کی اس غفلت سمیت امام فخر الدین رازی کی مذکورہ بے توجہی کا پس منظر بھی منکشف ہو جائے گا۔ (انشاء اللہ تعالیٰ) کوتاہیوں اور غلطیوں سے تو صرف اور صرف معصوم ذوات قدسیہ کا قلم و قرطاس اور فکر و عمل ہی محفوظ ہو سکتا ہے۔ جیسے حضرت امام مالک نے فرمایا:

''مَا مِنْ اَحَدٍ اِلَّا مَاخُوْذٌ مِنْ قَوْلِهٖ وَمَرْدُوْدٌ عَلَیْهِ اِلَّا صَاحِبَ هٰذَاالْقَبْرِ''

(۱) فتاویٰ ابن تیمیہ، ج16، ص110۔

Marfat.com

جس کا مفہوم بالترتیب یہ ہے کہ کوئی شخص ایسا نہیں ہے جس کی کچھ باتیں قابل عمل اور کچھ ناقابلِ عمل نہ ہو مگر اس روضۂ انور کے مکین ﷺ کا معاملہ ایسا نہیں ہے کیوں کہ معصوم ہونے کی بناء پر ان کا ہر قول قابل عمل اور ہر فرمان ضابطہ حیات وشریعت ہے۔

حضرت علی نور اللہ وجہہ الانور نے فرمایا؛

''لَا تَنْظُرْ اِلٰی مَنْ قَالَ وَانْظُرْ اِلٰی مَا قَالَ''(۱)

اُس کومت دیکھ جس نے کہا ہے بلکہ اس نے جو کچھ کہا ہے اس کو دیکھ کر پرکھ لے کہ قرآن و سنت کے مطابق بھی ہے یا نہیں۔

اِس سے قطع نظر کہ حافظ ابن تیمیہ کا علم غیب کی مطلق ومقید کی طرف تقسیم پھر علم الغیب المطلق کو اللہ تعالیٰ کی صفت خاصہ قرار لے کر مخلوق سے علم غیب کی نفی سے متعلقہ جملہ نصوص کو اس کا مورد قرار دینا حقیقت کے زیادہ قریب ہونے کے ساتھ بعض مفسرین کرام کے بھی مطابق ہے، تعبیر کا فرق اور اجمال وتفصیل کی دوئی کے سوا عنوان ومقصود میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ مثلاً اسی چیز کو محمود بغدادی الوسی الحنفی المتوفی 1270ھ نے کل غیب سے تعبیر کیا ہے۔ جس کے الفاظ یہ ہیں:

''بِاَنَّ الْغَیْبَ الْمُخْتَصَّ بِهٖ تَعَالٰی بِمَعْنٰی الْمُخْتَصِّ عِلْمُهٗ سُبْحَانَهٗ بِهٖ هُوَ كُلُّ غَیْبٍ''(۲)

تو ظاہر ہے کہ کل غیب کا علم اللہ تعالیٰ کی صفت خاصہ ہونے کا مطلب علم الغیب المطلق کے سوا اور کچھ نہیں ہے کل غیب بھی غیر متناہی ہے اور الغیب المطلق بھی، جس کے مقابلے میں مطلق الغیب ہے جو الغیب المقید کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

(۱) تفسیر روح المعانی، ج11، ص188۔

(۲) روح المعانی، ج29، ص96۔

Marfat.com

ابوالبرکات محمود النسفی الحنفی المتوفی 701ھ نے اس کی تعبیر ''مَـا لَـمْ یَـقُـمْ عَلَیْـهِ دَلِیْلٌ وَلَا اِطَّلَعَ عَلَیْهِ مَخْلُوْقٌ ''(۱) کے الفاظ میں کی ہے۔

اہل علم جانتے ہیں کہ اس میں مخلوق کا لفظ نکرہ حیز نفی میں ہونے کی بناء پر جمیع خلائق سے غیب ہونے کے سوا اور کچھ نہیں ہے، جو الغیب المطلق کے مترادف ہے۔ جس کو اللہ تعالیٰ کا خاصہ اور ''قُلْ لَّا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰهُ '' کے مورد کے طور پر بیان کرنے سے اس کی دوسری قسم یعنی بعض مخلوق کو معلوم اور بعض سے غیب و نا معلوم کا مخلوق کے لیے علم غیب کی نفی کے زمرہ سے نکل کر معلوم الخلوق ہونا، اس تفسیر کا ما سیق لہ الکلام اور عبارت النص ہونے میں کس کو شک ہو سکتا ہے۔ جس کے مطابق حافظ ابن تیمیہ کے مذکورہ کلام اور اس کے مابین اجمال و تفصیل کے سوا کوئی اور فرق ہی نہیں ہے۔

ایک اہم اِشتباہ کا ازالہ:۔ بعض تفسیروں میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات کے ساتھ مختص علم غیب پر رسولوں کو مطلع فرماتا ہے جب رسولوں کو اطلاع کر دی تو وہ خاص کہاں رہا کیوں کہ خاصہ کی حقیقت اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ وہ جس کا خاصہ ہوتا ہے اس کے سوا کسی اور میں نہیں پایا جاتا کیوں کہ: ''خَاصَّةُ الشَّیْئِ مَا یُوْجَدُ فِیْهِ وَ لَایُوْجَدُ فِیْ غَیْرِهٖ '' اور شان الوہیت کا مسئلہ دوسرے مسائل سے اور بھی زیادہ اہم ہے۔ جس میں کسی قسم کی تخصیص یا استثنیٰ کی بھی گنجائش نہیں ہے ورنہ لازم آئے گا کہ الوہیت بھی کسی کو عطا کریں کیوں کہ ذات باری تعالیٰ کے ساتھ مختص ہونے میں وصف الوہیت اور وصف علم میں کوئی فرق نہیں ہے۔

جواب اِس کے دو ہیں۔

اوّل:۔ خاصہ کی دو قسمیں ہیں؛ **ایک حقیقی، دوسرا عرفی۔**

---

(۱) تفسیر مدارک، ج 4، ص 27۔

Marfat.com

حقیقی سے مراد یہ ہے کہ جس کے ساتھ خاص ہے اس کے سوا کسی اور میں قطعاً نہیں پایا جاتا جس میں کسی اور کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا۔

خاصہ عرفی میں عرف کا اعتبار ہوتا ہے یعنی لوگوں کے عرف میں ایسا ہو اس کی ایسی مثال ہے جیسے کسی نامعلوم چیز کو معلوم کرنے کے لیے اس کے متعلقہ چند معلومات کو مرتب کر کے نظر عقلی واستدلال کے ذریعہ اسے حاصل کیا جاتا ہے جو انسان کے لیے حقیقی خاصہ ہے کہ اس کے علاوہ کسی اور مخلوق میں قطعاً نہیں پایا جاتا کیوں کہ انسان کے ماسوا ہر نوع مخلوق جن چیزوں کا علم وادراک رکھتا ہے وہ فکری نہیں بلکہ فطری انداز عمل ہے جس کو استدلال کہا جا سکتا ہے نہ نظر عقلی، نہ فکر، اس کے مقابلہ میں کتابت بھی انسان کا خاصہ ہے کیوں کہ دوسرے جانوروں میں نہیں پائی جاتی ۔لیکن یہ فکر ونظر کی طرح نہیں ہے کہ کسی اور میں قطعاً نہ پایا جائے بلکہ فرشتوں میں بھی پایا جاتا ہے۔جیسے اللہ تعالٰی نے فرمایا؛

''اِنَّ رُسُلَنَا یَکْتُبُوْنَ مَا تَمْکُرُوْنَ''(۱)

ہمارے فرشتے ان تمام باتوں کو لکھتے ہیں جن کی تم سازش کرتے ہو۔

دوسری جگہ فرمایا؛''کِرَاماً کَاتِبِیْنَ''(۲)

یعنی فرشتوں میں ایک معزز طبقہ لکھنے والوں کا بھی ہے۔

پیشِ نظر مسئلہ بھی اسی طرح ہے کہ جن مفسرین کرام نے اللہ تعالٰی کا اپنی ذات کے ساتھ مختص علم غیب پر رسولوں کو مطلع فرمانے کا کہا ہے۔اس سے مراد عرفی خاصہ ہے حقیقی نہیں اور اس کا مصداق علم غیب اضافی مالیس علیہ الدلیل ہے تو ظاہر ہے کہ علم غیب کی مالیس علیہ الدلیل والی

---

(۱) یونس،21۔

(۲) الانفطار،11۔

Marfat.com

قسم انسانوں کے عرف کے مطابق اللہ ہی کا خاصہ ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ کے ماسوا جس کسی کے اندر بھی علم غیب کی کچھ جھلک پائی جاتی ہے اس پر کوئی دلیل ضرور ہوتی ہے چاہے نقل ہو یا عقل یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے اطلاع ہو، جیسے ذواتِ قدسیہ انبیاء ومرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کو ہوتا ہے یا اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق انبیاء ومرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کے بتانے سے ہو جیسے عام اہل ایمان کو جنت ودوزخ جیسے غیوب پر علم ویقین ہے، ہر اطاعت کا موجب اجر وثواب ہونے اور ہر معصیت کا موجب سزا ونقصان ہونے جیسے غیوب کے ساتھ جو ایمان ویقین ہے یہ صرف پیغمبر اکرم رحمتِ عالم ﷺ کے بتانے سے ہے۔ ہمارے لیے اِس پر دلیل رسول اللہ ﷺ کا بتانا ہے جبکہ رسول اللہ ﷺ کے لیے دلیل اللہ کا بتانا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ جب تک رسول اللہ ﷺ کو نہ بتائے تو انہیں پتہ نہیں چل سکتا اور رسول اللہ ﷺ جب تک ہمیں نہ بتائیں تو ہمیں کچھ پتہ نہیں چل سکتا۔

الغرض اللہ کا فرمان ''یُؤمِنُونَ بِالْغَیبِ'' جن ضروریاتِ دینیہ کو شامل ہے وہ سب اُمورِ غیبیہ ہیں جن کا علم رسول اللہ ﷺ کو حاصل ہونے پر اللہ کا بتانا دلیل ہے اور ہمیں حاصل ہونے پر رسول اللہ ﷺ کا بتانا دلیل ہے۔ دوسرے الفاظ میں یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ آیت کریمہ ''یُؤمِنُونَ بِالْغَیبِ'' میں اللہ تعالیٰ کی ذات سے لے کر اس کے اسماء واوصاف تک اور اس کے افعال سے لے کر جملہ کمالات تک، جنت اور اس کے احوال سے لے کر دوزخ اور اس کے احوال تک ،قبر کے حالات سے لے کر احوال آخرت تک، اطاعت کا موجب اجر وثواب ہونے سے لے کر معصیت کا سزا ونقصان کے موجب ہونے تک اور کس اطاعت پر کتنا ثواب، کب اور کیسا اور کہاں پر ملتا ہے اور کس معصیت پر کتنا عذاب، کب، کیسا اور کدھر ملتا ہے؟ اِس قسم ''کُلُّ مَا جَآءَ بِهِ النَّبِیُّ ﷺ مِنْ رَّبِّهٖ وَاَخْبَرَ بِهٖ وَ رَغَّبَ فِیهِ اَوْ رَهَّبَ عَنْهُ'' کا ایک ایک مظہر ومصداق اُمورِ غیبیہ کے قبیل سے ہیں جن پر ایمان لانا اور

Marfat.com

انہیں حق جاننا صرف مومن مسلمان کا ہی طرہ امتیاز ہے۔اہل ایمان کو یہ سعادت رسول اللہ ﷺ کی تعلیم کے بغیر ممکن ہی نہیں تھی اور رسول اللہ ﷺ کو ان توفیقات وسعادتوں کا مجسمہ ہونا اللہ تعالیٰ کی توفیق وتعلیم کے بغیر ناممکن تھا۔ایسے میں اللہ کے فرمان ''یُوۡمِنُوۡنَ بِالۡغَیۡبِ'' کے مفہوم میں پائے جانے والے ان تمام اُمورِ غیبیہ کو جاننا انبیاء ومرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کے لیے بھی اور اُمت اِجابت کے لیے بھی علم غیب کی اس قسم میں شامل ہیں۔جس کو جملہ مفسرین کرام نے ما علیہ الدلیل سے تعبیر کیا ہے یہاں پر دلیل کی نوعیت اگرچہ مختلف ہے کہ انبیاء ومرسلین کے لیے اللہ تعالیٰ کی تعلیم ہے اور اُمت اِجابت کے لیے دلیل رسول اللہ ﷺ کی تعلیم ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ جو علم غیب مختص ہے وہ مالیس علیہ الدلیل ہے کیوں کہ ہر چیز پر واقعی دلیل اللہ تعالیٰ کی طرف سے آتی ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کے لیے صفت علم بھی اس کے دوسرے تمام اوصاف کمالیہ کی طرح ہر قسم دلیل سے ماوراء وبے نیاز ہے اس کا کسی اور کو منتقل ہونے یا عطیہ ہونے کا قطعاً کوئی امکان نہیں ہے۔اس کا ذات باری تعالیٰ سے قابلِ انفکاک ہونا اور اس کے ماسوا میں پایا جانا ایسا ہی محال ہے جیسا وصف الوہیت کا کسی غیر اللہ میں پایا جانا محال ہے۔ لہٰذا سورۃ الجن کی آیت نمبر 26 کی تفسیر کرتے ہوئے جن مفسرین کرام نے ''لَا یُطۡلِعُ عَلٰی غَیۡبِہِ الۡمُخۡتَصِّ بِہٖ اَحَداً اِلَّا الرُّسُلَ'' کہا ہے۔ان سب کا مقصد اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ جو علم غیب اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ مختص ہے یعنی علم غیب اضافی مالیس علیہ الدلیل اس پر اطلاع وآگاہی نہیں فرماتا مگر ذوات قدسیہ انبیاء ومرسلین کو تو اس میں اللہ تعالیٰ کی صفت مختصہ میں پیغمبر کے شریک ہونے یا جو علم غیب اللہ تعالیٰ کی صفت مختصہ ہے اس کا غیر اللہ کو عطیہ ہونے کا تصور کرنا سوئِ فہم کا نتیجہ ہونے کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ورنہ اصل مسئلہ واضح ہے اِس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی جو صفت مختصہ ہے وہ علم غیب ذاتی ہے جو مالیس علیہ الدلیل ہے،جو نا قابلِ انتقال، ممتنع الانفکاک اور انسان کی فہم وادراک سے ماوراء ہے جب تک اللہ

Marfat.com

تعالیٰ اس کی کچھ جھلک وعکس کسی کو عطاء نہیں فرماتا از خود اس پر اطلاع و آگاہی نہ کسی ملک مقرب کے لیے ممکن ہے نہ کسی نبی مرسل کے لیے۔ پھر یہ بھی ہے کہ مالیس علیہ الدلیل اللہ تعالیٰ کی صفت مختصہ اور ماعلیہ الدلیل پیغمبر کے لیے ثابت ہونا ایک دوسرے سے جدا حقیقت ہونے کی طرح جو خاصۃ اللہ ہے وہ قدیم اور واجب ہے، ازلی وابدی ہے، غیر متناہی اور محیط ہے جبکہ خاصۃ الرسول حادث وممکن ہے اور متناہی وغیر محیط لجمیع معلومات اللہ ہے۔ ایسے میں مفسرین کرام کا یہ کہنا کہ ''اللہ تعالیٰ اپنی ذات کے ساتھ مختص علم غیب پر رسولوں کو مطلع فرماتا ہے'' اس کے سوا اور کوئی مفہوم نہیں رکھتا کہ علم غیب مالیس علیہ الدلیل سے آگاہی واطلاع فرماتا ہے جو انہی کا خاصہ ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی توفیق وعطیہ کے بغیر ان حضرات کے لیے علم کا یہ انداز ممکن ہی نہیں تھا اور انہیں آگاہی واطلاع کی توفیق عطاء کرنے کے بعد بھی ان چیزوں کے ساتھ اس وحدہ لاشریک کا علم پہلے کی طرح ہی مستمر وغیر متغیر ہے۔ نیز پہلے کی طرح اب بھی مالیس علیہ الدلیل ہے۔ نیز ان چیزوں میں سے ایک ایک شے سے متعلق پہلے کی طرح اب بھی اس کا علم غیر متناہی ومحیط ہے۔ جیسے فرمایا؛

''وَاَحْصٰى كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا''(۱)

جس کے نتیجہ میں ان ذوات قدسیہ کو توفیق وعطیہ ہونے والا یہ علم مذکورہ تمام مابہ الامتیاز کے ساتھ ساتھ ان چیزوں سے متعلق علم الٰہی کے مقابلہ میں اتنی نسبت بھی نہیں رکھتا جتنی قطرہ کو دریا کے ساتھ ہے، نہیں رکھتا واللہ نہیں رکھتا کیوں کہ یہاں پر قطرہ بھی متناہی ہے دریا بھی متناہی ہے جبکہ ذواتِ قدسیہ انبیاء ومرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کا ان چیزوں سے متعلق جو علم ہے وہ متناہی ہے اور اللہ تعالیٰ کا جو علم ان کے ساتھ وابستہ ہے وہ غیر متناہی ہے۔ نیز یہ کہ ذوات قدسیہ انبیاء ومرسلین کو ان چیزوں کا علم عطاء کرنے سے قبل اللہ تعالیٰ کو ان چیزوں کے ساتھ علم

(۱) الجن، 28۔

Marfat.com

غیب اضافی مالیس علیہ الدلیل ہونیکی طرح ہی بعد العطاء والتوفیق بھی مالیس علیہ الدلیل ہے۔ نیز قبل العطاء والتوفیق جیسے کوئی ملک مقرب و نبی مرسل تک ان چیزوں کے علم میں اس کے ساتھ شریک نہیں تھا بعد التوفیق والعطاء بھی نہیں ہے۔ یہ تمام امتیازات صرف ان چیزوں کے علم سے متعلق ہیں جن کی اطلاع وآگاہی اس وحدہ لاشریک نے ذوات قدسیہ انبیاء ومرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کو دی ہے، جو فرمانِ الٰہی؛

''وَعَلَّمَکَ مَالَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ وَکَانَ فَضْلُ اللّٰہِ عَلَیْکَ عَظِیْماً''(۱)

''وَکَذٰلِکَ نُرِیْ اِبْرَاھِیْمَ مَلَکُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ''(۲)

''وَمَا کَانَ اللّٰہُ لِیُطْلِعَکُمْ عَلَی الْغَیْبِ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یَجْتَبِیْ مِنْ رُّسُلِہٖ مَنْ یَّشَآءُ''(۳)

''عَالِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْھِرُ عَلٰی غَیْبِہٖ اَحَداً ۝ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّہٗ یَسْلُکُ مِنْ بَیْنِ یَدَیْہِ وَمِنْ خَلْفِہٖ رَصَدًا ۝ لِیَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسٰلٰتِ رَبِّھِمْ وَاَحَاطَ بِمَا لَدَیْھِمْ وَاَحْصٰی کُلَّ شَیْءٍ عَدَداً''(۴)

''یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ''(۵)

فرمان نبوی ﷺ: ''اِنِّیْ اَرٰی مَالَا تَرَوْنَ اِنِّیْ اَسْمَعُ مَالَا تَسْمَعُوْنَ''(٦)

---

(۱) الجن، 28۔

(۲) النساء، 113۔

(۳) الانعام، 75۔

(٤) آلِ عمران، 179۔

(٥) الجن، 28تا26۔

(٦) البقرہ، 3۔

Marfat.com

جیسے نصوص سے ثابت ہو رہا ہے جبکہ ان کے علاوہ وہ چیزیں جن کے علم کی توفیق وعطیہ ابھی نہیں ہوا، جو فرمان خداوندی؛

''وَمَایَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّکَ اِلَّاھُوَ''(۱)

''قُلْ لَّوْ کَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّکَلِمَاتِ رَبِّیْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ کَلِمَاتُ رَبِّیْ وَ لَوْجِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا''(۲)

''وَلَوْاَنَّ مَافِی الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَالْبَحْرُ یَمُدُّهٗ مِنْ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّانَفِدَتْ کَلِمَاتُ اللّٰهِ''(۳)

اور فرمانِ نبوی ﷺ: ''فَاَحْمَدُ رَبِّیْ بِمَحَامِدَ لَا اَقْدِرُ عَلَیْهِ الْاٰنَ یُلْهِمُنِیْهِ اللّٰهُ تَعَالٰی''(۴)

جیسے نصوص کے مقتضاء ابھی صیغہ خفا اور ماوراء عطاء ہیں وہ ماوراء العد والحد ہونے کی بناء پر ان چیزوں کی ان کے ساتھ کوئی نسبت ہی نہیں ہے۔ جس کی وضاحت بخاری شریف کی اس حدیث سے ہوتی ہے۔ جس کے مطابق چڑیا کا دریا سے اپنی چونچ میں قطرہ پانی لینے کو دیکھ کر خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا؛

''وجآءَ عُصفُورٌ فوقَعَ عَلَی حرف السَفِینةِ فنقَرَ فی البحر نقرة فَقَالَ لَه الخضر مَاعلمی وَعَلَّمَکَ مِن علم اللّٰه اِ لا مثل مَانَقَصَ هٰذاالعُصفورُ مِن هٰذاالبحر''(۵)

---

(۱) المدثر،31۔

(۲) الکهف،109۔

(۳) لقمان،27۔

(٤) مسلم شریف،ج1،ص110،باب الشفاعة۔

(٥) بخاری شریف،ج2،ص6881،کتاب التفسیر۔

Marfat.com

جس کا مفہوم یہ ہے کہ ہم دونوں کا علم مل کر بھی اللہ تعالیٰ کے علم سے اتنی نسبت بھی نہیں رکھتا جتنا اس چڑیا نے دریا سے اُٹھایا ہے۔

خلاصۃ الجواب بعد التحقیق:۔ مفسرین کا یہ کہنا کہ ''اللہ تعالیٰ اپنی ذات کے ساتھ مختص علم غیب پر انبیاء و مرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کو مطلع فرماتا ہے'' اس سے ان کی مراد یہ ہے کہ انسانوں کے عرف میں جس قسم علم غیب کو اللہ تعالیٰ کا خاصہ سمجھا جاتا ہے وہ وہی ہے جو ذات الٰہی کا مقتضاء اور انسانوں کی فہم وادراک سے ماوراء اور مالیس علیہ الدلیل ہے اس کے کچھ عکس وجھلکیوں سے ذوات قدسیہ انبیاء و مرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کو مطلع فرماتا ہے تاکہ ان کی عزت افزائی یا ان کی نبوت پر دلیل ومعجزہ ہوجائے یا اُمت کے لیے رہنمائی اور اصلاح احوال کی سامان رسانی ہونے کے ساتھ عاقبت نااندیشوں پر اِتمام حجت ہوجائے کیوں کہ ذوات قدسیہ انبیاء و مرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم اللہ تعالیٰ اور اس کے عام بندوں کے مابین ایسے وسائط وروابط ہیں جو بیک وقت اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کی شان کے لائق واصل ومربوط ہونے کے ساتھ انسانوں کے ساتھ ان کی شان کے لائق مربوط ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے اُمورِ تشریعیہ سے متعلقہ پردہ غیب کا عکس پانے کے ساتھ مجازاۃ اعمال کے غیبی نظامِ قدرت سے لوگوں کو آگاہ فرماتے ہیں اور منصبِ نبوت سے متعلقہ امور غیبیہ کا عطیہ وتوفیق پانے کے باوجود علم غیب علی الاطلاق کو خاصہ الٰہی سمجھ کر ''لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا'' کہتے ہیں اور اُمور غیبیہ سے متعلقہ اپنے اس منصب کو اللہ تعالیٰ کے علم الغیب المطلق المحیط الغیر المتناہی، مالیس علیہ الدلیل کے مقابلہ میں ہیچ تصور کرتے ہوئے ''لَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ'' (۱) کی بندگی کرتے ہیں، اس میں خاصۃ اللہ کا غیر اللہ میں پائے جانے کا تصور ہی خلاف حقیقت ہے۔ اس کو وصف الوہیت پر قیاس کرنا اس لیے غلط

(۱) الاعراف، 188۔

Marfat.com

ہے کہ وصف الوہیت کو خاصۃ اللہ سمجھنے میں لوگوں کے عرف کو دخل نہیں ہے بلکہ خاصہ حقیقی ہونے کی بناء پر کوئی مسلمان ایسا نہیں ہے جو کسی بھی طریقے سے غیر اللہ میں اس کی موجودگی کا تصور کر سکے۔ ایسے میں مطلق علم الغیب ماعلیہ الدلیل کی کچھ جھلکیوں کی توفیق وعطیہ کو ذوات قدسیہ انبیاء و مرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم میں دیکھ کر وصف الوہیت کو اس پر قیاس کرنے کی کوئی تک ہی نہیں ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ جن مفسرین کرام نے علم غیب کے حوالہ سے خاصۃ اللہ پر انبیاء و مرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کے منجانب اللہ مطلع ہونے کا قول کیا ہے اس میں خاصۃ اللہ کے اندر انبیاء و مرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کے شریک ہونے کا تصور ہی نہیں ہے چہ جائیکہ وصف الوہیت کو اس پر قیاس کر کے مذکورہ معارضہ کی گنجائش ہو سکے۔ اس کا تصور تب ممکن ہوتا اگر اللہ تعالیٰ کا خاصہ یعنی علم غیب ذاتی، اضافی، المطلق المحیط الغیر المتناہی، مالیس علیہ الدلیل کے جزئیات و مندرجات میں سے کسی فرد کے اندر ان حضرات کی شرکت ممکن ہوتی یا اس کا ان حضرات کو عطیہ ہونا ممکن ہوتا جب ایسا ہونا عقلاً ونقلاً ناممکن ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کی صفت مختصہ میں ان حضرات کے شریک ہونے یا اللہ تعالیٰ کی اس صفت مختصہ کی ان حضرات کو منتقل ہونے اور وصف الوہیت کو اس پر قیاس کر کے مذکورہ اشتباہ پیدا کرنے کا کیا جواز باقی رہتا ہے۔ درحقیقت مفسرین کرام نے یہ جو کہا ہوا ہے اس میں تین چیزیں اُن کے پیش نظر ہیں۔ جن میں؛

1. علم الغیب الذاتی، الاضافی المطلق، المحیط الغیر المتناہی مالیس علیہ الدلیل ہے جو اللہ تعالیٰ کی صفت خاصہ ہونے کی وجہ سے کسی اور کا اس کے ساتھ متصف ہونا محال ہے چاہے ملک مقرب یا نبی مرسل ہی کیوں نہ ہو۔

2. مطلق علم غیب العطائی الحقیقی اوالاضافی، المحدود المتناہی، ماعلیہ الدلیل ہے جو ذوات قدسیہ انبیاء مرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کا خاصہ ہونیکی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی شان اقدس کے مناسب نہیں ہے۔

Marfat.com

③ خاصۃ اللہ کے کچھ مظاہر کے عکوس و جھلکیوں پر ان حضرات کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اطلاع ہے جو بعد عطاء اللہ انفعال کے درجہ میں مطلق علم الغیب العطائی الحقیقی اوالا ضافی، المحدود والمتناہی، ما علیہ الدلیل کہلانے کے ساتھ خاصۃ الانبیاء والمرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کہلاتا ہے، مفسرین کرام کی مذکورہ عبارات ان تینوں مفہومات پر واضح دلالت کر رہی ہیں۔

مفسرین کرام کی نگاہ بصیرت کو آفرین کہ اس مختصر عبارت میں خاصۃ اللہ اور خاصۃ الرسول کو جدا جدا ظاہر کرنے کے ساتھ خاصۃ الرسول کے حصول کا جو ذریعہ ہے اسے بھی واضح کر دیا کہ اللہ کی عطاء کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ جو قرآن شریف کے اندازِ بیان کے مطابق اطلاع اللہ، اظہار اللہ، وحی اللہ، ارائۃ اللہ جیسی تعبیرات میں بیان ہو رہے ہیں۔ جن کی بالترتیب مثالیں مندرجہ ذیل آیات کریمہ میں موجود ہیں:

''وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ''(۱)

''عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا o اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ يَسْلُكُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا o لِّيَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ وَاَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ وَاَحْصٰى كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا''(۲)

''تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ''(۳)

''وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ''(۴)

---

(۱) آلِ عمران، 179۔

(۲) الجن، 26تا28۔

(۳) ھود، 49۔

(۴) الانعام، 75۔

Marfat.com

اِن حقائق کی موجودگی میں مفسرین کرام کی مذکورہ عبارات کو مشکوک قرار دینا ہرگز قرین انصاف نہیں ہے کیوں کہ ان عبارات میں کوئی لفظ ایسا نہیں ہے جو خاصۃ اللہ کو انبیاء ومرسلین کو منتقل کرنے یا خاصۃ اللہ میں ان کے شریک ہونے پر دلالت کرتا ہو۔ بلکہ مذکورہ اشتباہ صفت اللہ کا کسی کو منتقل وعطاء ہونے اور صفت اللہ پر مطلع ہونے کے مابین فرق کو نہ سمجھنے پر مبنی ہے جو بناء الغلط علی الغلط کے سوا اور کچھ نہیں ہے کیوں کہ صفت اللہ کا کسی کو عطیہ ہونا اور منتقل ہونا ناممکن ومحال ہے جبکہ منجانب اللہ اس پر مطلع کیا جانا ممکن ہے مفسرین کرام نے اسی امکانی صورت کو ذکر کیا ہے، یہی منطوق القرآن اور جملہ اہل اسلام کا مشترکہ عقیدہ ہے۔ (فَلِلّٰہِ الْحَمْدُاوَّلاً وَّآخِرًا ظَاھِرًا وَّبَاطِنًا)

علم غیب کے حوالہ سے انصاف کا تقاضا:۔

اِس لفظ کے دو مفہوم ہیں؛ **ایک**: لغوی، **دوسرا**: شرعی۔

لغوی مفہوم سے مراد اس کا مفہوم اضافی ہے جس کے مطابق علم کا مفہوم جاننا ہے اور غیب کا مفہوم بداہت عقل وحواس سے ماوراء چیز کے ہیں لغت کی کتابوں میں بالعموم اور بعض تفسیروں میں بھی اس کا اظہار کیا گیا ہے۔

شرعی مفہوم سے مراد مفہوم لقبی ہے جس کے مطابق علم غیب کے لفظ میں مضاف ومضاف الیہ سے قطع نظر اس مجموعی لفظ کو عرف شرع میں ان چیزوں کے علم کے لیے مختص کیا گیا ہے جو اللہ تعالیٰ کی خصوصی عطاء کے بغیر کسی اور کو قطعاً حاصل نہیں ہوسکتا، چاہے ملک مقرب ونبی مرسل ہی کیوں نہ ہو یعنی نہ کبھی کسی قوت حاسہ کے ذریعہ حاصل کیا جاسکتا ہے نہ قوتِ فکری کے ذریعہ سے، نہ زمین کے کسی حصہ میں نہ آسمانوں کے کسی گوشہ میں، نہ کسی قسم کی فراست وقیافہ کی راہ سے اس تک رسائی ممکن ہے، نہ کسی تجربہ وحدس کی سبیل سے، نہ خواب، نہ تعبیر خواب، نہ نجوم کے حساب سے، نہ طبع شناسی، نہ ریاضت وچلہ کشی یا کسی بھی سبب سے الغرض جب تک اللہ

Marfat.com

تعالیٰ نہ بتائے اس وقت تک انسانوں کے لیے ممکنہ ذرائع علم کی کسی بھی راہ سے اس کا حصول ممکن نہیں ہے عام اس سے کہ اس کا تعلق اُمورِ تشریعیہ کے رموز واسرار کیساتھ ہو یا اُمورِ تکونیہ کے فلسفہ کے ساتھ یا ان دونوں سے بھی ماوراء محض شؤن الٰہیہ کے مخفی خزائن کے ساتھ۔

علم غیب کے ان دونوں مفہوموں کی ایسی مثال ہے جیسے اُصولِ فقہ کے لغوی اور عرفی مفہوم کہ لغت کی زبان میں اس کا مفہوم اضافی معتبر ہوتا ہے یعنی اُصول جمع اصل کی ہے اور اصل بمعنی ما یَبتنِی علیہ غیرہ ہے۔ فقہ بمعنی دانستن ہے جبکہ شریعت کے عرف میں اُصول فقہ کے مجموعہ لفظ کو مختص کیا گیا ہے۔ اس خاص فن کے لیے جس میں ان چیزوں سے بحث کی جاتی ہے جن کو سمجھنے سے فقہی احکام کو ان کی تفصیلی دلائل کے ساتھ سمجھنا ممکن ہوتا ہے یعنی ''هُوَ الْعِلْمُ بِالْمَسَائِلِ الَّتِیْ بِهَا یُتَوَصَّلُ اِلٰی مَعْرِفَةِ الْاَحْکَامِ الشَّرْعِیَّةِ عَنْ اَدِلَّتِهَا التَّفْصِیْلِیَّهِ''

یہی حال علم فقہ، علم کلام اور علم تفسیر جیسے ان تمام اسماء الفنون کا ہے جن کو کسی خاص مناسبت کی بناء پر ان کے لغوی مفہومات سے منقول کر کے خاص فن کی اصطلاح میں مخصوص مفہوم کے لیے وضع کیا گیا ہے، چنانچہ لفظ صلوٰۃ، زکوٰۃ، صیام وحج وغیرہ جیسے تمام منقولات شرعیہ کا یہی حال ہے کہ کبھی لغت کی زبان میں استعمال ہو کر اس کے احکام کے حامل ہوتے ہیں اور کبھی شریعت کی زبان میں استعمال ہو کر اس کے احکام کے حامل ہوتے ہیں۔

علم غیب کا لفظ بھی دوسرے منقولاتِ شرعیہ سے مختلف نہیں کہ اس کا استعمال قرآن وسنت میں ہوا ہے یا سلف صالحین کے مختلف طبقہ ہائے معرفت کی زبان میں بہر حال استعمال اس کا جہاں پر بھی ہوا ہے یا ہوتا رہے گا وہیں پر یا لغوی مفہوم میں ہوگا یا شرعی مفہوم میں قرآن شریف میں ان کی بالترتیب مثالیں مندرجہ ذیل ہیں؛

''وَعَلَّمَکَ مَا لَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ وَ کَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْکَ عَظِیْماً''(۱)

(۱) النساء، 113۔

Marfat.com

اہل علم جانتے ہیں کہ اس آیت کریمہ میں ''مَالَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ'' کا مصداق ''مَالَا یُدْرَکُ بِالْحَوَاسِ وَلَابِبَدَاھَتِ الْعَقْلِ'' کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے جو علم غیب کا لغوی مفہوم ہے جس کو ''عِلْمُ مَا غَابَ عَنِ الْحَوَاسِ وَبَدَاھَتِ الْعَقْلِ'' بھی کہا جاسکتا ہے۔

''عَالِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْھِرُ عَلٰی غَیْبِهٖ اَحَدًا ۝ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ یَسْلُکُ مِنْ بَیْنِ یَدَیْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا ۝ لِیَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسَالَاتِ رَبِّھِمْ وَاَحَاطَ بِمَا لَدَیْھِمْ وَاَحْصٰی کُلَّ شَیْءٍ عَدَدًا''(۱)

کون سا اہل علم ہوسکتا ہے جو اس آیت کریمہ کے مطابق مقام مدح میں اللہ تعالیٰ کی مراد اس عالم الغیب سے شرعی مفہوم کے سوا کچھ اور کہہ سکے یا علمِ غیب کے لغوی مفہوم کی طرف اس کا ذہن جاسکے۔ یہی حال حدیث کے حوالہ سے بھی ہے کہ جہاں جہاں ذوات قدسیہ انبیاء و مرسلین اور ان کے متبعین کے لیے علم غیب کا ثبوت آیا ہے وہ علمِ غیب کے لغوی مفہوم پر محمول ہیں اور جہاں پر غیر اللہ سے علمِ غیب کی نفی مذکور ہوئی ہے وہیں پر علمِ غیب کے منقول شرعی والا مفہوم معتبر ہے۔ سلف صالحین کے طبقہ مفسرین سے لے کر طبقہ محدثین تک اور طبقہ فقہاء سے لے کر طبقہ عرفاء تک، جس نے بھی اس حوالہ سے کوئی کلام کیا ہے ان سب کا یہی حال ہے کہ جس نے غیر اللہ کے لیے ثابت کیا ہے اس کے لغوی مفہوم کو پیش نظر رکھ کر ایسا کیا ہے اور جنہوں نے اسے ممنوع و ناجائز ہونے کا قول کیا ہے ان کے پیش نظر اس کے شرعی مفہوم کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

☆☆☆☆☆

---

(۱) الجن، 26تا28۔

Marfat.com

بعض عظماء اسلام کے کلام کا محمل

یہاں سے حافظ ابن تیمیہ اور امام المتکلمین فخر الدین الرازی جیسے جن عظماء اسلام نے کاہن، ساحر، منجم اور جنات جیسی خلائق کی طرف علم غیب منسوب کرنے کے جواز کا جو قول کیا ہے اس کا محمل بھی واضح ہو گیا کہ اس سے ان کی مراد علم غیب کا لغوی مفہوم ہے شرعی نہیں۔ نیز واضح ہو گیا کہ جن حضرات نے حواس اور بداہت عقل سے ماوراء چیزوں کے قوت مفکرہ کے ذریعہ حاصل ہونے والے علوم کو علوم غیبیہ میں شمار کیا ہے ان کی مراد بھی علم غیب کے لغوی مفہوم کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ نیز واضح ہوا کہ جن حضرات نے علم غیب کو مذکورہ تقسیمات میں منقسم کر کے حقیقی، اضافی اور ماعلیہ الدلیل و مالیس علیہ الدلیل کی تفصیلات بتائی ہیں۔

اُنہوں نے بھی اس کے صرف لغوی مفہوم کو پیش نظر رکھ کر ایسا کیا ہے ورنہ اہل علم جانتے ہیں کہ اس کے شرعی مفہوم میں ان تقسیمات کی گنجائش ہو سکتی ہے نہ اِس تفصیل کی۔ یہ بھی واضح ہو گیا کہ سلف صالحین کے کلام میں اس حوالہ سے جو اضطراب وتطویل پائی جاتی ہے کہ ایک طرف قرآن وسُنت کے واضح نصوص میں علم غیب کو اللہ تعالیٰ کی صفت خاصہ قرار دینے کے احکام کو دیکھتے ہیں، اس عقیدہ کا ضروریاتِ دین کے قبیل سے ہونے کو پیش نظر رکھتے ہیں جبکہ دوسری طرف دنیا کے معروضی حالات کو نجومیوں، کاہنوں، اور خوابوں کی سچی تعبیر بتانے والوں جیسے متضاد واقعات کے تناظر میں دیکھتے ہیں تو قلبی اضطراب اور لسانی وقلمی تطویل میں پڑنا ان کی مجبوری بن جاتا ہے یہ جو کچھ ہوا ہے، ہو رہا ہے یا آئندہ بھی ہوتا رہے گا اس کے اصل منشاء علم غیب کے لغوی مفہوم کو پیش نظر رکھنے کے سوا اور کچھ نہیں ہے کیوں کہ اس کے شرعی

Marfat.com

مفہوم کو ملحوظ خاطر رکھنے اور مرادِ الٰہی یا اللہ تعالیٰ کی صفتِ خاصہ سمجھنے کی صورت میں نہ کسی کاہن کے واقعات سے کوئی تردّد پیدا ہو سکتا ہے نہ نجومی کے اندازہ وتخمین کا واقعہ کے مطابق ہونے سے نہ کسی شیطان کی ابلیسی حرکت موجب تردّد ہو سکتی ہے نہ جنات کی چالاکی وعیاری۔

لہٰذا حضرت امام فخر الدین رازی اور حافظ ابن تیمیہ جیسے عظماء اسلام کے محولہ ماضیہ کلام میں جو بے اعتدالیاں مذکور ہوئی ہیں یا بلا طائل جو تطویلات دیکھنے کو ملتی ہیں۔ یہ سب کچھ ان حضرات کی نگاہ میں علم غیب کے صرف لغوی مفہوم ملحوظ خاطر ہونے کی بناء پر ہے۔ جس کو ہم انصاف نہیں کہہ سکتے ہیں، قرآن وسنت کے شایان شان توجیہہ قرار نہیں دے سکتے ہیں اور علم غیب کا اللہ تعالیٰ کی صفت خاصہ ہونے سے متعلقہ اسلامی عقیدہ جو ضرورت دینی کے قبیل سے ہے اس کے مطابق نہیں سمجھتے ہیں۔

علم غیب کو اس کے لغوی مفہوم میں منحصر سمجھنے کے مفاسد:۔

علم غیب کو اس کے لغوی مفہوم میں منحصر سمجھنے سے لازم آنے والے مفاسد وبے اعتدالیاں اس حد تک محدود نہیں ہیں کہ اس بناء پر نجومیوں، کاہنوں اور جنات کی طرف علم غیب منسوب کر کے انہیں بھی غیب دان کہنا لازم آتا ہے جو کسی بھی صورت جائز نہیں ہے۔ جیسے امام فخر الدین الرازی اور حافظ ابن تیمیہ کی محولہ ماضیہ عبارات سے معلوم ہو رہا ہے بلکہ اس کے مفاسد کا دائرہ اس سے زیادہ وسیع ہے۔ حفظ الایمان کی وہ خطرناک اور رسوائے زمانہ عبارت بھی اِسی کا نتیجہ ہے جس نے برصغیر پاک وہند کے حنفی المذہب کہلانے والوں کو باہم مشت وگریبان کیا ہوا ہے، جس کو دیوبندی وبریلوی کے نام سے مشہور ہونے والے متخاصمین کو جنم دینے میں بڑا دخل ہے۔ جس کو التزام کفر کی فہرست میں نمایاں کیے بغیر کسی حقیقی مفتی سے نہیں رہا جاتا۔ اِس کے علاوہ کتب تفاسیر وفتاویٰ میں مخلوق کی طرف علمِ غیب منسوب کرنے کے حوالہ سے جو موجب

Marfat.com

تشویش ومتضاد آراء، اقوال وتاویلات پائی جاتی ہیں اس کی بنیاد بھی علم غیب کو اس کے لغوی مفہوم پر محمول سمجھنے کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ مثال کے طور پر فقہاء کرام کے ایک فریق کا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول علیہ السلام کو گواہ کر کے عقد نکاح کرنے والے کو ملتزم کفر قرار دینا اور اس کے مقابلہ میں دوسرے فریق کا اس پر رد کر کے بعض واقعات کا رسول اللہ ﷺ کو علم غیب ہونے کے جواز کا قول کرنا۔ جیسے رسائل ابن عابدین، جلد 2، صفحہ 311 میں ہے۔

اِسی طرح بعض مفسرین کرام کا حواس اور بداہت عقل سے ماوراء مجہولات کو اللہ کی دی ہوئی قوت مفکرہ کے ذریعہ حاصل کرنے کے بعد ان پر علم غیب کے اطلاق کو درست قرار دینا اور بعض کا اسے نادرست کہنا اِسی بنیاد پر ہے ورنہ علم غیب کے لفظ کو اس کے شرعی مفہوم پر محمول کرنے کی صورت میں اس قسم اختلاف آراء کے پیدا ہونے کا تصور ہی نہیں ہو سکتا۔ لغوی مفہوم کے اعتبار سے علمِ غیب کو اللہ تعالیٰ کی صفت خاصہ قرار دینے کا سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ یہ کئی وجوہ سے موہم شرک ہے۔ مثال کے طور پر جنات کچھ ایسی باتوں کو بالیقین جانتے ہیں جو انسانوں کے حواس اور ان کی بداہت عقل سے ماوراء ہونے کی بناء پر وہ انہیں نہیں جانتے ہیں۔ اس صورت حال سے ناواقف ضعیف العقیدہ لوگوں کو یہ کہنے کا موقع مل سکتا ہے کہ جنات علم غیب جانتے ہیں، جب علم غیب کا یہ مفہوم یعنی ماوراء العقل والحواس چیزوں کو جاننا جنات کو حاصل ہوا تو پھر اللہ تعالیٰ کی صفت خاصہ کہاں رہا۔ شرک بھی اس کے سوا کسی اور چیز کا نام نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کسی صفت خاصہ میں کسی اور کو حصہ دار سمجھا جائے، غیر اللہ کو اس کے ساتھ متصف اور اس منصب کا منصب دار کہا جائے۔ اللہ تعالیٰ کے علاوہ من پسند چیزوں کو مستحق عبادت سمجھنے والے مشرکوں کا بنیادی جرم بھی اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ وہ استحقاق عبادت والی صفت جو صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی صفت مختصہ ہے کو اصنام وانداد کے لیے

Marfat.com

ثابت سمجھ کراس انفرادی منصب میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ حصہ دار قرار دینے کے جرم میں مبتلا ہیں۔واضح رہے کہ یہاں پر لزوم شرک یا التزام شرک کے اس مَانِعَۃُ الْخُلُوْ کی دلدل سے نکلنے کے لیے علم غیب ذاتی وعطائی کا سہارا لینا کام نہیں آئے گا کیوں کہ جب علم غیب کے لغوی مفہوم کو اللہ تعالیٰ کی صفت مختصہ قرار دیا گیا تو تسلیم کیا گیا ہے کہ وہ کسی اور کو عطا ہونے، ہبہ ہونے اور منتقل ہونے کی چیز ہی نہیں ہے ورنہ صفت مختصہ کہلانے کا کوئی مطلب ہی نہیں رہتا۔ جبکہ اللہ تعالیٰ کی ہر صفت مختصہ استحقاق عبادت، خالقیت اور الوہیت کی طرح ممتنع الانتقال والعطاء ہے ورنہ جنات کو غیب دان جاننے والے ضعیف العقیدہ مسلمانوں میں اور ''ءَ آلِھَتُنَا خَیْـــرٌ اَمْ ھُـــوَ ''(۱) کہنے والے صریح مشرکوں کے عقیدہ میں کیا فرق ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی الوہیت جیسی صفات مختصہ کو معبودان باطلہ کے لیے ممکن الانتقال والعطاء تصور کیا کرتے تھے۔

ثانیاً:۔ اِس لیے کہ جنات کو غیب دان جاننے کی ضعیف الاعتقادی پر قرآن وسنت نے شدو مد کے ساتھ رد کر کے ان کی طرف علم غیب منسوب کرنے سے، اُنہیں غیب دان جاننے سے منع کرنے کے ساتھ اُنہیں غیب جاننے کے منصب پر فائز سمجھنے کو بداعتقادی قرار دیا ہے۔ جیسے سورۃ الجن، آیت نمبر 27 سے ظاہر ہو رہا ہے اگر ان کو علم غیب عطاء ہونے کی ذرہ برابر گنجائش ہوتی تو ذوات قدسیہ انبیاء ومرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کو جملہ خلائق سے مستثنیٰ کر کے ''اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَسُوْلٍ فَاِنَّهٗ یَسْلُکُ مِنْ بَیْنِ یَدَیْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَداً'' جیسی کسی استثنائی صورت کا اتا پتا ضرور بتایا گیا ہوتا۔ جبکہ اس کے برعکس قرآن وسنت میں جنات وکاہن جیسی خلائق کو غیب دان جاننے کو اسلام کے ساتھ متصادم قرار دیا گیا ہے۔ جیسے آیت کریمہ:

(۱) الزخرف، 57۔

Marfat.com

''لَوْ کَانُوْا یَعْلَمُوْنَ الْغَیْبَ مَالَبِثُوْا فِی الْعَذَابِ الْمُهِیْنِ''(۱)اور'' مَنْ اَتٰی عَرَّافًا اَوْ کَاهِنًا فَصَدَّقَهٗ بِمَا یَقُوْلُ فَقَدْ بَرِئَ مِمَّا اُنْزِلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ''(الحدیث)۔جیسے نصوص سے ظاہر ہو رہا ہے۔

ثالثاً:۔ اِس لیے کہ علم غیب عطائی کا مطلب اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ علم غیب کا جو شرعی مفہوم ہے یعنی''جملہ خلائق کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقررہ ذرائع علم کی رسائی سے ماوراء جو معلومات اللہ علی الاطلاق ہیں جو بدیہی ونظری سے ماوراء ہے، جو مشاہداتی وحضوری ہونے کے ساتھ ماضی ومضارع، حال واستقبال کے قیودات سے مطلق ومعریٰ ہے، جو مقتضاء ذات ہونے کی بناء پر واجب وقدیم، ازلی وابدی ہوتے ہوئے غیر متناہی علی الاطلاق ہے اور اللہ تعالیٰ کی صفت مختصہ ہے جس میں کسی بھی غیر اللہ کی شرکت ناممکن ومحال ہے، چاہے ملک مقرب و نبی مرسل ہی کیوں نہ ہو''۔اس کے غیر متناہی متعلقات میں سے کچھ چیزوں پر اللہ تعالیٰ اپنے ایسے بندوں کو مطلع کرے جو اس کی اہلیت رکھتے ہیں، ماضی مضارع، حال و استقبال کے قیودات میں مقید یہ بندے اللہ کی اس صفت خاصہ کے مظاہر وعکس ہوتے ہیں اور خزائن اللہ کے اس وصف خاص پر خصوصی حکمت کے مطابق مطلع کیے جانے کے بعد ایسے امین ہوتے ہیں کہ ماضی ومستقبل کے کسی بھی حصہ میں حسب اطلاع ان کی بتائی ہوئی خبر میں خلاف حقیقت ہونے کا امکان نہیں ہوتا اور ظاہر ہے کہ علم غیب عطائی کا یہ مفہوم قرآن شریف کی واضح آیات کے مطابق ذواتِ قدسیہ انبیاء ومرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کا ہی خاصہ ہے۔جس پر سورۃ جن کی آیات 27-26 اور سورۃ آل عمران کی آیت 179 جیسے نصوص شاہد عدل ہیں۔اِن آیات کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے کل مکاتب فکر اہل اسلام کے مفسرین کرام نے

---

(۱) السباء،13۔

Marfat.com

جن باتوں پر اتفاق ظاہر کیا ہے۔ ان میں نہ کبھی دو رائے پائی گئی ہیں نہ آئندہ پائے جانے کی گنجائش ہے۔ وہ مندرجہ ذیل ہیں:

1. علم غیب کے حوالہ سے اللہ تعالیٰ کی صفت مختصہ پر مطلع ومظہر کیے جانے کی توفیق وعطیہ کی اہلیت صرف ذوات قدسیہ انبیاء ومرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کے ساتھ خاص ہے۔
2. مردۃ الجن، ساحر وکاہن ومنجم جیسے مدعیان باطلہ کا اس منصب کے ساتھ دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔

وضاحتی حاشیہ:۔ یہاں پر امام فخر الدین رازی اور حافظ ابن تیمیہ کی مذکورہ عبارات پر نظر رکھنے والے حضرات یہ نہ سوچیں کہ ان حضرات نے منجم وکاہن کے لیے منجانب اللہ مُطلَع علی الغیب ہونے کی اہلیت تسلیم کی ہیں۔ یہ سوچ اِس لیے غلط ہے کہ ان حضرات نے کاہن ومنجم جیسی خلائق کے لیے منجانب اللہ مطلع علی الغیب کیے جانے کی اہلیت نہ کبھی تسلیم کی ہیں اور نہ ہی ان کا مذکورہ کلام اس پر دلالت کر رہا ہے کیوں کہ منجانب اللہ غیب پر مطلع کیے جانے کی اہلیت کا ہونا اور اس سے قطع نظر محض لُغوی مفہوم کے اعتبار سے کسی کا غیب پر مطلع ہونا دو الگ چیزیں ہیں۔ ان حضرات کے مذکورہ کلام سے اول نہیں بلکہ دوسرا مفہوم ہو رہا ہے جو بجائے خود غلط ہونے کے ساتھ غیب کو اس کے لغوی مفہوم پر محمول سمجھنے کے مفاسد میں سے ایک مفسدہ ہے جس کو سؤ تعبیر کے سوا اور کچھ نہیں کہا جا سکتا ورنہ ان عظماء اسلام کو نصوص قطعیہ کے برخلاف عقیدہ کا مرتکب قرار دینا لازم آئے گا کہ نجومی وکاہن جیسے بعید عن الحق خلائق کو منجانب اللہ مطلع علی الغیب کیے جانے کا اہل قرار دے رہے ہیں یا ان گمراہوں کو ذوات قدسیہ انبیاء ومرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کیساتھ انکی مخصوص صفت میں شریک قرار دے رہے ہیں۔ (العیاذ باللہ)

Marfat.com

جبکہ خصوصیت پیغمبری کو جو ضروریاتِ دینیہ کے قبیل سے ہو کسی غیر کے لیے صراحتاً ثابت کرنے والا ایسا ہی ملتزم کفر قرار پاتا ہے جیسے ضرورت دینی والی خصوصیتِ الٰہی کو غیر اللہ کے لیے صراحتاً ثابت کرنے والا اور اہل علم سے مخفی نہیں ہے کہ علم غیب کے شرعی مفہوم کا صفت مختصہ باری تعالیٰ ہونے کا اسلامی عقیدہ ضرورت دینی ہونے کی طرح منجانب اللہ مُطلَع علی الغیب کیے جانے کی اہلیت کا ذوات قدسیہ انبیاء ومرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کی صفت خاصہ ہونے کا اسلامی عقیدہ بھی ضروریاتِ دینیہ کے قبیل سے ہے۔ الغرض علم غیب کا اللہ تعالیٰ کی صفت خاصہ ہونے اور ذوات قدسیہ انبیاء ومرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کا منجانب اللہ مُطلَع علی الغیب ہونے سے متعلقہ آیات کریمہ کی تفسیر میں کل مکاتب فکر اہل اسلام کے مفسرین کرام کا ان دو باتوں پر اتفاق ہونے کے ساتھ اس بات میں اختلاف بھی مذکور ہے کہ آیا انبیاء ومرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کے کامل متبعین پر شرعی مفہوم کے مطابق علم غیب کا کچھ انکشاف ہو سکتا ہے یا نہیں۔ اختلاف کے اس دوراہے میں اہل سنت نے اثبات کی راہ اختیار کی ہے جبکہ اہل اعتزال نفی کی راہ پر چلے ہیں۔

خلاصہ کلام:۔ جنات کا انسانوں کی بداہت عقل وحواس سے ماوراء کچھ چیزوں کو جاننا بجائے خود ناقابل انکار حقیقت ہونے کے باوجود اہل اسلام کے کسی بھی مکتبۂ فکر نے ان کی طرف علم غیب منسوب کرنے کو اور انہیں غیب دان کہنے کو جائز نہیں سمجھا ہے اس کے باوجود جن ضعیف العقیدہ مسلمانوں کو اس حقیقت کا علم نہیں ہے کہ جنات کو غیب دان جاننا اسلامی عقیدہ کے خلاف ہے، نصوص قطعیہ سے متصادم ہے اور کل مکاتب فکر اہل اسلام کے اجماعی عقیدہ سے انحراف ہے تو وہ کچھ ماوراء العقل والحواس چیزوں سے متعلق ان کے علم کو دیکھ کر انہیں غیب دان جانتے ہیں جو انکی ذہنی مجبوری ہے، عطاء الٰہی کے محل ومصرف کو نہ جاننے کا نتیجہ ہے۔ مسلم

Marfat.com

معاشرہ میں اس قسم ضعیف العقیدہ افراد کی کوئی کمی نہیں ہے۔ جنات کی طرف علم غیب منسوب کر کے انہیں غیب دان کہنے سے بڑھ کر ہم نے اس حد تک ضعف اعتقاد میں مبتلا حضرات بھی دیکھے ہیں جو انہیں عالم الغیب بھی کہہ دیتے ہیں۔ جبکہ عالم الغیب کا لفظ اللہ تعالیٰ کی ایسی صفت خاصہ ہے، جیسے رحمت للعالمین کا اطلاق رسول اللہ ﷺ کے سوا کسی اور کے لیے نا جائز ہے یہ تمام تر مفاسد صرف اس وجہ سے لازم آ رہے ہیں کہ علم غیب کے صرف لغوی مفہوم کو پیش نظر رکھا جا رہا ہے اور اسی کو اللہ تعالیٰ کی صفت خاصہ مشہور کیا جا رہا ہے جس کا حقیقت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔

گویا علم غیب کے لغوی مفہوم کو اللہ تعالیٰ کی صفت خاصہ سمجھنے کے بعد اس کمال کو جنات جیسی دوسری خلائق میں موجود پا کر خود بھی تردّد کا شکار ہونا اور دوسروں کے لیے بھی عدم اطمینان کے اَسباب پیدا کرنا اور اللہ تعالیٰ کی صفت خاصہ ہونے کے اسلامی عقیدہ کو بچاتے ہوئے جنات جیسی خلائق کو بھی علم غیب کی صفت سے متصف ہونے کو معقول بنانے کے لیے نا گفتہ بہ تاویلات کا سہارا لینا بناء الغلط علی الغلط کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ ایسے ہی مفاسد ساحر، کاہن اور منجم کے حوالہ سے بھی لازم آتے ہیں کیوں کہ کائنات کے حالات ماضیہ و مستقبلہ کی بابت ان کی بتائی ہوئی ہر بات خلاف حقیقت نہیں ہوتی۔ حدیث شریف کے مطابق ایک فی صد تو درست ہوتی ہی ہے جبکہ فی لاکھ ایک درست ہونے پر بھی شرک ثابت ہو جاتا ہے یا صفت خاصہ اپنی حقیقت پر محمول نہیں رہتی۔ علم غیب کے لغوی مفہوم کو ہر جگہ پیش نظر رکھنے اور اسی کو اللہ تعالیٰ کی صفت مختصہ قرار دینے کے مفاسد اس حد تک محدود نہیں ہیں بلکہ صاحبِ حدس اور صاحبِ فراست و نورِ بصیرت اور خوابوں کے تعبیر شناس حضرات کے حوالہ سے جنم پانے والے شکوک و شبہات کا دائرہ اس سے بھی زیادہ وسیع ہے جبکہ علم غیب کا اللہ وحدہ لاشریک کے لیے

Marfat.com

صفتِ خاصہ ہونے کا عقیدہ ضروریاتِ دین کے قبیل سے ہے جس میں شک کرنے والا بھی ملتزم کفر قرار پاتا ہے چہ جائیکہ کسی اور کو اس میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک سمجھنے والے کے مسلمان رہنے کی گنجائش ہو سکے یہ وہ حقائق ہیں جن پر مذہبی فرقہ بندی سے پاک اور کھلے ذہن سے نظر رکھنے والا ہر سنجیدہ انسان یقین کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ علم غیب کی جو حقیقت اللہ تعالیٰ کی صفت خاصہ ہے وہ یہ ہرگز نہیں ہے جس کا غیر اللہ کے ان انواع واصناف کے لیے ثبوت امر یقینی ہے، نا قابلِ انکار حقیقت ہے اور ان کے مقتضائے فطرت ہے۔ ایسے میں علم غیب کا مفہوم اللہ تعالیٰ کے لیے صفت مختصہ ہونے کا جو اسلامی عقیدہ ضروریاتِ دین کے قبیل سے ہے جب تک اس کو مشخص ومتعین نہیں کیا جاتا تب تک حقیقت تک رسائی ممکن نہیں ہو سکتی۔

علمِ غیب لُغت ومحاورہ میں:۔ اِس حوالہ سے اِنصاف کی نظر سے قرآن وسنت، لغت اور سلف صالحین کی تعلیمات پر غور کرنے سے جو کچھ معلوم ہو رہا ہے وہ کچھ اس طرح ہے کہ علم غیب کے دو مفہوم ہیں۔ اول لغت کے استعمال ومحاورہ میں جس کے مطابق علم غیب، علم شہادت کے مقابلہ میں سمجھا جاتا ہے۔ جیسے علم شہادت ''مَا یُدْرَکُ بِبَدَاھَتِ الْعَقْلِ وَ الْحَوَاسِ'' سے عبارت ہے اسی طرح علم غیب ''مَالَایُدْرَکُ بِبَدَاھَتِ الْعَقْلِ وَ الْحَوَاسِ'' کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ جیسے شہادت وغیب کے مابین تقابل تضاد ہے ویسے ہی علم الشہادت وعلم الغیب کے مابین بھی تقابل تضاد ہے۔ علم کی ان دو متضاد قسموں کے مقابلہ میں تیسری قسم کا وجود بھی نا قابلِ انکار حقیقت ہے جس کو علم استدلالی کہا جاتا ہے۔ لغت ومحاورہ کے علاوہ بھی فلسفہ کے حصہ منطق میں اسی کو علم نظری کہا جاتا ہے جو علم بدیہی کے مقابلہ میں استعمال ہوتا ہے۔ جیسے انسانوں کے محاورہ واستعمال میں علم شہادت کے اندر حواس خمسہ کے

Marfat.com

تمام مدرکات سمیت بداہت عقل کے جملہ مدرکات یعنی جمع بین الضدین سے لے کر اجتماع یا ارتفاع النقیضین کے محال ہونے کے علم تک سب شامل ہیں۔ اِسی طرح علم استدلالی کے اندر وہ تمام علوم شامل ہیں جو ذواتِ قدسیہ انبیاء ومرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کے ساتھ مختص اسباب علم یعنی اطلاع واظہار جیسے خصوصی اسباب کے ماسوا، نیز حواس خمسہ اور بداہت عقل کے ماسوا کسی بھی سبب سے حاصل ہو سکتے ہوں، عام اِس سے کہ سبب ومسبب کے اس ارتباط کی حقیقت کا انسانوں کو علم ہو یا نہ ہو۔

علم الارتباط حاصل ہونے کی مثال، جیسے خوابوں کے تعبیر شناس حضرات جو بتاتے ہیں وہ دیکھی ہوئی خواب کو بطور سبب تعبیر پر منطبق ہونے کے ارتباط کو سمجھ کر ہی بتاتے ہیں۔ مثال کے طور پر حضرت یوسف علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے سات خوار بقرات کا سات موٹی تازی گائیں کو کھانے اور سات خشک خوشوں کا سات سبز خوشوں کو کھانے پر مشتمل خواب کی جو واقعی تعبیر بتائی تھی وہ سات لاغر گائے اور سات خشک خوشوں کا متواتر سات سالوں تک خشک سالی کے ساتھ مربوط سبب ومسبب کے مابین لازمی ارتباط کو جاننے پر ہی مبنی تھا کہ خشک سالی کے یہ سات سال اپنے ان تمام تر لوازمات کے ساتھ "تَزْرَعُوْنَ سَبْعَ سِنِیْنَ دَاباً "(۱) یعنی اس کی آمد سے قبل سات سالوں تک پوری محنت وصلاحیتوں کو استعمال کر کے انسانوں سے لے کر جانوروں تک سب کی خوراک کا انتظام کرنے کا سبب ہے گویا سبب ومسبب اور علت و معلول کے مابین اس ارتباطی علم کی بدولت خوابوں کی واقعی تعبیر بتانے والے پاکیزہ نفوس کی بتائی ہوئی تعبیر استدلالی علم کی خاص قسم کا نتیجہ ہے۔ اگر ان حضرات کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ خودکار نظام قدرت کے اسباب ومسبب اور علت ومعلول کے ارتباط کا علم نہ ہو

(۱) یوسف، 47۔

Marfat.com

تو استدلال کس چیز سے کریں گے؟ اور تعبیر کا علم کہاں سے حاصل ہوگا؟ اسباب ومسبب اور علت ومعلول کے مابین واقعی ارتباط کو سمجھے بغیر استدلالی علم حاصل ہونے کی مثال، جیسے جنات کا کسی چیز کو دیکھنے کے بعد جو اُن کے لیے از قبیل علم شہادت ہے اپنے کسی ہم خیال انسان کو بتانے پر وہ آگے اپنے حلقہ اثر کے ضعیف العقیدہ لوگوں میں بطور علم غیب اس کا چرچا کرتا پھرتا ہے جبکہ حقیقت میں اس کے لیے یہ نہ علم غیب ہے نہ علم مشاہدہ بلکہ علم استدلالی کی خاص قسم ہے۔ جو اپنے مونس یا تابع ومسخر جنی کے بتانے پر اعتماد اور اسی سے استدلال کر کے دوسروں کو دھوکہ دے رہا ہے۔

اِسی طرح جو ساحر و کاہن یا خصوصی عمل والے حضرات چاہے کردار کے جیسے بھی ہوں کسی خاص عمل کے ذریعہ کسی کے مافی الضمیر اور دل کی باتوں کو معلوم کر کے عام لوگوں کو جو حیرت میں ڈالتے ہیں وہ بھی درحقیقت علم استدلالی کی خاص قسم سے خالی نہیں ہے۔ ہم نے خود ایسے عاملوں سے پوچھ کر معلوم کیا ہے کہ یہ اپنے مخصوص عمل کی سَبَبِیت سے استدلال کرنے کے سوا اور کچھ نہیں جانتے ہیں اور اس سبب کا حصول علم والے مسبب کے ساتھ مخصوص ارتباط کی حقیقت کو جاننے سے مکمل کورے ہوتے ہیں۔ استدلالی علم کے اس عموم میں حدس، فراست، نور بصیرت وحکمت، خواب، تعبیر خواب، طبائع شناسی، کہانت، قیافہ، نجوم شناسی اور قوت مفکرہ جیسے ذرائع علم واَسباب سے حاصل ہونے والے تمام اقسام علوم شامل ہیں۔ گویا عقل ونقل کی زبان میں اور لغت ومحاورہ کے استعمال میں خلائق کے حوالہ سے مطلق علم بمنزلہ جنس ہے جس کے ماتحت علم غیب، علم شہادت اور علم استدلالی کے یہ تینوں متبائن انواع ہیں اور ہر نوع کے ماتحت مذکورہ اقسام اس کے مختلف اصناف ہیں اور ہر صنف کے ماتحت حقیقی جزئیات وافراد جو پائے جاتے ہیں وہ ناقابل انکار حقیقت ہونے کیساتھ مختلف احکام کے بھی حامل ہیں۔ اِس

Marfat.com

کے ساتھ یہ بھی ہے کہ ان سب کے نام وکام ایک دوسرے سے مختلف ہونے کی طرح لغت و محاورہ میں ان کے مواقع استعمال بھی مختلف ہیں۔مثال کے طور پر علم شہادت کی جگہ علم استدلال نہیں کہا جاسکتا،علم استدلالی کی جگہ علم غیب نہیں کہا جاسکتا اور علم حدسی کے لیے فراست کا لفظ استعمال کرنا خلاف لغت ومحاورہ ہے اور کہانت کے موقع پر قیافہ کہنا غلط ہے،ستارہ شناسی کی جگہ تجربہ کا لفظ استعمال کرنا خلاف فصاحت اور تقاضائے لغت کے منافی ہے۔الغرض قدرت الٰہی کی طرف سے مختلف حقائق کے اظہار اور افہام وتفہیم کیلیے نظامِ تکوین کے مطابق جو طریقے مقرر ہیں ان ہی کے مطابق الفاظ کا استعمال کرنا لغت ومحاورہ کہلاتا ہے جو عین مقتضائے فطرت ہے۔

اہل علم جانتے ہیں کہ لغت ومحاورہ کے برخلاف الفاظ استعمال کر کے افہام وتفہیم میں خلل ڈالنے کی اجازت شریعت میں ہے نہ تقاضائے عقل میں جس وجہ سے علم شہادت کی جگہ علم استدلالی یا علم استدلالی کی جگہ علم شہادت یا ان دونوں میں سے کسی ایک کی جگہ علم غیب یا علم غیب کی جگہ ان دونوں میں سے کسی لفظ کو استعمال کرنا لغت ومحاورہ کے منافی ہونے کے ساتھ تقاضاء فطرت وعقل کے بھی خلاف ہے۔(فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ اوَّلًا وَّ آخرًا ظَاهرًا وَبَاطِنًا)

☆☆☆☆☆

Marfat.com

علمِ غیب کا وہ مفہوم جو اللہ تعالیٰ کی صفتِ مختصہ ہے

انسانوں میں پائے جانیوالے علوم کے ان مفاہیم ثلاثہ یعنی علم غیب، علم شہادت اور علم استدلالی جو لغت ومحاورہ میں ایک دوسرے کے مقابلہ میں استعمال ہوتے ہیں۔ ان تینوں کے مقابلہ میں ایک اور علم بھی ہے جس کی حقیقت تک رسائی انسان کے لیے ممکن نہیں ہے، جس کے وجود وحقیقت پر اجمالی شعور ویقین مدار ایمان ہونے کے ساتھ اس کی کیفیت کا انسانی ادراک سے ماوراء ہونے کے ساتھ عقیدہ رکھنا بھی ایمان کے لیے ضروری ہے جو قطعی الثبوت والدلالت ہونے کے ساتھ منطوق فی القرآن بھی ہے وہ ہے علم غیب کا شرعی مفہوم جو اللہ تعالیٰ کی صفت مختصہ ہے، جس کے مطابق اس اِجمالی علم وآگاہی کے سوا اور کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ لغت و محاورہ کی مذکورہ تینوں قسموں سے جدا حقیقت ہے۔ جو انسانوں کے لیے حصول علم کے مذکورہ تمام ذرائع واسباب سے ماوراء ہے۔ جو عالم شہادت کے لامتناہی سربستہ رازوں پر مشتمل ہونے کے ساتھ عالَم غیب کو بھی محیط ہے۔ جس کی وسعت کا اسلامی تصور یہ ہے کہ لغت ومحاورہ میں استعمال ہونے والے علم کے مفاہیم ثلاثہ مذکورہ کے جملہ مصادیق ومظاہر اور جزئیات و افراد دنیائے انسانیت کے شروع سے لیکر اب تک مل کر بھی اس کے مقابلہ میں ہیچ ہیں، اپنی جگہ یہ وسیع تعداد ''لَا یَعْلَمُهَا اِلَّا اللّٰہ'' کا مظہر ہونے کے باوجود اُس کے ساتھ اتنی نسبت بھی نہیں رکھتی جتنی قطرہ کو سمندر کے ساتھ ہوتی ہے کیوں کہ قطرہ بھی متناہی ہے سمندر بھی اور متناہی کی نسبت دوسرے متناہی کے ساتھ متناہی والی ہوتی ہے جبکہ علم غیب کا یہ مفہوم اللہ تعالیٰ کی صفت مختصہ ہونے کی بناء پر لامتناہی ہے۔ جسکی نہ بدایت ہے نہ نہایت اور دنیائے انسانیت کی

Marfat.com

زبان میں لغت ومحاورہ کے مطابق استعمال ہونیوالے جملہ علوم کے مفاہیم ثلاثہ مذکورہ کے جزئیات باوصف کثرت اور "لَا یَعْلَمُهَا اِلَّا اللّٰهُ" کے رتبہ وسعت پر فائز ہونے کے باوجود متناہی ہیں جبکہ متناہی کی غیر متناہی کے ساتھ کوئی نسبت ہی نہیں ہے۔

شریعت مقدسہ کی مخصوص زبان میں استعمال ہونے والے علم غیب کا یہ مفہوم اپنی ازلیت و ابدیت اور قدم ووُجوب جیسی امتیازی صفات کی بناء پر اللہ تعالیٰ کی ذات وحدہ لاشریک کے سوا کسی اور کے لیے ممکن ہی نہیں ہے چاہے ملک مقرب یا نبی ومرسل ہی کیوں نہ ہو۔ جیسے اللہ تعالیٰ کی ذات وحدہ لاشریک کی پہچان کے لیے اس کے آثار اور صفت تکوین کے مظاہر و عجائبات قدرت سے استدلال کرنے کے سوا کوئی اور سبیل نہیں ہے۔ اِسی طرح علم غیب کی اس صفتِ کمال کی پہچان کے لیے بھی انسان کے پاس صفتِ تکوین کے تقاضوں کے سوا کوئی اور ذریعہ نہیں ہے۔ جہاں تک اس کی حقیقت اور کیفیت تک انسان کی رسائی کا سوال ہے تو یہ نہ صرف ناممکن بلکہ ابعد الابعد عن الامکان ہے۔ انسان کو اپنی محدودیت کی بناء پر زیر مشاہدہ چیزوں کے پس منظر وپیش منظر کے حوالہ سے جو لامتناہی جہات وحیثیات لاحق ہیں ان پر بھی احاطہ ممکن نہیں ہے چہ جائیکہ کہ عالَم غیب کے مندرجات از قبیل عالَم ارواح، عالَم اجسام، عالَم برزخ، عالَم مثال، عالَم معنویات، عالَم محسوسات، عالَم ازل، عالَم ابد، عالَم تکوینیات وعالَم تشریعیات جیسے بے شمار عوالَم غیبیہ کے فلسفہ اور ہر ایک کے جزئیات میں موجود لامتناہی درلامتناہی جہات وحیثیات پر احاطہ ممکن ہوسکے۔ جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا؛

"وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَآءَ" (۱)

یعنی اُس وحدہ لاشریک کی مشیت کے بغیر جملہ خلائق سماوی وارضی مل کر بھی اس کے کسی

(۱) البقرہ، 255۔

Marfat.com

معلوم پر علمی احاطہ نہیں کر سکتے ہیں۔

کیوں کہ اس کی مشیت یہی ہے کہ ماضی و مضارع اور حال و استقبال جیسی بے شمار قیودات کے حصار میں محصور ان خلائق کا علم بھی محصور و متناہی ہو۔ تا کہ تقاضائے فطرت کی تکمیل ہوتی رہے۔

ذاتِ الٰہی کے ساتھ مختص علمِ غیب کو سمجھنے کے دو طریقے:۔

علم غیب کے اس شرعی مفہوم کے قابل فہم ہونے کے دو طریقے ہیں؛

پہلا طریقہ:۔ لغت میں ہی اس مفہوم کے لیے علم غیب کا لفظ وضع کیا گیا ہو، جس کے مطابق یہ لفظ مشترک لفظی کے قبیل سے ہوگا کیوں کہ مشترک لفظی اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ ایک لفظ کو لغت میں ایک سے زیادہ معانی کے لیے الگ الگ اوضاع کے ساتھ وضع کیا گیا ہو یہاں پر بھی ایسا ہونا ممکن ہے کہ واضع لغت جل جلالہ نے اپنے امرِ تکوینی کے مطابق اِس لفظ کو بطور وضع ان دونوں معنوں کے لیے استعمال کرنے کی توفیق جاری فرمائی ہو جس کے مطابق اہل لغت و محاورہ والے تاریخ کے ہر دور میں اِسے پہلے مفہوم میں اور اہل شرع و ادیان والے تاریخ کے ہر دور میں اِسے دوسرے مفہوم میں استعمال کرتے آئے ہیں۔

دوسرا طریقہ:۔ علم غیب کا یہ لفظ منقول شرعی کے قبیل سے ہو یعنی اہل شرع و ادیان نے اسے اس کے لغوی مفہوم سے نقل کر کے اس کے شرعی مفہوم کے لیے وضع کیا ہو جس میں منقول عنہ اور منقول الیہ کے مابین مناسبت دونوں کا ماوراء العقل والحواس ہونا ہے۔ کیوں کہ علم غیب کا لفظ اپنے شرعی مفہوم یعنی منقول الیہ کے اعتبار سے خاص مطلقاً ہے جبکہ لغوی مفہوم یعنی منقول عنہ کے اعتبار سے عام مطلقاً ہے۔

الغرض علم غیب کا یہی شرعی مفہوم ان دو طریقوں میں سے چاہے جس انداز کا بھی ہو، بہر تقدیر

Marfat.com

اُن تمام نصوص کا واحد مورد و مصداق ہے جن میں علم غیب کو اللہ تعالیٰ کی صفت مختصہ قرار لے کر غیر اللہ سے نفی کی گئی ہے اور یہی مفہوم اس اسلامی عقیدہ کی بھی بنیاد ہے جس میں علم غیب کا اللہ تعالیٰ کی صفت مختصہ ہونے پر تمام اہل اسلام کا ایسا اجماع ہے جو ضرورت دینی کی حد تک مشہور و معروف ہے جسکی تکذیب کرنے والا لزوم کفر یا التزام کفر کی بدانجامی سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔

ایک ممکنہ اشتباہ کا ازالہ:۔ ہماری اِس تحقیق کے قارئین کو ممکن ہے کہ یہ اشتباہ لاحق ہو جائے کہ علم غیب کا جو شرعی مفہوم بتایا گیا ہے۔ پیشروانِ اسلام کے ذخیرہ دستاویزات میں اس کا کوئی ثبوت موجود نہیں ہے اور جس کا ماخذ سلف و صالحین میں نہ ہو وہ قابل قبول نہیں ہوتا۔

اِس کا جواب یہ ہے کہ **اولاً** یہ تصور ہی غلط ہے کہ جس بات کا ثبوت اسلاف کے ذخیرہ کتب میں نہ ہو وہ قابل تسلیم نہیں ہوتی کیوں کہ حق کی پہچان کے لیے یقینی معیار کتب اسلاف نہیں ہیں بلکہ اسکے لیے واقعی معیار قرآن و سنت ہیں۔ اسلاف کے ذخیرہ کتب سے استدلال محض اس وجہ سے درست ہے کہ وہ قرآن و سنت کے مطابق ہیں لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ ان میں لکھی ہوئی ہر بات قرآن و سنت کے مطابق ہو اور حق بھی ہو ان کی درست باتوں سے متعلق بھی اسلاف کرام نے کبھی یہ نہیں فرمایا کہ شریعت مقدسہ کے لیے حقیقی ماخذ کو چھوڑ کر ان کو معیار بناؤ۔ (حَاشَا وَ کَلَّا)

ان پاکیزہ نفوس سے ایسا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا، ان بزرگوں کی تعلیم یہ ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہ سے لے کر امام احمد بن حنبل تک سب نے بیک آواز یہی کہا ہے کہ "اِذَا وَجَدْتُمْ قَوْلِیْ خِلَافَ کِتَابِ اللّٰہِ فَاضْرِبُوْہُ بِالْجِدَارِ" لہٰذا اسلاف کرام نے اگر کسی بات کی طرف توجہ نہ فرمائی ہو یا اسے واضح اور بدیہی تصور کر کے قابل تشریح نہ سمجھا ہو بعد والے اپنے وقت اور ماحول کے مطابق قابل تشریح تصور کر کے اگر اس کی تشخیص کر دیں تو اس کے قابلِ قبول یا نا قابلِ قبول ہونے کے لیے واحد معیار کتاب و سنت کے سوا اور کچھ نہیں ہے جبکہ پیش

Marfat.com

نظر مسئلہ میں ہماری تحقیق کے مطابق علم غیب کا مذکورہ شرعی مفہوم قرآن وسنت کے مطابق ہونے کے ساتھ سلف صالحین کے خلاف بھی نہیں ہے، جیسے آگے آنے والے حوالہ جات سے واضح ہو رہا ہے۔

ثانیاً: علمِ غیب کے اس مفہوم کو اسلاف کے ذخیرہ دستاویزات میں ناپید کہنا بجائے خود غلط اور خلاف حقیقت ہے، ہم تسلیم کرتے ہیں کہ اس تشریح، اس ترتیب اور ان الفاظ میں تو نہیں ہے لیکن اس کی اصل روح تمام مکاتب فکر اہل اسلام کے مسلمہ اسلاف کے ذخیرہ کتب میں پائی جاتی ہے۔ جس کو سمجھنے کے لیے مذہبی تعصب کی آلودگی میں ملوث نہیں بلکہ آزاد ذہن، لاشرقی لاغربی بلکہ اسلامی فقط اسلامی دل ودماغ کی ضرورت ہے۔

اب مندرجہ ذیل سطور میں ہم مختلف مکاتب فکر اہل اسلام کے ذخیرہ کتب سے مشتے نمونہ از خروارے پیش کریں گے۔ جن میں اُنہوں نے اپنے اپنے انداز اور اپنی پسند کی ترتیب والفاظ میں علم غیب کے ہمارے بیان کردہ شرعی مفہوم کی روح کو ذکر کیا ہے۔

1 حنفی المذہب مفسر محمود بغدادی الوسی (المتوفی 1270ھ) نے سورۃ الجن کی آیات 26-27 کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے؛

''وَتَعْرِيْفُ الْغَيْبِ لِلْاِسْتِغْرَاقِ''(۱)

جس کا مفہوم یہ ہے کہ آیت کریمہ میں ''عَالِمُ الْغَيْبِ'' لفظ کا جو مضاف الیہ غیب ہے اس پر (الف لام) لانے سے مقصد غیب کا استغراق بتانا ہے۔

اہل علم جانتے ہیں کہ مقام مدح میں اللہ تعالیٰ نے جس علم غیب کو اپنی صفت مختصہ قرار دیا ہے اس سے مراد استغراق غیب بتانے کا مصداق اس غیب کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے۔ جو انسانوں کی فہم وادراک کے لیے مقررہ دلائل واسباب سے ماوراء ہو اور وحی یا اطلاع منجانب اللہ کے

(۱) تفسیر روح المعانی، ج29، ص95، مطبوعہ دارالاحیاء التراث العربی بیروت۔

Marfat.com

ماسوااس کو جاننے کی کوئی سبیل نہ ہو، جس کو ازلیت وابدیت اور عدم تناہی لازم ہو کر حقیقی استغراق کا مصداق ہو۔ علم غیب کا جو شرعی مفہوم ہم نے بیان کیا ہے وہ بھی اس سے مختلف نہیں ہے۔ صاحبِ رُوح المعانی نے مذکورہ عبارت سے چند سطر بعد اِسی مفہوم کو دوبارہ مرادِ الٰہی قرار دیتے ہوئے لکھا ہے؛

''وَكَذَا الْمُرَادُ بِغَيْبِهِ جَمِيْعُ غَيْبِهِ''

جس کا مفہوم یہ ہے کہ آیت کریمہ ''فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖ اَحَدًا'' میں جو غیب ضمیر جلالت کی طرف مضاف ہے اس سے مراد بھی جمیع غیوب ہیں۔

اہل علم جانتے ہیں کہ اس کا جمیع غیوب کا مصداق ہونا تب درست ہو سکتا ہے جب عوالم غیبیہ کے ایک ایک فرد، ایک ایک جہت و ایک ایک حیثیت کو تفصیلاً شامل ہو جن پر علمی احاطہ رکھنا اللہ تعالیٰ کی صفت مختصہ ہے۔ جس کو ازلیت وابدیت لازم ہے، ہم نے بھی علم غیب کا جو شرعی مفہوم اپنے اندازِ بیان کے مطابق ذکر کیا ہے وہ اس سے مختلف کوئی چیز نہیں ہے۔

صاحبِ رُوح المعانی نے ثانیاً مذکور الذکر عبارت کے بعد یہ بھی لکھا ہے؛

''وَاَنَّ الْغَيْبَ الْمُخْتَصَّ بِهٖ تَعَالٰى بِمَعْنَى الْمُخْتَصِّ عِلْمُهٗ سُبْحَانَهٗ بِهٖ هُوَ كُلُّ غَيْبٍ''

انصاف کی نظر سے دیکھنے والا اس عبارت کو علم غیب کے لیے ہمارے بیان کردہ شرعی مفہوم کی روح قرار دیئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

2 مالکی المذہب مفسر محمد ابن عبداللہ ابن العربی (المتوفی 543ھ) نے تفسیر احکام القرآن میں لکھا ہے؛

''وَحَقِيْقَتُهٗ مَا غَابَ عَنِ الْحَوَاسِّ مِمَّا لَا يُوْصَلُ اِلَيْهِ اِلَّا بِالْخَبَرِ دُوْنَ النَّظَرِ فَافْهَمُوْهُ''

Marfat.com

وہ کون سا اہل انصاف ہوسکتا ہے جو علم غیب کے حوالہ سے ہمارے بتائے ہوئے مذکورہ شرعی مفہوم کو حضرت ابن العربی کی اس عبارت کی تفصیل، اس سے مستفاد اور اس کی واضح تشریح قرار نہ دے، قربان جاؤں سلف صالحین کی دور بین نگاہ بصیرت پر لگ رہا ہے کہ انہوں نے موجودہ دور کے الٰہیات کے حوالہ سے علمی کساد بازاری کو دیکھ کر آخری جملہ ''فَافْهَمُوْهُ'' کا اضافہ کیا تھا گویا اس اضافی جملہ میں علم غیب کے اس شرعی مفہوم کی اہمیت بتا رہے ہیں کہ یہ علم غیب کے لغوی مفہوم کی طرح عام نہیں ہے کہ غیر اللہ کی اس تک رسائی کی گنجائش ہو سکے بلکہ اللہ تعالیٰ کی صفت خاصہ کے جملہ لوازمات کا حامل ہونے کی وجہ سے اس کے بتائے بغیر اس کی کچھ جھلکیوں پر اطلاع ممکن ہی نہیں ہے، جب تک وہ خود کسی کو نہ بتائے اس وقت تک معتاد اسباب کے ذرائع سے کسی کو کچھ معلوم نہیں ہوسکتا اور واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن ہی کو بتاتا ہے جن میں منجانب اللہ وحی اور مطلع علی الغیب ہونے کی اہلیت موجود ہو جو ذوات قدسیہ انبیاء و مرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کا خاصہ ہے۔

3 شافعی المذہب مفسر قاضی بیضاوی (المتوفی 685ھ) نے سورۃ الجن، آیت نمبر 27-26 کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے:

''اَیْ عَلَی الْغَیْبِ الْمَخْصُوْصِ بِهٖ عِلْمُهٗ''(۱)

جس کا مفہوم یہ ہے کہ آیت کریمہ ''عَالِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖ اَحَدًا'' میں جو غیب ہے اس سے مراد الٰہی وہ علم غیب ہے جو اللہ تعالیٰ کی صفت مختصہ ہے۔

اِس بات میں کون شک کرسکتا ہے کہ جو علم غیب اللہ تعالیٰ کی صفت مختصہ ہے وہ وہی ہے جو معتاد اسباب حصول سے ماوراء ہو جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے اطلاع نہ ہو اس وقت تک کسی

---

(۱) تفسیر بیضاوی مجموعۃ من التفاسیر، ج 6، ص 379، مطبوعہ داراحیاء التراث العربی۔

Marfat.com

کے لیے اس تک رسائی ناممکن ہو اور اللہ تعالیٰ کی صفت ہونے کی بناء پر محیط بجمیع عوالم الغیوب و الشہادۃ ہو، ازلی، ابدی اور ہر قسم کے تغیر وحدوث وقیودات سے ماوراء اور لامتناہی علی الاطلاق ہو تو ظاہر ہے کہ علم غیب کے شرعی مفہوم جو ہم بتا آئے ہیں قاضی بیضاوی کی اس مختصر سی عبارت کی تشریح ہونے کے سوا اور کچھ نہیں ہے، فرق صرف اجمال وتفصیل کا ہے۔

4 حنبلی المذہب مفسر حافظ ابن تیمیہ المتوفی نے آیت کریمہ ''قُلْ لَا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰہُ'' کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے:

''وَھٰذَا ھُوَ الْغَیْبُ الْمُطْلَقُ عَنْ جَمِیْعِ الْمَخْلُوْقِیْنَ الَّذِیْ قَالَ فِیْہِ فَلَا یُظْھِرُ عَلٰی غَیْبِہٖ اَحَداً'' وَالْغَیْبُ الْمُقَیَّدُ مَاعَلِمَہٗ بَعْضُ الْمَخْلُوْقَاتِ مِنَ الْمَلَائِکَۃِ اَوِالْجِنِّ اَوِ الْاِنْسِ وَشَھِدُوْہُ فَاِنَّمَا ھُوَ غَیْبٌ عَمَّنْ غَابَ عَنْہُ لَیْسَ ھُوَ غَیْبًا عَمَّنْ شَھِدَہٗ وَالنَّاسُ کُلُّھُمْ قَدْ یَغِیْبُ عَنْ ھٰذَا مَایَشْھَدُہٗ ھٰذَا فَیَکُوْنُ غَیْبًا مُقَیَّدًااَیْ غَیْبًاعَمَّنْ غَابَ عَنْہُ مِنَ الْمَخْلُوْقِیْنَ لَاعَمَّنْ شَھِدَہٗ لَیْسَ غَیْبًا مُطْلَقًا غَابَ عَنِ الْمَخْلُوْقِیْنَ قَاطِبَۃً''

اس کا مفہوم یہ ہے کہ آیت کریمہ ''قُلْ لَا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰہُ'' میں جس علم غیب کو اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے لیے صفت مختصہ قرار دیا ہے۔ اس سے مراد علم غیب المطلق ہے جو تمام خلائق سے پوشیدہ ہے۔ جس کے متعلق ''فَلَا یُظْھِرُ عَلٰی غَیْبِہٖ اَحَداً'' بھی فرمایا ہے اور اس کے مقابلہ میں علم غیب المقید ہے۔ جس کو بعض خلائق جانتے ہیں چاہے ملائکہ ہوں یا جنات یا انسان اور وہ اس کا مشاہدہ بھی کرتے ہیں تو یہ ان خلائق سے غیب ہے جن کے مشاہدہ میں نہیں ہے بخلاف اُن کے جو اس کا مشاہدہ کر رہے ہیں اور سب انسانوں کا یہی حال ہے کہ اس سے کچھ چیزیں غائب ہوتی ہیں جبکہ دوسرا انہیں مشاہدہ کر رہا ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ غیب مقید کہلائے گا یعنی اُن کی نسبت غیب ہے

Marfat.com

جن سے پوشیدہ ہے نہ اُن سے جو اس کا مشاہدہ کر رہے ہیں اور یہ تمام خلائق سے غیب نہیں ہے کہ اسے الغیب المطلق کہا جا سکے۔

اِس کے متصلاً بعد آیت کریمہ ''عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ'' کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے:

''اَیْ عَالِمُ مَا غَابَ عَنِ الْعِبَادِ مُطْلَقًا وَمُعَیناً وَمَاشَھِدُوْہُ فَھُوَ سُبْحَانَہُ یَعْلَمُ ذَالِکَ کُلَّہُ''(۱)

اِسکا مفہوم یہ ہے کہ تمام خلائق سے علی الاطلاق جو غائب ہیں انہیں علی سبیل الشیوع والعموم طور پر بھی جانتا ہے اور معین و مشخص طور پر بھی جانتا ہے اور جن چیزوں کا یہ خلائق مشاہدہ کرتے ہیں ان کو بھی جانتا ہے، نتیجتاً اللہ سبحانہ وتعالیٰ جملہ خلائق کو علی الاطلاق جانتا ہے۔

مذہبی عصبیت کی آلودگی سے پاک ذہن والے حضرات سے مخفی نہیں ہے کہ اس عبارت میں حافظ ابن تیمیہ نے علم غیب کے حوالہ سے اللہ تعالیٰ کے علم اور غیر اللہ کے علم کے مابین تین چیزوں کو مابہ الامتیاز قرار دیا ہے۔ جن میں سے؛

اوّل:۔ اللہ تعالیٰ کے علم غیب کو الغیب المطلق کہا ہے جبکہ غیر اللہ کے علم غیب کو علم غیب المقید کہا ہے جس میں علم غیب کے ہمارے بیان کردہ مذکورہ لغوی وشرعی مفہومات کے انداز تعبیر یا منہج اظہار یا الفاظ کے بدل ہونے کے سوا اور کوئی فرق نہیں ہے۔ جس کے مطابق علم الغیب المقید لغوی مفہوم ہونے کی بناء پر غیر اللہ کے لیے وہ امکانی صورت ہے جو اللہ تعالیٰ کی شان اقدس کے لائق نہیں ہے جبکہ علم الغیب المطلق غیر اللہ کے لیے ناممکن اور اللہ تعالیٰ کے لیے ضروری ہے کیوں کہ اس ذات وحدہ لاشریک کی صفت مختصہ ہونے کا تقاضا یہی ہے کہ اس کی یہ صفت بھی ازلی وابدی اور لامتناہی ہونے کے ساتھ تمام عوالم غیبیہ کو علی الاطلاق شامل ہو جس میں شیوع ہی شیوع اور عموم ہی عموم ہوتا ہے جس کا مقتضا قضیہ موجبہ کلیہ یعنی ''اَللّٰہُ یَعْلَمُ

---

(۱) الفتاوی الکبری حصہ تفسیر، ج16، ص110، مطبوعہ سعودیہ عربیہ۔

Marfat.com

الغُیُوبَ کُلَّهَا '' کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا یعنی قضیہ جزئیہ کا تصور ہی یہاں پرنا جائز ہے۔ اہل علم جانتے ہیں کہ علم غیب کے جس شرعی مفہوم کو ہم نے اللہ تعالیٰ کی صفت مختصہ کہا ہے اس کی حقیقت بھی حافظ ابن تیمیہ کی اس تعبیر سے مختلف نہیں ہے۔

دوسرا:۔ اللہ تعالیٰ کے علم غیب کو ما غاب عن العباد کہا ہے۔ اہل علم جانتے ہیں کہ العباد جمع معرف بلّام ہے جو استغراق کے لیے ہوتا ہے جو غیر اللہ کے علم غیب میں نہیں ہے۔ یہ تفریق بھی علم غیب کے لُغوی اور شرعی مفہومات جو ہم نے ذکر کیے ہیں ان کی خاص تعبیر و انداز اظہار کی خاص شکل ہونے کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔

تیسرا:۔ آخری جملہ میں بطور نتیجتاً الکلام ''فَهُوَ سُبحَانَهُ يَعلَمُ ذَالِکَ كُلَّهُ '' کہا ہے یہ بھی علم غیب کے شرعی مفہوم جو ہم نے بیان کر کے اس کا اللہ تعالیٰ کے لیے صفتِ مختصہ ہونے پر جزم و یقین ظاہر کیا ہے اُسی کی روح اور اُس کی بنیاد ہے کیوں کہ لغوی مفہوم کے مطابق کسی بھی غیر اللہ کو کل عوالم غیبیہ کے تمام جزئیات کو جاننا محال و ناممکن ہے جبکہ حافظ ابن تیمیہ نے یہ کہہ کر جملہ عوالم شہادت اور تمام عوالم غیبیہ کے مندرجات کو جاننا اللہ تعالیٰ کی صفت مختصہ قرار دیا ہے تو یہ علم غیب کے شرعی مفہوم کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔

5 معتزلی المذہب مفسر جار اللہ الزمخشری (المتوفی 538ھ) نے لکھا ہے:

''وَالمُرَادُ بِهِ الخَفِيُّ الَّذِي لَا يَنفُذُ فِيهِ اِبتِدَاءً اِلَّا عِلمُ اللَّطِيفِ الخَبِيرِ وَاِنَّمَا نَعلَمُ مِنهُ نَحنُ مَا اَعلَمَنَاهُ اَو نَصَبَ لَنَا دَلِيلاً عَلَيهِ وَلِهٰذَا لَا يَجُوزُ اَن يُطلَقَ فَيُقَالَ فُلَانٌ يَعلَمُ الغَيبَ ''(۱)

جس کا یہ مفہوم ہے کہ شریعت کی زبان میں غیب سے مراد وہ پوشیدہ چیز ہے۔ جس کا علم از

---

(۱) التفسیر الکشاف، ج 1، ص 128، مع حاشیہ میر سید السند مطبوعہ دار الفکر بیروت۔

Marfat.com

خود، بلا دلیل اور بلا احتیاج، الی الغیر اُس ذات وحدہ لاشریک کے سوا کسی اور کو نہیں ہوسکتا جو لطیف و خبیر ہے۔ یعنی جملہ خلائق کو دیکھنا اس کا ماوراء العقل ہے اور تمام خلائق کی خبر گیری کرنا اس کا ماوراء الادراک ہے۔ ہم اس میں سے صرف ان چیزوں کو جان سکتے ہیں جن کو جاننے کی اس نے توفیق دی ہے یا ان کو جاننے کے لیے ہمارے لیے دلائل و اسباب مقرر کیے ہیں اسی وجہ سے کسی قید کے ساتھ مقید کیے بغیر مطلقاً یہ کہنا کہ فلاں علم غیب جانتا ہے ناجائز ہے۔

اہلِ انصاف اس پوری عبارت کو علم غیب کے لغوی اور شرعی مفہومات کے حوالہ سے ہماری گزشتہ تحریر کی جان اور اسکی بنیاد قرار دیئے بغیر نہیں رہ سکتے ہیں۔ کیونکہ مفسر نے اس میں ہر دو مفہوموں کو مختصر الفاظ میں اس طرح واضح کر دیا ہے کہ پہلے ''اَلْخَفِیُّ الَّذِیْ لَا یَنْفُذُ فِیْهِ اِبْتِدَاءً اِلَّا عِلْمُ اللَّطِیْفِ الْخَبِیْرِ '' کہہ کر غیب کا شرعی مفہوم بتانے کے ساتھ ساتھ علم غیب کا شرعی مفہوم بھی متعین کر دیا کہ وہ ابتدائی ہے یعنی بلا دلیل و بلا سبب اور کسی کے عطاء کرنے سے یا کسی دلیل کے مدلول ہونے، کسی علت کے معلول ہونے اور کسی سبب کے مسبب ہونے سے ماوراء ہو کر اللطیف الخبیر وحدہ لاشریک کی بے مثل ذات کا مقتضاء و لازمہ ہونے کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

اس کے بعد'' وَاِنَّمَا نَعْلَمُ مِنْهُ نَحْنُ مَا اَعْلَمَنَهُ اَوْنَصَبَ لَنَا دَلِیْلاً عَلَیْهِ '' کہہ کر علم غیب کے لُغوی مفہوم کو بھی متعین کر دیا کہ اللہ کے بتانے سے مخلوق کا کسی پوشیدہ چیز کو جاننا جیسے ذوات قدسیہ انبیاء و مرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کو وحی و اطلاع کے طور پر ہزار ہا غیوب کا علم عطاء کیا ہے یا عقلی دلائل کی دلالت و سبب سے جاننے کی توفیق عطاء فرمائی ہے جیسے خواب، تعبیر خواب، مخصوص عملیات و ریاضت ستارہ شناسی کے مخصوص طریقے، قیافہ شناسی، حدس، فراست، سحر، کہانت جیسے درجنوں اَسباب جو عادیہ عند ارباہا و غیر عادیہ عند الآخرین ہیں کے

Marfat.com

ساتھ عالَم کے احوال سے اس کے صانع وخالق جل جلالہ کی ہستی بمع جمیع صفاتہ پر استدلال کرنا شامل ہے۔ وہ کون سا اہل علم اور صاحب انصاف ایسا ہوسکتا ہے جو امام البلاغۃ واللغۃ الزمخشری کی اس تفصیل کو علم غیب کے لغوی اور شرعی مفہوم کے حوالہ سے ہماری اس تحقیق کی بنیاد و ماخذ قرار نہ دیں یا اس کو دیکھنے کے بعد ہماری اس تحقیق کو اسلاف کے ذخیرہ کتب میں ناپید ہونے کا تصور کر سکے۔ (فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ اَوَّلاً وَّآخِرًا ظَاهِرًا وَّبَاطِنًا)

حاشیتی اضافہ اور الزمخشری کا کمال:۔ علمِ غیب کے لغوی اور شرعی مفہوموں کی جدا جدا حقیقتیں بتا کر اس کے شرعی مفہوم کو اللہ تعالیٰ کی صفت مختصہ قرار دینے کے سلسلہ میں اس عبارت کے آخری حصہ میں الزمخشری نے بطور نتیجہ یہ جو کہا ہے؛

''وَلِهٰذَا لَايَجُوْزُ اَنْ يُطْلَقَ فَيُقَالَ فُلَانٌ يَعْلَمُ الْغَيْبَ''

اس میں علم غیب کی ان دونوں حقیقتوں کے مختلف احکام بتانے کے ساتھ علم غیب کے شرعی مفہوم کی اہمیت کی طرف بھی اشارہ کیا ہے کہ یہ اس کے لغوی مفہوم کی طرح عام نہیں ہے کہ غیر اللہ کے لیے بھی استعمال کرنے کی گنجائش ہو سکے بلکہ اللہ تعالیٰ کی صفت مختصہ ہونے کی بناء پر علی الاطلاق یہ کہنا کہ ''فلاں غیب کی باتوں کو جانتا ہے'' ناجائز ہے۔

الزمخشری کی اس نتیجائی عبارت سے علم غیب کے شرعی مفہوم کی اہمیت کا اشارہ اس طرح معلوم ہو رہا ہے کہ جب شریعت کی زبان میں اس لفظ کو بداہت عقل وحواس سے پوشیدہ چیزوں کو ازخود ابتداً یعنی بلاواسطہ، بلادلیل اور بلاسبب جاننے والی ذات وحدہ لاشریک کے لیے صفت مختصہ کے طور پر بطور منقول وضع کیا گیا ہے تو پھر خارجی قرائن وشواہد کے بغیر علی الاطلاق کسی اور کے لیے استعمال کرنیکی صورت میں بھی سامعین کا ذہن اسی مفہوم کی طرف جائے گا جس کے لیے اس کو وضع کیا گیا ہے یعنی منقول الیہ، اُصول فطرت کے اسی کلیہ سے متعلق کہا گیا ہے؛

''عَلَامَةُ الْحَقِيْقَتِ تَبَادُرُ الذِّهْنِ اِلَيْهِ عِنْدَ الْاِطْلَاقِ''

Marfat.com

ایسے میں علی الاطلاق کسی بھی غیر اللہ سے متعلق "فُلَانٌ یَعْلَمُ الْغَیْبَ" کہنا یا اس کا مفہوم کسی بھی عجمی زبان میں استعمال کرنے کا عدم جواز متفق علیہ فی الاسلام ہونے کا فلسفہ کسی بھی اہل علم سے مخفی نہیں ہوسکتا۔ جس کے عدم جواز پر جملہ فقہاء اسلام متفق ہیں مشتے نمونہ از خروارے الفتاویٰ الشامیہ ردالمحتار میں ہے:

"مُجَرَّدُ اِیْهَامِ الْمَعْنَی الْمُحَالِ کَافٍ فِی الْمَنْعِ"(۱)

اِس کے ساتھ کچھ بیباک وغالی اور جاہل پیروں کے پھندے میں پھنسے ہوئے ہم نے ایسے بھی بہت دیکھے ہیں جو اپنے پیروں سے متعلق ایسا کہتے پھرتے ہیں۔ تو ظاہر ہے کہ اسلام کے مدعیوں میں ایسے جاہل تاریخ کے ہر دور میں اور ہر مکتبہ فکر کے مسلمانوں کی صفوں میں پائے جاتے آئے ہیں۔ کوئی بعید نہیں ہے کہ آج سے قبل الزمخشری کا بھی اسلام پر بوجھ بننے والے ایسے بے بہروں کے ساتھ واسطہ پڑا ہو جو اس نتیجائی کلام کو تفسیر لکھتے وقت یہاں پر اضافہ کرنے کا سبب بنا ہو۔ (وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاَسْرَارِ عِبَادِهٖ) بہر تقدیر بے باک جاہلوں کی زبان پر آنے والے ایسے جملے لزوم شرک یا التزام شرک کی حد تک بھی پہنچ سکتے ہیں۔ اس کے باوجود ایسے گمراہوں پر کفر و شرک کا فتویٰ جاری کرنا جائز نہیں ہوسکتا، جس کا فلسفہ گزشتہ صفحات میں بالتفصیل بیان ہو چکا ہے۔ الغرض صاحبِ کشاف کا یہ نتیجائی کلام کل مکاتب فکر اہل اسلام کے علم غیب کے حوالہ سے جو مشترکہ عقیدہ ہے اس کے پس منظر پر مشتمل ہونے کی بناء پر کمال جامعیت رکھتا ہے۔

6 جعفری المذہب مفسر الفضل ابن الحسن الطبری (المتوفی 310ھ) نے سورۃ النمل، آیت نمبر 65 کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے:

"اَلْغَیْبُ هُوَ مَاغَابَ عِلْمُهٗ عَنِ الْخَلْقِ"(۲)

(۱) رد المحتار، ج5، ص253، مطبوعه دار احیاء التراث العربی بیروت۔

(۲) مجمع البیان فی تفسیر القرآن، ج7، ص359، مطبوعه انتشارات ناصر خسرو تهران ایران۔

Marfat.com

جس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ کے فرمان ''لَا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰہُ'' میں جس علم غیب کو اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت مختصہ قرار لے کر دوسروں سے نفی کی ہے اس سے مراد وہ علم غیب ہے جو تمام خلائق سے پوشیدہ ہے۔

اِس کے بعد ''اِلَّا اللّٰہُ'' میں استثنیٰ کا حاصل مفہوم بتاتے ہوئے لکھا ہے:

''وَحْدَہٗ اَوْمَنْ اَعْلَمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی''

اِس کا مفہوم یہ ہے کہ جملہ خلائق سے پوشیدہ غیب کا علم صرف اللہ وحدہ جانتا ہے یا جس کو وہ خود جاننے کی توفیق دے۔

ان دونوں مقامات کو پیش نظر رکھنے والے کسی بھی اہل علم کو اس بات میں شک کی گنجائش نہیں ہو سکتی کہ صاحب مجمع البیان نے یہ جو کچھ لکھا ہے یہ علم غیب کے لغوی اور شرعی مفہوموں کا خلاصہ ہے۔ جن میں سے اول الذکر یعنی لغوی مفہوم کو ''اَوْمَنْ اَعْلَمَہُ اللّٰہُ'' کی عبارت شامل ہو رہی ہے جس سے متبادر الی الذہن منجانب اللہ مطلع علی الغیب ہونے اور وحی کے ذرائع ہیں جو ذوات قدسیہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کا خاصہ ہے۔ جبکہ ثانی الذکر یعنی شرعی مفہوم کو ''اَلْغَیْبُ ھُوَ مَا غَابَ عِلْمُہٗ عَنِ الْخَلْقِ'' کی عبارت شامل ہو رہی ہے جس کا مصداق ومظہر وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی صفت مختصہ ہے، بدون الاسباب والدلیل ہے، تمام عوالم شہادت وعوالم غیبیہ کو اور ان کے مندرجات وجزئیات اور ان کو لاحق غیر متناہی جہات وحیثیات کو محیط ہے، ازلی و ابدی ہے اور کمی وبیشی، حدوث وتغیر سے پاک ہونے کے ساتھ ماضی ومضارع، حال و استقبال جیسی کسی بھی قید سے مقید ہونے سے ماوراء ومطلق ہے۔ ان ہی اوصاف لازمہ کی بنیاد پر علم غیب کے شرعی مفہوم کا کوئی ایک جزئیہ، ایک فرد اور ایک ذرہ برابر حصہ بھی غیر اللہ کے لیے ماننے والے کے لیے اسلام میں کوئی جگہ نہیں ہے وہ اگر صراحتاً ایسے عقیدے کا اظہار کریں جس میں کسی قسم کی جائز تاویل کی گنجائش نہ ہو تو التزامِ کفر کا مرتکب قرار پاتا ہے۔ اِس

Marfat.com

کے خلاف ارتداد کا فتویٰ صادر کرنا دارالافتاء پر فرض ہو جاتا ہے اور اگر تصریح کے بغیر یا کسی قابل تاویل کلام میں ایسے عقیدے کا اظہار کریں تکفیر کا نہیں بلکہ لزومِ کفر کا فتویٰ صادر کر کے اس کو مثل توبہ استغفار، تجدید ایمان اور تجدید نکاح جیسے احکام کا پابند کرنا اُس معاشرہ کے تمام مسلمانوں کی اجتماعی ذمہ داری ومسئولیت ہے۔

کوتاہ بینی پر مبنی ایک اشتباہ کا ازالہ:۔ سوال یہ پیدا کیا گیا ہے کہ علم غیب کے حوالہ سے اس تحریر میں خاصۃ اللہ اور خاصۃ الرسول کو تو ذکر کیا گیا ہے۔ جبکہ اولیاء اللہ کے علم غیب کا تذکرہ نہیں کیا گیا ہے۔ جبکہ اہل سنت عقیدہ کے مطابق اولیاء اللہ کو بھی از روئے کرامت کچھ علم غیب منجانب اللہ عطاء کیے جاتے ہیں۔

پنجاب کی طرف سے آئے ہوئے **اِس اشتباہ کا جواب** یہ ہے کہ یہ ضروریاتِ دینیہ کے قبیل سے نہیں ہے بلکہ ضروریاتِ مذہبیہ کے زمرہ میں ہے جبکہ ہم نے یہاں صرف ان مسائل کو ذکر کرنے کا التزام کیا ہوا ہے جو ضروریاتِ دین کے قبیل سے ہیں۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ علم غیب کے اس مسئلہ کو ''اُصولِ تکفیر'' کے ضمن میں لانے سے مقصد یہ بتانا ہے کہ کسی غیر اللہ کی طرف علی الاطلاق علم غیب منسوب کر کے ''فلان یعلم الغیب'' جیسے کلام کرنے والوں پر کفر وشرک کا فتوی صادر کرنا عام حالات میں غلط ہے ۹۹ فیصد بے حقیقت اور خلاف انصاف ہے کیوں کہ تکفیر چاہے لزوم کی صورت میں ہو یا التزامِ کفر کی شکل میں بہر تقدیر ضرورتِ دینی سے متعلق ہوتی ہے جبکہ یہ مسئلہ عام حالات میں ضرورتِ دینی سے متعلق نہیں ہے تو پھر کفر کا فتویٰ صادر کرنے کا کیا جواز باقی رہتا ہے۔ اولیاء اللہ کے لیے لغوی مفہوم کے مطابق جو علم غیب ثابت ہے وہ شروع سے لیکر اب تک جملہ اہل قبلہ کے مابین مسلمہ، متواترہ اور ضرورتِ دینی کی حد تک مشہور نہیں ہے کیوں کہ اہلِ اعتزال باوصف

Marfat.com

حنفیت اِس میں اختلاف کرتے آئے ہیں جس وجہ سے اسے ضرورتِ دین ہرگز نہیں کہا جاسکتا ہاں اس کا ضرورتِ مذہبی ہونے میں کوئی شک نہیں ہے کیوں کہ اہل سنت کے چاروں مذاہب میں شروع سے لے کر آج تک اولیاء اللہ کے لیے بطور کرامت مخصوص اسباب ودلائل کی روشنی میں لغوی مفہوم کے مطابق علم غیب تسلیم کیا گیا ہے اور اہل سنت ماحول میں یہ عقیدہ اتنا مشہور ومتواتر ہے کہ اس پر دلیل تلاش کرنیکی ضرورت ہی محسوس نہیں کی جاتی یہ الگ بات ہے کہ اولیاء اللہ کو ماننے کے ٹھیکہ دار کچھ تعصب زدہ حضرات بغیر ضرورت کے بھی اس پر دلائل تلاش کرنے میں عمریں گزار دیتے ہیں جو ان کی ذہنی محدودیت اور تعصب زدگی کا فطری نتیجہ ہے ورنہ اہل سنت کہلانے والوں کے چاروں مذاہب میں کوئی مسلک ایسا نہیں ہے جس میں اولیاء اللہ کی اس کرامت سے کسی نے انکار کیا ہو۔ پھر یہ بھی ہے کہ جن حضرات کا اس کے سواء کوئی اور علمی مشغلہ ہی نہیں ہے ان کی علمی پسماندگی اور ذہنی محدودیت کا یہ عالم ہے کہ انہیں ضرورتِ دینی اور ضرورتِ مذہبی کے مابین تفریق کرنے کی بھی تمیز نہیں ہے۔ تعلیم وتبلیغ کے حوالے سے ''اَلْاَھَمُّ فَالْاَھَمُّ'' کی تفریق نہیں ہے اور اسلام کے بنیادی وفروعی مسائل کے مابین فرق مراتب کا احساس نہیں ہے۔ اس ذہن کے حامل لوگوں کے سامنے جب بھی کوئی تحریر وتقریر پیش ہوتی ہے تو وہ اسے اپنے معیار اور اپنی سوچ کے مطابق دیکھنے پر مجبور ہوتے ہیں جس کو اسلامی روش نہیں کہا جاسکتا۔

حقیقت یہ ہے کہ علم غیب کے حوالہ سے برصغیر پاک وہند میں پائے جانے والے اس اختلاف کا اصل ذمہ دار بھی یہی طبقہ ہے اگر یہ لوگ علی الاطلاق اولیاء اللہ کی طرف علم غیب نسبت کرنے کی غلطی نہ کرتے تو دارالافتاء کے بے احتیاطوں سے تکفیری فتویٰ صادر کرنے کی غلطی بھی نہ ہوتی اور نہ ہی حفظ الایمان کی وہ رسوائے زمانہ عبارت وجود میں آتی جس کی وجہ سے

Marfat.com

اہلِ سنت احناف کہلانے والے باہم دولخت ہو چکے ہیں انجام کار ہر طرف سے تنگ نظری ہی تنگ نظری ہے، تعصب ہی تعصب ہے اور فرمانِ خداوندی؛

''وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى''(۱)

کی ہر طرف سے پامالگی وانحراف ہے (اَعَاذَ نَااللّٰهُ مِنْهُ)۔

سچ فرمایا امام احمد رضا خان نَوَّرَاللّٰهُ مَرْقَدَهُ الشَّرِيْف نے؛

''اَلتَّعَصُّبُ اِذَا تَمَلَّکَ اَهْلَکَ''(۲)

اس کوتاہ بین طبقہ کے مفاسد میں سے ایک المیہ یہ بھی ہے کہ اس کا اُٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے اولیاءاللہ کی طرف علی الاطلاق علم غیب نسبت کرنے سے غیر معیاری مشائخ اور جعلی پیروں کی حوصلہ افزائی ہو جاتی ہے کیوں کہ تاریخ کے ہر دور میں حقیقی اولیاءاللہ کے وجود مسعود کے مقابلہ میں غیر معیاری مشائخ اور جعلی پیروں کی بہتات رہی ہے، معارف کی تاریخ سے شناسائی رکھنے والوں میں کون نہیں جانتا کہ حضرت امام زین العابدین اور جعفر صادق کے دور میں جعل سازوں کا جال بچھا ہوا تھا جن پر ان حضرات نے رد کیا ہے اور پیرانِ پیر شیخ عبدالقادر جیلانی کے وقت میں بھی غیر معیاری مشائخ کی بہتات تھی جن پر حضرت نے؛

''اَيُّهَا الْكَذَّابُ اَنْتَ فِىْ ظَاهِرِكَ زَاهِدٌ وَبَاطِنُكَ خَرَابٌ كَالْبَيَاضِ عَلَى بَيْتِ الْمَاءِ''(۳) جیسے خطابات میں رد بلیغ فرمایا۔

یہ ہوا دیارِ عرب میں پھیلے ہوئے جعلی مشائخ کا قدرے نمونہ جبکہ دیارِ عجم کا مسئلہ اس سے کئی گنا زیادہ قابلِ افسوس ہے جس پر رد کرتے ہوئے اور ان کے گیتی نما دام تزویر سے سادہ لوح

(۱) المائدہ، 8۔

(۲) فتاویٰ رضویہ، ج28، ص340۔

(۳) الفتح الربانی، ص32۔

Marfat.com

مسلمانوں کو بچانے کے لیے حضرت علی ہجویری داتا گنج بخش نَوَّرَاللّٰہُ مَرْقَدَہُ الشَّرِیْفَ نے کشف المحجوب کے نام سے مستقل کتاب لکھی۔ جس کے مندرجہ ذیل ابتدائی الفاظ اُس وقت کے جعلی مشائخ اور نمبر دو پیروں کی بہتات سے آگاہی کیلئے کافی ہیں۔ حضرت نے لکھا ہے:

''وخداوند عزوجل مارا اندر زمانه آفریده است که اهل آن هوا را شریعت نام کرده اند و طلب جاه و ریاست و تکبر را عز و علم و ریا خلق را خشیت و نهان داشتن کینه را اندر دل حلم و مجادله را مناظره و محاربت و سفاهت را عظمت و نفاق را زهد و تمنی را ارادت و هزیان طبع را معرفت و حرکات دل و حدیث نفس را محبت و الحاد را فقر و جحود را صفوت و زندقه را فنا و ترک شریعت پیغمبر ﷺ را طریقت و آفت اهل زمانه را معاملت نام کرده اند تا ارباب معانی اندر میان ایشان مهجور گشته اند و ایشان غلبه گرفته چنانکه اندر فطرت اولیٰ اهل بیت رسول ﷺ باآل مروان''(۱)

اِسی طرح حضرت مجدد الف ثانی اور امام احمد رضا خان جیسے عظماء اسلام نے بھی اپنے اپنے ادوار کے غیر معیاری مشائخ اور جعلی پیروں کی کارستانیوں سے کافی حد تک پردہ اٹھایا ہے۔ جو بالترتیب ان کے مکتوبات وفتاویٰ سے عیاں ہے لیکن افسوس اس بات پر ہے کہ ان حقائق کو ظاہر کر کے عوام کی اصلاح کرنیوالے دوربین میں بھی نظر نہیں آرہے ہیں۔ (اِلَّا مَاشَآءَ اللّٰہ) اور واقفِ حال حضرات جانتے ہیں کہ ضعیف العقیدہ عوام کو بیوقوف بنا کر کام نکالنے کے حربوں میں سب سے بڑا حربہ ان گمراہوں کے پاس غیب دانی کا دعویٰ ہے۔ ان کے گیتی نما

(۱) کشف المحجوب، ص6۔

Marfat.com

دام تزویر میں پھنسے ہوئے نیم خواندہ علماء جب عوامی اجتماعات میں اولیاء اللہ کے لیے علم غیب کے اثبات کا چرچا کرتے ہیں، اس پر دلائل کا انبار لگاتے ہیں اور سچوں کی کرامات جھوٹوں پر چسپاں کرنے کی ابلیسی تلبیس کا منظر پیش کرتے ہیں، تو سننے والے ضعیف العقیدہ عوام ان ہی کو غیب دان جاننے پر مجبور ہو جاتے ہیں کیوں کہ ان میں سے غالب اکثریت کی وابستگی ان ہی حضرات کے ساتھ ہوتی ہے جن کا حقیقی ولایت کے ساتھ کوئی واسطہ ہے نہ سچے پیر ومرشد ہونے میں کوئی حصہ اس کے باوجود ان ہی کو اولیاء اللہ اور حقیقی مشائخ سمجھنا عوامی ذہن کی مجبوری ہوتی ہے۔ جس کے نتیجہ میں جو جس کا مرید ہوتا ہے اُسی کو ان کرامات کے حامل غیب دان جانتے ہیں۔ جس سے بداعتقادی کے ساتھ انسان پرستی کی اس گمراہی کو بھی ترویج ملتی ہے گویا موجودہ دور کے اصحاب محراب ومنبر کی غالب اکثریت کا یہ اندازِ تبلیغ وتحریر مولیٰ علی کَرَمَ اللّٰهُ وَجهَهُ الْاَنْوَر کے فرمان ''کَلِمَةُ الْحَقِّ اُرِیْدَ بِهَا الْبَاطِل'' کا منظر پیش کر رہا ہے۔

خلاصۃ الجواب بعد التفصیل:۔ ''اُصولِ تکفیر'' کی اس تحریر میں ہمارے پیش نظر لزومِ کفر والتزامِ کفر کی تفریق بتانا ہے اور اسلامی فقہ سے شناسائی رکھنے والے حضرات سے مخفی نہیں ہے کہ ان دونوں کا تعلق ضرورتِ دینی کے ساتھ ہوتا ہے جبکہ اولیاء اللہ کے لیے لغوی مفہوم میں علم غیب کا ثبوت بطور کرامت ضرورت مذہبی کے قبیل سے ہے ضرورتِ دینی سے نہیں۔ ایسے میں اس تحریر کے اندر اس کے اثبات سے متعلق گفتگو کرنا موضوع بیان سے نکل کر خلط مبحث میں پڑنے کے مترادف ہے جو تقاضا عقل ہے نہ تقاضا انصاف۔ اِس کے علاوہ زمینی حقائق سے سبق لینا بھی ضروری ہے جس کے مطابق اس قسم فروعی مسائل کو عمر بھر مشغلہ بنانے والے حضرات وسعت علم کی روشنی سے ہمیشہ محروم رہتے ہیں۔ جعلی پیروں کی بطور کرامت پھیلائی ہوئی من گھڑت باتوں کو حقیقت سمجھنے کے مغالطہ سے نکل نہیں پاتے ہیں اور حقیقی بزرگان دین وسچے اولیاء اللہ کی صحبت سے محروم رہتے ہیں اور جس اِتباع نبوی ﷺ کی بدولت

Marfat.com

لغوی مفہوم میں علم غیب کا یہ عطیہ سچے اولیاء اللہ کو نصیب ہوتا ہے یا علم وعمل کی جس پختگی و اخلاص کی برکت سے علم غیب کے الہام والقاء اور حدس وفراست وبصیرت پر یہ نفوس قدسیہ فائز ہوتے ہیں۔اس جوہرِ کمال کا نام ونشان بھی ان چالاک وہوشیار فراڈیوں میں نہ ہونے کے باوجود یہ اُن کے گن گانے سے نہیں تھکتے ہیں، سچوں کی کرامات ان پر چسپاں کرنے کے جرم سے باز نہیں آتے ہیں اور اصل ونقل کی تفریق کرنے کا احساس نہیں رکھتے ہیں۔ایسے میں اپنے کوتاہ ذہن سے بالاتر کسی تحریر کو مشکوک نظروں سے دیکھنا اس طبقہ کی مجبوری ہوتی ہے لیکن اہل تحقیق اسکی پرواہ نہیں کرتے ہیں۔

طبقۂ مفسرین کے علاوہ فقہاء کرام کی عبارات میں بھی ہماری اِس تحقیق کا ماخذ و بنیاد پائی جاتی ہے۔مثال کے طور پر حضرت امام الفقہاء ابن عابدین نوّرَاللّٰہُ مَرْقَدَہُ الشَّرِیْفَ نے اِس مسئلہ کی تحقیق کا حق ادا کرنے کے بعد خلاصۃ الکلام کے طور پر لکھا ہے:

''وَحَاصِلُہُ اَنَّ اللّٰہَ سُبْحَانَہُ وَتَعَالٰی مُتَفَرِّدٌ بِعِلْمِ الْغَیْبِ الْمُطْلَقِ الْمُتَعَلِّقِ بِجَمِیْعِ الْمَعْلُوْمَاتِ وَاَنَّہُ یُطْلِعُ رُسُلَہُ عَلٰی بَعْضِ غُیُوْبِہِ الْمُتَعَلِّقَۃِ اِطْلَاعاً جَلِیًّا وَاضِحاً لَا شَکَّ فِیْہِ بِالْوَحْیِ الصَّرِیْحِ''(۱)

اِس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ علم غیب کے اُس مفہوم کے ساتھ تنہا متصف ہے جو علم غیب المطلق ہے تمام معلومات کے ساتھ متعلق ہے اور یہ بات بھی یقینی امر ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کو بھی اپنے بعض غیوب پر مطلع فرماتا ہے جو اس کی رسالت کے ساتھ متعلق ہیں، یہ اطلاع جو صریح وحی کے ذریعہ سے ہوتی ہے اتنی واضح وجلی ہے کہ اس میں ذرہ برابر شک کی گنجائش نہیں ہوتی۔

حضرت ابن عابدین نوّرَاللّٰہُ مَرْقَدَہُ الشَّرِیْفَ کی اس عبارت میں چار باتیں نمایاں ہیں، جن میں سے:

---

(۱) رسائل ابن عابدین، ج2، ص314، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور۔

Marfat.com

اوّل:۔ جس علم غیب کو انہوں نے اللہ تعالیٰ کی صفت مختصہ کہا ہے اس کے متعلق علم الغیب المطلق کا لفظ استعمال کیا ہے۔ معقولات کے ساتھ شغف رکھنے والے حضرات جانتے ہیں کہ ''الشئی المطلق'' کے اندر بمقابلہ ''مطلق الشئی'' کے کس حد تک شیوع و عموم ہوتا ہے کہ اس میں موجبہ کلیہ کے سوا کوئی اور قضیہ جائز ہی نہیں ہوتا جبکہ مطلق الشئی میں موجبہ جزئیہ وسالبہ جزئیہ دونوں جائز ہو سکتے ہیں۔ ایسے میں علم الغیب المطلق کو اللہ تعالیٰ کی صفت مختصہ کہنے کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ یہ علم غیب کا وہ شرعی مفہوم ہے جس میں ہر اعتبار سے شیوع ہی شیوع اور عموم ہی عموم ہے، جس میں ٹھہراؤ وانقطاع نہیں ہے، جس کی بدایت ونہایت نہیں ہے اور کسی قید و بند میں منحصر و محدود نہیں ہے۔ اہل انصاف جانتے ہیں کہ ہم نے بھی علم غیب کا جو شرعی مفہوم بتایا ہے وہ بھی اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

ضروری وضاحت:۔ اَسلاف کے کلام میں یہاں پر العلم المطلق یا علم غیب مطلق یا علم الغیب المطلق کے جو الفاظ آئے ہیں، اِس سے کسی صاحبِ علم کا ذہن الشئی المطلق کے اس مفہوم کی طرف نہ جانا چاہیے جو میر زاہد ملا جلال یا میر زاہد امور عامہ وغیرہ کتب درسیہ میں حضرت میر زاہد نَوَّرَاللّٰہُ مَرْقَدَہُ الشَّرِیْف سے منقول ہے۔ جس کا وجود کسی بھی فرد کے وجود سے ہو سکتا ہے اور عدم وجود کے لیے اس کے تمام افراد کا معدوم ہونا ضروری ہے (حَاشَا وَ کَلَّا) یہاں پر ہرگز ایسا نہیں ہے بلکہ اسلاف کی ان عبارات میں اطلاق کا مفہوم عموم وشیوع کے سوا اور کچھ نہیں ہے جس میں قضیہ جزئیہ ایجاباً ممکن ہے نہ سلباً بلکہ کلیت ہی کلیت ہے۔ یہ وضاحت اِس لیے کی جا رہی ہے کہ درس نظامی پڑھنے اور پڑھانے میں محدود رہنے والے حضرات کی رسائی فہم درسی کتابوں میں مذکور اقوال سے متجاوز نہیں ہوتی جبکہ الشئی المطلق کا میر زاہد نَوَّرَاللّٰہُ مَرْقَدَہُ الشَّرِیْف سے منقول حکم ہر مسئلہ اور ہر مقام کے لیے نہیں ہے بلکہ بجائے خود محل نظر ہے، جیسے آگے چل کر اس پر روشنی ڈالی جائے گی۔

Marfat.com

دوسری:۔ اُنہوں نے جس علم غیب کو اللہ تعالیٰ کی صفت مختصہ کہا ہے اس کو کل معلومات کے ساتھ متعلق کہا ہے تو ظاہر ہے کہ جو علم کل معلومات کے ساتھ متعلق ہوتا ہے وہ ہر اعتبار سے غیر متناہی ہوتا ہے جس کو ازلی وابدی کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے لیے ناممکن ومحال ہے چاہے ملک مقرب یا نبی مرسل جیسے ماوراء العقل عظمتوں کی حامل ہستیاں ہی کیوں نہ ہوں۔ یہ بھی وہی چیز ہے جس کو ہم نے علم غیب کا شرعی مفہوم کہا ہے، الفاظ اور اندازِ بیان یا اِجمال وتفصیل کی تفریق کے علاوہ دونوں کی حقیقت میں کوئی فرق نہیں ہے۔

تیسری:۔ اُنہوں نے یہ کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بعض غیوب پر ذوات قدسیہ انبیاء و مرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کے مطلع کیے جانے کو امر یقینی قرار دیا ہے جو علم غیب کے لغوی مفہوم کے سوا اور کوئی شے نہیں ہے اور اہل علم پر یہ بھی عیاں ہے کہ علم غیب کا لغوی مفہوم اس کے شرعی مفہوم سے چونکہ عام مطلقاً ہے جو اس کے بغیر بھی پایا جا سکتا ہے۔ جس کی طویل فہرست ذوات قدسیہ انبیاء و مرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کا منجانب اللہ بعض غیوب پر مطلع کیے جانے سے لے کر خوابوں کی تعبیر تک گزشتہ صفحات میں ہم بیان کر آئے ہیں جو سب کے سب مخصوص اسباب کے مربوط اور مختلف دلائل وعلل کے مدلولات ومعلولات ہیں، جن میں سے حضرت ابن عابدین نے اس عبارت میں صرف ایک پر اکتفا کیا ہے جو انبیاء و مرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کا منجانب اللہ غیب پر مطلع کیا جانا یا انہیں وحی کیا جانا ہے۔ انصاف کی نظر سے دیکھنے والے یہاں پر بھی سمجھ سکتے ہیں کہ مختلف اسباب کے ساتھ مربوط اس قسم کے جتنے بھی علوم غیبیہ ہیں یہ علم غیب کے لغوی مفہوم کے ماتحت آنے والے مختلف انواع واقسام ہیں جن کو علم غیب کا شرعی مفہوم کہا جا سکتا ہے نہ اللہ تعالیٰ کی صفت کہنا جائز ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی جو صفتِ علم ہے وہ اس کی دوسری صفات کی طرح ہی اسباب وعلل سے ماوراء ہے، دلیل کی محتاج نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کی صفت تکوین کے ماتحت مجعول ومربوط بالاسباب ہرگز نہیں ہے۔

Marfat.com

چوتھی:۔ انبیاء و مرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کو اطلاع اور وحی کے سبب کے ساتھ مربوط علم غیب کا بعض چیزوں پر حاصل ہونا اتنا واضح اور صریح ہے کہ کسی قسم کے شک وشبہ کی اس میں گنجائش نہیں ہے۔ یہ بھی ہماری اس تحقیق کے عین مطابق ہے کہ علم غیب کے لغوی مفہوم کی فہرست میں شامل اولین قسم یعنی منجانب اللہ وحی واطلاع کے سبب کے ساتھ مربوط علم غیب پر عقیدہ رکھنا ایسے ہی ضروریاتِ دین کے زمرہ میں ہے۔ جیسے علم غیب کے شرعی مفہوم کا اللہ تعالیٰ کے لیے صفت مختصہ ہونے کا اسلامی عقیدہ کیوں کہ یہ دونوں عقیدے اتنے واضح اور اتنے صریح ہیں کہ اسلام کے آغاز سے لے کر اب تک تاریخ کے ہر دور میں کل مکاتب فکر اہل اسلام ان کو اسلام کا حصہ سمجھتے آئے ہیں۔ اور ان کو اسلامی حکم ثابت کرنے کے لیے دلیل تلاش کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی جاتی۔ یہ جدا مسئلہ ہے کہ مخصوص اشتباہ کی بناء پر پہلے کو دوسرے کے مقابلہ میں مشکوک بنا دیا گیا ہے۔ جس پر رد کرتے ہوئے حضرت ابن عابدین نے مذکورہ عبارت میں اس کو دوسرے کی طرح ہی واضح اور صریح کہہ کر اس کی تکذیب کرنے والے کے واجب التکفیر ہونے کی طرف اشارہ کر دیا۔ جیسے اللہ تعالیٰ کے علم غیب کی تکذیب کرنے والے کی تکفیر واجب ہوتی ہے کیوں کہ ضرورتِ دینی ہونے میں دونوں یکساں ہیں۔

2 ماضی قریب میں برصغیر پاک وہند کے سب سے زیادہ فقہ شناس اور سب سے بڑے قابل اعتماد مفتی اسلام الشاہ امام احمد رضا خان نے لکھا ہے؛

''یہ بے شک حق ہے کہ انبیاء غیب اسی قدر جانتے ہیں جتنا ان کو ان کے رب نے بتایا۔ بلا شبہ بے اس کے بتائے کوئی نہیں جان سکتا اور یہ بھی حق ہے کہ احیاناً بتایا گیا کہ وحی حیناً بعد حینٍ ہی اترتی نہ کہ وقت بعثت سے وقت وفات تک ہر آن علی الاتصال''۔ (۲)

دوسرے مقام پر لکھا ہے: ''علم غیب ذاتی کہ اپنی ذات سے بے کسی کے دیئے ہوئے اللہ

---

(۱) فتاویٰ رضویہ، ج29، ص409، مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن لاہور۔

Marfat.com

عزوجل کے لیے خاص ہے۔"

تیسرے مقام پر فرمایا؛

"اور اللہ کے بتائے سے انبیاء کو معلوم ہونا ضرورت دین سے ہے"(۱)

اپنی ایک اور تصنیف میں لکھا ہے؛"اللہ عزوجل ہی عالم بالذات ہے بے اس کے بتائے ایک حرف کوئی نہیں جان سکتا۔ رسول اللہ ﷺ اور دیگر انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو اللہ عزوجل نے اپنے بعض غیوب کا علم دیا ہے۔"(۲)

ایک اور مقام پر لکھا ہے؛

"علم جبکہ مطلق بولا جائے خصوصاً جب کہ غیب کی طرف مضاف ہو تو اس سے مراد علم ذاتی ہوتا ہے اس کی تشریح حاشیہ کشاف پر میر سید رَحْمَةُاللّٰهِ تَعَالٰی عَلَیْهِ نے کردی ہے، اور یہ یقیناً حق ہے کوئی شخص کسی مخلوق کیلئے ایک ذرہ کا بھی علم ذاتی مانے یقیناً کافر ہے۔"(۳)

الدولۃ المکیہ بالمادۃ الغیبیہ جو اسی موضوع کے ساتھ مختص تحریر ہے کے اندر علم کلام اور اصول دین کی روشنی میں اس مسئلہ کی وقیع تحقیق پیش کرنے کے بعد خلاصۃ الکلام بعد التفصیل کے طور پر لکھا ہے؛

" فَثَبَتَ اَنَّ الْعِلْمَ الَّذِیْ یَسْتَاهِلُ الْاِخْتِصَاصَ بِهٖ تَعَالٰی لَیْسَ اِلَّا الْعِلْمَ الذَّاتِیَّ، وَالْعِلْمَ الْمُطْلَقَ التَّفْصِیْلِیَّ الْمُحِیْطَ بِجَمِیْعِ الْمَعْلُوْمَاتِ الْاِلٰهِیَّةِ بِالْاِسْتِغْرَاقِ الْحَقِیْقِیِّ"(۴)

---

(۱) فتاویٰ رضویہ، ج29، صف92، مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن لاہور۔

(۲) خالص الاعتقاد، ص6، مطبوعہ نوری کتب خانہ لاہور۔

(۳) الملفوظات، ج3، ص46، مطبوعہ نوری کتب خانہ لاہور۔

(٤) الدولتہ المکیہ بالمادۃ الغیبیہ، ص46۔

Marfat.com

جس کا مفہوم یہ ہے کہ پس ثابت ہوا کہ جو علم اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہونے کے قابل ہے وہ صرف وہی ہے جو ذاتی ہے یعنی اس کی ذات کے تقاضا سے ہے کسی اور سبب سے نہیں ہے۔ نیز العلم المطلق التفصیلی ہے جو حقیقی استغراق کے طور پر اللہ تعالیٰ کے تمام معلومات کو محیط ہے۔ العلم المطلق ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ایسے عموم وشیوع کا حامل ہے جس میں ایجاب کلی کے سوا کسی اور قضیہ کا امکان ہی نہیں ہے جبکہ ذوات قدسیہ انبیاء ومرسلین کا علم ایسا ہرگز نہیں بلکہ مطلق العلم ہے جس میں موجبہ جزئیہ اور سالبہ جزئیہ دونوں صادق آسکتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے لیے محال و ناممکن اور غیر اللہ کے لیے ممکن ہے۔ تفصیلی کا مطلب یہ کہ اس کا ہر ایک متعلق ومعلوم ہر اعتبار سے جملہ ماعدا سے ایسا ممتاز ونکھرا ہوا ہے کہ جس میں کسی قسم کا خفا ممکن نہیں ہے۔ المحیط بجمیع معلومات اللہ کا مطلب یہ ہے کہ ہر ہر آن ولحظہ میں ایک ایک معلوم اور اس کے متعلقہ جملہ جہات وحیثیات غیر متناہیہ پر مشتمل ہے جو غیر متناہی در غیر متناہی بالفعل فی علم اللہ ہیں اور حقیقی استغراق کا مطلب یہ ہے کہ یہاں پر استغراق عرفی یا ادِّعائی کا امکان نہیں ہے بلکہ واقعیت پر مبنی ہے۔

اس کے چند سطر بعد لکھا ہے:

''وَقَدْ تَبَيَّنَ لَکَ اَنَّ کُلَّ مَاذَکَرْنَا اٰنِفاً ثَابِتٌ مِنَ الدِّيْنِ ضَرُوْرَةً بِحَيْثُ اَنَّ مَنْ اَنْکَرَ شَيْئاً مِنْهُ فَقَدْ اَنْکَرَ الدِّيْنَ وَفَارَقَ جَمَاعَةَ الْمُسْلِمِيْنَ''(۱)

جس کا مفہوم یہ ہے کہ ہمارے سابقہ بیان سے واضح ہوا کہ یہ سب ضرورت دینی کے طور پر ثابت ہے کہ جس نے بھی اسکے کسی حصہ کا انکار کیا تو دین سے منحرف ہوا اور جماعت المسلمین سے جدا ہوا۔

مذہبی عصبیت سے آزاد ذہن سے ان تصریحات پر غور کرنے والے انسان کو ان میں اور ہماری

(۱) الدولته المکیة بالمادة الغیبیه، ص 47۔

Marfat.com

تحقیق میں انداز کلام کے سوا اور کوئی فرق نظر نہیں آئے گا۔ کیوں کہ حضرت ابن عابدین اور امام احمد رضا خان نَوَّرَاللّٰہُ مَرْقَدَھُمَا نے مصدر کے اعتبار سے علم ذاتی کو اور متعلق کے اعتبار سے علم الغیب المطلق المحیط کو اور کل معلومات و غیوب کو استغراق حقیقی کے طور پر شامل جس لا متناہی علم کو اللہ تعالیٰ کی صفت مختصہ قرار دیا ہے اس کا لغت و محاورہ کی زبان میں کوئی وجود ہی نہیں ہے، مسبب الاسباب وحدہ لاشریک کے کارخانہ قدرت کے اِس پورے نظامِ اَسباب میں کہیں نظر ہی نہیں آ رہا اور کسی سبب کے ساتھ مربوط مسبب ہونے، کسی علت کے ساتھ مربوط معلول ہونے یا کسی دلیل کے مدلول ہونے کی کوئی پہچان ہی نہیں ہے۔ ایسے میں اس کو علم غیب کا شرعی مفہوم اور شریعت مقدسہ کی مخصوص زبان نہ کہے تو اور کیا کہے؟ لغت و محاورہ میں استعمال ہونے والے جملہ علوم کے مفاہیم ثلاثہ یعنی علم الشہادۃ، علم الغیب اور علم استدلالی سے ماوراء اس علم کی حقیقت جدا ہونے کا فطری تقاضا بھی یہی ہے کہ اس کا عنوان و پہچان بھی ان تینوں سے جدا ہو، وہ وہی ہے جس کو ہم نے علم غیب کے شرعی مفہوم سے تعبیر کیا ہے۔

☆☆☆☆☆☆

Marfat.com

علمِ غیب کا شرعی مفہوم اور متکلمینِ اسلام

مفسرین کرام اور فقہاء اسلام کی نظر میں علم غیب کے شرعی مفہوم کا اللہ تعالیٰ کی صفت مختصہ ہونے کی اِن تصریحات کے علاوہ متکلمین اسلام کے ذخیرہ کتب سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے۔شرح عقائد میں ہے:

''وَبِالْجُمْلَةِ الْعِلْمُ بِالْغَيْبِ اَمْرٌ تَفَرَّدَ بِهِ اللّٰهُ تَعَالٰى لَا سَبِيْلَ لِلْعِبَادِ اِلَيْهِ اِلَّا بِاِعْلَامٍ مِنْهُ تَعَالٰى اَوْ اِلْهَامٍ بِطَرِيْقِ الْمُعْجِزَةِ اَوِ الْكَرَامَةِ اَوْ اِرْشَادٍ اِلَى الْاِسْتِدْلَالِ بِالْاَمَارَاتِ فِيْمَا يُمْكِنُ ذَالِكَ فِيْهِ''(۱)

اِس کا مفہوم یہ ہے کہ حاصل کلام یہ کہ علم غیب صرف اللہ تعالیٰ کی صفت مختصہ ہے بندوں کے لیے اس کو جاننے کی سوائے اس کے اور کوئی سبیل نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کا اظہار کرے۔جیسے معجزہ کے طور پر نبی کے لیے ہوتا ہے یا الہام کرے جیسے کرامت کے طور پر اولیاء اللہ کے لیے ہوتا ہے یا اسباب وعلامات سے استدلال کرنے کی توفیق دے۔جیسے فی الجملہ غیب کو جاننے کے لیے ممکنہ سبھی صورتوں میں ہوتا ہے۔

مذہبی عصبیت کی تقلیدِ جامد سے پاک دل ودماغ سے دیکھا جائے تو ہماری مذکورہ تحقیق کو شرح عقائد کی اس مختصر عبارت کی شرح وتوضیح قرار دیئے بغیر نہیں رہا جا سکتا کیوں کہ اس میں علم غیب کو اللہ تعالیٰ کی صفت مختصہ قرار دینے کے بعد مخلوق کے لیے اس کی کچھ جھلک پانے کی تین صورتیں بیان کی ہیں؛

اوّل:۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اظہار واعلام ہو۔ **دوم:۔** الہام ہو۔

---

(۱) شرح عقائد،ص206، مع جامع التقاریر، مطبوعہ مصر۔

Marfat.com

سوم:۔ فی الجملہ غیب کو جاننے کے لیے منجانب اللہ مقررہ اسباب وعلامات سے استدلال کی توفیق ہو۔

ان میں سے اوّل کو نبی کے لیے معجزہ کہا۔ دوم کو اولیاء اللہ کے لیے کرامت کہا جبکہ سوم کو ممکنہ سَبَبی صورتوں کے ساتھ مختص قرار دیا۔

جس کی تفصیل وتجزیہ کر کے دیکھنے سے نجوم شناسی سے لے کر کہانت تک بتائی ہوئی جوخبریں درست واقع ہوتی ہیں۔ اور نہ ہی ایک فیصد درست ہونے کا اتا پتا تو حدیث نبوی ﷺ سے بھی مفہوم ہو رہا ہے۔ شرح عقائد کی اس عبارت پر غور کرنیوالے اہل انصاف یہ بھی جانتے ہیں کہ ''اِلَّا بِاِعْلَامٍ مِنْهُ تَعَالٰی'' سے لیکر ''فِیمَا یُمْکِنُ ذَالِکَ فِیهِ'' تک یہ تینوں ذرائع علم غیب کے اُس مفہوم کے مقابلہ میں ذکر کیے گئے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔

اہلِ انصاف یہ بھی جانتے ہیں کہ جیسے اللہ تعالیٰ کی ذات ہر سبب وعلت سے ماوراء ہے ویسے ہی اُس کی صفت علم بھی کسی سبب کے ساتھ مربوط یا کسی دلیل کے مدلول اور کسی علت کے معلول ہونے سے ماوراء ہے۔ علم غیب کو اللہ تعالیٰ کی صفت مختصہ کہنے کا مقصد اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ یہ تخصیصی مفہوم صرف شریعت کی زبان میں ہے، قرآن وسنت کے جن نصوص میں علم غیب کو اللہ تعالیٰ کی صفت مختصہ بتایا گیا ہے اُس سے مراد یہی شرعی مفہوم ہے۔ جس کے لوازمات میں صُدُور کے اعتبار سے ذاتیت یعنی مقتضائے ذات اور غیر مستفاد عن الغیر ہونا ہے، متعلق کے اعتبار سے ازلیت وابدیت یعنی لا بدایت ولانہایت اور غیر متناہی ہونا شامل ہیں جبکہ اس کے مقابلہ میں مذکورہ تینوں ذرائع اللہ تعالیٰ کی اِس خصوصی صفت کے کچھ عکوس و جھلکیوں کے پانے کے مختلف اسباب ہیں، جن میں سے؛

اوّل الذکر یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعلام کی مخصوص صورتیں وحی، اظہار واطلاع اور تعلیم اللہ جیسے مخصوص اسباب کی شکل میں ذوات قدسیہ انبیاء ومرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کے حق میں علم غیب کے اسباب ہیں جس میں ان مقدس ہستیوں کے ساتھ کسی اور کے شریک ہونے کا

Marfat.com

امکان نہیں ہے۔

ثانی الذکر یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہام اولیاء اللہ کے حق میں علم غیب کو پانے کے لیے مخصوص سبب ہے۔ جس میں غیر اولیاء اللہ کا ان کے ساتھ شریک ہونے کا امکان نہیں ہے۔

ثالث الذکر یعنی علامات واسباب سے استدلال کرنے کے مختلف انداز عام لوگوں کے لیے اسباب علم ہیں۔ چاہے خبر صادق کی شکل میں ہو یا سبب و مسبب کے باہمی ارتباط کی شکل میں۔ بہر تقدیر اس تیسرے سبب کے عموم میں تنجیم، کہانت، سحر، خواب، تعبیر خواب، طبائع شناسی، قیافہ شناسی، حدس، تجربہ، فراست، مخصوص ریاضت وعملیات، مخصوص چلہ کشی یا مخصوص امراض جیسے درجنوں اسباب شامل ہیں جن پر بطور سبب و مسبب مرتب ہونے والے انکشافات غیبیہ کی صداقت سے علی الاطلاق انکار کرنا حقائق سے منہ چھپانے کے مترادف ہے، زمینی حقائق سے چشم پوشی ہے اور اللہ تعالیٰ کے نظام مشیت کے مطابق مقررہ اسبابِ تکوین سے انحراف ہے۔ انکشافات غیبیہ کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نظامِ تکوین کے مطابق مقررہ اسباب کی یہ فہرست اُن اسباب سے کم ہے جو ابھی تک تقدیر کے راز کے طور پر انسانوں سے پوشیدہ ہیں جو اپنے اپنے اوقات میں ظاہر ہو جائیں گے کیوں کہ ''كُلُّ الْأُمُوْرِ مَرْهُوْنٌ بِاَوْقَاتِهَا'' تقدیر کے ہر راز کے ظاہر ہونے کا وقت ہوتا ہے۔ غیبی انکشافات کے لیے خالق کائنات جل جلالہ کی طرف سے مقررہ ان اسباب میں سے جس کے ذریعہ سے بھی کسی غیب کا انکشاف ہو جائے تو اسے لغوی مفہوم کے اعتبار سے علم غیب کہا جا سکتا ہے جبکہ شرعی مفہوم کے اعتبار سے ہرگز نہیں کہا جا سکتا کیوں کہ یہ حاصل بالاسباب ہے جبکہ علم غیب کا شرعی مفہوم اسباب سے ماوراء ہے۔ نکتہ تفریق کے اس زاویہ نگاہ کی بنیاد پر ذوات قدسیہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کو سبب وحی و اظہار اور اولیاء اللہ کو سبب الہام جیسے عطیہ الٰہی سے حاصل ہونے والے علوم غیبیہ کو بھی محض لغوی مفہوم کے اعتبار سے علم غیب کہنا ممکن ہے ورنہ شرعی مفہوم میں اس کا امکان ہرگز

Marfat.com

نہیں ہے۔ کیوں کہ علم غیب کا شرعی مفہوم کسی سبب کے مسبب ہونے سے ماوراء، کسی دلیل کے مدلول ہونے سے معرّیٰ اور کسی علت کے معلول ہونے سے برعکس ہے۔ جیسے اللہ کے فرمان ''وَ هُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ'' کو نظام شمسی کے اس عجیب کارخانہ قدرت پر بطور برہان لمی بیان کرنے سے ظاہر ہو رہا ہے۔

شرح عقائد پڑھنے اور پڑھانے والوں کی خصوصی توجہ کے لیے:۔

العقائد کی مذکورہ عبارت یعنی ''وَبِالْجُمْلَةِ الْعِلْمُ بِالْغَيْبِ اَمْرٌ تَفَرَّدَ بِهِ اللّٰهُ تَعَالٰى لَا سَبِيْلَ لِلْعِبَادِ اِلَيْهِ اِلَّا بِاِعْلَامٍ مِنْهُ تَعَالٰى اَوْ اِلْهَامٍ بَطَرِيْقِ الْمُعْجِزَةِ اَوِ الْكَرَامَةِ اَوْ اِرْشَادٍ اِلَى الْاِسْتِدْلَالِ بِالْاَمَارَاتِ فِيْمَا يُمْكِنُ ذَالِكَ فِيْهِ'' علم کی خاص قسم یعنی علم غیب سے متعلق ہے جبکہ العقائد کے شروع میں جو کہا ہے ''وَاَسْبَابُ الْعِلْمِ لِلْخَلْقِ ثَلَاثَةٌ اَلْحَوَاسُ السَّلِيْمَةُ وَالْخَبَرُ الصَّادِقُ وَ الْعَقْلُ'' یہ مطلق علم کے اسباب سے متعلق ہے۔

اہل علم جانتے ہیں کہ مقید کا وجود مطلق کے بغیر ناممکن ہے لہذا کسی بھی مخلوق کا علم چاہے شہادت کا ہو یا غیب کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقررہ اسباب کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ یہاں پر العقائد کے ان دو مقامات کو ملا کر پڑھنے یا بیک وقت دونوں کو پیش نظر رکھنے میں شرح عقائد پڑھنے اور پڑھانے والے حضرات کو خصوصی رہنمائی مل سکتی ہے۔

جس کا خلاصہ اس طرح ہے کہ علم وفہم کی صلاحیت والی خلائق کے مطلق علم کے لیے انکے مختلف طبقات کی خصوصیت سے قطع نظر بنیادی اسباب یہی تین چیزیں ہیں۔ جن میں سے حواس خمسہ محسوسات کے ظاہری احوال وکیفیات اور آثار وامتیازات کو جاننے کے اسباب ہیں کہ ان کے بغیر کسی بھی محسوس چیز سے متعلق کسی بھی اعتبار سے علم حاصل نہیں ہوسکتا جبکہ خبر صادق اور عقل بواسطہ حواس محسوسات ومشاہدات کے ظاہری احوال کے علم کے لیے سبب ہونے کے ساتھ معنویات ومعقولات سے لیکر مشاہدات کے پوشیدہ رموز واسرار اور اُمور غیبیہ کے علم کے

Marfat.com

لیے بھی اسباب ہیں جس کے بغیر استدلالی علم کا وجود ممکن نہیں ہے۔ گویا العقائد اور شرح عقائد کے اس پہلے مقام میں جو اسباب علم بیان ہوئے ہیں، اس میں دو طرح کے عموم و اطلاق ہے۔

ایک:۔ متعلقِ علم کے اعتبار سے کہ ان اسباب کے مسبب علم میں کوئی قید و تخصیص نہیں ہے بلکہ یہ علم شہادۃ و علم غیب دونوں کو شامل ہے اور علم بدیہی و علم استدلالی دونوں اسکے افراد ہیں۔

دوسرا:۔ حامل علم کے اعتبار سے کہ اہل علم کے مختلف طبقات کی خصوصیات سے قطع نظر ہے۔ جبکہ دوسرے مقام کی مذکورہ عبارت میں تخصیص ہی تخصیص ہے کہ اس کا تعلق صرف اور صرف علم غیب سے ہے علم شہادت سے نہیں نیز یہ کہ علم غیب کے حاملین کے مختلف طبقات کی بھی تخصیص ہے۔ جس کے مطابق اعلام منجانب اللہ کی وحی، اظہار، اطلاع اور تعلیم اللہ والی یہ تمام صورتیں صرف ذوات قدسیہ انبیاء و مرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کے علم غیب کے اسباب ہیں جن میں کسی اور کا ان کے ساتھ شریک ہونے کا امکان نہیں ہے۔ اسی طرح الہام صرف اولیاء اللہ کی ذوات قدسیہ کے علم غیب کے ساتھ مختص سبب ہے جس میں اولیاء اللہ کے ماسوا کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ جبکہ تیسرا سبب یعنی ''اَوْ اِرْشَادِ اِلَی الْاِسْتِدْلَالِ بِالْاَ مَارَاتِ فِیْمَا یُمْکِنُ ذَالِکَ فِیْہِ '' کا جو مدلول ہے یہ خبر صادق اور عقل کے عمومی اسباب سے لے کر ہر صاحب کمال و ہنر کے اندر موجود ان تمام خصوصی اسباب کو شامل ہے جس کی مختصر فہرست گزشتہ صفحات میں ہم بیان کر آئے ہیں۔ ان سب میں چونکہ غیبی انکشافات پر اسباب و علامات اور دلائل و علل سے کسی انداز کا استدلال ضرور ہوتا ہے جس کو پیش نظر رکھ کر اسے علم استدلالی کہا گیا ہے اور اسباب و مسبب کے اس ارتباطی نظام کا خالق چونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں ہے۔ جس وجہ سے اس کو ''اَوْ اِرْشَادِ اِلَی الْاِسْتِدْلَال '' کہہ کر اللہ تعالیٰ کی رہنمائی اور اس کی طرف سے مقررہ نظام اسباب کا حصہ قرار دیا گیا ہے، جو خلائق کے لیے لغوی مفہوم میں علم غیب کے حوالہ سے دنیا کے معروضی حالات کے مطابق ہونے کے ساتھ عالَم اسباب کے

Marfat.com

فطری تقاضوں کے بھی مطابق ہے۔ العقائد اور شرح عقائد کے ان دونوں مقامات کو ملا کر پڑھنے میں جہاں شرح عقائد پڑھنے اور پڑھانیوالے حضرات کو خصوصی رہنمائی میسر ہوسکتی ہے وہاں علم غیب کا مسئلہ بھی اپنے تمام زاویوں کے ساتھ بے غبار ہوجاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہر علم علی الاطلاق جملہ اسباب سے ماوراء ہے لہٰذا اس کا علم غیب بھی جملہ اسباب سے ماوراء ہونے کی بنا پر اسی کی صفت مختصہ ہے جس کا کوئی حصہ کسی بھی وقت اسباب کے حصار میں محصور کسی بھی غیر اللہ کے لیے ممکن نہیں ہوسکتا چاہے ملک مقرب و نبی مرسل ہی کیوں نہ ہو۔ جبکہ مخلوق میں ذوات قدسیہ انبیاء و مرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کو اپنی اس صفت مختصہ کے کچھ عکوس وجھلکیوں سے نوازنے کے لیے وحی، اطلاع، اظہار اور تعلیم جیسے اِعلام کا خصوصی سبب مقرر کیا ہے اور اولیاء اللہ کو نوازنے کے لیے الہام کا مخصوص سبب جاری کیا ہوا ہے اور ان کے ماسوا دوسرے اصحاب کمال وہنر کے لیے انکے مناسب حال اسباب کا جال بچھایا ہوا ہے جنکا مظہر اتم عقل کے سوا اور کوئی شے نہیں ہے کہ استدلالی علم کی صورت میں سب کی تمیز کرنے کا شرف اسی کو حاصل ہے۔ شرح عقائد کے ان دونوں مقامات کو پیش نظر رکھنے والے کس شخص کو مطلق علم غیب کے لغوی مفہوم کا خاصۃ العباد اور شرعی مفہوم کا خاصۃ اللہ ہونے میں شک ہوسکتا ہے، حَاشَا وَ کَلَّا) ایسا ہرگز نہیں ہے۔ (فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ اَوَّلاً وَ آخِرً ظَاهِراً وَبَاطِناً)

ہماری اِس تحقیق کی بنیاد المواقف اور شرح مواقف میں بھی موجود ہے، مواقف میں اس طرح کہ اس میں عضد الملت والدین نے فلاسفہ کی طرف سے نبوت کے لیے اطلاع علی المغیبات کی امتیازی شرط کے ساتھ اختلاف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''اِذِالْاِطِّلَاعُ عَلٰی جَمِیْعِ الْمُغَیَّبَاتِ لَا یَجِبُ لِلنَّبِیِّ اِتِّفَاقاً وَالْبَعْضُ لَا یَخْتَصُّ بِهٖ''(۱)

---

(۱) المواقف، ص 337، مطبوعہ دار الباز مکہ مکرمہ۔

Marfat.com

اس کا مفہوم یہ ہے کہ مغیبات پر اطلاع نبوت کے لیے امتیازی شرط ہونا اِس لیے غلط ہے کہ نبی کے لیے جمیع مغیبات پر مطلع ہونے کا عدم وجوب ہمارے اور تمہارے مابین متفقہ مسئلہ ہے اور بعض پر اطلاع نبی کے ساتھ خاص نہیں ہے تو پھر اطلاع علی المغیبات کا نبوت کے لیے امتیازی شرط ہونے کا مطلب ہی کیا رہا۔

مواقف کی اس عبارت کو نظر انصاف سے دیکھنے والا کوئی شخص بھی اس کا پس منظر علم غیب کے مفہوم لغوی اور مفہوم شرعی کا امتیاز قرار دیئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ علم غیب بمعنی جمیع مغیبات کو جاننا نبی کے لیے واجب نہ ہونے کا فلسفہ اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے لیے واجب اور اس کی صفت مختصہ ہے، جمیع مغیبات کو عدم تناہی اور ازلیت وابدیت اور احاطہ لازم ہونے کی بناء پر نبی کے لیے ممکن ہی نہیں ہے چہ جائیکہ واجب ہو یہی چیز علم غیب کا شرعی مفہوم ہے۔ جس کو امام المتکلمین عضد الملت والدین نے نبی کے لیے غیر ضروری قرار دیا جبکہ اس کے مقابلہ میں بعض مغیبات پر مطلع ہونے کو نبی کے ماسوا اور خلائق کے لیے بھی ممکن تسلیم کر رہے ہیں تو وہ علم غیب کے لُغوی مفہوم کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔ اس کی شرح میں میر السید السند نے بھی ان دونوں حصوں کی ایسی تشریح کی ہے جس سے بعض مغیبات پر مطلع ہونے کا تعلق لغوی مفہوم کے ساتھ ہو کر نبی کے ماسوا دوسری خلائق کے لیے بھی ثابت ہونے اور جمیع مغیبات کا تعلق شرعی مفہوم کے ساتھ ہو کر اللہ تعالیٰ کے ماسوا کسی اور کے لیے ناممکن ہونے کا اشارہ مل رہا ہے۔(۱)

ثمرۃ التفصیل بعد التحقیق:۔ قرآن وسنت کی روشنی میں مفسرین کرام، فقہاء عظام اور متکلمین اسلام کی مذکورہ تصریحات سے مندرجہ ذیل ثمرات ظاہر ہو رہے ہیں؛

➊ علمِ غیب کا شرعی مفہوم الذاتی المحیط لجمیع المغیبات ہے، جو کسی سبب کے مسبب، کسی دلیل

---

(۱) شرح مواقف، ج8، ص243، مطبوعہ بیروت۔

Marfat.com

کے مدلول اور کسی علت کے معلول ہونے سے ماوراء ہے۔

❷ علمِ غیب کا شرعی مفہوم اللہ تعالیٰ کی صفت مختصہ ہونے کی بناء پر غیر اللہ کے لیے ناممکن و محال ہے چاہے ملک مقرب یا نبی مرسل ہی کیوں نہ ہو، اِسی مفہوم کی تعبیر بعض اسلاف نے علم الغیب المطلق سے کی ہے بعض نے العلم المحیط سے، بعض نے علم تفصیلی سے، بعض نے علم غیب ابتدائی اور مستقل سے جبکہ بعض نے کچھ زیادہ اوصاف اسکے ذکر کیے ہیں اور بعض نے اجمال سے کام لے کر ایک دو پر اکتفا کیا ہے بہر حال اس سے اصل حقیقت نہیں بدلتی۔ جس نے جس وصف کے ساتھ بھی اس کا تعارف کرایا ہے۔ مذکورہ شرعی مفہوم کو پیش نظر رکھ کر ہی کیا ہے او راسی کو اللہ تعالیٰ کیلئے صفت مختصہ ہونے کا عقیدہ ظاہر کیا ہے۔ (فَجزَاهُ اللّٰهُ خَيرَ الْجزَاءِ) اور اسی کو ازلیت ابدیت اور عدم تناہی لازم ہے، جس میں کسی قسم کی کمی و بیشی اور تغیر ناممکن و محال ہے اور غیر اللہ سے علم غیب کی نفی سے متعلقہ تمام نصوص کا واحد مصداق ومظہر بھی یہی ہے۔

❸ ذواتِ قدسیہ انبیاء ومرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کے لیے ثابت جس علم غیب عطائی پر اسلامی عقیدہ ضروریاتِ دین کے قبیل سے ہے اس سے لے کر اولیاء اللہ کے لیے علم غیب کے ثبوت کے ساتھ ضرورت مذہبی والا عقیدہ تک اور کچھ خوابوں کے ذریعہ حاصل ہونے والے انکشافات غیبیہ سے لے کر ان تمام ثبوتی واقعات تک جن میں غیر اللہ کے لیے غیبی انکشافات امر واقع ہیں۔ یہ سب کے سب علم غیب کے لغوی مفہوم کے مطابق ہیں ان میں سے کسی ایک کے اندر بھی علم غیب کے شرعی مفہوم کا تصور نہیں ہوسکتا۔ کیوں کہ یہ سب کے سب کسی سبب کے مسبب، کسی دلیل کے مدلول اور کسی علت کے معلول ہونے سے خالی نہیں ہیں جبکہ علم غیب کا شرعی مفہوم ایسا نہیں ہے۔

❹ ذواتِ قدسیہ انبیاء ومرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کو جن مغیبات پر منجانب اللہ مطلع ومظہر کیا جاتا ہے اس میں اعلام اللہ والے سبب کے ماتحت وحی، اظہار، اطلاع اور تعلیم اللہ جیسے جملہ اَسباب ان ہی کے ساتھ مختص ہیں جس میں ان نفوس قدسیہ کے ساتھ کسی اور کے شریک ہونے

Marfat.com

کا امکان نہیں ہے۔ کیوں کہ ان اسباب کے مطابق حاصل ہونے والے علم غیب کا ان پر مرتب ومربوط ہونے کا مدار اہلیت پر ہے۔ جو اللہ کے فرمان ''اَللّٰہُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَہُ'' جیسے نصوص کا واضح مدلول ہے اور اہلیت کا یہ کمال ذواتِ قدسیہ انبیاء ومرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کے ماسوا کسی اور میں نہیں ہے لہٰذا علم غیب کے یہ مخصوص اسباب بھی ان کے سوا کسی اور کے لیے نہیں ہیں۔

❺ اولیاءِ اُمت کو جن علوم غیبیہ کا انکشاف منجانب اللہ الہام کے سبب سے ہوتا ہے۔ یہ سبب بھی ان ہی کے ساتھ مختص ہے کہ اِن سے کم رتبے والوں میں نہیں ہوتا کیوں کہ اس کی اہلیت نبی کی کامل تابعداری اور اُسوۂ حسنہ سید الانام ﷺ کی عملی پیروی کی مرہونِ منت ہے کہ جس ولی اللہ نے اپنی عملی زندگی کو جس شرح تناسب سے اُسوہ حسنہ سید المرسلین ﷺ کے سانچہ میں ڈھالا، جس تناسب سے اپنی قوتِ فکری وعملی کی امانتوں میں امانتداری کا مظاہرہ کیا اور جس حد تک علم وعمل میں اخلاص کا کمال اپنے اندر پیدا کیا اسی شرح تناسب سے اس میں اہلیت پیدا ہوتی ہے اور اسی اہلیت کے مطابق عوالمِ غیبیہ سے متعلقہ الہامات سے نوازے جاتے ہیں۔ اس خصوصی سبب سے متعلق روایت میں آیا ہے؛

''مَن عَمِلَ بِمَا عَلِمَ وَرَثَّہُ اللّٰہُ عِلْمَ مَا لَمْ یَعْلَمْ''(۱)

یعنی جس نیک بخت نے اپنے علم کے مطابق عمل کیا تو اللہ تعالیٰ اسے ان چیزوں کے علم سے بھی نوازتا ہے جن کو پہلے نہیں جانتا تھا۔

اِس کے مطابق فراست، حدس اور نورِ بصیرت جیسے اسباب سے بھی ان پر امورِ غیبیہ کا انکشاف ہو جاتا ہے۔

❻ کسی بھی کمال وہنر کے سبب سے مختلف شعبہ ہائے حیات والوں کو چاہے منجم وکاہن ہی کیوں نہ ہو یا چلہ کشی وریاضت یا بیماری اور خواب ہی کیوں نہ ہو جن مغیبات کا انکشاف ہوتا

---

(۱) خطبات شیخ عبدالقادر جیلانی، الفتح الربانی، ص185۔

Marfat.com

ہے ان میں سے بعض کے اندر انسانی کسب وعمل کو دخل ہوتا ہے جیسے مخصوص عملیات وریاضت اور کہانت وتنجیم جیسے اسباب میں ہوتا ہے جبکہ بعض انسانی کسب وعمل سے ماوراء ہو کر خالصتاً اُمور تکوینیہ کے مظاہر ہوتے ہیں جیسے واقعہ کے مطابق ہونیوالے خوابوں اور مخصوص بیماریوں میں ہوتا ہے۔ الغرض کسی بھی سبب کے نتیجہ میں حاصل ہونے والے علم غیب کو صرف اور صرف لغوی مفہوم کے اعتبار سے علم غیب کہا جاسکتا ہے شرعی مفہوم کے اعتبار سے ہرگز نہیں۔

دارالافتاء کے ذمہ داروں کے لیے حاصل ہونے والا سبق:۔

مفسرین کرام سے لے کر فقہاء عظام اور متکلمین اسلام کی مذکورہ تحقیقات سے جہاں علم غیب کے مختلف مفہومات ومتعدد اقسام معلوم ہو رہے ہیں۔ وہاں مسلم معاشرہ کے مذہبی مسائل میں رہنمائی کرنے والے دارالافتاء کے ذمہ دار حضرات کو بھی احتیاط کا سبق مل رہا ہے کہ جب بھی کسی غیر اللہ کے لیے علم غیب کا اثبات کر کے ''فلان یَعلم الغَیب '' کہنے کا مسئلہ درپیش ہو جائے یا کوئی مدعی اسلام کسی مسئلہ سے متعلق علم غیب کا دعویٰ کرے تو مفتیان کرام کو اس پر فتویٰ کفر جاری کرنے کی بجائے تحقیق کرنا ضروری ہے کہ مسئلہ علم غیب کے کس مفہوم سے متعلق ہے۔ بعد التفتیش اگر سو فیصد یقین ہو جائے کہ یہ علم غیب کے شرعی مفہوم سے متعلق ہے اور کسی کنایہ وتاویل سے ماوراء صریح قول وعمل میں اللہ تعالیٰ کی اس صفت مختصہ کو غیر اللہ کے لیے ثابت کیا جارہا ہے تب التزام کفر کا فتویٰ جاری کرنا ان پر واجب ہو جاتا ہے ورنہ گنہگار ہوں گے اور اگر غیر اللہ کے لیے علم غیب کے اس شرعی مفہوم کو ثابت کرنے والے شخص کے کفر میں شک کی بناء پر فتویٰ جاری کرنے میں تاخیر کر رہے ہوں تو خود ملتزم کفر قرار پائیں گے کیوں کہ اس کا ''مَنْ شَکَّ فِیْ کُفْرِہٖ وَعَذَابِہٖ فَقَدْ کَفَرَ '' کے مشہور اسلامی اُصول کے تحت آنے میں شک نہیں ہے۔ اور بعد التفتیش اگر معلوم ہو جائے کہ مسئلہ علم غیب کے لغوی مفہوم سے متعلق ہے تو پھر اس کی اقسام میں سے کسی خاص قسم کی تعیین سے متعلق تفتیش کرنا بھی

Marfat.com

دارالافتاء کی مسئولیت ہے، خاص قسم معلوم ہو جانے کے بعد اس کے متعلق جوازی فتویٰ کی نوعیت کو ظاہر کرنے کے لیے بھی فقاہت درکار ہے۔

مثال کے طور پر کوئی با عمل عالم دین جس کو علم غیب کے لغوی اور شرعی مفہوم کی پہچان ہے اور باسبب و بے سبب علم کی تفریق ہے اور خاصۃ اللہ وخاصۃ العباد کی تمیز ہے علماء کی محفل میں ''نَبِیُّنَا علیہ السلام یَعلَمُ الغَیبَ'' کہے جس میں اس کو کسی قسم کے مغالطہ لگنے کا اندیشہ ہے نہ اس کے سامعین کو تو اس کے متعلق فتویٰ کی نوعیت محض جوازی ہوگی جس میں نبی اکرم ﷺ کو حاصل ہونیوالے علم غیب کی نوعیت کہ وہ لغوی ہے اور اس کا سبب کہ اللہ تعالیٰ کی عطاء بصورت وحی واظہار یا بصورت اطلاع و تعلیم ہے کو ظاہر کرنا بھی مفتیان کرام کی مسئولیت میں شامل ہے اس کے سوا اور کچھ نہیں اور اگر اس کے برعکس کوئی نمبر دو پیر اپنے جیسے جہلاء کے مجمع میں ایسا کہے جس کو علم غیب کے لغوی و شرعی مفہوم کی پہچان نہیں۔ خاصۃ اللہ وخاصۃ العباد کی تفریق نہیں، باسبب و بے سبب علم کی تمیز نہیں اور ''لِکُلِّ مَقَالٍ مَقَامٌ'' کے فطری اصول کا خیال نہیں، عوامی اجتماع میں ایسا کہہ دے تو اس کے متعلق محض عدم تکفیر کا فتویٰ جاری کرنا مقتضائے فقاہت ہرگز نہیں ہوگا بلکہ عدم تکفیر کے فتویٰ کے ساتھ اس بیباک و غافل کو تنبیہ کرنا بھی ضروری ہوگا کہ نبی اکرم رحمتِ عالم ﷺ کے لیے علم غیب کے حصول کے لیے مخصوص اسباب کو ذکر کیے بغیر علی الاطلاق ایسا کہنا نہ جہلاء کے لیے جائز ہے، نہ جہلاء کے ماحول میں کیوں کہ کسی بات کا جائز ہونا یا ناجائز ہونا شریعت کے مسائل میں شمار ہیں لغت کے نہیں جبکہ شریعت کی زبان میں علم غیب کا مفہوم اللہ تعالیٰ کی صفت خاصہ ہے۔ ایسے میں علم غیب کو علی الاطلاق غیر اللہ کی طرف نسبت کرنے سے ناواقف حال لوگوں کا ذہن اس کے شرعی مفہوم کی طرف جائے گا جو ناجائز ہے۔ جبکہ فقہاء کرام نے بیک آواز ایسے استعمالات کو ناجائز قرار دیا ہے۔ جیسے فتاویٰ ردالمحتار میں ہے: ''مُجَرَّدُ اِیہَامِ المَعنَی المُحَالِ کَافٍ فِی المَنعِ''(۱)

---

(۱) فتاویٰ ردالمحتار، ج5، ص253، مطبوعہ بیروت۔

Marfat.com

جس کا مفہوم یہ ہے کہ کسی کلام کے ناجائز وممنوع ہونے کے لیے اس کا کسی ناجائز کے موہم ہونا ہی کافی ہے۔

فقہاء کرام اسلام کے اس اُصول کو سورۃ بقرہ کی آیت کریمہ ''یَاایُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْالا تَقُوْلُوْا رَاعِنَـا وَقُـوْلُوْا انْظُرْنَا'' کے مضمون سے اور کچھ احادیث نبویہ کے مضمون سے اخذ کیا ہے۔ مثال کے طور پر؛

اللہ کے حبیب ﷺ ایک دفعہ شادی کے موقع پر صحابہ کرام ﷢ کے طبقہ انصار کی کچھ بچیوں کو اپنی تعریف میں ''وَفِیْنَـا نَبِیٌّ یَعْلَمُ مَا فِیْ غَدٍ'' کہتے ہوئے سنا تو منع فرمایا۔ حالانکہ لغوی مفہوم میں اس کا مضمون درست ہے عدم جواز کی کوئی صورت نہیں ہے اس کے باوجود منع فرمانے کا فلسفہ محدثین کرام نے یہ بیان فرمایا ہے کہ نبی کے علم غیب جاننے کے لیے مخصوص اسباب ودلائل کے بغیر مطلقاً ایسا کہنے سے اس کے شرعی مفہوم کا وہمہ ہوسکتا ہے۔

مقامِ عبرت ہے کہ جب علم غیب کے لغوی اور شرعی مفہوم اوران کے جداجدا تقاضوں کی تمیز کرنے والے مفتیان کرام کو اس احتیاطی تفتیش وتمیز کے بغیر کوئی فتویٰ صادر کرنا جائز نہیں ہے تو پھر اس حقیقت سے ناآشنا حضرات کا کہیں بھی غیر اللہ کی طرف علم غیب کی نسبت کو دیکھ کر تکفیری فتویٰ صادر کرنا دارالافتاء کے ساتھ ناانصافی کے ساتھ التباس الحق بالباطل کے ظلم عظیم سے بھی خالی نہیں ہوگا۔ اللہ کے احکام کو کھیل وتماشا بنانے سے مختلف نہیں ہوگا اور فرمان نبوی ﷺ ''فَضَلُّوْا وَ اَضَلُّوْا'' کی وعید وتہدید سے بھی محفوظ نہیں ہوگا۔ (اَعَاذَنَااللّٰهُ مِنْهُ)

☆☆☆☆☆☆

Marfat.com

ایک اہم سوال اور اس کا جواب

علم غیب کے حوالہ سے اس تحقیق کو پڑھنے والے ہر قاری کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ جب علم غیب کا شرعی مفہوم یعنی علم الغیب المطلق التفصیلی المحیط غیر متناہی، ماوراء الاسباب والدلائل اللہ تعالیٰ کی صفت مختصہ قرار پایا۔ تو پھر اس کے متعلقہ کسی ایک چیز کا بھی اس طرح کا علم غیر اللہ کے لیے ناممکن و محال قرار پاتا ہے۔ ایسے میں سورۃ لقمان کی آخری آیت میں صرف پانچ چیزوں سے غیر اللہ کے علم غیب کی نفی کرنے کا کیا فلسفہ ہو سکتا ہے جبکہ بظاہر اس تخصیص کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہو رہی۔

اِس کا جواب دو طرح سے دیا جا سکتا ہے؛

ایک:۔ اِس آیت کریمہ کی مشہور و متداول تفسیر کے مطابق۔

دوسرا:۔ حقیقی تفسیر کی روشنی میں۔

مشہور تفسیر کے مطابق یہ ہے کہ شریعتِ مقدسہ کی زبان میں علم غیب کا مفہوم اللہ تعالیٰ کی صفت مختصہ ہونے کی بناء پر اس کے کسی بھی متعلقہ جزئیہ کا غیر اللہ کے لیے ثبوت ناممکن و محال ہونے کے باوجود خاص طور پر ان پانچ چیزوں کے علم کی غیر اللہ سے نفی کرنے کا فلسفہ یہ ہے کہ قرآن شریف کے نازل ہونے کے زمانہ میں دیار عرب کے اندر نجومی و کاہن اور یہود و نصاریٰ کے غیر معیاری مشائخ جو بنام ربانی و رھبان موجود تھے وہ اپنے اپنے ماحول میں ان چیزوں کے علم کا دعویٰ کر کے ضعیف العقیدہ عوام کو گمراہ کیا کرتے تھے جس کے متعلقہ دورِ جاہلیت کی تاریخ کو دیکھنے سے ایسا ہی نقشہ معلوم ہو رہا ہے جیسے موجودہ دور کے جعلی پیروں کا ضعیف العقیدہ عوام کے ساتھ ہونے والی چالاکی و ہوشیاری۔ لہٰذا ان گمراہوں پر رد کرنے اور عام لوگوں کو ان

Marfat.com

کی دجل کاریوں سے بچانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کا علم اپنی ذات کے ساتھ مختص بتایا۔ جس کے نتیجے میں ان پانچ چیزوں سے متعلق علم کا باطل دعویٰ کرنے والے گمراہوں کے پھندے سے بچنے کی عام لوگوں کو ہدایات ملنے کے ساتھ ایک حقیقت کا انکشاف بھی ہو گیا کہ کسی اور غیب کا علم کسی مخلوق کو ہو یا نہ ہو بہر تقدیر ان پانچ چیزوں کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے لیے ناممکن و محال ہے۔ آیت کریمہ کی مشہور تفسیر کے مطابق تخصیص کا یہ فلسفہ تفسیر کی کچھ کتابوں کے علاوہ ماضی قریب میں برصغیر جنوبی ایشاء کے عظیم مفتی اسلام اور سب سے بڑے قرآن شناس امام احمد رضا خان نَوَّرَاللّٰہُ مَرْقَدَہُ الشَّرِیْف کی ایک چھوٹی سی تحریر ''الصمصام'' میں بھی مختصراً لکھا ہوا موجود ہے۔

جبکہ حقیقی تفسیر کے مطابق اس آیت کریمہ میں قطعاً کوئی تخصیص ہی نہیں ہے بلکہ اس میں شرعی مفہوم کے ساتھ علم غیب المطلق کو ذاتِ باری تعالیٰ کی صفت مختصہ بتانے کے ساتھ لغوی مفہوم میں انسانوں کے لیے ثابت ہونے کا بھی واضح اشارہ موجود ہے۔ نیز عوالم غیبیہ سے متعلق انسانوں کی رسائی فہم کا جو اجمالی تصور ممکن تھا اس کے مطابق کل مفاتح غیب کا ذکر ہے جس سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ مختص علم غیب کا کوئی ایک فرد، ایک حصہ اور ایک ذرّہ بھی خارج نہیں ہے۔ ایسے میں آیت کریمہ کے اندر مغیبات خمسہ کی تخصیص کا کوئی تصور ہی نہیں رہتا چہ جائیکہ اس پر سوال وارد ہو سکے۔ اِس اِجمال کی تفصیل کے لیے سب سے پہلے آیت کریمہ کی جامع تفسیر کو سمجھنے کی ضرورت ہے جس کے لیے مندرجہ تین باتوں کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے؛

1. ہر آیت کریمہ کی عبارت النص ضرور ہوتی ہے یعنی ہر وہ مقصد جس کے لیے آیت کریمہ کو نازل کیا گیا اور بیان کیا گیا ہوتا ہے۔ اس عام اُصول کے مطابق سورۃ لقمان کی اس آخری آیت کریمہ کا بھی کوئی بنیادی مقصد ہونا چاہئے جسکی فہمائش کے لیے اس کو نازل کیا گیا ہے۔ اس حوالہ سے اس کے سیاق وسباق سے جو مفہوم معلوم ہو رہا ہے وہ اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنی احاطہ علمی کی بے مثلیت بتانے کے ساتھ انسانوں کی اپنی ذات کی

Marfat.com

طرف علی الاطلاق احتیاجی بتانے کے لیے نازل فرمایا ہے۔ پہلے وصف الوہیت میں اپنی بے مثلیت اور محتاج الیہ علی الاطلاق ہونے کو بیان کرنے کے ساتھ انسانوں کو اپنے رحم وکرم کی طرف علی الاطلاق محتاج ہونے کو بیان فرمایا اس کے بعد ہر وعدہ میں اپنی سچائی اور وعدہ کی حقانیت بتائی ہے جس کے بعد اس آخری آیت میں صفت علم کو بیان کرنے میں سابقہ روش کیوں ٹوٹے ایسے میں قرآن شریف کی اعلیٰ درجہ بلاغت کا مقتضاء یہی ہونا چاہئے کہ یہاں پر بھی مقصدِ بیان اللہ تعالیٰ کے احاطہ علمی کی بے مثلیت بتانے کے ساتھ اس کی ذات کی طرف انسانوں کی علی الاطلاق محتاجگی بتانا ہو۔

❷ قرآن شریف کی سب سے مقبول اور اعلیٰ تفسیر وہ ہے جو قرآن ہی سے ہو کیوں کہ ''اَلْقُرْآنُ يُفَسِّرُ بَعْضُهُ بَعْضاً'' کے اُصول پر اُمت کا اجماع ہے اس کے بعد دوسرے نمبر پر مرفوع حدیث سے۔

❸ زمینی حقائق کے خلاف یا قرآن شریف کے لسانی قواعد کے برخلاف یا اسلام کے کسی مسلمہ اُصول کے برخلاف کسی تاویل کو درست قرار دینے کی گنجائش اسلام میں ہرگز نہیں ہے چاہے اس کا قائل بڑے سے بڑا عالم دین یا عظیم سے عظیم مجتہد ہی کیوں نہ کہلاتا ہو۔

ان مسلمات کو پیشِ نظر رکھ کر آیت کریمہ ''اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ وَ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَ يَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّا ذَا تَكْسِبُ غَداً وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ بِاَيِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ''(۱) پر غور کرنے سے اس آیت کریمہ کے جدا جدا تین حصے اور تین مضمون معلوم ہو رہے ہیں، جن میں سے؛

اول حصہ ''اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ وَ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَ يَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ'' تک ہے۔ جس میں قیامت کو قائم کرنے کے ساتھ اُس کا علم، بارش نازل کرنے کے ساتھ اُس کا علم اور ما فی الارحام کا نظام قائم کرنے کے ساتھ اُس کا علم شامل ہیں۔

(۱) لقمان،34۔

Marfat.com

دوسرا حصہ اس کے بعد "وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ مَّا ذَا تَکْسِبُ غَدًا وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ" تک ہے۔ جس میں آئندہ کل کے کمائے جانے اور کیے جانے والے عمل سے مخلوق کی قطعی بے علمی بتانے کیساتھ جائے موت سے بھی اس کی مکمل بے علمی بتائی گئی ہے۔

تیسرا حصہ "اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ" ہے جس میں بالترتیب پہلے دونوں مضمونوں کی علت بتائی گئی ہے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ آیت کریمہ کے پہلے حصہ کے اول جز یعنی "اِنَّ اللّٰہَ عِنْدَہٗ عِلْمُ السَّاعَۃِ" میں اُس عالَم غیب کے مفتاح کا ذکر ہے جس کو عالَم آخرت کہا جاتا ہے جس کے مراحل، اقسام، علل واسباب، احوال، کیفیات اتنی وسیع ولامحدود ہیں کہ اس سے پہلے والے عالَم یعنی عالَم دنیا وعالَم برزخ اپنی تمام تر وسعتوں کے باوجود اسکے کسی ایک زاویہ کے بھی برابر نہیں ہوسکتے کیوں کہ یہ متناہی ہیں جبکہ وہ ہر اعتبار سے غیر متناہی ہے تو متناہی کی غیر متناہی کے ساتھ کوئی نسبت ہی نہیں ہے۔ گویا آیت کریمہ کا یہ لفظ "اِنَّ اللّٰہَ عِنْدَہٗ عِلْمُ السَّاعَۃِ" عالَم آخرت کے جملہ مراحل واقسام علل واسباب، احوال وکیفیات کے غیر متناہی جزئیات کو شامل ہے جن میں سے ہر ایک عالَم غیب اور غیب در غیب کے لامتناہی سلسلہ پر مشتمل ہے جبکہ ان سے متعلق علمِ الٰہی حسب الاوقات ان کے منکشف ہونے کیلئے انسانی فہم کے مطابق بمنزلہ مفتاح وچابی اور مفاتح الغیب ہے۔ جبکہ آیت کریمہ کے پہلے حصہ کے دوسرے جز یعنی "وَ یُنَزِّلُ الْغَیْثَ" میں اُس عالَم غیب کے مفتاح کا ذکر ہے جس کو بارش برسانے کا نظام قدرت کہا جاتا ہے۔ جس میں جملہ عالَم اجسام سے لے کر عالَم نباتات، عالَم حیوان کے جملہ اقسام و انواع حشرات الارض سے لیکر چرندے وپرندے تک اور عالَم سفلی کے ذرات سے لیکر عالَم علوی کے ہر صامت وجامد تک سب شامل ہیں کیوں کہ زمین کے ہر صامت وجامد اور ذرات و بخارات کو بارش کے اس نظامِ قدرت میں بڑا دخل ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا؛

Marfat.com

''اَخرَجَ مِنهَا مَآءَ هَا وَمَرعَاهَا''(۱)

اسی طرح فضائی خلائق اور مختلف ہواؤں کو بھی اس میں کافی حد تک دخل ہے۔ جیسے فرمایا:

''وَالمُرسَلٰتِ عُرفًاOفَالعٰصِفٰتِ عَصفًاO وَالنّٰشِرَاتِ نَشرًاO فَالفٰرِقَاتِ فَرقًا''(۲)

نیز فرمایا:''وَفِي السَّمَاءِ رِزقُكُم وَمَا تُوعَدُونَ''(۳)

بارش کا پانی آسمان سے نازل ہوکر اس کی تقسیم کار سے قبل اس کی علت مادی و خام مال اور محرکات و پس منظر کے ان اُمور کے ساتھ نازل ہوجانے کے بعد اس کی تقسیم کار کے لیے خود کار نظامِ قدرت کے تحت اس کے کچھ حصوں کا مخصوص پہاڑوں پر گلیشیر کی شکل میں اور کچھ حصوں کا چشموں اور زیر زمین سٹور کی شکل میں محفوظ ہونے کے مختلف نظامہائے قدرت کا تابع ہونا۔ جس کے متعلق ارشاد فرمایا''وَمَا اَنتُم لَهٗ بِخَازِنِينَ''(۴) پھر یہ بھی ہے کہ رحمت کے اِن خزانوں سے کن اوقات میں، کتنی مقدار، کتنی خلائق کی کن کن ضروریات کو پورا کرتی ہے کتنی مقدار کس حصہ زمین کو سیراب کرتی ہے، نیز ندی نالوں میں اور ہموار زمینوں میں جانیوالا حصہ سے کس قدر زمینوں کی سیرابی ہوتی ہے، اس کے نتیجہ میں زمین سے کتنی پیداوار انسانوں کے لیے اور جانوروں کے لیے حاصل ہوتی ہے، کس کا نتیجہ وانجام کیا ہے اور کس کا کیا ہے، اسکا کون سا حصہ طوفانی سیلاب بن کر کتنی زمینوں، باغوں، فصلوں اور کتنے جانوروں کو بہا کر لے جاتا ہے اور کون کون سے حصے فرمان الٰہی''وَجَعَلنَا مِنَ المَآءِ كُلَّ شَيءٍ حَيٍّ''(۵) کے مظاہر بن جاتے ہیں۔ الغرض بارش برسانے کے لیے اس نظامِ قدرت کا پس

(۱) النازعات، 31۔

(۲) المرسلات، 1تا4۔

(۳) الذاریات، 22۔

(٤) الحجر، 22۔

(٥) الانبیاء، 30۔

Marfat.com

منظر ہو یا پیش منظر اس جہاں کی کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو اس کے ساتھ مربوط نہ ہو، جیسے فرمایا:

''وَاِنْ مِّنْ شَیْئٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَائِنُهٗ وَ مَا نُنَزِّلُهٗ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ''(۱)

گویا ''وَیُنَزِّلُ الْغَیْثَ'' کے اس معجز لفظ میں عالم جمادات سے لے کر عالم نباتات و عالم حیوانات کے عالم در عالم اور ان کے مندرجات کے جملہ مغیبات در مغیبات شامل ہیں۔ جن سے متعلقہ علمِ الٰہی جو اس لفظ میں التزاماً مدلول و مفہوم ہو رہا ہے ان تمام عوالم غیبیہ کے لیے بمنزلہ مفتاح ہے یعنی دوسرا مفتاح الغیب جس کے متعلقات کو سورۃ حجر کی مذکورہ آیت کریمہ میں خزائن اللہ سے تعبیر کیا گیا ہے اور حسب الاوقات ان کے ظہور کو علم الٰہی کا تابع قرار دیا گیا ہے جو ''وَمَا نُنَزِّلُهٗ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ'' کا صریح مفہوم اور ارتباط بین العلت والمعلول کا نظام قدرت ہے۔

آیت کریمہ کے پہلے حصہ کے آخری جز یعنی ''وَیَعْلَمُ مَا فِی الْاَرْحَامِ'' میں اُس عالم غیب کے مفتاح کا ذکر ہے۔ جس کو نظام رَحم کہا جاتا ہے جس میں قرار پانے والے نطفہ کے جملہ پس منظر و پیش منظر سے لے کر اس سے وجود میں آنیوالے انسان کے اخلاقی و عملی کردار، انجام کار زندگی کی جملہ حرکات و سکنات ''مِنَ الْمَهْدِ اِلَی اللَّحْدِ'' بلکہ اس سے بھی آگے نہ ختم ہونے والی راہوں میں سے کسی ایک کی تشخیص تک سب شامل ہیں گویا ''وَ یَعْلَمُ مَا فِی الْاَرْحَامِ'' کا یہ لفظ پیدا ہونیوالے انسان کے جملہ کوائف و اعمال سے لیکر اس کو لاحق ہونے والے جہات و حیثیات کے مغیبات غیر متناہیہ کو پیشگی شامل ہونیکی بناء پر تیسرے مفتاح الغیب کا مظہر ہے۔

اہلِ علم سے مخفی نہ ہونا چاہئے کہ ان تینوں مفاتح الغیب میں اللہ تعالیٰ کے لیے جس علم غیب کا ذکر ہوا ہے وہ وہی ہے جو اسی کی صفت مختصہ ہے یعنی ماوراء العقل والاسباب العلم المطلق المحیط التفصیلی، جس کی حقیقت تک رسائی انسان کے لیے ممکن نہیں ہے۔ جس کو علم غیب کا شرعی مفہوم بھی کہا جاتا ہے۔ اس کے ساتھ ان تینوں مفاتح الغیب کے مابین متعلقات کا فرق ہونے

---

(۱) الحجر، 21۔

Marfat.com

کے علاوہ مذکورہ الفاظ سے مفہوم ہونے میں بھی فرق ہے۔ کیوں کہ ''اِنَّ اللّٰہَ عِنْدَہٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ''اور'' وَیَعْلَمُ مَا فِی الْاَرْحَامِ '' کے الفاظ بلا واسطہ اور صراحتاً اس پر دلالت کر رہے ہیں جبکہ ''وَ یُنَزِّلُ الْغَیْثَ '' کی اس پر دلالت بالواسطہ اور التزامی ہے اس لیے کہ اس کا صریح مدلول بارش برسانے والی صفت فعلی کے ثبوت کے سوا اور کچھ نہیں ہے جبکہ اس صفت کو وجود میں لانا صفت علم کے بغیر ممکن نہیں ہے گویا بارش برسانے والی صفت فعلی کی فہم کو صفت علم کی فہم لازم ہو رہی ہے۔ ان دو مابہ الامتیاز کے علاوہ انسانوں کی فہم کے مطابق نفس مفتاح الغیب ہونے میں یہ تینوں علوم غیبیہ یکساں ہیں، تینوں اللہ تعالیٰ کی صفت مختصہ ہیں اور جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان میں سے کسی کے کچھ عکوس و جھلکیوں پر اطلاع کی کرم نوازی یا اسباب و دلیل کی توفیق نہ ہو اس وقت تک کسی بھی مخلوق پر منکشف نہیں ہو سکتے چاہے ملک مقرب یا نبی مرسل جیسی عظیم المرتبت ہستی ہی کیوں نہ ہو۔ آیت کریمہ کے پہلے حصہ کے مختلف اجزاء میں علم الٰہی کے حوالہ سے ان تین مفاتح الغیب کو اللہ تعالیٰ کی صفت مختصہ اور اس کی توفیق کے بغیر مخلوق کیلئے ناممکن ہونے کو صراحتاً بیان کرنے کے بعد آیت کریمہ کے دوسرے حصہ کے اول جز و یعنی'' وَ مَا تَدْرِیْ نَفْسٌ مَّا ذَا تَکْسِبُ غَدًا ''میں اُس علم غیب کے مفتاح کا ذکر فرمایا جس کو عالم مستقبل کہتے ہیں۔ اس کے بعد دوسرے جز و یعنی'' وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ ''میں اُس عالم غیب کے مفتاح کا ذکر فرمایا جس کو نظام موت کہتے ہیں جو عالم برزخ کے غیب در غیب کی طرف پہلا قدم ہے لیکن ان دونوں کے اندازِ بیان اور سابقہ تین کے اندازِ بیان میں بڑا فرق ہے کیوں کہ سابقہ تینوں میں علم غیب کے شرعی مفہوم کا مذکورہ تینوں مفاتح الغیب کی صورت میں اللہ تعالیٰ کی صفت خاصہ ہونے کا صراحتاً اور مخلوق سے اس کی نفی کا التزاماً بیان تھا جبکہ ان دونوں میں ایسا نہیں ہے بلکہ ان میں بالترتیب مستقبل میں ہونے والے کاموں کو اور جائے موت کو پیشگی جاننا علم غیب کے شرعی مفہوم میں اللہ تعالیٰ کی صفت خاصہ ہونے کی بنیاد پر مخلوق سے نفی اور جاننے کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقررہ

Marfat.com

اسباب ودلائل کی موجودگی میں لغوی مفہوم کے اعتبار سے مخلوق کے لیے ان کا علم ثابت ہونے کو کنایۃً بیان کیا گیا ہے گویا لازم وملزوم دونوں مراد ہیں۔ علم بیان کے اُصولوں کو جاننے والے حضرات کا ذہن اس کلام کے کنائی ہونے کے سوا کسی اور طرف جا ہی نہیں سکتا کیوں کہ کنایہ نہ ہوگا تو حقیقت ہوگا یا مجاز جبکہ حقیقت ہونے میں صرف ملزوم ہی مراد ہوسکتا ہے جو علم غیب کے شرعی مفہوم کی غیر اللہ سے کلیۃً نفی ہے جو فی نفسہ درست ہونے کے ساتھ کنایہ کے مقابلہ میں کامل الفائدہ نہیں ہے جو اللہ کے کلام کے مناسب نہیں ہوگا۔ نیز حقیقت اور صریح ہونیکی بناء پر بلاغت میں کنایہ سے ایک درجہ کم ہوگا کیوں کہ ''اَلْكِنَايَةُ اَبْلَغُ مِنَ التَّصْرِيْحِ'' کا مسلمہ اُصول ہے۔ اور مجاز ہونے کا تصور ہی غلط ہے کیوں کہ یہاں پر حقیقت کے مراد نہ ہونے پر کوئی قرینہ موجود نہیں ہے جبکہ کلام کا مجاز پر محمول ہونے کے لیے حقیقت مراد نہ ہونے پر قرینہ کی موجودگی شرط ہے۔ یہاں پر ایسا تصور ہی نہیں ہوسکتا کہ مستقبل کے کاموں کو اور جائے موت کو پیشگی جاننے کی مخلوق سے نفی کرنا مراد نہ ہونے پر قرینہ موجود ہو۔

اہل علم جانتے ہیں کہ بلیغ کلام کی موجودگی کے لیے صرف یہی تین طریقے ہیں۔ جب حقیقت ومجاز یہاں پر ناممکن ہیں تو کنایہ کی خاص صورت ہی متعین ہوئی جس کے مطابق مفتاح الغیب کی ان دونوں قسموں کا مرادی مفہوم یوں قرار پایا کہ ''مستقبل کے کاموں کو اور جائے موت کو پیشگی جاننا علم غیب کے شرعی مفہوم میں اللہ تعالیٰ کی صفت خاصہ ہونے کی بناء پر مخلوق سے کلیۃً نفی ہونے کے ساتھ منجانب اللہ اسباب ودلائل کی موجودگی میں لغوی مفہوم کو جاننا مخلوق کے لیے ممکن ہے''۔

حاشیتی وضاحت:۔ منجانب اللہ اسباب ودلائل کی موجودگی میں لغوی مفہوم کے اعتبار سے ان کے علم کو ہم نے حقیقی مفہوم کا لازمہ اس وجہ سے کہا کہ اس کے بغیر تلازم ہی نہیں ہے جب تلازم نہیں تو کنایہ بھی نہیں ہوگا حالانکہ آیت کریمہ میں یہ دونوں جملے کنایہ ہی ہیں۔ اِس

Marfat.com

کے علاوہ یہ بھی ہے کہ یہ دونوں جملے قضیہ مطلقہ ہیں۔ جو واقعہ کی نظر میں اور عند اللہ ممکنہ خاصہ کے سوا اور کچھ ہو نہیں سکتے جسکے مطابق ان کے فلسفی مفہوم بالترتیب یوں ہوں گے ''مستقبل کے عمل کو نہ جاننا ہر نفس کیلئے ممکن خاص ہے یعنی اسے جاننا بھی ضروری نہیں ہے ورنہ کسی بھی نفس سے مستقبل کا کوئی عمل بھی غائب و نامعلوم نہ رہتا جو خلاف حقیقت ہے، اِسی طرح نہ جاننا بھی ضروری نہیں ہے ورنہ کسی فرد بشر کو کبھی بھی مستقبل کے کسی عمل کا بھی پتہ نہ ہوتا یہ بھی خلاف حقیقت ہے''۔ اِسی طرح دوسرے جملے کا مفہوم ''جائے موت کو قبل از وقت کوئی نفس نہیں جانتا'' یعنی اس کی دونوں جانب غیر ضروری ہے۔ نہ جاننا اِس لیے غیر ضروری ہے کہ اگر ضروری ہوتا تو نہ کسی کو پیشگی اپنی جائے موت کا کبھی علم ہوتا اور نہ کبھی کسی دوسرے کی جائے موت کی کوئی خبر ہوتی حالانکہ یہ خلاف حقیقت ہے، جیسے بعد میں اس پر روشنی ڈالی جائے گی۔ اور جاننا اِس لیے غیر ضروری ہے کہ اگر ضروری ہوتا تو دنیا میں نہ کسی شخص کو اپنی جائے موت سے پیشگی بے خبری ہوتی نہ دوسروں کی جائے موت سے قبل از وقت لاعلمی، یہ بھی خلاف حقیقت ہے۔

اہلِ علم سے مخفی نہیں ہے کہ ان دونوں جملوں میں موجود امکان خاص سے مراد امکان ذاتی ہے۔ جو ضرورت وصفی یا کسی بھی خارجی قید وحیثیت کے ساتھ جمع ہو سکتا ہے اسی نکتہ کی بنیاد پر ان مفاتح الغیب کے کچھ جزئیات کے اجمالی علم پر منجانب اللہ دلائل واسباب کی موجودگی میں غیر اللہ کے لیے انہیں جاننا عادتاً ضروری ہوتا ہے۔ جس میں جنگ بدر کے معرکہ سے ایک دن قبل سرورِ کائنات رحمت عالم ﷺ کا اپنے وقت کے ''ابوجہل اینڈ کو'' کی جائے موت کی نشان دہی کرنا، ایک اور موقع پر آئندہ ہونے والی طوفانی بارش اور باد و باران کی خبر دینا، حضرت یوسف علیہ السلام کا خواب کی تعبیر کی راہ سے معلوم کر کے لگاتار سات سالوں کی خشک سالی وقحط اور اس سے قبل سات سالوں تک پیش بندی کے طور پر پیداوار بڑھا کر ذخیرہ کرنا یعنی چودہ سالوں کے آئندہ پیش آنے والے غیبی حالات کو جاننا اسی طرح معین اُجرت پر کام کرنے والوں کا آئندہ کل کے لیے اپنے مقررہ عمل کو اور اس پر ملنے والی اُجرت کی مقدار کو جاننا جو

Marfat.com

بعد میں ایسا ہی ہوتا ہے۔ جیسے اس کے علم میں تھا، اسی طرح وہ لوگ جو مخصوص جگہوں میں رہتے ہیں جن سے دوسرے خطہ ارض کو زندہ منتقل ہونے کا عادتاً کوئی امکان نہیں ہے تو وہ ان ہی جگہوں میں مرنے پر بھی یقین رکھتے ہیں جو بعد میں ایسا ہی ہوتا ہے یہ سب اور ان جیسی وہ تمام صورتیں جن میں منجانب اللہ مقررہ اسباب و دلائل کے مطابق ان مفاتح الغیب کے کچھ جزئیات کو محدود انداز میں اِجمالاً جاننا مخلوق کے لیے عادتاً ضروری ہے اور نا قابل انکار حقیقت ہے۔ یہ سب کے سب اِسی اُصولِ فطرت کے تحت آتے ہیں جس کے مطابق امکان ذاتی ضرورت وصفی یا ضرورت بالغیر کے منافی نہیں ہوتا کہ ایک کلام میں جمع نہ ہو سکے اسی طرح ان مفاتح الغیب کے کسی جزئیہ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے دلیل و اسباب موجود نہ ہونے کی صورت میں کسی بھی غیر اللہ کے لیے ان کے کسی بھی جزئیہ کا علم غیر ضروری اور ممتنع و محال ہونے کا جو اسلامی عقیدہ ہے، جو اس آیت کریمہ سے مفہوم و منطوق ہے اور آیت کریمہ کی عبارت النص کا حصہ ہے اسی اُصول فطرت کا نتیجہ ہے کہ ان مفاتح الغیب کے کچھ جزئیات کو محدود انداز میں اِجمالی علم کے ساتھ جاننا اور نہ جاننا ہر دو غیر ضروری ہونے سے قطع نظر کر کے محض ان کی ذوات کے اعتبار سے محدود انداز میں اجمالی علم کے ساتھ جاننا اور نہ جاننا ہر دو غیر ضروری ہونے کے ممکنہ خاصہ کے ساتھ منجانب اللہ دلائل و اسباب کی موجودگی میں مخلوق کا انہیں جاننا اور منجانب اللہ کوئی دلیل و سبب نہ ہونے کی صورت میں نہ جاننا ضروری ہونے کے دونوں مشروط عامہ بیک وقت درست ہو رہے ہیں تینوں بیک وقت آیت کریمہ کے مدلول اور اس سے مفہوم ہو رہے ہیں اور تینوں عقیدے اسلام کے مسلمہ اُصولوں کے مطابق ہونے کے ساتھ اُصول تفسیر کے بھی مطابق ہو رہے ہیں۔

نیز آیت کریمہ میں نکرہ حیز نفی کے عموم استغراق اور تقدیم ماحقہ التاخیر کا افادہ تخصیص جیسے تمام مقتضیات کے مطابق ہونے کیساتھ مختلف مسالک کے اندر اس حوالہ سے جتنے شکوک وشبہات پائے جاتے ہیں ان سب کی راہیں بھی مسدود ہو گئیں۔ نیز آیت کریمہ میں مذکورہ مغیبات

Marfat.com

خمسہ کے مندرجات وجزئیات کا غیر متناہی ہونا ان سب میں قدر مشترک ہونے کے ساتھ ہر سابق الذکر بعد والے سے زیادہ وسعت کا حامل ہے کیوں کہ ان سب میں آخر الذکر ''وَ مَا تَدْرِیْ نَفْسٌ بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ '' کی جغرافیائی حدود، جائے موت کے جملہ متعلقات سمیت عالَم برزخ کے جملہ کوائف مغیبہ کو شامل ہے۔ جس کی نسبت اس کے ماقبل یعنی ''وَ مَا تَدْرِیْ نَفْسٌ مَا ذَاتَکْسِبُ غَدًا '' کی جغرافیائی حدود زیادہ وسیع ہیں کیوں کہ انسانوں کے ہاتھوں ہونیوالے کسب کا تعلق عالَم دنیا' عالَم مثال اور عالَم برزخ میں سے ہر ایک کے ساتھ ان کے تقاضوں کے مطابق مربوط ہونا ایک مسلمہ حقیقت ہے جو خطہ موت اور عالَم برزخ کے جملہ حالات سے دوچند وسیع ہیں۔ اسی طرح اس سے ماقبل والے یعنی ''وَ یَعْلَمُ مَا فِی الْاَرْحَامِ '' کی وسعت حدود اس سے بھی زیادہ ہے کیونکہ یہ عوالم ثلاثہ کو شامل ہونے کیساتھ نظام رحم کی راہ سے وجود میں آنیوالی ہر مخلوق کے ظاہری و باطنی حالات وکوائف سمیت اس کے ضمیر اور نظام رحم میں آنے سے قبل کے جملہ کوائف پر بھی محیط ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا''(۱)

بے شک آدمی پر ایک وقت وہ گزرا کہ کہیں اس کا نام بھی نہ تھا۔

اہل علم جانتے ہیں کہ نظام رحم کی راہ سے وجود میں آکر انسانی معاشرہ کا حصہ بننے والے اس انسان کا نام ونشان صرف خلائق کی نظر میں اور ان کے معاشرہ وعلم میں نہیں تھا جبکہ اللہ تعالیٰ کے علم میں اس کے خمیر سمیت نطفہ کی شکل میں داخل رحم ہونے سے پہلے کے جملہ حالات موجود تھے، معاشرہ میں آنے کے بعد جس نام سے پکارا اور پہچانا جاتا ہے اس کے ساتھ اس کے ظاہری وباطنی حالات کو بھی ازل سے اب تک جانتا ہے۔ جس کے مطابق معاشرہ میں آنے کے بعد جس نام، جس کام اور کردار کے ساتھ مذکور ہوتا ہے، نظام رحم کی سپردگی سے قبل ویسے ہی اللہ تعالیٰ کے علم میں مذکور ومعلوم تھا۔ مفتاح الغیب کے اس دائرہ کار کی ان تمام

(۱) الدھر،1۔

Marfat.com

وسعتوں کے باوجود اس سے ماقبل والا مفاتح الغیب یعنی ''وَیُنَزِّلُ الغَیثَ'' کے مغیبات کا دائرہ حدود اس سے بھی زیادہ وسعت رکھتا ہے کیونکہ بارش برسانے سے متعلق یہ نظامِ قدرت اپنے پیش منظر وپس منظر میں عالَم اجسام سے لیکر عالَم نباتات کے غیر متناہی مندرجات وحالات کو اور عالَم حیوانات کے لانہایت انواع واقسام سے لے کران کے لامحدود اصناف وحالات اور ان سے متعلقہ عالَم محسوسات سے لیکر عالَم معقولات ومعنویات اور ان کے باہمی روابط کو شامل ہونے کی وجہ سے ''وَمَا مِنْ دَآبَةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا'' کے جملہ رموز واسرار کو محیط ہے جو مافی الارحام کے مغیبات ورموز سے کئی گنا زیادہ ہے۔ جبکہ اس سے بھی ماقبل والے مفاتح الغیب یعنی ''اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَة'' کے متعلقات کا دائرہ وسعت ان سب سے زیادہ ہے کیوں کہ ان چاروں مفاتح الغیب کے متعلقات اپنی ظاہری جہت میں متناہی اور باطن میں غیر متناہی ہیں جبکہ اس کے تمام متعلقات ہر اعتبار سے غیر متناہی ہیں جس کی ایک جھلک اس مرفوع حدیث سے معلوم ہو رہی ہے؛

''جس میں ادنیٰ ترین جنتی کی وسعتِ مِلک دنیا ومافیہا سے دس گنا زیادہ بتائی گئی ہے۔''(۱)

اہل علم جانتے ہیں کہ آخرت کے مقابلہ میں دنیا کا شرعی مفہوم کَانَ وَمَا یَکُوْن کے مجموعہ کے سوا اور کچھ نہیں ہے جب صرف ایک جنتی وہ بھی سب سے کمزور اور سب سے آخر میں جنت جانیوالے کی وسعت ملک کا یہ عالم ہے تو پھر عام اہل جنت سے لے کر صلحاء وشہداء اور عظماء اسلام وانبیاء ومرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کی وسعت ملک بالیقین ''لَا یَعْلَمُهَا اِلَّا اللّٰهُ'' کے سوا اور کچھ نہیں ہوگی۔ اسی طرح اہل دوزخ کی مختلف کیفیات وحالات کی وسعت علم التفصیلی المحیط بھی انسانی فہم وادراک سے ماوراء ہے جس کی اجمالی جھلک اس حدیث سے معلوم ہو رہی ہے؛

''جس میں صرف ایک دوزخی کے ایک داڑھ سے متعلق بتایا گیا ہے کہ وہ اُحد پہاڑ جتنا بڑا

---

(۱) مسلم شریف، ج 1، ص 104۔

Marfat.com

ہوگا۔''(۱)

الغرض باقی مفاتح الغیب کا اپنے اپنے متعلقات کے لیے عنوان و گیٹ دے ہونے کی طرح ''اِنَّ اللّٰہَ عِندَہٗ عِلمُ السَّاعَۃ'' کا یہ مفتاح الغیب بھی قیامت برپا ہو جانے کے بعد خلائق کو پیش آنے والے ان تمام حالات کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے۔ ان کا علم تفصیلی المحیط اللہ تعالیٰ کے ماسوا کسی اور کے لیے ممکن ہی نہیں ہے مگر یہ کہ وہ خود ان میں سے کسی کی کوئی جھلک سمجھنے کی، اسباب و دلائل کے مطابق توفیق دے۔ عالم آخرت مجازاۃ اعمال، جنت و دوزخ اور ان کے حالات و کیفیات کی جن اجمالی جھلکیوں سے متعلق اسلامی عقیدہ ہے یہ بھی توفیقِ الٰہی کا عکس ہی ہے۔ جس کے مطابق پیغمبرِ اکرم رحمتِ عالم ﷺ کو یہ علم و عقیدہ سبب وحی سے حاصل ہوا جبکہ اُمت اِجابت کو آپ ﷺ کے بتانے سے۔ ایسے میں آیت کریمہ کی حقیقی تفسیر اس کے سوا اور کیا ہوگی کہ اس میں مغیبات خمسہ کے علم کو ان کے جملہ مندرجات کے لیے عنوان قرار دے کر علم غیب کے شرعی مفہوم میں اللہ تعالیٰ کی صفت خاصہ قرار دیا گیا ہے جو لغوی مفہوم میں انکے مندرجات میں سے کسی کا علم غیر اللہ کیلئے ثابت ہونے کے منافی نہیں ہے۔

ایک عامتہ الورود اشتباہ کا ازالہ:۔ اس تفسیر کے مطابق وہ شبہ بھی رفع ہو جاتا ہے جو ان مغیبات خمسہ کے علم کو مفاتح الغیب کہنے پر وارد ہوتا ہے۔ بالخصوص بخاری شریف کی اس حدیث میں جہاں اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا ہے؛

''مَفَاتِحُ الْغَیْبِ خَمسٌ لَا یَعْلَمُهُنَّ اِلَّا اللّٰہُ''(۲)

جس کا مفہوم یہ ہے کہ غیب کی کنجیاں پانچ ہیں جن کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

اس پر شبہ یہ وارد ہوتا ہے کہ اس میں الغیب استغراق کا صیغہ ہے کیوں کہ اسم جنس پر الف لام

(۱) ترمذی شریف، ج2، ص95۔

(۲) بخاری شریف، ج2،ص704، کتاب التفسیر۔

Marfat.com

آیا ہے جو مفید استغراق ہوتا ہے، بالخصوص مصدر ہونے کی صورت میں اور مفاتح بھی کثرت کا صیغہ ہے جو دس سے کم پر استعمال نہیں ہوتا اور یہ بھی ظاہر ہے کہ غیب کا مفتاح اس کے علم کے سوا اور کچھ نہیں ہے اور مغیبات چونکہ غیر متناہی ہیں لہٰذا ان کے مفاتیح وعلم بھی غیر متناہی ہوگا ورنہ تقسیم الا حاد علی الا حاد کی کوئی صورت نہیں ہوگی ایسے میں مفاتح الغیب کے غیر متناہی پر خمس کے متناہی کا حمل کیوں کہ درست ہوسکتا ہے جب کہ اس میں آیت کریمہ کے اندر مذکور پانچ مخصوص چیزوں کو مفاتح الغیب پر محمول کیا گیا ہے جو ''اَلْاُمُوْرُ الْغَیْرُ الْمُتَنَاهِيَةِ خَمْسٌ'' یعنی ''زید وعمر و خالد و بکر و ماجد'' کہنے سے مختلف نہیں ہے جس کو درست نہیں کہا جاسکتا۔ کیوں کہ اس میں اتحاد فی المصداق نہیں ہے جبکہ حمل کی حقیقت ''اتحاد المتغائرین مفہوما فی المصداق'' کے سوا کوئی اور شے نہیں ہے۔ یہ اشتباہ بجائے خود اتنا قوی اور عامۃ الورود ہے کہ ''مَفَاتِحُ الْغَيْبِ خَمْسٌ لَا يَعْلَمُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ'' والی مذکورہ حدیث کے بغیر بھی نیم خواندہ حضرات کا ذہن اس سے خالی نہیں رہ سکتا۔ نیز اُن حضرات کو بھی اس حوالہ سے کبھی اطمینان قلبی میسر نہیں آسکتا جو تحقیق دشمن ہیں اور تقلید جامد کے حصار میں محصور رہنے پر اکتفا کرتے ہیں۔ یہ اس لیے کہ مومن مسلمان ہونے کے ناطے دوسرے عام مسلمانوں کی طرح یہ تمام حضرات بھی علم غیب کا اللہ تعالیٰ کی صفت مختصہ ہونے پر یقین وعقیدہ رکھتے ہیں اور مغیبات کے لامحدود اور غیر متناہی ہونے پر بھی یقین رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے توفیق کے بغیر کسی بھی فرد غیب پر غیر اللہ کے لیے علم غیب نہ ہونے پر بھی عقیدہ رکھتے ہیں۔ یہ تینوں عقائد سب کے لیے اِس لیے ناگزیر ہیں کہ ان میں سے ہر ایک اپنی جگہ ضروریاتِ دین کے قبیل سے ہے کیوں کہ شروع سے لے کر اب تک تاریخ کے ہر دور میں ان کو بلانکیر اسلامی حکم سمجھا گیا ہے اور ان کا حصہ اسلام ہونا اتنا مشہور ہے کہ ان کو اسلامی حکم ثابت کرنے کے لیے دلیل تلاش کرنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی جاتی۔ تو ظاہر ہے کہ ان تصورات کے ہوتے ہوئے آیت کریمہ میں صرف مغیبات خمسہ کے علم کو اللہ تعالیٰ کی صفت مختصہ قرار دینے کا کیا جواز ہے

Marfat.com

اور صرف ان ہی کے علم کو غیر اللہ سے نفی کرنے کی کیا تک ہے؟

نیز صرف ان چیزوں کے علم کو مفاتح الغیب کہنے کا کیا فلسفہ ہو سکتا ہے؟ جبکہ ہر فرد غیب کا علم اس کے مندرجات و مضمرات کو کھولنے اور ظاہر کرنے کے لیے بمنزلہ مفتاح ہی ہوتا ہے۔

اہلِ علم سے مخفی نہیں ہے کہ علم غیب کے شرعی اور لغوی مفہوموں کے مابین تفریق کو بنیاد بنا کر آیت کریمہ کا جو مفہوم ہم نے پیش کیا اس سے اِن تمام شبہات کی راہیں بند ہو جاتی ہیں۔ کیوں کہ ''اِنّ اللّٰہ عِندَہٗ عِلمُ السَّاعَۃ'' سے مراد محض قیامت کے برپا ہونیکی مخصوص تاریخ کا علم ہی نہیں ہے بلکہ اس کے بعد کے جملہ مراحل اور جنت و دوزخ کے حوالہ سے ابدالآباد تک کے غیر متناہی حالات کا علم بھی مراد ہے جسکی فہمائش کے لیے اس لفظ کو عنوان و پہچان بنایا گیا ہے۔ اس کی ایسی مثال ہے، جیسے مرفوع حدیث میں فرمایا گیا ہے ''مِفتَاحُ الجَنَّۃِ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ '' کیا کوئی شخص یہ تصور کر سکتا ہے کہ اس کے مندرجات کو مکمل طور پر تسلیم کیے بغیر محض ''لا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ '' کہنے والے کیلیے یہ مفتاح جنت ہو سکے ورنہ قادیانی جیسے لاکھوں مرتد جنتی قرار پائیں گے۔ (العیاذ باللہ) جب ایسی تمام حدیثوں میں ''لا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ'' پڑھنے کو اس کے اندر پوشیدہ جملہ مضمرات و مندرجات کے لیے عنوان و پہچان بنا کر ان سب کو شامل سمجھا جاتا ہے تو پھر اس آیت کریمہ میں ایسا ہونے سے کیا مانع و رُکاوٹ ہے؟

یہی حال دوسرے مفتاح الغیب یعنی ''وَ یُنَزِّلُ الغَیثَ '' کا بھی ہے کہ اس کو نظام باران کے پیش منظر و پس منظر کے جملہ مندرجات و مضمرات کو جاننے کے لیے محض عنوان و پہچان بنا کر اس نظام کے پیش و پس تمام گوشوں سے متعلق علم الٰہی کے احاطہ کی طرف انسانوں کو متوجہ کیا گیا ہے اور اس کے بعد باقی تینوں مفاتح الغیب کے لیے جو الفاظ استعمال ہوئے ہیں ان سب کا یہی حال ہے کہ ان سے مراد بالترتیب مافی الارحام کی مخصوص حالت ذکورت وانوثت، آئندہ آنے والے دِن میں کیے جانیوالا مخصوص عمل یا مخصوص کمائی اور جائے موت کا مخصوص خطہ ارضی ہی مراد نہیں ہیں بلکہ ان میں سے ہر ایک کے علم کو اسکے جملہ مندرجات و مضمرات کے غیر

Marfat.com

متناہی حالات و کیفیات سے متعلق غیر متناہی علم الٰہی کی پہچان وعنوان بنا کر انسانوں کی فہمائش کا سامان کیا گیا ہے۔ جس کے مطابق بخاری شریف کی مذکورہ حدیث ''مَفَاتِحُ الْغَیْبِ خَمْسٌ لَا یَعْلَمُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ '' کی حاصل ترکیب ''اَلْاُمُوْرُ الْغَیْرُ الْمُتَنَاهِیَةُ خَمْسٌ '' یعنی ''زید وعمر وبکر وخالد و ماجد'' جیسے نامعقول ہرگز نہیں بلکہ ''عِلْمُهٗ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰی بِالْغَیْبِ الْمُطْلَقِ التَفْصِیْلِی الْمُحِیْطِ یُفْهَمُ فِیْ مُضْمَرَاتِ هٰذِهِ الْخَمْسِ '' کے مفہوم میں واضح اور قابل فہم ہے ایسے میں علم غیب کے حوالہ سے مذکورہ تینوں اسلامی عقائد ہر قسم شکوک وشبہات سے محفوظ رہ جانے کے ساتھ آیت کریمہ کی تفسیر کا حق بھی ادا ہو جاتا ہے۔ (فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ اَوَّلاً وَ آخِراً ظَاهِراً وَبَاطِناً)

آیت کریمہ کی یہ تفسیر جو ہم نے پیش کی مشہور تفسیر کے منافی ہرگز نہیں بلکہ وہ اِس کے وسیع گوشوں میں سے صرف ایک زاویہ نور کی جھلک ہے جیسے اہل علم سے مخفی نہیں رہ سکتا لیکن اِس کو سمجھنے کے لیے اُن علومِ آلیہ کو سمجھنا ضروری ہے جن کے بغیر قرآن شریف کی حقیقی فہم ممکن نہیں ہے ورنہ جن حضرات کو فلسفہ کے حصہ منطق کی فہم نہ ہو وہ قضیہ مطلقہ کو سمجھ سکتے ہیں نہ قضیہ موجہ کو، ممکنہ خاصہ کو سمجھ سکتے ہیں نہ مشروط عامہ کو اِسی طرح جن کو علمِ بلاغت کی فہم نہ ہو وہ اندازِ کلام کو سمجھ سکتے ہیں نہ حقیقت کو، کنایہ کو سمجھ سکتے ہیں نہ مجاز کو اور جن کو علم نحو کی فہم نہ ہو وہ تقسیم الآحاد علی الآحاد کے اُصول کو سمجھ سکتے ہیں نہ استغراق کو، جمع قلّت کو سمجھ سکتے ہیں نہ جمع کثرت کو، دلالت مطابقی کو سمجھ سکتے ہیں نہ دلالت التزامی کو، اِسی طرح جن کو فلسفہ کے حصہ الٰہیات کی حقیقی فہم نہ ہو وہ عالم دنیا کی وسعتوں کو سمجھ سکتے ہیں نہ عالم برزخ کے لوازمات کو، عالم آخرت کی وسعتوں کو سمجھ سکتے ہیں نہ اُس کے مراحل وتقاضوں کو جبکہ آیت کریمہ میں یہ سب کچھ موجود ہیں اس لیے اِس پوری تحریر میں ہمارے مخاطب بھی اہل فہم حضرات کے سوا کوئی اور نہیں ہیں۔ (فَزَادَهُمُ اللّٰهُ وَ اَحْكَمَ سَوَادَهُمْ)

☆☆☆☆☆☆

Marfat.com

ایک اور سوال کا جواب اور اضافی فائدہ

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب علم غیب کا شرعی مفہوم اللہ تعالیٰ کی صفت مختصہ ہے اور لغوی مفہوم کے اعتبار سے غیر اللہ کے لیے بھی منجانب اللہ مقررہ اسباب و دلائل کے مطابق علم غیب کا ثبوت ممکن ہے تو پھر بعض اسلاف نے غیر اللہ کی طرف علم غیب نسبت کر کے ''فُلَانٌ یَعْلَمُ الْغَیْبَ'' کہنے کو ممنوع کیوں قرار دیا ہے؟

نیز جب مسئلہ اتنا واضح ہے کہ جس مفہوم میں علم غیب اللہ تعالیٰ کی صفت مختصہ ہے اس میں غیر اللہ کے لیے ممکن نہیں ہے اور جس مفہوم میں اللہ تعالیٰ کے لیے ناجائز و محال ہے اس میں غیر اللہ کے لیے حسب مراتب ممکن ہے تو پھر اس حوالہ سے تنازعہ کیوں برپا ہے؟

اِس کا جواب یہ ہے کہ علم غیب کے حوالہ سے خاصۃ اللہ اور خاصۃ العباد کی سرحدیں ایک دوسرے سے جدا ہونے کے باوجود جن اسلاف نے ''فُلَانٌ یَعْلَمُ الْغَیْب'' کہہ کر غیر اللہ کی طرف علم غیب منسوب کرنے کو ممنوع قرار دیا ہے یہ ایک مستقل اُصول پر مبنی ہے جو بجائے خود شرعی حکم ہے۔ وہ یہ ہے کہ جو قول و عمل بھی کسی بداعتقادی، کفر و شرک یا جمہور الناس کے عقیدہ خراب ہونے اور سوءِ فہم کا موہم بنتا ہو۔ اس سے اجتناب کا حکم دیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے بجائے خود درست ہونے کے باوجود اسے ممنوع قرار دیا ہے۔ جس کا فلسفہ یہ ہے کہ اسلام نے ہمیشہ جمہور کی فکری و عملی اصلاح کو پیش نظر رکھا ہے۔ اسلام کے اس مسلمہ فلسفہ کا تقاضا یہی تھا کہ جو قول و عمل عوام و جمہور کے حوالہ سے موہم خرابی ہو اسے ممنوع قرار دیا جائے جس کی وضاحت مندرجہ ذیل حقائق سے ہوتی ہے۔

❶ صحابہ کرام دربار نبوی ﷺ میں کبھی کبھار تقاضائے کرم کرتے ہوئے ''رَاعِنَا'' کہا

Marfat.com

کرتے تھے جس سے مقصد انکا یہ ہوتا تھا کہ ''ہماری طرف نظرِ رحمت فرمائیں'' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ کلام ہر اعتبار سے جائز ہی جائز تھا لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اس اندازِ کلام سے ناجائز استفادہ کر کے منافقین اس لفظ کو اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت استعمال کر کے اس سے مرادِ رعونت اور کبھی چرواہے والا مفہوم مراد لینے لگے جو اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس کے منافی، بے ادبی اور بالیقین ناجائز تھا تو اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جائز مفہوم میں اسے استعمال کرنے سے بھی منع فرمایا۔ جیسے فرمایا؛

''یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوْا انْظُرْنَا''(۱)

ترجمہ:۔ اے ایمان والو! راعنا نہ کہو اور یوں عرض کرو کہ حضور ہم پر نظر رکھئے۔

❷ اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طبقہ انصار کی کچھ بچیوں کو شان نبوت میں ''وَفِیْنَا نَبِیٌّ یَعْلَمُ مَا فِیْ غَدٍ'' کے نعتیہ کلام سناتے ہوئے دیکھا تو منع فرمایا۔ جس کی وجہ محدثین کرام نے یہی لکھی ہے کہ وحی و اطلاع جیسے کسی سبب کی طرف منسوب کیے بغیر مطلق علم غیب کو ذکر کرنے سے انسانی ذہن اس کے شرعی مفہوم کی طرف جاسکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی صفت خاصہ ہونے کی وجہ سے کسی بھی غیر اللہ کے لیے ناجائز و ناممکن ہے۔ اس سلسلہ میں وارد حدیث شریف کے الفاظ یہ ہیں؛

''فَقَالَ دَعِیْ هٰذِهٖ وَقُوْلِیْ بِالَّذِیْ کُنْتِ تَقُوْلِیْنَ''(۲)

یعنی اسے چھوڑ کر وہ پڑھیے جو پہلے پڑھ رہی تھی۔

❸ حدیث شریف میں ہے کہ ایک موقع پر اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی خطیب کو ''وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ رَشَدَ وَمَنْ یَّعْصِهِمَا فَقَدْ غَوٰی'' کہتے ہوئے سنا تو اسے منع کرتے ہوئے فرمایا؛

---

(۱) البقرہ، 104۔

(۲) بخاری شریف، ج2، ص773، باب اعلان النکاح۔

Marfat.com

"بِئْسَ خَطِيْبُ الْقَوْمِ اَنْتَ قُلْ وَمَنْ يَعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ" (۱)

اس کا مفہوم درست ہونے کے باوجود محدثین کرام نے اللہ کے رسول ﷺ کا اس انداز کو ناپسند فرما کر منع کرنے کی یہی وجہ بیان کی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کے رسول ﷺ کو جمع کر کے ایک صیغہ تثنیہ کے ساتھ ذکر کرنے میں دونوں کے واجب الوجود ہونے کا وہمہ ہوسکتا تھا جو ناجائز ہے۔

❼ غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی میں ہے:

"وَمِنْهَا اَنَّ الْعَامَّةَ يَعْتَقِدُ وْنَهَا سُنَّةً" (۲)

یعنی صلوٰۃ رغائب کے ناجائز ہونے کے دلائل میں سے ایک دلیل یہ بھی ہے کہ عوام کو اس کے سنت اور شرعی حکم ہونے کا عقیدہ ہوسکتا ہے اور جو چیز بھی خرابی عقیدہ عوام کا سبب ہو وہ ناجائز و ممنوع ہوتی ہے۔

❽ فتاویٰ ردالمحتار میں ہے:

"مُجَرَّدُ اِيْهَامِ الْمَعْنَى الْمُحَالِ كَافٍ فِي الْمَنْعِ" (۳)

یعنی کسی کلام کے ناجائز و ممنوع فی الاسلام ہونے کے لیے اس کا کسی ناجائز مفہوم کا موہم ہونا ہی کافی ہے۔

اور اہل علم جانتے ہیں کہ شریعت مقدسہ کی زبان میں علم غیب کا لفظ اس کے شرعی مفہوم کے لیے موضوع ہونے کی بناء پر اللہ تعالیٰ کی صفت خاصہ ہے اور کسی سبب و دلیل کی طرف منسوب کے لیے بغیر مذکور ہونے کی صورت میں اس کا یہی مفہوم متبادر الی الذہن ہوتا ہے۔ اس لیے کہ یہ حقیقت شرعیہ ہے اور حقیقت کی سب سے بڑی علامت متبادر الی الذہن ہونا ہے ایسے میں

(۱) ابو داؤد شریف، ج2، ص324۔

(۲) غنیة المستملی، ص433۔

(۳) فتاویٰ ردالمحتار، ج5، ص253۔

Marfat.com

''فُلَانٌ یَعْلَمُ الْغَیْبَ '' کہنے والا یا اپنے لیے دعویٰ کرتے ہوئے ''اَنَا اَعْلَمُ الْغَیْبَ '' کہنے والا اگر چہ لغوی مفہوم کے اعتبار سے کہہ رہا ہو اگر چہ مراد اس کی درست ہو پھر بھی ایسا کہنے سے منع کیا جائے گا کیوں کہ یہ علم غیب کے شرعی مفہوم کے موہم ہے، جن اسلاف نے ایسا کہنے سے منع کیا ہے اسی اُصول کو پیش نظر رکھ کر منع کیا ہے صرف منع کرنے کی حد تک یہ ذمہ داری تب ادا ہو گی جب ایسا کہنے والا اہل فہم ہو اور اہل فہم کی محفل میں کہہ رہا ہو ورنہ اگر نا اہل جاہل ایسا کہے یا جہلاء کے ماحول میں کہے تو صرف منع نہیں بلکہ مناسب حال تعزیر دینا بھی لازم ہے۔ جیسے تفسیر روح المعانی میں اس قسم عدم جواز کے موہم الفاظ استعمال کرنے والے جہلاء کی سزا سے متعلق لکھا ہے؛

''وَیَلْزَمُهُ التَّعْزِیْرُ کَیْلَا یَعُوْدَ اِلٰی قَوْلِهٖ''(۱)

یعنی ایسے بیباک جہلا کو تعزیر دینا لازم ہے تا کہ آئندہ ایسی جسارت نہ کر سکے۔

بالفرض اگر علم غیب کے شرعی مفہوم میں ایسا کہہ رہا ہو تو بالیقین مرتد قرار پاتا ہے جسکے ارتداد کا فتویٰ صادر کرنا دار الافتاء پر فرض ہو جاتا ہے۔ جیسے روح المعانی میں ہے؛

''فَلَا یُقَالُ اِنَّهُمْ عَلِمُوْا الْغَیْبَ بِذَالِکَ الْمَعْنٰی وَمَنْ قَالَهٗ کَفَرَ قَطْعاً''(۲)

یعنی جن کو لغوی مفہوم کے اعتبار سے علم غیب کی کوئی جھلک حاصل ہو تو ان کے متعلق یہ کہنا جائز نہیں ہوسکتا کہ وہ شرعی مفہوم کے مطابق علم غیب جانتے ہیں اگر کوئی ایسا کہے تو وہ بالیقین کافر قرار پاتا ہے۔

نبراس میں ہے؛'' فَمَنِ ادَّعٰی اَنَّهٗ یَعْلَمُهٗ وَ مَنْ صَدَّقَ الْمُدَّعِیَ کَفَرَ''(۳)

یعنی جس نے بھی شرعی مفہوم میں علم غیب کا دعویٰ کیا کافر ہوا اور جس نے ایسا دعویٰ کرنے

(۱) روح المعانی، ج20، ص12، مطبوعہ بیروت۔

(۲) روح المعانی، ج20، ص11۔

(۳) نبراس شرح لشرح العقائد، ص574۔

Marfat.com

والے کی تصدیق کی وہ بھی کافر ہوا۔

اسلاف کی طرف سے اگر ایسے جزئیات موجود نہ بھی ہوتے پھر بھی ایسے لوگوں کی تکفیر میں ذرہ برابر شک نہ ہوتا کیوں کہ شرعی مفہوم میں علم غیب کا خاصۃ اللہ ہونے کا عقیدہ ضروریات دینیہ کے زمرہ میں ہے جس کا صراحتاً انکار کرنے یا اس کی ضد یا نقیض کا ارتکاب کرنے میں التزام کفر ہوتا ہے، جو واجب التکفیر ہے۔

اہل علم حضرات سے مخفی نہیں ہے کہ ''فُلَانٌ یَعْلَمُ الْغَیْبَ'' فلاں کو علم غیب ہے، فلاں غیب جاننے والا ہے اور فلاں غیب جانتا ہے۔ جیسے مطلق استعمال میں علم غیب کے شرعی مفہوم کا ذہن میں آنا اور اللہ تعالیٰ کی اس صفت مختصہ کا متبادر الی الذہن ہونا لفظ ''رَاعِنَا'' سے بوئے کفر کے مفہوم ہونے سے کئی گنا زیادہ ہے جسکا تقاضا تو یہی تھا کہ ایسے تمام استعمالات نہ صرف ممنوع و ناجائز بلکہ قطعی حرام و کفر قرار پاتے۔ لیکن ذوات قدسیہ انبیاء و مرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کے لیے لغوی مفہوم کے اعتبار سے مخصوص اندازِ توفیق کے ساتھ علم غیب کا ثبوت چونکہ ضروریاتِ دین کے قبیل سے ہے۔ جس کی مکمل تفصیل و تحقیق اسلاف کے حوالہ جات کے ساتھ ہم گزشتہ صفحات کے سپرد کر آئے ہیں یعنی جیسے علم غیب کا اپنے شرعی مفہوم میں اللہ تعالیٰ کی صفت مختصہ ہونا ضروریات دین کے قبیل سے ہے ویسے ہی لغوی مفہوم میں مخصوص اسباب کے مطابق ذوات قدسیہ انبیاء و مرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کا خاصہ ہونا بھی ضروریات دین کے قبیل سے ہے۔ ان دونوں ضرورتوں اور حقائق کا واجب الاعتبار و الملاحظہ ہونے کی بنیاد پر جب تک ایسے الفاظ استعمال کرنیوالے سے متعلق سو فیصد یقین حاصل نہ ہو جائے کہ وہ علم غیب کا شرعی مفہوم مراد لے رہا ہے اس وقت تک ان الفاظ و استعمالات کو قطعی طور پر کفر یہ قرار دینا جائز نہیں ہو سکتا نہ اس کے قائل کو ملتزم الکفر قرار دینا ممکن ہے۔

یہی حال ان جہلاء کا بھی ہے جو اس قسم کے الفاظ ذوات قدسیہ انبیاء و مرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کے علاوہ اور خلائق مثلاً اولیاء اللہ، اصحاب حدس و ہنر وغیرہ کے لیے استعمال کرتے

Marfat.com

ہیں کہ مخصوص سبب کو ذکر کیے بغیر علی الاطلاق ان خلائق کی طرف علم غیب نسبت کرنے کی روش بالیقین ناجائز وممنوع ہونے کے باوجود حرام قطعی اور التزام کفر اس وقت تک ہرگز نہیں ہوسکتا جب تک 100% یقین نہ ہوجائے کہ یہ سب کچھ علم غیب کے شرعی مفہوم میں لیا جارہا ہے لیکن کفر سے بچانے کے لیے اسلام کے اس رحیمانہ اُصول سے اور دارالافتاء کے اس احتیاطی عمل سے ناجائز فائدہ اُٹھا کر علی الاطلاق غیر اللہ کی طرف علم غیب منسوب کر کے ایسے الفاظ استعمال کرنے کو جائز سمجھنا، اُٹھتے بیٹھتے ایسے الفاظ استعمال کرتے پھرنا یا محراب ومنبر سے اس کی حوصلہ افزائی کرنے کو اسلامی روش ہرگز نہیں کہا جاسکتا۔

ایک قابل توجہ نکتہ سے بے توجہی پر افسوس:۔

اِس حوالہ سے افسوسناک پہلو یہ ہے کہ قابل اصلاح جہلاء اور توہم پرست عوام تو عوام ہیں ان سے زیادہ قابل اصلاح وہ اصحاب محراب ومنبر ہیں جو اس حوالہ سے معکوس العملی کے شکار ہیں۔ نصف صدی سے زیادہ ہونے کو ہے کہ میں بذات خود طبقہ علماء کو اس قابل توجہ نکتہ سے بے توجہ و غافل دیکھ رہا ہوں جس کی وجہ چاہے ان کی علمی کمزوری ہو یا تعصب زدگی یا مذہبی فرقہ واریت سے پیدا ہونے والے تقابلی حالات کی مجبوری یا عوام کی بے محل مذہبی خواہشات کو شرعی جواز دینے کی غیر اسلامی روش بہر تقدیر یہ نکتہ بجائے خود نہایت قابل توجہ ہے اس حوالہ سے اسلام کے کردار کو دیکھا جائے تو موجودہ دور کے اصحاب محراب ومنبر کی روش اِس سے قطعاً میل نہیں رکھتی۔ امام احمد رضا خان نَوَّرَاللّٰہُ مَرْقَدَہُ الشَّرِیْف نے لکھا ہے؛

''علم جبکہ مطلق بولا جائے خصوصاً جب کہ غیب کی طرف مضاف ہو تو اس سے مراد علم ذاتی ہوتا ہے۔''(۱)

شرح عقائد میں ہے:''وَبِالْجُمْلَةِ الْعِلْمُ بِالْغَيْبِ اَمْرٌ تَفَرَّدَ بِهِ اللّٰهُ تَعَالٰى لَا سَبِيْلَ

(۱) الملفوظات، ج3، ص46، مطبوعہ نوری کتب خانہ لاہور۔

Marfat.com

لِلْعِبَادِ اِلَیْهِ اِلَّا بِاِعْلَامٍ مِنْهُ تَعَالٰی اَوْاِلْهَامٍ بِطَرِیْقِ الْمُعْجِزَةِ اَوْالْکَرَامَةِ اَوْاِرْشَادٍ اِلَی الْاِسْتِدْلَالِ بِالْاَمَارَاتِ فِیْمَا یُمْکِنُ ذَالِکَ فِیْهِ''(۱)

تفسیر روح المعانی میں ایسے لوگوں پر تفصیلی رد کرنے کے بعد بطور خلاصۃ الکلام لکھا ہے؛

''وَبِالْجُمْلَةِ عِلْمُ الْغَیْبِ بِلَا وَاسِطَةٍ کُلًّا اَوْ بَعْضاً مَخْصُوْصٌ بِاللّٰهِ جَلَّ وَ عَلَا لَا یَعْلَمُهُ اَحَدٌمِنَ الْخَلْقِ اَصْلاً''(۲)

علم غیب کا اپنے شرعی مفہوم کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کی صفت مختصہ ہونے کی بناء پر اسکی نسبت غیر اللہ کی طرف کر کے مطلقاً ''فلاں یعلم الغیب'' جیسے استعمال کا ناجائز ہونا صرف اہل سنت کی چار دیواری کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ کل مکاتب فکر اہل اسلام کے نزدیک مسلمہ ہے۔ اہل اعتزال کے سربرآوردہ مفسر جاراللہ الزمخشری نے بھی اپنی تفسیر میں ایسا ہی لکھا ہے۔ جیسے اہل سنت کے کل مکاتب فکر سمیت اہل تشیع کے مفسرین نے بھی لکھا ہے۔ تفسیر الکشاف کی عبارت یہ ہے کہ؛

''وَلِهٰذَا لَا یجوزُ اَنْ یُطْلَقَ فَیُقَالَ فُلَانٌ یَعْلَمُ الْغَیْبَ''(۳)

جسکا مفہوم یہ ہے کہ علم غیب کے شرعی مفہوم کا اللہ تعالیٰ کی صفت مختصہ ہونے کی بناء پر مطلقاً یہ کہنا جائز نہیں ہے کہ فلاں غیب کو جانتا ہے۔

جاراللہ الزمخشری کی اس تفریع کا فلسفہ بتاتے ہوئے اس کے اہل سنت محشی میر السید السند نَوَّرَ اللّٰهُ مَرْقَدَهُ الشَّرِیْفَ نے لکھا ہے؛

''وَاِنَّمَا لَمْ یَجُزِ الْاِطْلَاقُ فِیْ غَیْرِهٖ تَعَالٰی لِاَنَّهٗ یَتَبَادَرُ مِنْهُ تَعَلُّقُ عِلْمِهٖ بِهٖ اِبْتِدَاءً فَیَکُوْنُ تَنَاقُضاً''(۴)

---

(۱) شرح عقائدالنسفی مع جامع التقاریر، ج1،ص206۔

(۲) تفسیر روح المعانی، ج20،ص12،مطبوعہ بیروت۔

(۳) تفسیر الکشاف، ج1،ص128،مطبوعہ بیروت۔

(٤) حاشیہ الکشاف، میر السید السند، ج1، ص128،مطبوعہ بیروت۔

Marfat.com

جس کا مفہوم یہ ہے کہ علم غیب کا سبب ودلیل ذکر کیے بغیر مطلقاً ''فلان یعلم الغیب'' جیسے کلام کے ناجائز ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس سے اس کا شرعی مفہوم متبادر الی الذہن ہو جاتا ہے جو تناقض کو مستلزم ہے کیوں کہ علم غیب کا شرعی مفہوم اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ سبب ودلیل سے ماوراء ومطلق ہو جو اللہ تعالیٰ کی صفت مختصہ ہے اور کسی سبب ودلیل کو ذکر کیے بغیر ''فلان یعلم الغیب'' کہنے سے اس کا ذہن میں آنے کا مطلب یہ کہ یہ مفہوم اللہ تعالیٰ کی صفت مختصہ نہیں ہے یعنی ایسے الفاظ استعمال کرنے والے مومن مسلمان کے عقیدہ میں تناقض ہوا کہ علم غیب کا شرعی مفہوم اللہ تعالیٰ کی صفت مختصہ ہے اور نہیں ہے، تناقض چونکہ باطل ہے لہٰذا اسے مستلزم ہونے والا یہ کلام بھی باطل قرار پاتا ہے۔

حقیقی اہل سنت کے اس قابل تقلید امام کے ساتھ اتفاق رائے کرتے ہوئے اس کا حوالہ امام احمد رضا خان البریلوی نَوَّرَاللّٰہُ مَرْقَدَہُ الشَّرِیْفُ نے بھی دیا ہے۔ جیسے فرمایا؛

''جبکہ علم مطلق بولا جائے خصوصاً جبکہ غیب کی طرف مضاف ہو تو اس سے مراد علم ذاتی ہوتا ہے۔ اس کی تشریح حاشیہ کشاف پر میر سید شریف نے کردی ہے اور یہ یقیناً حق ہے کوئی شخص کسی مخلوق کے لیے ایک ذرہ کا بھی علم ذاتی مانے یقیناً کافر ہے۔''(۱)

اسلاف کی ان تصریحات کا لب لباب یہ ہے کہ لغوی مفہوم کے اعتبار سے علم غیب کا ثبوت جو کسی سبب کا مسبب اور کسی دلیل کا مدلول ہوتا ہے غیر اللہ کے لیے ناقابلِ انکار حقیقت ہونے کے باوجود اس کے لیے منجانب اللہ سبب ودلیل کو ذکر کیے بغیر مطلقاً ''فلان یعلم الغیب'' جیسے الفاظ استعمال کرنا ممنوع وناجائز اِس لیے ہے کہ اس سے اس کے شرعی مفہوم کا وہمہ ہوتا ہے کیوں کہ حقیقت شرعیہ ہونے کی وجہ سے وہی متبادر الی الذہن ہے اور اس مفہوم میں ایسا کہنا یا ایسا عقیدہ رکھنا یقیناً وقطعاً کفر اور صریح شرک ہے لہٰذا ایسے الفاظ کا استعمال بھی موہم شرک ہونے کی بناء پر ناجائز وممنوع ہے۔

---

(۱) الملفوظات ج3، ص46، مطبوعہ نوری کتب خانہ لاہور۔

Marfat.com

اصحاب محراب ومنبر کو ملنے والا سبق:۔ قرآن وسنت سے مفہوم اور سلف صالحین کی تصریحات سے ثابت اس مسلمہ اُصول سے ان اصحاب محراب ومنبر حضرات کو سبق حاصل کرنا چاہیے جن کی موجودگی میں جعلی پیر اور غیر معیاری مشائخ علم غیب جاننے کا دعویٰ کرتے ہیں اور یہ خاموش ہوکر سنتے ہیں یا ان کی ہاں میں ہاں ملا کر عوام کی گمراہی کا سامان کرتے ہیں۔ اِسی طرح مذہبی اجتماعات میں کچھ اسلام ناشناس کسی حضرات غیر اللہ کی طرف علی الاطلاق علم غیب نسبت کر کے اس مسلمہ اُصول کا خون کرتے ہیں اور محفل میں موجود حضرات یہ سب کچھ گونگا شیطان بن کر سنتے ہیں، اس حوالہ سے ماحول اتنا اسلام بیگانہ ہو چکا ہے کہ ان بے باکوں کو ٹوکنے کی جرات ہی کسی میں نہیں ہے۔

میرا ذاتی تجربہ ہے کہ مظلوم سنت کو زندہ کرنے کے جذبہ سے سرشار ہوکر اگر کوئی صاحب محراب ومنبر آگے بڑھ کر اس کے خلاف آواز اٹھائے تو میدان اسی کا ہوتا ہے، ضرورت صرف جرات واخلاص کی ہے اہل حق کے مقابلہ میں اس مغلوب الجہل طبقہ میں جرات نہیں ہے کہ مقاومت کر سکے۔ اللہ کے حبیب رحمت عالم ﷺ نے فرمایا:

''جس نے میری کسی متروک شدہ سنت کو زندہ کیا اس کے لیے سو شہیدوں کا اجر ہے۔''(۱)

اس چھوٹے سے عمل پر سو شہیدوں جتنا ثواب کے اس اجر عظیم کا فلسفہ یہ ہے کہ ایسے معاشرہ میں جہاں جہلاء کی مذہبی اجارہ داری ہو، مذہبی عصبیت کی کارستانی ہو اور التباس الحق بالباطل کا دور دورہ ہو حق کی تبلیغ نہایت مشکل کام ہے اور تبلیغی مشقت جتنی زیادہ ہوتی ہے، ثواب بھی اسی شرح تناسب سے ملتا ہے کیوں کہ ''العَطَایَا عَلٰی مَتْنِ البَلَایَا''۔

منجانب اللہ مقررہ اسباب ودلائل کو ذکر کیے بغیر بے محل اور مطلقاً علم غیب غیر اللہ کی طرف نسبت کرنے والے ان بیباکوں سے بھی زیادہ قابل افسوس ان اصحاب منبر ومحراب حضرات کا کردار ہے جو ان کی تکفیر کرتے ہیں حالانکہ تکفیر کا تعلق صرف ان ضروریاتِ دینیہ کی تکذیب

---

(۱) مشکوٰۃ شریف، باب الاعتصام، بالکتاب والسنۃ، ص 30۔

Marfat.com

کے ساتھ ہے جو سب کو معلوم ہو اور تکذیب بھی 100% یقینی ہو جس میں تاویل کا بعید سے بعید احتمال و گنجائش بھی ممکن نہ ہو، جو یہاں پر مفقود ہے۔

اولاً:۔ علم غیب کے شرعی اور لغوی مفہوم کی تفریق کا اکثر اہل علم کو ہی پتہ نہیں ہے چہ جائیکہ مشہور ہو ورنہ علم غیب کے حوالہ سے تفسیروں میں مذکوراتنی تطویل وتضاد بیانی کبھی نہ ہوتی۔

ثانیاً:۔ مطلق استعمال سے علم غیب کے شرعی مفہوم کا متبادر الی الذہن ہونا اور بات ہے اور صریح الدلالہ ہونا اور بات ہے جبکہ تکفیر کا تعلق صرف اور صرف صریح الدلالۃ کے ساتھ ہے وہ بھی تب کہ جب اس کا مدلول ضرورت دینی ہو۔ یہاں پر ایسا نہیں ہے تو پھر تکفیر کا کیا جواز۔

ثالثاً:۔ یہ حضرات کہہ سکتے ہیں کہ اس سے ہماری مراد علم غیب کا لغوی مفہوم ہے شرعی نہیں چنانچہ معروضی حالات وشواہد بھی یہی بتا رہے ہیں ایسے میں تکفیری فتویٰ صادر کرنا ایک مومن مسلمان کو اسلام سے خارج کرنے کے مترادف ہوگا جس کی گنجائش اسلام میں نہیں ہے۔

الغرض منجانب اللہ مقررہ سبب ودلیل کو ذکر کیے بغیر مطلقاً غیر اللہ کی طرف علم غیب منسوب کرنے کی غلطی کرنے والوں کی تکفیر کا جرم قابل افسوس ہے اور ایسے الفاظ استعمال کرنے کے گناہ سے کئی گنا زیادہ ہے، دارالافتاء کے تقاضوں کے خلاف ہے اور التباس الحق بالباطل کرنے کی بے محل جسارت ہے۔

ایک اور سوال کا جواب:۔ مذکورہ حقائق سے آگاہی کے بعد قارئین کے ذہنوں میں یہ سوال بھی پیدا ہوسکتا ہے کہ جب منجانب اللہ مقررہ سبب ودلیل کو ذکر کیے بغیر مطلقاً غیر اللہ کی طرف علم غیب نسبت کرنا ممنوع وناجائز ہوا تو پھر جن قابل ذکر اسلاف نے ایسا کیا ہے اس کو کس کھاتہ میں ڈالا جائے گا پھر یہ بھی ہے کہ ذواتِ قدسیہ انبیاء ومرسلین کی طرف مطلق علم غیب منسوب کرکے ''اَلنَّبِیُّ یَعْلَمُ الْغَیْبَ'' کہنا اسی طرح حقیقی اولیاء اللہ کیطرف نسبت کرکے ''وَلِیُّ اللّٰہِ یَعْلَمُ الْغَیْبَ'' کہنا کسی ایک دو سے نہیں بلکہ اہل سنت کے چاروں مذاہب کے قابل ذکر اسلاف سے کثیر تعداد میں ثابت ہے، جیسے گزشتہ صفحات میں ان کے حوالہ جات کا

Marfat.com

تذکرہ ہو چکا ہے۔ ایسے میں اس اندازِ استعمال کو ناجائز وممنوع فی الاسلام قرار دینے کا کیا فلسفہ ہے اوران حضرات کےاس اندازِ استعمال کا کیامحل ومصرف ہوسکتا ہے؟

اِس کا جواب یہ ہے کہ اسلاف کے استعمال اور جہلاء کے اس استعمال کا شرعی حکم ایک جیسا نہیں ہوسکتا اِس لیے کہ ان میں کئی وجوہ سے فرق ہے۔؛

ایک:۔اَسلاف کرام نے اس طرح کا استعمال ازروئے تعلیم کیا ہے تبلیغ نہیں جبکہ جہلاء کی بولی بولنے والے یہ حضرات دوسروں کو تبلیغ کرتے ہوئے ایسا کرتے ہیں۔اہل علم جانتے ہیں کہ تعلیم وتبلیغ کے شرعی احکام ہمیشہ ایک جیسے نہیں ہوتے کیوں کہ علم کے کسی متلاشی سے کچھ ایسی باتیں بھی کی جاسکتی ہیں جوعوامی اجتماع میں تبلیغ کے طور پرنہیں کہی جاسکتیں۔جیسے حدیث میں ہے کہ اللہ کے حبیب ﷺ نے تعلیم کے طور پر بعض صحابہ کرام ﷺ کو کچھ ایسی باتیں بتائیں جن کو ہرکس وناکس کے سامنے تبلیغ کے طور پرآگے پھیلانے سے منع فرمایا۔

دوسرا:۔اَسلاف کرام کا یہ اندازِ کلام علم غیب کے لغوی اور شرعی مفہوم کے مابین فرق کو پیش نظر رکھ کر کلام کرنے والے اہل علم کے مابین ہے جس میں شرعی مفہوم کے موہم ہونے کا احتمال ہی نہیں ہے جبکہ جہلاء کی زبان پہ استعمال ہونے میں یہ سب کچھ مفقود ہونے کی وجہ سے شرعی مفہوم کا موہم ہونا فطری امر ہے۔

تیسرا:۔سلف صالحین نے جہاں پر بھی ایسا کلام اختیار کیا ہے وہیں پر علم غیب کا وہ مفہوم کسی طرح ضرور موجود ہے جواللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور میں نہیں پایا جاسکتا۔بخلاف جہلاء کہ شرعی و لُغوی مفہوم کی تمیز کیے بغیر رجم بالغیب کرتے رہتے ہیں۔یعنی

چہ نسبت خاک را بعالم پاک

لہٰذا سلف صالحین کے کلام کا محل اور سیاق وسباق اس کے شرعی مفہوم کے موہم ہونے سے مانع ہے جبکہ جہلاء اوران کے جذبات کی تکمیل کرنے والے ناقص خطباء ونعت خوانوں کے کلام میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جواس کو موہم محظور ہونے سے بچائے۔ایسے میں ناقصوں کے ایسے

Marfat.com

ناجائز و ناقص اندازِ کلام کو کاملین پر قیاس کرنے کا کوئی جواز باقی نہیں رہتا۔

ایک متوقع سوال کا پیشگی جواب:۔ ہماری اِس تحقیق کو سمجھ کر پڑھنے والے قارئین کے ذہن میں اس سوال کا پیدا ہونا فطری امر ہے کہ جب علم غیب اپنے شرعی مفہوم میں اللہ تعالیٰ کی صفت مختصہ ہے جس کے کسی بھی جزئیہ اور فرد کا ثبوت غیر اللہ کے لیے ممکن نہیں ہے اگرچہ ملک مقرب و نبی مرسل ہی کیوں نہ ہو اور لغوی مفہوم کے اعتبار سے غیر اللہ کے لیے بھی ممکن ہے اور قرآن و حدیث کے نصوص میں جہاں غیر اللہ سے علم غیب کی نفی کی گئی ہے وہاں اس کا شرعی مفہوم مراد ہے اور جہاں غیر اللہ کے لیے ثابت کیا گیا ہے وہیں پر لغوی مفہوم کی مخصوص شکلیں مراد ہیں۔ایسے میں اختلاف کی کوئی گنجائش ہی باقی نہیں رہتی تو پھر موجودہ اختلاف جو حد تکفیر تک مشہور ہو چکا ہے، اس کا کیا مصرف ہے؟

اِس کا جواب یہ ہے کہ بیشک مسئلہ بجائے خود بے غبار ہے، قرآن و سنت میں اس حوالہ سے کوئی خفا نہیں ہے اس کے باوجود اختلاف کی جو شدت موجودہ دور میں پائی جاتی ہے اس کے بنیادی عوامل ہمارے تجربہ کے مطابق تین چیزیں ہیں؛

اوّل:۔ غیر معیاری مشائخ، جعلی پیروں اور ان کے گیتی نما دامِ تزویر میں پھنسے ہوئے علماء سوٗ کی بے اعتدالیاں کہ وہ تقریر و تحریر میں اور عوامی مجلسوں میں مطلق علم غیب غیر اللہ کے لیے ثابت ہونے کا ذکر کرتے رہتے ہیں، بالخصوص ذوات قدسیہ انبیاء و مرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کے لیے اور اولیاء اللہ کے لیے علم غیب ثابت کرنے کو تو تصوف کا لازمہ ہونیکا تاثر دیتے ہیں۔ اس کے ساتھ کسی نعت خوانوں کے ٹولہ کو بھی اس میں کافی دخل ہے کہ وہ علم غیب کے لغوی اور شرعی مفہوم کی تفریق سے غافل ہونے کی بناء پر غیر اللہ کے حق میں غیب جاننے والے اور غیب دان جیسے الفاظ کا استعمال اپنے جیسے جہلاء کے ماحول میں تبلیغ کے طور پر کرتے رہتے ہیں۔

دوم:۔ دارالافتاء کے ذمہ داروں کی بے احتیاطی ہے کہ اُنھوں نے بے اعتدالوں کے منہ

Marfat.com

سے ایسے استعمالات سن کر ان کی اصلاح کرنے کے بجائے ان کی تکفیر کی کیوں کہ انہوں نے تصویر کا صرف ایک رُخ دیکھا کہ علم غیب کا شرعی مفہوم اللہ تعالیٰ کی صفت مختصہ ہے جس میں غیر اللہ کو شریک کرنے والا کافر و مشرک ہوتا ہے۔ اس موقع پر اگر تصویر کے دوسرے اور تیسرے رُخ پر نظر کرنے کی توفیق اُنہیں نصیب ہوتی جو بالترتیب علم غیب کا لغوی مفہوم اور ان لوگوں کی غلطی ہے تو کفر و شرک کا فتویٰ لگانے کی بے احتیاطی کبھی نہ کرتے سچ کہا گیا ہے کہ

''مفتی کی ایک غلطی اُمت کی تباہی''

مفتیوں کی اس غلطی پر جتنا افسوس کیا جائے کم ہوگا، اُنہوں نے اس حوالہ سے تکفیری فتویٰ صادر کرتے وقت دارالافتاء کے احتیاطی واجبات کو پس پشت ڈالنے کے جرم کے ساتھ علم غیب کے لغوی مفہوم کو بھی ہضم کر لیا۔ انجام کار بے محل تکفیری فتویٰ صادر کر کے اپنے حلقہ اثر اور متبعین کے لیے التباس الحق بالباطل کی ایسی راہ نکالی جس سے ہٹنے کو وہ اسلام سے ہٹنے کے مترادف تصور کرتے ہیں۔ اس تکفیری فتویٰ کو جاری کرتے وقت انہوں نے دو مفہوموں کے لیے استعمال ہونے والے اس لفظ کے جدا جدا تقاضوں کو پامال کرنے کے ساتھ تکفیری فتویٰ کے لیے شرعی معیار سے بھی صرف نظر کیا، لزومِ کفر اور التزامِ کفر کی تفریق کو طاق نسیان کے جرم میں رکھنے کے ساتھ انجانے میں کل مکاتب فکر اہل اسلام کے سینکڑوں مسلمہ بزرگانِ دین کو بھی کافر و مشرک قرار دے دیا، جس پر جتنا افسوس کیا جائے کم ہے۔

سوم:۔ تکفیری فریق کی ''حفظ الایمان'' نام کی رسوائے زمانہ وہ تحریر ہے جس نے اِس سلسلہ میں جلتے پر تیل کا عمل کیا کیوں کہ اِس سے پہلے ہر دونوں طرف سے بے اعتدالیوں کی سرحد محدود تھی، مدہم اور قابلِ اصلاح تھی جس کو نہ صرف ''حفظ الایمان'' کی غیر اسلامی عبارت نے بلکہ ''سبط البنان'' اور ''تغیر العوان'' کی معکوسی حرکتوں نے مل کر اتنا نمایاں اور وسیع کر دیا کہ ہر دونوں طرف اصلاحِ احوال کی راہیں ایسی مسدود ہو کر رہ گئیں کہ یہ دونوں فریق ایک

Marfat.com

دوسرے کے پیچھے لٹھ لیے پھر رہے ہیں یہاں تک کہ معاملہ اہل علم کی استطاعت سے نکل کر فریقین کے طبقہ جہلاء کے مابین اکھاڑا بن چکا ہے۔ سچ فرمایا بزرگانِ دین نے کہ؛

"زَلَة العَالِم زَلَّةُ العَالَم"

یعنی مفتی کی لغزش صرف اُس تک محدود نہیں ہوتی بلکہ دوسروں کی خرابی کی بھی موجب بنتی ہے۔(اَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْهُ)

ایک اشتباہ کا ازالہ:۔ یہاں پر شاید کسی سطحی منطق شناس کے دل میں یہ سوال اُٹھے کہ اس تحریر میں علم الغیب المطلق کو اللہ تعالیٰ کی صفت مختصہ قرار دے کر غیر اللہ سے نفی کی ہے اور اسی کو ان تمام آیات و احادیث کا مورد قرار دیا ہے۔ جن میں غیر اللہ سے علم غیب کی نفی کی گئی ہے۔ اسکے مقابلہ میں مطلق علم غیب کو لغوی مفہوم میں غیر اللہ کے لیے ممکن اور ان نصوص کا مورد و مراد بتایا ہے جن میں غیر اللہ کے لیے علم غیب کا ثبوت ملتا ہے۔

اِس پر یہ اعتراض ہوسکتا ہے کہ علم الغیب المطلق اور مطلق علم غیب ایسے ہی ہیں جیسے الشئ المطلق اور مطلق الشئ جبکہ فلسفہ کے حصہ منطق کے ماہرین نے الشئ المطلق اور مطلق الشئ کے مابین فرق یہ بتایا ہے کہ الشئ المطلق ہر وہ کلی ہے جو اپنے کسی ایک فرد کی موجودگی سے موجود ہوسکتی ہے لیکن اسکے انتفاء و عدم کے لیے تمام افراد کا منتفی ہونا ضروری ہے اور مطلق الشئ ہر وہ کلی ہے جو اپنے کسی ایک فرد کی موجودگی سے موجود ہوسکتی ہے اور کسی بھی فرد کے منتفی ہونے سے منتفی ہوسکتی ہے۔ جیسے سید المحققین میر زاہد نے الحواشی الزاہدیہ علی ملا جلال اور الحواشی الزاہدیہ علی شرح المواقف میں بالترتیب لکھا ہوا ہے؛

"اِنَّ الْمُطْلَقَ يُوْخَذُ عَلٰى وَجْهَيْنِ الْاَوَّلُ اَنْ يُوْخَذَ مِنْ حَيْثُ هُوَ وَلَا يُلَاحَظ مَعَهُ الْاِطْلَاقُ وَحِيْنَئِذٍ يَصِحُّ اِسْنَادُ اَحْكَامِ الْاَفْرَادِ اِلَيْهِ لِاِتِّحَادِهِ مَعَهَا ذَاتاً وَ وُجُوْداً وَهُوَ بِهٰذَا الْاِعْتِبَارِ يَتَحَقَّقُ بِتَحَقُّقِ فَرْدٍ وَ يَنْتَفِيْ بِانْتِفَائِهِ وَهُوَ مَوْضُوْعٌ

Marfat.com

الْقَضِيَّةِ الْمُهْمَلَةِ اِذْمُوْجِبَتُهَا تَصْدُقُ بِصِدْقِ الْجُزْئِيَّةِ الْمُوْجِبَةِ وَ سَالِبَتُهَا تَصْدُقُ بِصِدْقِ السَّالِبَةِ الْجُزْئِيَّةِ وَالثَّانِيْ اَنْ يُوْخَذَ مِنْ حَيْثُ اَنَّهُ مُطْلَقٌ وَيُلَاحَظَ مَعَهُ الْاِطْلَاقُ وَحِيْنَئِذٍ لَا يَصِحُّ اِسْنَادُ اَحْكَامِ الْاَفْرَادِ اِلَيْهِ لِاَنَّ الْحَيْثِيَّةَ الْاِطْلَاقِيَّةَ تَابٰى عَنْهُ وَهُوَ بِهٰذَا الْاِعْتِبَارِ يَتَحَقَّقُ بِتَحَقُّقِ فَرْدٍمَاوَلَا يَنْتَفِيْ بِانْتِفَائِهٖ بَلْ بِانْتِفَاءِ جَمِيْعِ الْاَفْرَادِ وَهُوَ مَوْضُوْعُ الْقَضِيَّةِ الْطَبْعِيَّةِ''(۱)

الحواشی الزاہدیہ علی شرح المواقف کے الفاظ یہ ہیں:

''اِنَّ الْمُطْلَقَ يُلَاحَظُ عَلٰى وَجْهَيْنِ الْاَوَّلُ مُلَاحَظَتُهٗ مَعَ الْاِطْلَاقِ لَا بِاَنَّ يَكُوْنَ الْاِطْلَاقُ قَيْداً لَهٗ وَاِلَّا لَا يَبْقٰى مُطْلَقاً بَلْ بِاَنَّ يَكُوْنَ عُنْوَاناً لِمُلَاحَظَتِهٖ وَشَرْحاً لِحَقِيْقَتِهٖ وَالثَّانِيْ مُلَاحَظَتُهٗ مِنْ حَيْثُ هُوَ مِنْ غَيْرِ اَنْ يُلَاحَظَ مَعَهُ الْاِطْلَاقُ وَهٰذَا وَجْهُ الْفَرْقِ بَيْنَ مُطْلَقِ الشَّيْئِ وَالشَّيْئِ الْمُطْلَقِ''(۲)

اہل علم جانتے ہیں کہ منطقی مسائل حقائق سے عبارت ہیں جن کا خلاف نہ کبھی ہوا ہے نہ کبھی ہو سکتا ہے جبکہ اس تحقیق میں علم الغیب المطلق کو اللہ تعالیٰ کی صفت مختصہ قرار دیا گیا ہے جو منطق کے اس اُصول کے سراسر خلاف ہے ورنہ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کو بعض مغیبات کا علم ہے حالانکہ یہ اسلامی عقیدہ کے ساتھ متصادم اور نصوص قطعیہ کے منافی بلکہ ضرورت دینی سے بھی انکار ہے۔جس کا تصور ہی کوئی مسلمان نہیں کرسکتا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ الشیٔ المطلق اور مطلق الشیٔ کے حضرت السید میر محمد الزاہد نوَّرَاللّٰهُ مَرْقَدَهُ الشَّرِيْف کے بیان کردہ مذکورہ احکام نہ منطق کے مسلمہ مسائل کے زمرہ میں شمار ہیں نہ ان کی پابندی مسلمانوں پر لازم ہے اور نہ ہی قرآن وسنت اور بزرگان دین کی اجماعی ویقینی

(۱) میر زاهد ملا جلال، ص100، مطبوعه یوسفی هند۔

میر زاهد علی شرح المواقف، ص83، مطبوعه مطبع علوی هند۔

Marfat.com

تعبیرات کو ان پر منطبق کرنا جائز ہے۔ ایسے میں یہ اعتراض بے حقیقت اشتباہ برائے اشتباہ کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

اس اِجمال کی تفصیل یہ ہے کہ الشئ المطلق اور مطلق الشئ کو منطقی اُصول سمجھ کر شرعی مسائل کو ان پر منطبق کرنے کی کوشش کرنا سطحی فکر کی روش ہے۔

اولاً:۔ ان کو منطقی مسئلہ کہنا ہی غلط ہے کیوں کہ منطق کا کوئی مسئلہ ایسا نہیں ہے جو قبل الانتقال الی العربیت فلسفہ یونانی میں موجود نہ ہو جبکہ ان اصطلاحات کا نام ونشان بھی اس میں نہیں ہے اور نہ ہی ان کے مذکورہ احکام کا کوئی ذکر موجود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعد الانتقال الی العربیت بھی منطق کے بنیادی مسائل میں ان کا کوئی اَتا پتا نہیں ملتا۔ محض اس بناء پر انہیں منطقی مسئلہ سمجھنا کہ حضرت السید میر محمد الزاہد یا اُن جیسے کچھ حضرات نے منطق ومعقول کی کتابوں میں ان کو ذکر کیا ہے۔ ہرگز تقاضا انصاف نہیں ہے کیوں کہ کسی بھی فن میں مذکور ہونے والے تمام مسائل اس کے بنیادی مسائل نہیں ہوتے کیوں کہ بنیادی مسائل اور ان کی تحقیق وتجزیہ کے لیے ذکر کیے جانے والے مسائل، اعتبارات اور گوشہ ہائے سخن جدا جدا چیزیں ہیں، کوئی فن ایسا نہیں ہے جو غیر فنی باتوں سے خالی ہو۔ منطق ومعقول کی کتابوں میں الشئ المطلق اور مطلق الشئ کا جو تذکرہ ہوا ہے یہ بھی ایسا ہی ہے اس کی مثال منطق کی کتابوں میں ہی مذکور بحث دلالت، اقسام دلالت، لفظ مفرد ومرکب، حقیقت ومجاز اور مرتجل ومنقول جیسے مباحث ہیں۔ منطق ومعقول کی کتابوں میں مذکور ہونے کے باوجود ان کا مسائل منطقیہ نہ ہونے سے سب آگاہ ہیں۔ یہاں تک اصل سوال کا جواب آ گیا کہ علم غیب المطلق کو اللہ تعالیٰ کی صفت مختصہ قرار دینے سے منطق کے کسی اُصول، کسی مسئلہ اور کسی بھی قاعدہ کی خلاف ورزی نہیں ہے کہ خلافِ حقیقت ہوتا۔

☆☆☆☆☆☆

Marfat.com

الشئ المطلق اور مطلق الشئ کی حقیقت

اب ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ حضرت السید میر محمد الزاہد المتوفی 1101ھ کی مذکورہ کتب میں بیان شدہ الشئ المطلق اور مطلق الشئ کی جدا جدا حقیقتوں کے ساتھ اس کے پس منظر اور مالہ وما علیہ سے بھی پردہ اُٹھائے تاکہ اس حوالہ سے پیدا ہونے والے جملہ شکوک وشبہات کا ازالہ ہو سکے۔ وہ اِس طرح ہے کہ لغت ومحاورہ کی زبان میں ان دونوں کا ایک ہی مفہوم ہے۔ جس کے مطابق الشئ المطلق میں شئ موصوف ہے اور مطلق اس کی صفت ہے۔ جس کا استعمال تقاضا طبعی کے عین مطابق ہے یعنی موصوف پہلے اور صفت بعد میں مذکور ہوئے ہیں جبکہ مطلق الشئ میں برعکس ہے، بہر تقدیر شئ موصوف اور مطلق اس کی صفت ہونے میں اہل لسان کا قطعاً کوئی اختلاف متصور نہیں ہے۔ جس کے مطابق ان دونوں طریقہ ہائے استعمال سے متکلم کا بنیادی مقصد ایک ہی ہوتا ہے لغت ومحاورہ کی زبان میں اس معنوی یگانگت کے باوجود حضرت میر محمد الزاہد جیسے محققین عقلیہ کی مذکورہ تفریق کے فلسفہ کو سمجھنا بھی منطق ومعقولات کے ساتھ دلچسپی رکھنے والے حضرات کے لیے ایک چیلنج ہے۔ جسکی حقیقت تک رسائی اس کے پس منظر کو سمجھے بغیر ممکن نہیں ہے وہ اِس طرح ہے کہ منطق کے حصہ تصورات کے بنیادی مسائل میں یہ چیز شامل ہے کہ کلیات خمسہ کو بیان کرنے کے بعد ان میں سے ہر ایک کو کلی منطقی، کلی طبعی، کلی عقلی پر تقسیم کر کے کلیات کی پندرہ قسمیں بیان کی جاتی تھیں۔ مثال کے طور پر ''اَلاِنسَانُ کُلِیٌّ'' میں لفظ کلی کا جو مفہوم انسان پر محمول ہو رہا ہے وہ کلی منطقی ہے اور اس کا معروض وموضوع یعنی (انسان) کلی طبعی ہے جبکہ اِن دونوں کا مجموعہ ترکیب اتصافی کی صورت میں کلی عقلی ہے۔ یعنی ''اَلاِنسَانُ الکُلِیُّ''۔ اِسی طرح منطق کے حصہ تصدیقات کے اقسام القضایا کے اندر

Marfat.com

قدماء مناطقہ کے نزدیک قضیہ مہملہ اور قضیہ طبعیہ دونوں کا موضوع کلی طبعی کو قرار دیا گیا ہے تو ظاہر ہے کہ کلی طبعی ایک ہی حیثیت سے ان دونوں کے لیے موضوع ہو نہیں سکتی لہٰذا دونوں میں کلی طبعی کی جدا جدا حیثیتوں کی تعیین و پہچان کی ضرورت محسوس کی گئی۔ جو حضرت السید میر محمد الزاہد سمیت جملہ محققین فن کے مطابق اس طرح ہے کہ کلی طبعی جو حقیقت میں کلی منطقی کے لیے معروض و موضوع ہے بجائے خود دو حیثیتوں کی حامل ہے جن میں سے ایک معروض مــن حیــث انــہ معروض ہے جس میں عارض کی خصوصیت کا نہیں بلکہ کلی طبعی کے صرف اور صرف وصف معروضیت کا اعتبار ہے عارض ومحمول کچھ بھی ہو۔ جبکہ دوسری حیثیت مَعــرُوضٌ مِنْ حَيْثُ اَنَّـهُ مَعْرُوضُ هٰذَاالْكُلِّي ہے۔ اور کلی کا مفہوم بالیقین معقولات ثانیہ کے زمرہ میں ہونے کی وجہ سے اس کے معروض وموصوف کا موجود فی الخارج ہونے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ایسے میں "اَلإنسَـانُ كُـلِّـيٌ" جیسے کسی بھی قضیہ کا موجود فی الخارج یا قضیہ خارجیہ ہونے کا بھی کوئی سوال پیدا نہیں ہوسکتا بلکہ یہ قضیہ ذہنیہ کے سوا اور کچھ نہیں ہے جبکہ قضیہ مہملہ نہ صرف ذہنیہ بلکہ ذہنیہ، خارجیہ اور حقیقیہ میں سے ہر ایک کی صلاحیت رکھتا ہے۔

نیز قضیہ مہملہ میں درحقیقت کلی طبعی کے افراد پر حکم ہوتا ہے یعنی جو محمول و عارض ہوتا ہے وہ افراد کی صفت ہوتا ہے کلی طبعی کی نہیں لہٰذا قضیہ مہملہ میں کلی طبعی ظاہری طور پر موضوع و معروض اور اپنے افراد کے لیے عنوان و پہچان ہونے کے سوا کوئی حیثیت نہیں رکھتی ایسے میں "اَلإنسَـانُ كُـلِّيٌ" جیسے قضایا کو مہملہ کہنے کا کوئی جواز ہی نہیں ہے کیوں کہ محمول و عارض یہاں پر کلی ہے جو افراد کی صفت نہیں ہوسکتی ایسے میں "الانســان کـلـی" جیسے قضایا قضیہ طبعیہ کی خاص قسم ہونے کے علاوہ اور کچھ نہیں ہیں جو ہمیشہ قضیہ ذہنیہ ہوتے ہیں۔

قضیہ طبعیہ کی اس صورت کے علاوہ ایک اور صورت بھی ہے جس کی تفصیل اس طرح ہے کہ کلی طبعی کی مذکورہ دو حیثیتوں میں سے پہلی حیثیت یعنی مَعْرُوضٌ مِنْ حَيْثُ اَنَّهُ مَعْرُوضٌ کے اندر پھر تین اعتبارات کا امکان موجود ہے جن میں سے؛

Marfat.com

اوّل:۔ اَلطَّبِیعَۃُ الْمَعْرُوضَۃُ مِنْ حَیْثُ ھِیَ ھِیَ ہے جس میں متضاد اعتبارات اور عموم کا قطعاً کوئی لحاظ نہیں ہوتا اس میں حمل کبھی مصنوعی ہوتا ہے کبھی طبعی۔ مصنوعی کی مثال جیسے ''اَلْاِنْسَانُ زَیْدٌ' عَمْرٌو بَکْرٌ وغیرہ'' جو قضیہ حملیہ ہونے کے باوجود درجہ اعتبار سے قطعاً ساقط ہے کیوں کہ اس کے اندر حمل غیر فطری ہے۔ حمل طبعی کی مثال جیسے ''اَلْاِنْسَانُ اَسْوَدُ'' یہ قضیہ حملیہ مہملہ کی ایک خاص قسم ہے۔ یہاں پر قابل توجہ بات یہ ہے کہ حمل مصنوعی ہو یا طبعی، قضیہ مہملہ ہو یا غیر مہملہ اور محمول خاص ہو یا عام بہر تقدیر محمول کے مذکور ہونے سے قبل اس کا ظاہری موضوع ان دونوں صورتوں میں کلی طبعی متصف بوصف الوجود ہو سکتی ہے نہ متصف بوصف العدم یعنی موجود بھی نہیں ہے اور معدوم بھی نہیں یعنی لاموجود، لامعدوم۔ کلی طبعی کا یہ وہ مرتبہ ہے جس میں ارتفاع نقیضین کے جواز کا قول کیا جا سکتا ہے۔ لیکن محمول کے مذکور ہو جانے کے بعد کلی طبعی کی معروضیت بھی اسی کے مطابق ہوتی ہے کیوں کہ یہ اس کے ساتھ ذاتاً بھی اور وجوداً بھی متحد ہے۔ اِس لیے کہ ''اَلْحَمْلُ اِتِّحَادُ الْمُتَغَائِرَیْنِ مَفْھُوْماً فِی الْمِصْدَاقِ'' کا فطری تقاضا اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ کہ وہ معروضیت کے وصف میں محمول کی نوعیت و کیفیت کے مطابق ہو۔ مثال کے طور پر محمول اگر مفرد ہو تو اس کا ماصدق علیہ بھی مفرد ہو گا اور محمول کے متعدد ہونے کی صورت میں اس کا ماصدق علیہ بھی متعدد ہو گا۔ گویا اس کے تحقق کے لیے کسی ایک فرد کا تحقق کافی اور انتفاء کے لیے کسی ایک فرد کا منتفی ہونا بھی کافی ہے جو مطلق طبیعت کا حکم ہے۔ مثال کے طور پر ''اَلْاِنْسَانُ فِیْ خُسْرٍ'' جو قضیہ مہملہ موجبہ ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کا ظاہری موضوع جو مطلق طبیعت انسانی ہے وصف خسران کے ساتھ متصف نہیں ہو سکتی بلکہ خسران کے ساتھ متصف ہونا صرف اور صرف اس کے ماصدق علیہ اور افراد کا خاصہ ہے۔ جس کے لیے ظاہر میں مطلق طبیعت انسانی کو موضوع بنایا گیا ہے جس کے کسی ایک فرد کا بھی وصف خسران کے ساتھ متصف ہونے پر یہ حکم درست ہو سکتا ہے۔ اسی طرح ''اَلْاِنْسَانُ لَیْسَ فِیْ خُسْرٍ'' جو قضیہ مہملہ سالبہ ہے اس کے صدق کے لیے بھی مطلق طبیعت انسانی کے

Marfat.com

کسی ایک فرد کا معروض الخسر ان نہ ہونا کافی ہے۔ یہی حال ''اَلْاِنْسَانُ اَسْوَدُ'' اور ''اَلْاِنْسَانُ لَیْسَ بِاَسْوَدَ'' جیسے ان تمام قضایا کا ہے جن میں بظاہر کلی طبعی مطلق الطبیعت کے درجہ میں موضوع ہے جبکہ حقیقت میں محمول کے ساتھ وہ خود نہیں بلکہ اس کے افراد متصف ہیں کہ یہ سب کے سب قضیہ مہملہ کی خاص قسمیں ہیں۔

دوسرا اعتبار:۔ وہ اَلطَّبِیْعَۃُ الْمَعْرُوْضَۃُ مِنْ حَیْثُ ھِیَ ھِیَ ہے جس سے مراد متضاد اعتبارات کا اس انداز کے ساتھ حامل ہونا ہے کہ حیثیت کا تعلق صرف اعتبار کے ساتھ ہو مُعتبَر کے ساتھ نہیں۔ عنوان میں ہو معنون میں نہیں، لحاظ میں ہو ملحوظ میں نہیں، تصور اضافت کے ساتھ ہو ترکیب اضافی کے ساتھ نہیں اور تصور اِتصاف کے ساتھ ہو ترکیب توصیفی کے ساتھ نہیں۔ یہ کلی طبعی کا وہ مرتبہ ہے کہ جس میں اجتماع نقیضین کے جواز کا قول کیا جاسکتا ہے۔ مثال کے طور پر ''اَلْاِنْسَانُ کُلِّیٌ'' کہنا بھی ممکن ہے اور ''اَلْاِنْسَانُ بِکُلِّیٍ'' کہنا بھی ممکن ہے اسی طرح ''اَلْاِنْسَانُ نَوْعٌ'' کہنا بھی ممکن ہے اور ''اَلْاِنْسَانُ لَیْسَ بِنَوْعٍ'' کہنا بھی ممکن ہے۔ الغرض محمول کو ذکر کرنے سے قبل موضوع جو کلی طبعی ہے کا اتصاف اس قسم تمام متضاد اوصاف کے ساتھ ہونے کا اعتبار ممکن ہے لیکن محمول کے مذکور ہو جانے کے بعد وہی ایک متعین ہو جاتا ہے اور بالفعل متعین ہو جانے والا محمول اگر کلی کی صفت ہے یعنی جزئیات وافراد پر اس کا حمل درست نہ ہو تو اس انداز سے ترکیب پانے والا قضیہ طبعیہ قرار پاتا ہے گویا یہ قضیہ طبعیہ کی دوسری قسم ہے۔ مثال کے طور پر ''اَلْاِنْسَانُ نَوْعٌ'' یا ''اَلْاِنْسَانُ کُلِّیٌ'' جیسی ترکیب اس میں شامل ہے اور اگر جزئیات وافراد کی صفت ہے۔ مثال کے طور ''اَلْاِنْسَانُ اَسْوَدُ'' ''اَلْاِنْسَانُ اَبْیَضُ'' جیسے قضایا تو اس انداز سے ترکیب پانیوالا قضیہ مہملہ قرار پاتا ہے۔ گویا یہ قضیہ مہملہ کی دوسری قسم ہے۔

تیسرا اعتبار:۔ وہ اَلطَّبِیْعَۃُ الْمَعْرُوْضَۃُ مِنْ حَیْثُ ھِیَ ھِیَ ہے جس سے مراد یہ ہے کہ یہ حیثیت کلی طبعی کے عموم کے ساتھ متعلق ہے جیسے معنوی طور پر مشترکات میں ہوتا ہے اور

Marfat.com

عموم سے متعلق یہ حیثیت بھی کلی طبعی کے صرف عنوان میں ہے معنون میں نہیں، لحاظ میں ہے ملحوظ میں نہیں، تصور اتصاف میں ہے مرکب توصیفی میں نہیں اور تصور اضافت میں ہے ترکیب اضافی میں نہیں لہٰذا اس پر محمول ہونے والا مفہوم ہمیشہ کلی منطقی ہوتا ہے، جزئیات وافراد ہرگز نہیں ہوسکتے کیوں کہ یہاں پر موضوع ایسی کلی طبعی ہے۔ جس کے اندر کلیت، اطلاق اور عموم کا اعتبار ہے جبکہ جزئیات وافراد میں تخصیص وتقیید اور قیودات معتبر ہوتے ہیں جو عموم واطلاق کے منافی ہیں۔ مثال کے طور ''اَلْاِنْسَانُ کُلِّیٌ'' یا ''اَلاِنْسَانُ نَوْعٌ'' کی جانب محمول میں بالترتیب کلی منطقی اور نوع منطقی کے سوا اور کوئی شے مراد نہیں ہوسکتی۔ اس مرتبے میں کلی طبعی کو الطبیعت المطلقہ بھی کہتے ہیں جو الشئ المطلق سے مختلف نہیں ہے اور یہ ہمیشہ قضیہ طبعیہ کی موضوع ہوتی ہے جس سے ترکیب پانے والا قضیہ ہمیشہ قضیہ ذہنیہ ہوتا ہے یعنی قضیہ خارجیہ یا حقیقیہ ہونے کا امکان اس میں نہیں ہوتا کیوں کہ ان دونوں میں محکوم علیہ وموضوع جزئیات و افراد ہوتے ہیں جبکہ قضیہ طبعیہ کی اس قسم میں محکوم علیہ وموضوع وہ کلی طبعی ہے جو مِن حَیث ہے حیثیت عموم واطلاق کے ساتھ، یہ قضیہ طبعیہ کی تیسری قسم ہے۔

تو ظاہر ہے کہ اطلاق وتقیید کبھی جمع ہوسکتی ہیں نہ ایک نوع کی کلیت وجزئیت اور خصوصیت و تعمیم کا اجتماع ممکن ہے۔ اِس تحقیق سے جہاں قضیہ مہملہ قدمائیہ کی دو قسمیں معلوم ہورہی ہیں وہاں قضیہ طبعیہ کا ہمیشہ قضیہ ذہنیہ ہونا بھی واضح ہورہا ہے۔ افراد وجزئیات کے ساتھ اُس کا قطعاً کوئی تعلق ہی نہیں ہوتا۔

یہ اہل فن کے جملہ محققین کا متفقہ موقف ہے جس میں کسی کو اعتراض ہے نہ کوئی اختلاف جس کا اظہار قاضی محمد المبارک المتوفی 1162ھ نے سلم العلوم کی عبارت ''وَ هِیَ مِنْ حَیْثُ هِیَ لَیْسَتْ مَوْجُوْدَةً وَلَا مَعْدُوْمَةً وَلَا شَیْاءً مِنَ الْعَوَارِضِ فَفِیْ هٰذِهِ الْمَرْتَبَةِ ارْتَفَعَ النَّقِیْضَانِ'' کی تشریح کرتے ہوئے تین صفحات میں کیا ہے۔ ان حقائق کی موجودگی میں حضرت میر محمد الزاہد نَوَّرَ اللّٰہُ مَرْقَدَهُ الشَّرِیْفَ کا یہ کہنا کیونکر قابل قبول ہوسکتا ہے کہ ''اَلشَّیْئُ

Marfat.com

اَلْمُطْلَقُ يَتَحَقَّقُ بِتَحَقُّقِ فَرْدٍ مَا وَلَا يَنْتَفِيْ بِانْتِفَائِهِ بَلْ بِانْتِفَاءِ جَمِيْعِ الْاَفْرَادِ''

تقلید جامد کی افسردہ روایت:۔ مذکورہ اشتباہ میں علم الغیب المطلق کو اللہ تعالیٰ کی صفت مخصہ اور مطلق علم غیب کو اس کے لغوی مفہوم میں غیر اللہ کے لیے ممکن قرار دینے کے اسلامی عقیدہ کو الشئ المطلق اور مطلق الشئ کے احکام پر قیاس کر کے جو اشتباہ پیش کیا گیا ہے اس کی بنیاد تقلید جامد کی افسردہ روایت پر قائم ہے۔ جس کی تفصیل اس طرح ہے کہ الشئ المطلق اور مطلق الشئ بالفاظ دیگر الطبیعت المطلقۃ اور مطلق الطبیعۃ کے حوالہ سے مناطقہ سے دو چیزیں منقول ہیں؛ **اول:** ان کی جدا جدا تعریفیں ہیں۔ **دوم:** ان کے احکام ہیں۔

تعریفیں ان کی وہی ہیں جن کو مذکورہ عبارات وحوالہ جات کے مطابق ہم نے بیان کر دیا، جس میں نہ کوئی اعتراض ہے نہ کسی کو اختلاف، جبکہ احکام کے بیان میں سید میر محمد الزاہد کا یہ کہنا کہ ''اَلشَّيْئُ الْمُطْلَقُ'' کا ''تَحَقُّقْ بِتَحَقُّقِ فَرْدٍ مَّا'' اور ''اِنْتِفَاءِ بِانْتِفَاءِ جَمِيْعِ الْاَفْـــرَادِ'' ہوتا ہے نہ صرف خلاف حقیقت بلکہ الشئ المطلق کی تعریف کے بھی منافی ہے کیوں کہ الشئ المطلق کے مفہوم عنوانی میں عموم واطلاق معتبر ہوتا ہے جبکہ افراد میں قیودات و تخصیص ہوتی ہے۔ ایسے میں الطبیعۃ المطلقہ کے وجود کو اس کے افراد کے وجود پر اگرچہ فرد واحد ہی سہی موقوف قرار دینا جمع بین الاضداد کے مترادف ہے جو ناممکن ہے۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ السید میر محمد الزاہد نے کس تصور میں یہ لکھ دیا ہے۔ ہمیں اس پر افسوس نہیں کہ حضرت موصوف نَوَّرَاللّٰـهُ مَرْقَدَهُ الشَّرِيْفَ نے ایسا کیوں لکھا ہے اِس لیے کہ وہ استاذ المشائخ و المناطقہ ہونے کے باوجود معصوم ہرگز نہیں تھے کہ مغالطہ وخطاؤں کا تصور ان سے نہ ہو سکے بلکہ ذوات قدسیہ معصوم انبیاء ومرسلین کے ماسوا ''اَلْاِنْسَانُ مُرَكَّبٌ مِنَ الْخَطَاءِ'' کے عمومی اُصول فطرت کے ماتحت ہونے کی بناء پر ایسا ہونا ممکن تھا لیکن قابل افسوس بعد والے وہ تمام حضرات ہیں جنہوں نے حقائق کی طرف پشت کر کے اسی کو حقیقت سمجھا، تقلید جامد کی اِس افسردہ روایت کو سینہ سے لگایا اور حضرت موصوف کے حوالہ سے اس کو ہر جگہ دُہرایا اور دُہر

Marfat.com

ا رہے ہیں جس پر جتنا افسوس کیا جائے کم ہے۔ آنکھیں بند کر کے اکابر کی تقلید کرنے کی اندھیر نگری کی یہ کوئی ایک مثال نہیں ہے بلکہ اس جیسے بے شمار مسائل ایسے اور بھی موجود ہیں جن میں محض اکابر پرستی کی تقلید جامد میں گرفتار ہونے کی وجہ سے حقائق پر نظر رکھنے کی توفیق نصیب نہیں ہوتی۔

قابل صد آفرین ہیں حضرت بحر العلوم مدراسی، عبد الحلیم لکھنوی اور امام احمد رضا خان بریلوی جیسے تحقیق پسند حضرات کہ ان میں سے بعض نے صراحتاً اور بعض نے کنایۃً، بعض نے تفصیل کے ساتھ اور بعض نے اِجمال سے کام لیتے ہوئے حضرت موصوف کی اِس خطائی کا پتہ دیا ہے۔ حضرت بحر العلوم مدراسی نے میر زاہد ملا جلال کی محولہ مذکورہ فی السوال عبارت سے متعلقہ تحریر میں بالتفصیل چار وجوہ سے اس پر رد کیا ہے۔ (حوالہ کے لیے بحر العلوم علی المیر زاہد ملا جلال، صفحہ 36 تا صفحہ 37 ملاحظہ کریں)

ملا حسن نے تصور و تصدیق کی طرف تقسیم ہونے والے علم کی تشخیص کے حوالہ سے حضرت موصوف پر رد کرتے ہوئے لکھا ہے:

"ثُمَّ قَالَ ذَالِکَ الْقَائِلُ فِیْ مَوْضِعٍ آخَرَ اِنَّ الْمَقْسَمَ ھُوَ الطَّبِیْعَۃُ الْمُطْلَقَۃُ دُوْنَ مُطْلَقِ الطَّبِیْعَتِ فَمَعَ اَنَّہٗ مُنَافٍ لِقَوْلِہٖ فِیْ ھٰذَا لْمَقَامِ یَرِدُ اَنَّ الْمَقْسَمَ بِالْحَقِیْقَتِ ھِیَ الطَّبِیْعَۃ مِنْ حَیْثُ ھِیَ ھِیَ وَیُعَبَّرُ عَنْھَا بِمُطْلَقِ الشَّیْئِ لَاالشَّیْئِ الْمُطْلَقِ اَعْنِیْ الطَّبِیْعَۃَ مِنْ حَیْثُ الْعُمُوْمِ"

اہل علم جانتے ہیں کہ اس مختصر سی عبارت میں کس لطافت کے ساتھ الشئی المطلق کے میر زاہد ملا جلال والے حکم پر رد کیا جا رہا ہے۔ حضرت عبد الحلیم لکھنوی نَوَّرَ اللّٰہُ مَرْقَدَہُ الشَّرِیْفَ نے ملا حسن کی مذکورہ تردیدی عبارت میں مذکور مطلق الطبیعۃ اور الطبیعۃ المطلقہ کی بالترتیب تعریف و احکام کی تفریق بتاتے ہوئے القول الاحسن میں لکھا ہے:

"اَلْفَرْقُ بَیْنَھُمَا اَنَّ مُطْلَقَ الطَّبِیْعَۃِ عِبَارَۃٌ عَنْ نَفْسِھَا مَعَ عَزْلِ اللَّحْظِ عَنِ

Marfat.com

اَلْعَوَارِضِ حَتّٰی عَنِ الْاِ طْلَاقِ اَیْضاً وَھُوَیَتَحَقَّقُ بِتَحَقُّقِ الْاَفْرَادِ فِی الْخَارِجِ وَیَنْتَفِیْ بِانْتِفَاءِ فَرْدٍ مَا وَ یَسْرِیْ اِلَیْهِ اَحْکَامُ الْاَفْرَادِ . وَالْطَبِیْعَةُ الْمُطْلَقَةُ عِبَارَةٌ عَنِ الْطَبِیْعَةِ الْمَلْحُوْظَةِ مَعَ الْعُمُوْمِ وَالْاِ طْلَاقِ لَا بِاَنْ یَکُوْنَ الْاِ طْلَاقُ جُزْءً وَھِیَ لَا تَتَحَقَّقُ فِی الْخَارِجِ وَ لَا یَسْرِیْ اِلَیْھَا اَحْکَامُ الْاَفْرَادِ لِلْمُنَافَاتِ بَیْنَ الْعُمُوْمِ وَالْخُصُوْصِ ''(۱)

تقلید جامد کے حصار سے آزاد اہل انصاف پر واضح ہے کہ الشیٔ المطلق اور مطلق الشیٔ کی جدا جدا تعریفوں کے بعد ان کے احکام میں تفریق بتاتے ہوئے یہ جو کچھ لکھا ہے، یہ حضرت السید میر محمد الزاہد سے میر زاہد ملا جلال میں منقول اور آنکھیں بند کر کے ان کی تقلید میں ''اَلشَیْئُی الْمُطْلَقُ یَتَحَقَّقُ بِتَحَقُّقِ فَرْدٍمَا وَیَنْتَفِیْ بِانْتِفَاءِ جَمِیْعِ الْاَفْرَادِ ''کوشہرت دینے والوں پر کیسے صریح رد ہے۔ جس میں اولاً ''وَھِیَ لَا یَتَحَقَّقُ فِی الْخَارِجِ '' کہہ کر رد کیا کہ خارج میں پائے جانیوالے افراد کیساتھ ''اَلطَبِیْعَةُ الْمُطْلَقَةُ '' کے وجود کا قطعاً کوئی تعلق ہی نہیں ہے تا کہ کسی ایک فرد کے وجود سے یہ بھی موجود فی الخارج ہو سکے اور سب کے منتفی ہونے پر یہ بھی منتفی ہو سکے۔

ثانیاً:۔ ''وَلَا یَسْرِیْ اِلَیْھَا اَحْکَامُ الْاَفْرَادِ '' کہہ کر رد کیا کہ جب افراد کے احکام کا اس کے ساتھ کوئی تعلق ہی نہیں ہے تو پھر ''یَتَحَقَّقُ بِتَحَقُّقِ فَرْدِمَّا وَیَنْتَفِیْ بِانْتِفَاءِ جَمِیْعِ الْاَفْرَادِ '' کا کوئی مقصد ہی نہیں رہتا۔

ثالثاً:۔ لِلْمُنَافَاتِ بَیْنَ الْعُمُوْمِ وَالْخُصُوْصِ کہہ کر رد کیا کہ جب الشیٔ المطلق میں عموم کا اعتبار ہے اور افراد میں ہمیشہ خصوص ہوتا ہے تو ایسے میں ''اَلشَیْئُی الْمُطْلَقُ یَتَحَقَّقُ بِتَحَقُّقِ فَرْدِمَا وَیَنْتَفِیْ بِانْتِفَاءِ جَمِیْعِ الْاَفْرَادِ '' کہنا جمع بین المتنافیین کے مترادف ہے۔ جو بجائے خود ناجائز و باطل ہے۔

(۱) القول الاحسن، ص 27۔

Marfat.com

حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی نے فتاویٰ رضویہ، جلد 13، صفحہ 176 تا 178 میں اپنے ہم عصر ایک غیر معیاری مفتی جس نے اپنے غلط فتویٰ کو درست ثابت کرنے کے لیے میر زاہد ملا جلال کی مذکورہ عبارت سے استدلال کی کوشش کی تھی پر رد بلیغ کرتے ہوئے احقاق حق کا حق ادا کیا ہے۔ جس سے استفادہ کرنا نہ صرف زواہد ثلاثہ اور قاضی مبارک و ملاحسن پڑھنے اور پڑھانے والے حضرات کی ضرورت بلکہ اُصول فقہ کی کتابوں کے جن مقامات پر کلی طبعی اور الشئی المطلق و مطلق الشئی جیسے اعتبارات کا ذکر ہوتا ہے ان کے پڑھنے اور پڑھانے والے تمام حضرات کو پیش آنیوالی جملہ مشکلات کا بھی حل ہے۔ (فَجَزَاهُ اللّٰهُ خَيْرَ الْجَزَاءِ)

الغرض حضرت السید میر محمد الزاہد کا یہ کلام خلاف حقیقت ہونے کے سوا اور کچھ نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ آنکھیں بند کر کے ان کی تقلید کرنیوالے حضرات نے اس کو بنیاد بنا کر جہاں کہیں بھی کلام کیا ہے وہ بھی متضاد، نا قابل فہم اور بے حقیقت گفتگو ہونے کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ مثال کے طور پر میر زاہد اُمور عامہ کے محشی وحید الزمان نے ایک صفحہ پہلے حضرت السید میر محمد الزاہد کے مذکورہ کلام کو اپنی من پسند ترجیح کے اثبات کے لیے نقل کیا جس کے چند سطر بعد دوسرے صفحہ میں اس کے خلافِ حقیقت ہونے کو ظاہر کرنے پر مجبور ہوتے ہوئے لکھا ہے:

”لِاَنَّ اَلشَّيْئَ الْمُطْلَقَ لَا يُمْكِنُ تَحَقُّقُهُ فِي الْاَفْرَادِ لِاَنَّ الْحَيْثِيَّتَ الْاِطْلَاقِيَّةَ تَابِئ عَنِ التَّقْيِيدِ“(۱)

ان حالات میں حضرت السید میر محمد الزاہد کے مذکورہ خلاف حقیقت کلام کو ہر جگہ دُہراتے پھرنے کا انجام ایسے اشتباہات میں مبتلا ہونے کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔

خلاصۃ التحقیق بعد التفصیل:۔ الشئی المطلق میں کلی طبعی من حیث العموم والاطلاق معتبر ہوتی ہے جبکہ مطلق الشئی میں مِنْ حَيْثُ هُوَ هُوَ معتبر ہوتی ہے یعنی حیثیت دونوں میں

---

(۱) حاشیہ وحید الزمان علی میر زاهد امور عامه، ص 46۔

Marfat.com

اِطلاقی ہوتی ہے۔تقییدی یا تعلیلی کسی ایک میں بھی نہیں ہے اس کے باوجود الشئی المطلق میں یہ حیثیت صرف عنوان میں ہے معنون میں نہیں اور لحاظ میں ہے ملحوظ میں نہیں اِس مفہومی تفریق کے علاوہ مزید تمیز اور احکام کا فرق اِس طرح ہے کہ:

1. قدماء مناطقہ کے مطابق بظاہر قضیہ طبعیہ اور قضیہ مہملہ دونوں کا موضوع کلی طبعی ہونے کے باوجود طبعیہ کا موضوع کلی طبعی من حیث الاطلاق ہے جبکہ مہملہ کا موضوع کلی طبعی من حیث ہو ہو ہے۔
2. قضیہ طبعیہ اور مہملہ کی حقیقی پہچان و تفہیم محمول کی جانب سے ہوتی ہے کہ جس کا محمول افراد کی صفت ہو وہ مہملہ اور جس کا محمول افراد کی صفت نہ ہو سکے وہ طبعیہ سمجھے جاتے ہیں۔اس حقیقت کی روشنی میں الشئی المطلق اور مطلق الشئی کے یہ احکام بھی وجود میں آرہے ہیں۔
3. الشئی المطلق اپنے افراد کے ساتھ حقیقی اتحاد نہیں رکھتا کہ دونوں کا وجود اور ذات ایک ہو جبکہ مطلق الشئی اپنے افراد کے ساتھ حقیقی اتحاد رکھتا ہے کہ افراد کے بغیر نہ اس کی ذات ہے نہ وجود، ایسے میں ایک اور حکم وجود میں آرہا ہے۔
4. الشئی المطلق کے وجود کا افراد کے وجود وعدم کے ساتھ کوئی ربط نہیں ہے یعنی افراد اس کے موجود ہوں یا نہ ہوں جو کچھ بھی ہو اس پر کوئی اثر نہیں پڑتا وہ بہر تقدیر وجود ذہنی اور نفس الامری کے ساتھ موجود ہوتی ہے اور قضیہ طبعیہ کے لیے موضوع ہوتی ہے۔اس کا محمول ہمیشہ کلی منطقی ہوتا ہے چاہے جس درجہ کی کلی ہی کیوں نہ ہو۔جبکہ مطلق الشئی اپنی ذات اور وجود کے اعتبار سے متحد مع الافراد ہے لہٰذا اس کے خارجی وجود کے لیے کسی ایک فرد کی موجودگی بھی کافی ہے اسی طرح نفی کے لیے کسی ایک فرد کی نفی بھی کافی ہے۔

اِس کے علاوہ **پانچویں** بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ الشئی المطلق اور مطلق الشئی منطق کے بنیادی مسائل میں ہرگز نہیں ہیں بلکہ یہ کلیات کے مختلف اعتبارات اور متعدد حیثیات ہیں جس کی

Marfat.com

ابتداء قضیہ طبعیہ اور مہملہ قدمائیہ کے موضوعات کے مابین ما بہ الامتیاز کی پہچان کے لیے کی گئی تھی بعد میں عام طور پر استعمال ہونے لگے۔ کیوں کہ بظاہر ان دونوں قضیوں کا موضوع ایک جیسا ہے۔ جیسے ''اَلْاِنْسَانُ نَوْعٌ'' اور ''اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ'' جبکہ اول الذکر قضیہ طبعیہ اور ثانی الذکر بالیقین قضیہ مہملہ ہے۔ تو ان کے باہمی تفریق کا واجبی تقاضا تھا کہ ان کے موضوع بھی مختلف ہوں۔ ایسے میں ارباب فن نے الشئ المطلق اور مطلق الشئ کے اعتبارات وحیثیات مذکورہ کا سہارا لے کر مہملہ قدمائیہ کو قابل فہم بنا دیا، قضیہ مہملہ قدمائیہ کی اس صعوبت فہم کو دیکھ کر متاخرین مناطقہ نے اس کا عنوان بدلا کر سہل الفہم بنا دیا۔ ''اَلْمُهْمَلَةُ مَاحُکِمَ فِیْهَا عَلَی الْاَفْرَادِ الْغَیْرِ الْمُبَیَّنَةِ الْکَمِیَّتِ''۔ (فَجَزَاهُمُ اللّٰهُ خَیْرَ الْجَزَاءِ)

درسِ نظامی پڑھنے اور پڑھانے والوں کو ملنے والا سبق:۔

اِس پوری تفصیل سے درس نظامی پڑھنے اور پڑھانے والے حضرات کو خاص سبق یہ مل رہا ہے کہ اس شعبہ میں پڑھنے اور پڑھائے جانے والے فنون وکتب کے جن مسائل کو مشکل اور ناقابل فہم کہا جاتا ہے وہ بجائے خود مشکل ہوتے ہیں نہ صعب الفہم بلکہ مصنفین کے اندازِ تحریر کی کارستانی کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا ورنہ صاحبِ تصنیف یہ سب کچھ لکھتے وقت اگر طریقہ تفہیم کو آسان کرنے، اندازِ تحریر کو قابلِ فہم بنانے اور قاریوں کی سہولتِ فہم کو پیش نظر رکھنے کا اہتمام کرتے تو پھر مشکل نام کی کوئی چیز نہ ہوتی۔ مثال کے طور پر سلم العلوم میں بنیادی طور پر منطق کے وہی مسائل موضوعِ سُخن ہیں جو تہذیب المنطق میں بیان کیے گئے ہیں اِسکے باوجود سُلم العلوم پڑھنے وار پڑھانے والوں کے پسینے چھوٹ جاتے ہیں جبکہ اِن ہی حضرات کو تہذیب المنطق کے مسائل آسان نظر آتے ہیں کہ پڑھنے والوں کو مشکل پیش آتی ہے نہ پڑھانے والوں کو نہ صرف اِس حد تک بلکہ بسا اوقات ایک ہی مُصنِف کی مختلف تحریروں میں سہل الفہم اور صعب الفہم کی تضاد رنگی نمایاں ہوتی ہے۔

Marfat.com

مثال کے طور پر مختصر المعانی اور مطول جو ایک ہی مصنف کی تحریریں ہیں اور دونوں کے موضوعِ سُخن علم بلاغت کے مسائل ہیں لیکن مطول کو مختصر المعانی کے مقابلہ میں مشکل سمجھا جاتا ہے جس کا فلسفہ اندازِ تحریر کے تفاوت کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ علیٰ ہٰذا القیاس ہر فن اور ہر کتاب کے جن مسائل کو بھی مشکل سمجھا جاتا ہے اُس کا پس منظر اِس مانعۃ الخُلو سے باہر نہیں ہے کہ یا تو اُسکے قاری حضرات اُس فن کے مخصوص اصطلاحی الفاظ سے ناآشنا ہوتے ہیں یا اصطلاحات کی زبان کو سمجھنے کے باوجود محض اِس وجہ سے لا حاصل رہ جاتے ہیں کہ مُصنِف کا طریقہ تفہیم و اندازِ تحریر قابلِ فہم نہیں ہوتا۔ ایسے میں ہر مُدرِّس، ہر اُستاذ اور ہر مُعلم کے لیے ناگزیر قرار پاتا ہے کہ کتاب کی تابعداری کرنے کے بجائے کتاب کو اُس فن کے تابع بنا کر اصل مسئلہ کی تفہیم کریں، کتاب کو مقصودِ اصلی سمجھنے کے بجائے اُس فن کو بنیاد قرار دے کر چلے اور فن کے مسائل کو کسی خاص کتاب پر موقوف سمجھنے کے بجائے فن کے مسلمات کی روشنی میں آگے منتقل کریں۔

خلاصۃ الجواب بعد التدقیق:۔ سلف صالحین کے کلام میں جو کہا گیا ہے کہ علم الغیب المطلق اللہ تعالیٰ کی صفت خاصہ ہے جو کسی بھی غیر اللہ کے لیے ممکن نہیں ہے چاہے ملک مقرب و نبی مرسل جیسی ماوراء العقل والحواس کمالات کی حامل ہستی ہی کیوں نہ ہو یہ اپنی جگہ درست ہے، اسلامی عقیدہ ہے اور نا قابل انکار حقیقت ہے اُس پر کیا جانیوالا مذکورہ اشتباہ منطق کے حوالہ سے سطحی ذہن والے حضرات کے دماغ کی پیداوار اور بناء الغلط علی الغلط ہے کیوں کہ اشتباہ وارد کرنے والوں نے الشئی المطلق یعنی علم الغیب المطلق کے اُس حکم کو پیش نظر رکھ کر ایسا کیا ہے۔ جو میر زاہد ملا جلال میں حضرت السید میر محمد الزاہد سے منقول ہے وہ چونکہ بجائے خود غلط ہے لہٰذا اس پر بنا ہونے والا اعتراض آپ ہی غلط قرار پائے۔ ایسے میں فقہاء کرام سے لیکر طبقہ مفسرین تک اسلاف سے منقول اس کلام یعنی علم الغیب المطلق خاصۃ سبحانہ وتعالیٰ کا جملہ اور اِس کا مفہوم و حاصل مضمون جو ہے وہ الشئی المطلق کی حقیقی تعریف اور واقعی احکام

Marfat.com

کے عین مطابق ہے جس کی روشنی میں ''علم الغیب المطلق خاصۃٌ سبحانہ وتعالیٰ'' کا جملہ قضیہ طبعیہ کے سوا اور کچھ نہیں ہے جو وجود نفس الامری رکھنے کیساتھ وجود ذہنی اور اعتقادی اور جملہ اہل اسلام کا قطعی ویقینی عقیدہ بھی ہے، جس کا قضیہ خارجیہ یا حقیقہ ہونے کا کوئی امکان ہی نہیں ہے۔ پیشِ نظر اعتراض کے جواب میں کلام اگرچہ طویل ہوا لیکن مقتضائے مقام تھا کیوں کہ الشیٔ المطلق اور مطلق الشیٔ کے ان الفاظ کو منطق کے مسائل میں سمجھ کر حضرت السید میر محمد الزاہد کے حوالہ سے جو غلط تاثر پیدا کیا گیا تھا اس کا ازالہ بغیر اس کے ممکن ہی نہیں تھا کہ ان دونوں الفاظ کی حقیقت، ان کا پس منظر اور میر زاہد ملا جلال میں ان کے بیان شدہ احکام کی حقیقت سے پردہ اُٹھایا جاتا۔

اصل اعتراض کا جواب اگرچہ مختصر تھا لیکن اس کی حقیقت تک پہنچنے اور اس پر بصیرت حاصل کرنے کے لیے یہ سب کچھ ضروری تھا اس کی ایسی مثال ہے۔ جیسے منطق کے حصہ تصورات میں مقصود اصلی مُعرِّف کے عوارضات ذاتیہ کے حوالہ سے معدودی چند باتوں کو جاننا ہوتا ہے لیکن اس مختصری بحث کو علیٰ وجہ البصیرت سمجھنے کے لیے شروع سے لے کر بحث مُعرِّف میں پہنچنے تک درجنوں مباحث سے گفتگو کی جاتی ہے۔ (فَلِلّٰہِ الْحَمْدُ اَوَّلاً وَّ آخِراً ظَاھِراً وَّ بَاطِناً)

خلاصۂ کلام:۔ علمِ غیب کے لُغوی اور شرعی مفہوم کے مابین تفریق سے غافل یا بے توجہ مشائخ اور اُن کی اتباع کرنے والے علماء کا علی الاطلاق غیر اللہ کی طرف علم غیب منسوب کرنا بے احتیاطی اور غلط ہونیکے باوجود قابلِ اصلاح تھا اُس وقت کے دارالافتاء کے ذمہ داروں پر لازم تھا کہ اُن کی اصلاح کرتے لیکن اصلاح کرنے کے بجائے اُن کی بے مصرف تکفیری کی گئی، ملتزمین اسلام کو ملتزم کفر قرار دیا گیا، غلط فتویٰ صادر کر کے التباس الحق بالباطل کیا گیا اور اس تکفیری فتویٰ کو اُصولِ تکفیر کے منافی مفروضوں پر مشہور کیا گیا۔

جب اس بے محل فتویٰ کا اسلام کے حقیقی مفتیوں کو پتہ چلا تو اُنہوں نے اپنا مذہبی فریضہ ادا کرتے ہوئے اسکی غلطیاں دنیا کے سامنے ظاہر کیں، اس کے مفاسد و بدانجامی کا پردہ کھولا اور

Marfat.com

تصویر کے تینوں رخ دنیا کو بتا کر ہر ایک کے جدا جدا شرعی احکام بتائے۔ لیکن وقت گزر چکا تھا اور ”مفتی کی ایک غلطی اُمت کی تباہی“ کا مقولہ عمل کی صورت اختیار کر چکا تھا۔ تاریخی غلطی کے مرتکب ان مفتیوں کی اندھی تقلید کرنے والوں کی ایک جماعت مسلم معاشرہ میں پھیل چکی تھی جس کے نتیجہ میں دو متضاد دار الافتاء کے ساتھ مربوط اہل عقیدہ کا باہمی مشت بگریبان ہونا طبعی امر تھا جو ہو رہا ہے۔ اس کے علاوہ ”حفظ الایمان“ کو اس سلگتی ہوئی آگ کو بھڑکانے میں سب سے بڑا دخل ہے گویا علم غیب کے حوالہ سے برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں میں جو کشیدگی پائی جاتی ہے اس کے پس منظر و اسباب اور محرکات میں بنیادی عوامل یہی تین اُمور ہیں ورنہ اگر جاہل و کسبی نعت خواں اور غیر معیاری مشائخ مطلق علم غیب کی نسبت کھلے بندوں غیر اللہ کی طرف کرنے کی بیباکی نہ کرتے تو شاید دار الافتاء کے ذمہ داروں سے بھی تکفیر مسلم کا جرم سرزد نہ ہوتا اسی طرح اگر غیر ذمہ دارانہ فتویٰ تکفیر جاری کرنیوالے حضرات تکبر کو چھوڑ کر اِنابت الی اللہ کا مظاہرہ کرتے، اپنی غلطی سے رجوع کرتے اور اصحاب مدارس ہونے کے گھمنڈ سے نکل کر حقیقی فتویٰ جاری کرنے والوں کا ساتھ دیتے تو مجادلہ کی موجودہ صورت کبھی پیش نہ آتی یا اگر کم از کم ”حفظ الایمان“ والی تحریر کا مصنف اپنی اس رسوائے زمانہ عبارت پر اَڑے رہنے کے بجائے حقیقت کو تسلیم کرتے ہوئے اعلانیہ توبہ تائب ہونیکی سعادت پاتے پھر بھی اُس دار الافتاء کے اصاغر کو بے محل مجادلہ کرنیکی یہ جسارت کبھی نہ ہوتی جو ہو رہی ہے۔

الغرض علم غیب کے حوالہ سے ایک طرف سے تکفیر مسلم کے جرم کا دور دورہ ہے، ہر جہالت وحماقت کو کفر و شرک قرار دینے کی جسارت ہے، ہر بیباکی و بے اعتدالی کو التزام کفر کہہ کر فتویٰ کفر و شرک جاری کرنے کی دجل کاری اور اکابر پرستی کی اندھی تقلید کی بدترین مثالوں کا ارتکاب کیا جا رہا ہے تو دوسری طرف سے اس کے بنیادی اور اولین سبب کی آب یاری کر کے گناہ پانے والوں کی روز افزوں حوصلہ افزائی ہو رہی ہے کسی ایک طرف سے بھی اصلاح احوال کی جرات کرنے والے نظر نہیں آ رہے ہیں ورنہ بات آسان ہے، مسئلہ اپنی جگہ بے

Marfat.com

غبار ہے اور جدال وقتال کی مجال ہی نہیں ہے۔ آج بھی اگر ان دونوں متضاد جماعتوں کی صفوں سے چند مصلحین رجل رشید کا کردار ادا کرتے ہوئے میدان اصلاح میں آئیں، تعصب وفرقہ واریت کی لعنت کو پاؤں تلے روندتے ہوئے اخلاقی جرات کا مظاہرہ کریں اور تکفیری فریق کو ''حفظ الایمان'' جیسے تمام مواد فساد کو جلا کر اِنابت الی اللہ پر آمادہ کرنے کے ساتھ جاہلوں کی حوصلہ افزائی کرنیوالے فریق کو بھی خدا کا خوف دلائے تو اِصلاحِ احوال کی سبیل ہوسکتی ہے لیکن اس کے لیے اخلاقی جرات درکار ہے جو فریقین کی صفوں میں دور دور تک کہیں نظر نہیں آرہی، اسلام کے ساتھ اخلاص درکار ہے جو چراغ لے کر ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتا اور لومتہ لائم کی پرواہ نہ کرنیوالے لاشرقی لاغربی بلکہ اسلامی فقط اسلامی ذہن والوں کی ضرورت ہے جن کا وجود مسعود کبریت احمد سے مختلف نہیں ہے۔ ایسے میں بالیقین کہنا پڑتا ہے کہ اس تمام تر فساد کی ذمہ داری بالترتیب مندرجہ ذیل حضرات پر عائد ہوتی ہے۔ غیر معیاری مشائخ اور طریقت نا آشنا متصوفہ اور ان کے دُم چھلے علماء سُو وکسبی نعت خوانوں کا ٹولہ جنہوں نے علم غیب کے لغوی وشرعی مفہوم کی تمیز، خاصۃ اللہ وخاصۃ الرسل کی تفریق اور عدم جواز کے موہم الفاظ کے استعمال کرنے کے ممنوع ہونے کے لیے شرعی احکام سے ناآشنائی کی بناء پر اس فساد کی بنیاد رکھ دی جس کی جتنی مذمت کی جائے کم ہے۔

❷ نادانوں کے اس جاہلانہ عمل پر انہیں تنبیہ کرکے اصلاح احوال کی طرف لانے کے بجائے ان پر کفر وشرک کا فتویٰ دینے والے غیر محتاط علماء اور بے احتیاط مفتیوں کا ٹولہ، جنہوں نے غلط فتویٰ لے کر اپنے اصاغر کو غلط راہ پر لگا دیا، اکابر پرستی کی اندھی تقلید کے اندھیروں میں مبتلا کیا اور حقیقی مفتیوں کے واقعی فتوؤں کو تسلیم کرنے کے بجائے انا کا مسئلہ بنا کر غلطی پر ڈٹے رہے۔ بالخصوص ''حفظ الایمان'' جیسے رسوائے زمانہ اور صریح التزام کفر پر اصرار نے تو جلتی پر تیل کا کردار ادا کیا جس کی جتنی مذمت کی جائے کم ہے۔

❸ غیر معیاری مشائخ کے دم چھلہ طبقہ کا اس فساد کے بنیادی سبب بننے والے جہلاء کا

Marfat.com

دست و بازو بنا اور ان کے ناجائز انداز استعمال کے لیے شرعی جواز تلاش کرنے کی ناکام کوشش۔ جس کے نتیجہ میں اہل سنت و جماعت حنفی المذہب کہلانے والوں کی کافی تعداد اسلام کے اس مسلمہ حکم کی انجانے میں مخالفت کررہی ہے۔ جس کے مطابق ناجائز ومحذور کے موہم الفاظ کو استعمال کرنا ممنوع فی الاسلام ہے۔

خلاصۃ التحقیق بعد التفصیل:۔ علم غیب کے حوالہ سے قرآن وسنت کی بزرگانِ دین کی تعبیر وتشریح کے مطابق جو شرعی احکام معلوم ہورہے ہیں، اُن کا خلاصہ مندرجہ ذیل ہے؛

❶ علمِ غیب اپنے شرعی مفہوم میں اللہ تعالیٰ کی صفت مختصہ ہے جس کو بطور شرعی حکم سمجھنے کے بعد اسکا کوئی ذرّہ برابر حصہ بھی غیر اللہ کے لیے صراحتاً تسلیم کرنیوالا ملتزم کفر قرار پاتا ہے۔

❷ علمِ غیب اپنے لغوی مفہوم میں مخصوص اسباب ودلائل کے مطابق غیر اللہ کا خاصہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی شان اقدس کے منافی ہے۔ جس کو بطور شرعی حکم جاننے کے بعد اس کی کسی بھی شکل کو اللہ تعالیٰ کی صفت قرار دینا التزامِ کفر یا لزومِ کفر یا جہل محض کی صورتوں سے خالی نہیں ہے۔

❸ لُغوی مفہوم میں غیر اللہ کے لیے ممکن الثبوت علم غیب پر دلیل وحی، اطلاع اللہ، اظہار اللہ، اور تعلیم اللہ کے قبیل سے ہو تو یہ ذوات قدسیہ انبیاء ومرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کی صفت مختصہ ہے جو ان کے ماسوا کے لیے ممکن نہیں ہے۔

❹ ذواتِ قدسیہ انبیاء ومرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کے ساتھ مختص علم غیب کو شرعی حکم کے طور پر جاننے کے بعد اس سے صراحتاً انکار کرنا یا اس پر ایمان لانے کے لوازمات میں سے کسی لازمہ مثلاً تعظیم کی ضد کا صراحتاً ارتکاب کرنا التزامِ کفر ہے۔

❺ علمِ غیب کا اپنے شرعی مفہوم میں اللہ تعالیٰ کی صفت مختصہ ہونے کا عقیدہ ضروریات دین کے قبیل سے ہونے کی طرح لغوی مفہوم میں انبیاء ومرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کے

Marfat.com

لیے مختص دلائل واسباب کے مطابق ثابت ہونے کا عقیدہ بھی ضروریات دین کے قبیل سے ہے۔جن میں سے ہر ایک کو تسلیم کرنا جزو ایمان ہے اور کسی سے بھی انکار منافی ایمان ہے۔

❻ علمِ غیب اپنے لغوی مفہوم میں الہام والے سبب ودلیل کے مطابق اولیاء اللہ کا خاصہ ہے اُن سے کم رتبہ کے کسی اور کے لیے ممکن نہیں ہے۔ جو قوت فکری وعملی کی امانتوں میں کمال امانتداری اور علم وعمل میں کمال اخلاص اور اتباع نبوی ﷺ کی بدولت انہیں نصیب ہوتا ہے۔اس کے علاوہ حدس، فراست اور نور بصیرت جیسے اور اسباب سے بھی ان حضرات کو یہ شرف حاصل ہوسکتا ہے۔

❼ لُغوی مفہوم میں اولیاء اللہ کے لیے علم غیب کے ثبوت کا عقیدہ ضروریاتِ دینیہ نہیں بلکہ ضروریاتِ مذہبیہ کے زمرہ میں شامل ہے۔جس کے مطابق اس سے صراحتاً انکار کرنے والوں کی بھی تکفیر جائز نہیں ہے۔

❽ ذواتِ قدسیہ انبیاء ومرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم اور اولیاء امت کے علاوہ کچھ اور اصحاب ہنر وکمال حضرات کے لیے بھی مخصوص دلائل واسباب کے مطابق لغوی مفہوم میں علم غیب ممکن ہے۔

❾ مخصوص دلائل کے مطابق لغوی مفہوم میں غیر اللہ کے لیے علم غیب کا ثبوت نا قابلِ انکار حقیقت ہونے کے باوجود ان سے متعلق علی الاطلاق ’’فُلَانٌ یَعْلَمُ الْغَیْبَ‘‘ جیسے الفاظ کا استعمال کرنا جہاں پر علم غیب کے شرعی مفہوم کا وہمہ دیتا ہو یعنی سننے والوں کا ذہن اس کے شرعی مفہوم کی طرف جاسکتا ہو ہر ایسے مقام پر اس طرح کا استعمال ناجائز وممنوع اور قابلِ تعزیر جرم ہے۔

❿ علمِ غیب کے شرعی اور لغوی مفہوم کے مابین تمیز سے محروم حضرات جو اپنے جیسے

Marfat.com

غافلین و جہلاء کے عوامی اجتماعات میں غیر اللہ کی طرف علی الاطلاق علم غیب نسبت کر کے انہیں غیب دان اور غیب جاننے والے کہتے رہتے ہیں یہ سب کے سب قابل اصلاح اور راہِ راست پر نہ آنے کی صورت میں قابلِ تعزیر ہیں۔

11 جو حضرات علم غیب کے لغوی اور شرعی مفہوم کے مابین تمیز رکھتے ہوں اور خاصۃ اللہ وخاصۃ النبی کی تفریق کر سکتے ہوں انکی محفل میں یا از روئے تعلیم و مذاکرہ الغرض ہر ایسی جگہ جہاں پر علم غیب کے شرعی مفہوم کا موہم نہ ہو علی الاطلاق ایسا کہنے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ سلف صالحین کے کلام سے اس طرح کے علی الاطلاق استعمالات جس حد تک منقول ہیں وہ سب کے سب اس اُصول کے مطابق ہیں۔ تاہم ہر حال میں ایسے الفاظ کے استعمال سے بچنا ہی محبوب فی الاسلام ہے، ظاہری نُصوص کے مطابق ہے اور اہل علم کی شان کے زیادہ لائق ہے

12 علی الاطلاق غیر اللہ کی طرف علم غیب نسبت کر کے ''فُلَانٌ یَعْلَمُ الْغَیْبَ'' جیسے الفاظ استعمال کرنا ہونے کے باوجود بھی ایسا کہنے والوں کی تکفیر کرنا اور انہیں کافر و مشرک قرار لیکر اسلام سے نکالنے کی روش غیر اسلامی حرکت ہے، دار الافتاء کے احتیاطی تقاضوں کے منافی ہے اور لزومِ کفر اور التزامِ کفر کے مابین تمیز نہ کرنے کی بنیاد پر غیر اسلامی جسارت ہے۔

13 یہ بھی معلوم ہوا کہ علم غیب کے حوالہ سے ہند و پاک کے پورے خطہ میں جو اختلاف برپا ہے، حد تکفیر تک کشیدگی و بدمزگی ہے اور جدال وقتال کا جو دل خراش منظر ہے یہ سب کچھ تعصب کی یا جہالت کی پیداوار ہے ورنہ اصل مسئلہ نہایت واضح ہے جس میں اختلاف کی گنجائش ہی نہیں ہے۔ سچ فرمایا بزرگان دین نے کہ؛

''اَلتَّعَصُّبُ اِذَا تَمَلَّکَ اَهْلَکَ'' (اَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْهُ)

☆☆☆☆☆☆

Marfat.com

اختتامیہ

''اُصولِ تکفیر'' کی اِس تحریر کے لیے علمِ غیب کے مسئلہ کو اختتامیہ بنانے سے مقصد ہمارا یہ ہے کہ اس حوالہ سے افراط وتفریط میں مبتلا حضرات کی بے اعتدالیوں پر تنبیہ ہو جائے کیوں کہ ایک طرف جہاں کہیں بھی غیر اللہ کی طرف علم غیب نسبت ہوتے ہوئے دیکھ کر کفر کا فتویٰ صادر کرنے میں دیر نہیں لگائی جاتی جو قرآن وسنت کی روشنی میں اُصولِ تکفیر کے منافی ہے، علم غیب کے لُغوی اور شرعی مفہوموں کی تمیز سے غفلت و ناآشنائی ہے اور التباس الحق بالباطل کی فسادکاری ہے جبکہ دوسری طرف سے معروضی حالات کچھ ایسے ہیں کہ شریعت مقدسہ کی زبان میں علم غیب کا ذات باری تعالیٰ کی صفت مختصہ ہونے کو خاطر میں لایا جاتا ہے نہ عدم جواز کے موہم الفاظ استعمال کرنے میں شریعتِ مقدسہ کے امتناعی احکام کو، مذہبی جنونیوں اور شریعت ناآشناؤں کی اِس حوالہ سے بے باکی کا یہ عالم ہے کہ لُغوی اور شرعی مفہوم کی تمیز کے بغیر اُٹھتے بیٹھتے غیر اللہ کی طرف علم غیب نسبت کر کے التباس الحق بالباطل کرتے ہیں اور شریعتِ مقدسہ کے احتیاطی احکام کو پامال کرتے ہیں نہ صرف اِس حد تک محدود بلکہ عوام الناس سمیت آئندہ نسلوں کے لیے اعتقادی مشکلات پیدا کرنے کے سبب بھی بنتے ہیں۔ خود کو مذہب سے قریب اور اہل سنت کے ٹھیکہ دار کہلانے والوں کی اِس بے اعتدالی سے فائدہ اُٹھا کر نمبر دو پیروں کے جھتے ضعیف العقیدہ عوام میں بیٹھ کر غیب دان ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں، اپنے لیے کرامت کے طور پر علم غیب مشہور کر کے جہاں شیطانت وحرام کاریوں کو فروغ دیتے ہیں وہاں عوام کا ایمان بھی خراب کرتے ہیں۔ اس پر مستزاد یہ کہ اِن گمراہوں کے داشتے علماء سو اور کسبی نعت

Marfat.com

خوانوں کے جھتے بھی محفلوں میں اُنہیں غیب دان بتانے سے گریز نہیں کرتے، دنیا دون کے لالچ میں سچے اولیاء کی کرامات ان نااہلوں پر چسپاں کر کے ان کی طرف علم غیب منسوب کرتے نہیں تھکتے جن کو روکنے اور ٹوکنے کے لیے پورے معاشرہ میں کوئی رجل رشید دکھائی نہیں دیتا جبکہ شریعت کی روشنی میں یہ دونوں روش غیر اسلامی ہیں۔ایک طرف سے دارالافتاء کے احتیاطی تقاضوں کی پامالی، تکفیر کے مورِد سے بے خبری اور لزوم کفر و التزام کفر کی تفریق سے ناآشنائی کے نتیجہ میں التباس الحق بالباطل کا غلغلہ ہے تو دوسری طرف سے شریعت کی زبان میں اللہ تعالیٰ کی علم غیب جیسی صفت مختصہ کی تضحیک و بے قدری ہو رہی ہے،لغت کی زبان میں ذوات قدسیہ انبیاء و مرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کے ساتھ مختص علم غیب کی توہین ہو رہی ہے اور حقیقی اولیاء اللہ کے ساتھ لغت کی زبان میں مختص علم غیب کو غیر معیاری مشائخ و ناقصوں کے لیے ثابت کر کے التباس الحق بالباطل کی دجل کاری کیے جانے سے پورا معاشرہ دگرگوں ہو چکا ہے۔ان حالات کو دیکھ کر مناسب سمجھا کہ ''اُصولِ تکفیر'' کی اس تحریر کے لیے علم غیب کے مسئلہ کو اختتامیہ کے طور پر شامل کر کے اصلاح احوال کی کوشش کروں۔

؎ کوئی عمل کرے یا نہ کرے　　　مجھے ہے حکم اذاں لا الہ الا اللہ

ایک اشتباہ کا ازالہ اور مزید وضاحت:۔ وہ یہ ہے کہ ''اُصولِ تکفیر'' کی جو چودہ قسمیں بیان کی گئی ہیں اُن میں سے پہلی چار قسمیں یعنی ملت اسلام سے انکار یا اُس کی کسی ضرورت دینی والے حکم سے انکار، اسی طرح ملت اسلام کی ضد کا یا اُس کے کسی ضروری حکم کی ضد کا ارتکاب کرنے میں التزام کفر ہونا تو ظاہر ہے جبکہ باقی دس قسموں کا دارومدار ایمان کے لوازمات خمسہ پر ہے کہ جب تک جذبہ عمل، محبت، تعظیم، تسلیم و رضا اور مُومَن بہ کے منافی جملہ مذاہب و حرکات سے بیزاری و نفرت کو بطور لازمہ ایمان ثابت نہیں کیا جاتا۔اُس وقت

Marfat.com

تک یہ سب کے سب صیغہ خفاء میں ہیں اِن میں التزام کفرواضح نہیں ہوتا اور اِن کو لازمہ ایمان کے طور پر ثابت کرنے کے لیے قرآن وسنت کے نصوص کے ساتھ تقاضا عقل بھی ضروری ہے کیوں کہ یہ اسلامی عقیدہ کی بحث ہے جس میں مسائل اعتقادیہ کا ثبوت عقلی دلائل سے ہونے کے ساتھ نصوص شرعیہ کی تائید پانا ضروری ہے۔ ایسے میں التزامِ کفر کی مذکورہ دس قسمیں وضاحت طلب ہیں۔

اِس کا جواب یہ ہے کہ ایمان کے مذکورہ لوازمات خمسہ کا ثبوت عقلاً بھی ہے، شرعاً بھی اور سلف صالحین کے شرعی فتوؤں سے بھی اِس اجمال کی تفصیل کو سمجھنے کے لیے مندرجہ ذیل تین مسلمات کو بطور تمہید سمجھنا ضروری ہے۔

اول:۔ ایمان وکفر باہمی مخصوص ضدین ہیں کہ ایک کا وجود آپ ہی دوسرے کی نفی ہے۔ جس کے بعد اُس کی نفی پر کوئی اور دلیل تلاش کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی، جس کے نتیجہ میں ایک شخص ایک وقت میں مومن ہوگا یا کافر، یعنی ایمان وکفر سے خالی بھی نہیں ہوسکتا اور دونوں اُس کے اندر جمع بھی نہیں ہوسکتے۔

دوم:۔ ہر چیز کو پوری طرح پہچاننے کیلئے نظام قدرت کے مطابق دوطریقے مقرر ہیں:

ایک:۔ اُس کی ذاتیات کے ذریعہ سے جیسے انسان کو حیوان وناطق کے واسطہ سے پہچانا جاتا ہے۔

دوسرا:۔ اُس کے لوازمات کے ذریعہ سے جیسے انسان کی پہچان اُس کے نام ونشان شکل وصورت، گفتار وکردار کے واسطہ سے ہوتی ہے۔ اِسی طرح ایمان وکفر میں سے ہرایک کبھی اپنی ذات وحقیقت سے پہچانا جاتا ہے اور کبھی لوازمات سے۔

Marfat.com

اِسی طرح جہاں تک ایمان کی حقیقت ہے وہ ملت اسلام اور اُس کے تمام ضروری احکام کے ساتھ تصدیق بالقلب اقرار باللسان کرنے کا نام ہے۔اِس کے لوازمات میں وہی چیزیں آسکتی ہیں جن کے بغیر اس کا اعتبار نہیں ہوتا اور یہ اپنی موجودگی کے باوجود کالعدم ہوتا ہے اُن کی تعیین وتشخیص کے لیے قرآن وسنت کے مواقع استعمال کا تتبع واستقراء کے ساتھ بزرگانِ دین کی تعبیرات وتشریحات کو دیکھنا بھی ضروری ہے۔

سوم:۔ بزرگان دین اور کل مکاتب فکر اہل اسلام کے قابل ذکر مفتیان کرام نے تصدیق بالقلب اقرار باللسان کی موجودگی کے باوجود بعض افعال واقوال کو بالیقین التزام کفر قرار دیا ہے۔مثال کے طور پر؛

1. معصیت کو حلال و جائز سمجھنا
2. معصیت کو ہلکا جان کر اُس سے کراہت نہ کرنا۔
3. ملتِ اسلام یا اُس کے کسی حکم پر استہزاء کرنا۔
4. زنا اور ناحق قتل کرنے کے حرام نہ ہونے کی آرزو کرنا۔
5. اللہ تعالیٰ کے کسی مقدس نام یا صفت یا کام کو مذاق بنانا،اُس پر استہزاء کرنا۔
6. نبی اکرم ﷺ کی بعثت کے نہ ہونے کی تمنا کرنا۔
7. کسی کو کافر ہونے کا مشورہ دینا۔
8. کسی قسم کے کفر کو پسند کرنا۔
9. کسی کو کافر ہونے کا مشورہ دینے کا پکا ارادہ کرنا۔
10. بلا جبر واکراہ جان بوجھ کر بغیر وضو کے نماز پڑھنا۔
11. بُت، چاند یا سورج وستارہ اور آگ کو سجدہ کرنا۔
12. اللہ کے کسی پیغمبر کو قتل کرنا۔
13. پیغمبر کو کسی جبر واکراہ کے بغیر گالی دینا۔
14. پیغمبر کی کسی صفت کو حقیر چیز کے ساتھ تشبیہ دینا یا اُس جتنا بتانا۔

Marfat.com

15 کسی اور مخلوق کو کسی کمال میں پیغمبر سے زیادہ افضل بتانا۔

16 نبی آخرالزمان رحمت عالم ﷺ کے بعد کسی دوسرے نبی کے پیدا ہونے کو جائز بتانا۔

17 بیت اللہ شریف کی توہین کرنا یا قرآن شریف کی توہین کرنا۔﴿یا﴾ کسی بھی شعائر اللہ کی جان بوجھ کر توہین کرنا۔

18 سنت نبوی ﷺ کی توہین کرنا یا اُس پر استہزاء و تضحیک کرنا۔

19 زنار باندھنا۔ 20 قشقہ لگانا۔ (وغیرہ وغیرہ)

الغرض اِس قسم درجنوں اقوال وافعال کو کل مکاتب فکر علماء اعلام ومفتیان اسلام نے التزام کفر قرار دیا ہے جبکہ اِس کا قائل مسلمان ہونے کا دعویٰ بھی کرتا ہے اور ملت اسلام اور اُس کے تمام ضروری احکام کے ساتھ تصدیق قلبی واقرار لسانی بھی رکھتا ہے اور ظاہر ہے کہ ایمان وکفر ایک شخص میں بیک وقت جمع نہیں ہو سکتے۔ ایسے میں کل مکاتب فکر علماء اسلام ومفتیان کرام کا بیک آواز ایسے مدعیان ایمان کو کافر ومرتد قرار دینے کا فلسفہ اِس کے سوا اور کچھ نہیں ہوسکتا کہ اِس قسم واقعات میں مُومَن بِہ کی ضد کا یعنی ملت اسلام یا اُس کے جس ضروری حکم پر ایمان و تصدیق کا دعویٰ کیا جارہا ہے اُس کی ضد کا ارتکاب کیا گیا ہے یا ایمان کے لوازمات میں سے کسی لازمہ کی ضد یا نقیض کا ارتکاب کیا گیا ہے۔ اِن دو صورتوں سے خالی ہونے کی صورت میں دنیا کے کسی بھی مفتی کو اُسے کافر ومرتد قرار دینے کی جرات نہیں ہوسکتی۔ چہ جائیکہ کہ کل مکاتب فکر علماء اعلام ومفتیان اسلام متفقہ طور پر اُس کو اسلام سے خارج قرار دیں۔ اس کے علاوہ یہ بھی ہے کہ مفتیان اسلام خود شارع نہیں ہوتے کہ جس کو چاہے ایمان قرار دیں اور جس کو چاہے کفر وارتداد قرار دیں، نہیں ایسا ہرگز نہیں ہے بلکہ حقیقی علماء کرام ومفتیان اسلام قرآن وسنت سے مفہوم ہونیوالے اُصولوں کی روشنی میں یہ سب کچھ کرتے ہیں۔ اسلام کے ان تینوں مسلمات کو سمجھنے کے بعد اصل مسئلہ آپ ہی واضح ہو جاتا ہے کیوں کہ قرآن وسنت کے

Marfat.com

ساتھ تقاضائے عقل سے بھی مذکورہ پانچ چیزیں ایمان کے لازمہ کے طور پر ناگزیر قرار پا رہی ہیں۔ جن میں سے مُومَن بہ کے ساتھ محبت کا لازمہ ایمان ہونے اور اُس کی ضد یا نقیض کے ارتکاب کرنے کی صورت میں ایمان کالعدم ہونے سے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا؛

''وَالَّذِیْنَ آمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّالِلّٰہِ''(۱)

مشرکین کی اپنے جھوٹے خداؤں کے ساتھ محبت کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کا اِس آیت کریمہ میں اہل ایمان کی اپنی ذات کے ساتھ محبت کو زیادہ، قوی اور مضبوط بتانے کا واضح فلسفہ دو چیزیں ہیں۔

اول:۔ مشرکین کی اپنے جھوٹے خداؤں کے ساتھ جو محبت ہے وہ ہمیشہ قائم و دائم نہیں ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اُس کی بھیجی ہوئی ملت اسلام کے ساتھ اور ملت اسلام کے جملہ ضروری احکام کے ساتھ مومنوں کے دلوں میں جو محبت ہے وہ ہمیشہ قائم دائم اور لاینفک لازمہ ایمان ہے۔ یہاں تک کہ اُس کی ضد یعنی عداوت و کراہت یا اُس کی نقیض یعنی عدم محبت کی صورت میں ایمان غیر معتبر اور کالعدم ہوتا ہے۔ جیسے حدیث شریف میں آیا ہے؛

''لا یُومِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ وَالِدِہٖ وَوَلَدِہٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ''(۲)

اِس حدیث میں اللہ کے رسول ﷺ نے مُومَن بہ کے حوالہ سے اپنی ذاتِ اقدس کا جو ذکر فرمایا ہے، یہ اکتفاء بالفرد الاعلیٰ کے قبیل سے ہے۔ ورنہ مُومَن بہ کے ہر فرد کا یہی حال ہے اور یہی انداز کلام مذکورہ آیت کریمہ میں بھی ہے کہ اُس میں اللہ تعالیٰ نے مُومَن بہ کی طویل فہرست اور ایمان مفصل میں معتبر جملہ ضروریات دینیہ میں سے صرف اپنی ذات کو بطور اکتفاء بالفرد

---

(۱) البقرۃ،165۔

(۲) مشکوٰۃ شریف بحوالہ مسلم و بخاری۔

Marfat.com

الاعلیٰ ذکر فرمایا ہے۔ ورنہ اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ کے ساتھ محبت کا لازمہ ایمان ہونے کی طرح ملت اسلام اور اُس کے جملہ ضروری احکام کے ساتھ محبت کا بھی یہی حال ہے۔ جس پر دلیل یہ ہے کہ ملت اسلام کے ساتھ بغض وعداوت یا نفرت وکراہت یا اُس کے کسی بھی ضروری حکم سے نفرت وکراہت یا بغض وعداوت رکھنے والے شخص کو کل مکاتب فکر اہل اسلام میں غیر مومن سمجھا جاتا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا؛

''مَنْ کَانَ عَدُوًّا لِلّٰہِ وَمَلٰٓئِکَتِہٖ وَرُسُلِہٖ وَجِبْرِیْلَ وَمِیْکٰلَ فَاِنَّ اللّٰہَ عَدُوٌّ لِّلْکَافِرِیْنَ''(۱)

اللہ کے فرمان ''وَالَّذِیْنَ آمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ''میں مومنوں کی اللہ کے ساتھ محبت کو مشرکوں کی بتوں کے ساتھ محبت سے زیادہ قوی اور مضبوط بتانے کا دوسرا فلسفہ یہ ہے کہ اہل ایمان کے دلوں میں مُومَن بہ کے ساتھ جو محبت ہے اُس کے ساتھ جذبہ عمل بھی ہے کہ ہر مومن چاہے باعمل ہو یا بےعمل بہرحال مُومَن بہ کے ساتھ جذبہ عمل ضرور رکھتا ہے جبکہ مشرکین جذبہ عمل کا التزام کیے بغیر مخصوص ماحولیاتی رنگ میں رنگین اور باطل تقلید کی بناء پر جھوٹے خداؤں کے ساتھ مشرکانہ عمل کرتے ہیں جب مشکل میں پھنس جاتے ہیں تو اِس کو چھوڑ کر حقیقی خدا وحدہ لا شریک کو فریاد کرتے ہیں جبکہ مومن کے دل سے جذبہ عمل کسی حال میں بھی ختم نہیں ہوتا بالفرض اگر ختم ہو جائے تو وہ مومن بھی نہیں رہتا۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی انسان ملت اسلام اور اُس کے تمام ضروری احکام کے ساتھ تصدیق قلبی واقرار لسانی کا دعویٰ کرنے کے ساتھ جذبہ عمل کی ضد یعنی مُومَن بہ کے برعکس عمل کرنے کا جزم کریں یا اُس کی نقیض یعنی جذبہ عمل کے عدم یعنی اسلام پر عمل نہ کرنے کا جذبہ دل میں جمائے تو جملہ مکاتب فکر اہل اسلام کے نزدیک غیر مومن کہلاتا ہے۔ جس کی واحد وجہ یہی ہے کہ مُومَن بہ پر عمل کرنے کا جذبہ ایمان کے لیے لازم ہے جس کی ضد یا نقیض کی موجودگی آپ ہی اُس کے عدم کی دلیل ہے جس کے بعد اُس کی نفی

---

(۱) البقرہ،98۔

Marfat.com

پر کوئی اور دلیل تلاش کرنیکی ضرورت نہیں ہے۔ جب لازمہ ایمان منتفی ہوا تو ایمان بھی منتفی ہوا کیوں کہ لازمہ کی نفی آپ ہی ملزوم کی نفی پر دلیل ہے جس کے بعد اُس کی نفی پر کوئی اور دلیل تلاش کرنیکی ضرورت نہیں رہتی۔ مذکورہ آیت کریمہ کا جذبہ عمل اور محبت کا لازمہ ایمان ہونے پر دلالت کرنے کے علاوہ سورۃ حجرات کی یہ آیت کریمہ بھی مُومَن بہ کے ساتھ ایمان کو محبت لازم ہونے پر دلالت کر رہی ہے۔ جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا؛

''حَبَّبَ اِلَیْکُمُ الْاِیْمَانَ وَزَیَّنَهٗ فِیْ قُلُوْبِکُمْ''(۱)

۳ مُومَن بہ کی تعظیم کا لازمہ ایمان ہونے کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا؛

''وَمَنْ یُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَیْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ''(۲)

جس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ کی محترم کی ہوئی چیزوں کی جو بھی تعظیم کرے گا وہ اُس کے لیے اللہ کے نزدیک خیر ہوگا۔

اہل علم جانتے ہیں کہ مُومَن بہ یعنی ملت اسلام اور اُس کے جملہ ضروری احکام محترم عند اللہ ہیں۔ جن کی تعظیم ہر مومن مسلمان کے دل میں موجود ہوتی ہے ورنہ اِس کی ضد یعنی توہین یا نقیض یعنی عدم تعظیم کے ارتکاب کرنے والے کا اُس کے ساتھ اقرار لسانی و تصدیق قلبی کالعدم قرار پاتی ہے۔ دوسری جگہ ارشاد فرمایا؛

''لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَ تُوَقِّرُوْهُ وَتُسَبِّحُوْهُ بُکْرَةً وَّاَصِیْلًا''(۳)

جس کا مفہوم یہ ہے کہ تم اللہ اور اُس کے رسول پر ایمان لانے کے ساتھ اُن کی تعظیم و احترام کرو گے اور صبح وشام اُس کی پاکیزگی کا اظہار کرو گے۔

(۱) الحجرات،7۔

(۲) الحج،30۔

(۳) الحج،30۔

Marfat.com

اہل علم جانتے ہیں کہ اِس آیت کریمہ میں بعثت رسول کا مقصد ہی یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول معظم ﷺ پر اور اُن کے لائے ہوئے احکام پر ایمان لانے کے ساتھ تعظیم واحترام بھی کیا جائے۔ جیسے ذات اللہ، افعال اللہ، صفات اللہ اور احکام اللہ پر ایمان لانے کے ساتھ اُن سب کی تعظیم واحترام لازمہ ایمان اور مقصد بعثت نبوی ﷺ بتایا گیا ہے۔ ویسے ہی پیغمبرِ کریم ﷺ کی ذات وافعال، صفات واسماء اور احکام پر ایمان کے ساتھ اِن سب کی تعظیم واحترام کو بھی اِس آیت کریمہ میں لازمہ ایمان بتایا گیا ہے۔ جس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کی کسی صفت کی تعظیم کی ضد یعنی توہین یا اُس کے نقیض کے بالیقین ارتکاب کرنے والے کو کل مکاتب فکر اہل اسلام کے نزدیک خارج از اسلام سمجھا جاتا ہے۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ کی کسی صفت یا کسی سنت کی تعظیم کی ضد یعنی توہین کے ارتکاب کرنے والے کو بالاتفاق و بالاجماع خارج از اسلام سمجھا جاتا ہے جو اِس کا لازمہ ایمان ہونے کی واضح دلیل ہے۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ''وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ''(۱) بھی مُومَن بہ کی تعظیم کا ایمان کے لیے لازم ہونے پر دلالت کر رہا ہے کیوں کہ ملت اسلام اور اُس کا ہر ضروری حکم اللہ تعالیٰ کی پہچان کا ذریعہ ہے شعائر اللہ بھی اُن ہی چیزوں کو کہا جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے محترم قرار دیے جانے کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی پہچان کا ذریعہ بھی ہوں۔ ایسے میں سورۃ الحج، آیت نمبر 30 اور آیت نمبر 32 کا ہر مُومَن بہ کی تعظیم کا ایمان کے لیے لازمہ ہونے پر دلالت کرنے میں کس کو شک ہوسکتا ہے۔

۲ تسلیم ورضا کا لازمہ ایمان ہونے پر آیت کریمہ:

''فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا

(۱) الحج، 32۔

Marfat.com

فِیۡۤ اَنۡفُسِہِمۡ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیۡتَ وَ یُسَلِّمُوۡا تَسۡلِیۡمًا''(۱)

جس کا مفہوم یہ ہے کہ تمہارے رب کی قسم وہ ہرگز ایمان والے نہیں ہوں گے جب تک اپنے معاملات میں آپ کو حاکم نہ بنائیں پھر تمہارے حکم پر اپنے دلوں میں تنگی محسوس نہ کریں اور دل سے مکمل تسلیم ورضا کا اظہار کریں۔

ظاہر ہے کہ دل سے مکمل تسلیم ورضا کے بغیر ایمان نہ ہونے کا اِس کے سوا اور کیا مقصد ہوسکتا ہے کہ تسلیم ورضا لازمہ ایمان ہے جس کے نقیض کی یعنی عدم تسلیم ورضا کی موجودگی یا اِس کی ضد یعنی ناراضگی وانکار کی موجودگی انتفاءِ ملزوم کی دلیل بن رہی ہے جس کے بعد ایسے شخص کے ایمان کی نفی کرنے پر کوئی اور دلیل تلاش کرنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہو رہی۔ اسی طرح حدیث شریف میں آیا ہے؛

''ذَاقَ طَعْمَ الإِيمَانِ مَنْ رَضِيَ بِاللّٰهِ رَبًّا وَبِالإِسْلَامِ دِينًا وَبِمُحَمَّدٍ رَسُولًا''(۲)

جس کا مفہوم یہ ہے کہ ایمان کا ذائقہ اُسی کو نصیب ہوسکتا ہے جو اللہ کی ربوبیت پر اور اسلام کا ضابطہ حیات ونظام العمل ہونے پر اور محمد ﷺ کے رسول اللہ ہونے پر راضی ہوا۔

اہل علم جانتے ہیں کہ یہاں پر بھی جن تین مُومَن بہ کا ذکر آیا ہے اُن میں سے ہر ایک اپنے جملہ لوازمات کے ساتھ مراد ہے یعنی ذات اللہ من حیث صفت الربوبیت کے ضمن میں جملہ افعال اللہ، صفات اللہ، اسماء اللہ اور احکام اللہ شامل ہیں کہ ان میں سے ہر ایک پر راضی ہو کر تسلیم کرنا ایمان کے لیے لازم ہے۔ جس کے بغیر ایمان کا ذائقہ کسی کو نصیب نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح ملت اسلام کو ضابطہ حیات ودستور العمل کے طور پر تسلیم کر کے اُس پر راضی ہونا اُس کے اُن تمام احکام کو شامل ہے، جو ضروریاتِ دین کے قبیل سے ہیں۔ جسکے مطابق ملت اسلام کے

(۱) النساء، 65۔

(۲) مشکوٰۃ شریف، کتاب الایمان بحوالہ صحیح مسلم شریف۔

Marfat.com

کسی ضرورت دینی والے حکم پر راضی ہوکر تسلیم کرنے کی ضد یا اُس کے نقیض کا صراحتاً ارتکاب کرنے والے شخص کو ذائقہ ایمان نصیب نہیں ہوسکتا۔اسی طرح محمد ﷺ کی رسالت پر راضی ہوکر اُسے تسلیم کرنے سے متعلق جو کلام ہے یہ بھی رسالت نبوی ﷺ کے جملہ لوازمات و تقاضوں کو شامل ہونے کے ساتھ ذات محمدی، سنت وافعال محمدی، صفات محمدی، اسماء محمدی اور احکام محمدی کی اُن تمام قسموں کو شامل ہے جو ضروریاتِ دین کے قبیل سے ہیں کہ اُن پر ایمان تب قابلِ قبول و معتبر عند اللہ و عند الشرع ہوسکتا ہے۔ جب دل و جان سے اُن پر راضی ہوکر اُنہیں تسلیم کیا جائے ورنہ اِس کی ضد یا نقیض کی موجودگی میں دعویٰ ایمان ہرگز قابلِ قبول نہیں ہوسکتا کیوں کہ ''وجود احد الضدين دليل عدم الآخر'' اور ''وجود احد النقيضين دليل عدم الآخر'' اور ''انتفاء اللازم دليل انتفاء الملزوم'' بدیہیات کے قبیل سے ہیں جس کے بعد کسی اور دلیل کی قطعاً ضرورت نہیں ہوتی۔

❽ مُومَن به کے مقابلہ میں جملہ مذاہب باطلہ اور اُس کی ہر ضد و منافی کردار سے کراہت و نفرت کا لازمہ ایمان ہونا بھی قرآن وسنت سے مفہوم ہے۔مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا؛

''قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِیْ اِبْرَاهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ''(۱)

ملتِ ابراہیمی کے پابند ہونے کی بناء پر اُمت اجابت کے تمام مومنوں پر اِس اُسوہ ابراہیمی کی پابندی کو اللہ تعالیٰ نے لازم قرار دیا ہے جو ایمان کے ساتھ ہی حاصل ہوجاتا ہے اور لازمہ ایمان ہونے کی بناء پر اُس کے بغیر ایمان کی بقاء کا امکان ہی نہیں ہے۔جس کی اہمیت بتاتے

---

(۱) الممتحنہ،4۔

Marfat.com

ہوئے اِس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے محض ظاہر داری میں اِس کے خلاف کرنے کو بھی نا پسند فرمایا حالانکہ دل میں کراہت ونفرت اور بیزاری کے ہوتے ہوئے کسی جائز مصلحت کے لیے یا تقیّہ کے طور پر ایسا کرنے سے ایمان کی نفی نہیں ہوتی اِس کے باوجود محض ظاہر داری میں ایسا کرنے کو بھی ممنوع قرار دینے سے اِس کی اہمیت اور بھی زیادہ ہو جاتی ہے۔ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے اِس کا لازمہ ایمان ہونے سے متعلق فرمایا؛

''وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَ الْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ''(۱)

اہل علم جانتے ہیں کہ جس قسم کا کفر اور فسق وعصیان بھی ہو یہ سب کے سب تقاضاء ایمان کے منافی ہونے کے ساتھ مُومَن بہ کے بھی منافی ہیں، جس سے نفرت وکراہت کو اِس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ایمان کا لازمہ قرار دیا ہے۔اللہ کے رسول ﷺ نے بھی اِس کو ذائقہ ایمان کا مدار اور لازمہ ایمان قرار دیتے ہوئے مندرجہ ذیل الفاظ میں اِس کی اہمیت بتائی ہے؛

''وَمَنْ يَكْرَهُ أَنْ يَعُودَ فِي الْكُفْرِ بَعْدَ إِذْ أَنْقَذَهُ اللَّهُ مِنْهُ كَمَا يَكْرَهُ أَنْ يُلْقَى فِي النَّارِ''(۲)

جس کا مفہوم یہ ہے کہ کفر میں جانے سے ایسی نفرت وکراہت کرتا ہے' جیسے آگ میں ڈالے جانے سے کراہت ونفرت کرتا ہے۔

وضاحت در وضاحت:۔ ایمان کے یہ پانچوں لوازمات اتنے واضح وبیّن ہیں کہ سب کے سب لازم بیّن بالمعنی الاخص کے قبیل سے ہیں جس میں محض طرفین یعنی موضوع ومحمول کے تصور سے ہی محمول کا اپنے موضوع کو لازم ہونے پر جزم ویقین حاصل ہو جاتا ہے جس کے بعد کسی اور چیز کی ضرورت نہیں رہتی جیسے لازم بیّن بالمعنی الاعم میں جزم ویقین کا حصول بعد

---

(۱) الحجرات،7۔

(۲) مشکوٰۃ شریف بحوالہ بخاری ومسلم، کتاب الایمان۔

Marfat.com

تصور الطرفین اُن کے مابین نسبت کو جاننے پر موقوف رہتا ہے۔ لازم بیّن کو اِس کے دوسرے مفہوم یعنی بالمعنی الاعم میں بھی جزم باللزوم کا حصول اگرچہ بدیہی ہوتا ہے کہ کسی خارجی دلیل کی ضرورت نہیں ہوتی تاہم بالمعنی الاخص اجلی البدیہیات کے قبیل سے ہے۔ مثال کے طور پر:

1 **الایمان ھو محبت المُومَن به**:۔ کہنے میں ایمان اور محبت مومن بہ کے تصور سے آپ ہی محبت مُومَن به کا ایمان کو لازم ہونے پر جزم و یقین حاصل ہو جاتا ہے۔

2 **الایمان ھو جذبة العمل بالمُومَن به**:۔ کہنے میں ایمان اور جذبۂ العمل بالمومن بہ کے تصور سے آپ ہی جذبۂ العمل بالمومن بہ کا ایمان کو لازم ہونے کیساتھ جزم و یقین حاصل ہو جاتا ہے۔

3 **الایمان ھو تعظیم المُومَن به**:۔ کہنے میں ایمان اور تعظیم المومن بہ کے تصور سے آپ ہی تعظیم المومن بہ کا ایمان کو لازم ہونے پر یقین حاصل ہو جاتا ہے۔

4 **الایمان ھو التسلیم والرضا بالمُومَن به**:۔ کہنے میں ایمان اور تسلیم ورضا بالمومن بہ کے تصور سے ہی تسلیم ورضا بالمُومَن به کا ایمان کو لازم ہونے پر یقین حاصل ہو جاتا ہے۔

5 **الایمان ھو النفرت والکراھت عن جمیع مضاد المُومَن بِه**:۔ کہنے میں بھی محض تصور طرفین سے ہی محمول کا اپنے موضوع کو لازم ہونے کے ساتھ آپ ہی یقین حاصل ہو جاتا ہے۔ جس کے بعد ان دونوں کے مابین نسبت کو سمجھنے کی ضرورت محتاجی نہیں رہتی۔

توضیح در توضیح:۔ اُصولِ تکفیر میں محبت، تعظیم، رضا، جذبہ عمل، مُومَن بہ کی ضد سے کراہت کو لوازماتِ ایمان قرار دے کر اُن کے بغیر ایمان کو کالعدم قرار دیا گیا ہے جبکہ یہ مسئلہ عقیدہ کا ہے اور اعتقادیات کا ثبوت محض عقل سے ہونا ضروری ہے جبکہ یہاں پر عقل کے بجائے نقل سے ثبوت دیا گیا ہے۔

Marfat.com

اِن تمام مثالوں میں ایمان سے مرادشرعی ایمان ہے جوملتِ اسلام اور اُسکے تمام ضروریاتِ دین والے حصوں کے ساتھ اقرار باللسان وتصدیق بالقلب سے عبارت ہے اور اُس پر حمل ہونے والے اِن تمام لوازمات میں محبت سے لے کر مؤمن بہ کی تمام اضداد سے کراہت تک سب میں جوحصر ہے یعنی حصرُ الایمان فی محبۃ المومن بہ۔

جیسے **پہلی مثال** میں یاحصرُ الایمان فی جذبۃ العمل بالمومن بہ۔ جیسے دوسری مثال میں یاحصرُ الایمان فی تعظیم المومن بہ۔ جیسے تیسری مثال میں یاحصرُ الایمان فی التسلیم والرضا بالمُومن بہ، جیسے چوتھی مثال میں یاحصرُ الایمان فی الکراہۃ عن جمیع اضدادالمومن بہ، جیسے پانچویں مثال میں یہ حصر اضافی ہے حقیقی نہیں یعنی اِن سب تعبیرات میں اِن لوازمات کی اضداد سے احتراز ہے۔ مثال کے طور پر پہلی مثال میں ایمان کو مُومن بہ کی محبت میں منحصر بتانے سے مقصد یہ ہے کہ جس کے دل میں مؤمَن بہ سے کراہت ہوگی وہ مُومن نہیں ہے، اُس کا اقرار باللسان تصدیق بالقلب کا دعویٰ غلط ہوگا اور ایمان کے اِن دونوں ارکان کوزبان سے ظاہر کرنے کے باوجود یہ سب کچھ کالعدم ہوکر اُس پر التزام کفر کے احکام جاری ہوں گے۔

یہی حال **دوسری مثال** کا بھی ہے کہ ایمان کو جذبۃ العمل بالمُومَن بہ میں منحصر بتانے سے مقصد یہ ہے کہ جس دل میں مُومَن بہ پر عمل نہ کرنے کا جذبہ ہو یا اُس کی ضد پر عمل کرنے کا جذبہ ہووہ ہرگز مُومن نہیں ہوسکتا۔

اِسی طرح **تیسری مثال** میں ایمان کوتعظیم المُومَن بہ میں منحصر قرار دینے سے واحد مقصد یہی ہے کہ جس دل میں مُومَن بہ کی تعظیم موجودنہیں ہے اُس کا اقرار باللسان وتصدیق بالقلب کا دعویٰ کرنا فضول ہے۔ ایسے شخص پر التزام کفر کے شرعی احکام لاگو کرنا ضروری ہے۔

اِسی طرح **چوتھی مثال** میں ایمان کو مُومَن بہ کی تسلیم ورضا میں منحصر کہنے سے مراد اِس کے سوا

Marfat.com

اور کچھ نہیں ہے کہ جس کے دل میں مؤمَن بہ کے ساتھ تسلیم و رضا نہ ہو یا اُس کی ضد یا نقیض موجود ہو وہ عند اللہ مومن ہو سکتا ہے نہ عند الشرع۔

اِسی طرح **پانچویں مثال** میں ایمان کو مُومَن بہ کی تمام اضداد سے کراہت و نفرت میں منحصر کہنے سے مراد اِس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ جو شخص اقرار باللسان و تصدیق بالقلب ظاہر کرنے کے ساتھ دل میں مُومَن بہ کی ضد کے ساتھ محبت رکھتا ہے وہ مُومن نہیں ہو سکتا، اُس کا دعویٰ ایمان کالعدم اور وہ ملتزم کفر قرار پاتا ہے یہ سب کچھ اِس لیے کہ شریعت مقدسہ کی زبان میں ایمان کو اِن پانچوں لوازمات میں منحصر قرار دینے کا فلسفہ اِس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ یہ ایمان کے مذکورہ دونوں ارکان کے لازمُ الماہیت ہیں اور اِن کے مابین مساوات کی نسبت ہے کہ جہاں پر فی الحقیقت کسی بھی مُومَن بہ کے ساتھ اقرار باللسان و تصدیق بالقلب موجود ہو وہیں پر ان سب کا پایا جانا ضروری ہے۔

اِسی طرح کسی بھی مُومَن بہ کے ساتھ یہ چیزیں موجود ہوں وہیں پر ایمان کے مذکورہ ارکان یعنی تصدیق بالقلب و اقرار باللسان کی موجودگی بھی ضروری ہے۔ یہی حال جانب سلب کا بھی ہے کہ جس مُومَن بہ کے ساتھ اقرار باللسان و تصدیق بالقلب منتفی ہو وہیں پر یہ سب منتفی ہوتے ہیں اور جہاں پر یہ منتفی ہو نہ یہ کہ یہ سب بلکہ اِن میں سے ایک بھی جہاں پر منتفی ہو وہیں پر ایمان کے مذکورہ ارکان بظاہر موجود ہونے کے باوجود عند اللہ و عند الرسول اور شریعت کی نگاہ میں کالعدم قرار پاتے ہیں۔ ایسے میں ایمانِ شرعی کے ساتھ اِن کی نسبت نہ صرف مساوات فی الوجود کی قرار پاتی ہے بلکہ لازم الماہیت بھی ہے جو بیّن ہے جس کے بعد من وجہٍ بیّن بالمعنی الاخص اور من وجہٍ بالمعنی الاعم جن کو پہچاننا اہل بصیرت کے لیے یہاں پر بدیہیات کے قبیل سے ہے کیوں کہ یہ فلسفہ کے پیچیدہ مسائل میں سے تو ہے نہیں کہ صعب الفہم ہو بلکہ قرآن و سنت سے مستفاد ہونے کی بناء پر ہر سلیم الفطرت انسان کے لیے سہل الفہم ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا؛

Marfat.com

''وَالْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى وَكَانُوْٓا اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا''(۱)

جس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پرہیز گاری کے کلمہ کو اُن کا لازمہ فرما دیا اور وہ اس کے زیادہ حق دار اور اس کے اہل تھے۔

مرفوع حدیث کے مطابق آیت کریمہ میں مذکور ''كَلِمَةَ التَّقْوٰى'' سے مراد اخلاص کے ساتھ کلمہ طیبہ ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ'' پڑھنے کے ضمن میں ملت اسلام اور اُس کے جملہ ضروریاتِ دین والے حصوں کے ساتھ اقرار باللسان وتصدیق بالقلب کا شرف پانا اور اس ضمن میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیے جانے والے عہد و پیمان کی پابندی کرنا ہے جس میں سرفہرست کلمہ طیبہ پڑھنے یعنی اقرار باللسان وتصدیق بالقلب کے اِن لوازمات کے نقیض و اضداد سے پرہیز کرنا ہے جس وجہ سے کلمہ مقدسہ کو ''كَلِمَةَ التَّقْوٰى'' کے نام سے یاد کیا گیا ہے کیوں کہ تقویٰ کے معنی ہیں بچنے کے، اِس کو بھی اخلاص کے ساتھ ارکان ایمان پر مشتمل ہونے کی بناء پر لوازماتِ خمسہ ایمان لازم ہوتے ہیں جن کے واسطہ سے اُن کے نقیض واضداد سے بچنا بھی مخلصین فی الکلمہ کو لازم ہو جاتا ہے اور ایمان کے اِن لوازمات کے واسطہ سے اِن کے نقیض واضداد سے بچنے کی توفیق کا اخلاص کے ساتھ کلمہ طیبہ پڑھنے کو لازم ہونے کے اِس مفہوم کی تائید اِس کے بعد مذکور ہونے والے دونوں جملوں سے بھی ہو رہی ہے کیوں کہ لوازماتِ ایمان کے منافی واضداد سے بچنے کو اہل ایمان کا لازمہ قرار دینے کے بعد جملہ ''وَكَانُوْٓا اَحَقَّ بِهَا'' کے ارشاد میں مومنوں کو اِس کے حق دار کہنے کا واضح مقصد اِس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ لوازمات کے منافی واضداد سے بچنے کی یہ سعادت اُنہیں محض اِس بناء پر لازم ہو رہی ہے کہ وہ کلمہ طیبہ پڑھنے میں مخلص ہیں، اقرار باللسان وتصدیق بالقلب کے اظہار کرنے میں سچے ہیں اور اُن کا اہل ایمان ہونا مبنی بر حقیقت ہے۔ اِسکے بعد جملہ ''وَاَهْلَهَا'' کے ارشاد میں اہل ایمان کو لوازماتِ ایمان کے منافی واضداد سے بچنے کا اہل کہہ کر اُن کے

---

(۱) الفتح، 26۔

Marfat.com

اِس استحقاق کے رُتبے کا اظہار فرمایا کہ اِخلاص پر مبنی ایمان کے یہ لوازمات اُس کے ساتھ مساوی فی الوجود اور لازم الماہیت ہونے کے باوجود رُتبۃً اُس سے موخر ہیں کیوں کہ یہ اُسی کے توابع ہیں اور ہر تابع اپنے اصل اور متبوع سے رتبۃً موخر ہوا کرتا ہے۔ الغرض آیت کریمہ میں لوازماتِ ایمان کو اُن کے منافی واضداد سے بچنے سمیت اہلِ ایمان کا لازمہ قرار دینے کا یہی فلسفہ بتایا گیا ہے کہ یہ سب کے سب حقیقی ایمان کے لیے لازم الماہیت ہیں جن کا اُس سے انفکاک وتخلف ممکن نہیں ہے، رتبۃً اُس سے موخر اور اُس کے تابع ہوتے ہوئے بھی اُس کا وجود اِن کے بغیر ناممکن ہے اور اُس کا وجود آپ ہی اِن کے وجود کی دلیل ہے جس کے بعد اِن کا وجود کسی اور دلیل کی طرف محتاج نہیں رہتا کیوں کہ لازم الماہیت میں ہر ایک کا عدم دوسرے کے عدم پر دلیل ہونے کی طرح ہر ایک کا وجود بھی دوسرے کے وجود پر دلیل ہوا کرتا ہے۔ اِس کے برعکس جن لوگوں کا اظہار ایمان مبنی براخلاص نہیں ہوتا اور کلمہ طیبہ پڑھنے کی صورت میں ملتِ اسلام اور اُس کے ضروری حصوں کیساتھ اقرار باللسان وتصدیق بالقلب کا دعویٰ واقعی امر نہیں ہوتا۔ اُسے ایمان کے اِن لوازمات میں سے کوئی ایک بھی لازم نہیں ہوتا چہ جائیکہ سب کے سب لازم ہو۔ ایسے لوگوں سے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''وَمَاهُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ''(۱) یعنی حقیقی ایمان اُنہیں نصیب نہیں ہے۔

دوسرے مقام پر فرمایا: ''وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ''(۲)

یعنی حقیقتاً ایمان تمہارے دلوں میں داخل ہی نہیں ہوا۔

جبکہ حقیقی ایمان اور اخلاص کے ساتھ کلمہ طیبہ پڑھنے کے لیے مذکورہ لوازمات ناگزیر ہونے سے متعلق فرمایا:

''لَاتَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَ

(۱) البقرہ،8۔

(۲) الحجرات،14۔

Marfat.com

لَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَ هُمْ اَوْ اَبْنَآءَ هُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ''(۱)

یعنی تم نہ پاؤ گے اُن لوگوں کو جو یقین رکھتے ہیں اللہ اور پچھلے دن پر کہ محبت کریں اُن سے جنہوں نے اللہ اور اُس کے رسول سے مخالفت کی اگرچہ وہ اُن کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا کنبے والے ہوں یہ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان نقش فرمادیا اور اپنی طرف کی روح سے اُن کی مدد کی اور اُنہیں باغوں میں لے جائے گا جن کے نیچے نہریں ہیں اُن میں ہمیشہ رہیں اللہ اُن سے راضی اور وہ اللہ سے راضی یہ اللہ کی جماعت ہے خبردار اللہ ہی کی جماعت کامیاب ہے۔

الٰہیات سے شناسائی رکھنے والا وہ کون ہوسکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایمان لانے کو اُس کی ذات، اُس کی صفات، اُس کے افعال، اُس کے اسماء اور اُس کے احکام کو حق تسلیم کرنے سے عبارت نہ جانے اسی طرح بعث بعد الموت، حساب و کتاب، جزاو سزا اور جنت و دوزخ کو حق تسلیم کیا جائے۔ یہی حال اللہ کے رسول سیدِ عالم ﷺ پر ایمان لانے کا بھی ہے کہ ذات نبوی ﷺ کو مع جملہ صفات و احکام تسلیم کیا جائے اِس مسئلہ کی فہم رکھنے والے قرآن شناس حضرات سے مخفی نہ ہونا چاہئے کہ سورۃ المجادلہ شریف کی اِس آیت کریمہ کے پہلے حصہ یعنی ''لَا تَجِدُ قَوْمًا'' سے لیکر ''عَشِيْرَتَهُمْ'' تک رب کریم جَلَّ جَلَالُہ نے مندرجہ ذیل پندرہ (15) احکام ارشاد فرمائے:

❶ ایسے انسان، قوم یا جماعت کے وجود کو ناپید و ناممکن قرار دیا جو اللہ تعالیٰ پر حقیقتاً ایمان رکھنے کی حالت میں اُس کے کسی مخالف و دشمن کے ساتھ بھی محبت کرے۔

(۱) المجادلہ، 22۔

Marfat.com

❷ ایسے انسان، قوم یا جماعت کے وجود کو ناپید و ناممکن فرمایا جو قیامت پر حقیقتاً ایمان رکھنے کی حالت میں اُس کے کسی منکر و مخالف کے ساتھ بھی محبت کرے۔

❸ ایسے انسان، قوم یا جماعت کے وجود کو ناپید و ناممکن فرمایا جو رسول اللہ ﷺ پر حقیقتاً ایمان رکھتے ہوئے اُن کے کسی مخالف و دشمن کے ساتھ محبت کرے۔

اِن تینوں میں فرق یہ ہے کہ پہلی قسم میں مُومَن بہ پر ایمان کو بھی اور اُس کے مخالف کے ساتھ محبت کو بھی صراحتاً ذکر فرمایا، اور دوسری قسم میں مُومَن بہ پر ایمان کو صراحتاً اور اُس کے مخالف کے ساتھ محبت کو ضمناً ذکر کیا جبکہ تیسری قسم میں مُومَن بہ کو ضمناً اور اُس کے مخالف کے ساتھ محبت کو صراحتاً ذکر فرمایا کیوں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے فرمان ''وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ''(۱) کی طرح ملفوف النشر ہے۔ جس کو علم بدیع کی زبان میں الکف والنشر الا جمالی بھی کہا جاتا ہے جو کلام کے حسنِ معنوی کی خاص قسم ہے۔ جس کی حلاوت کو اہل زبان ہی پوری طرح سمجھ سکتے ہیں عجمیوں کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ کسی دِقّت کے بغیر آسانی کے ساتھ اس کے نفس مفہوم کو سمجھتے ہیں جیسا کہ اہل فہم سے مخفی نہیں ہے۔

❹ ایسے انسان یا قوم یا جماعت کے وجود کو ناپید و ناممکن قرار دیا جو اللہ تعالیٰ پر فی الواقعہ ایمان لانے کے ساتھ اُس کے مخالف و دشمن کی بھی تعظیم کرے یہ اِس لیے کہ اُس کے ساتھ محبت کرنا اُس کی تعظیم کو مستلزم ہے۔

❺ ایسے انسان یا قوم یا جماعت کے وجود کو ناپید و ناممکن قرار دیا جو قیامت پر واقعی ایمان لانے کے ساتھ اُس کے منکر و مخالف کی بھی تعظیم کرے، یہ اِس لیے کہ اُس کے ساتھ محبت کرنا اُس کی تعظیم کرنے کو مستلزم ہے۔

❻ اللہ کے رسول سیدِ عالم ﷺ پر حقیقتاً ایمان لانے کے ساتھ اُن کے مخالف یعنی دشمنِ رسول کی بھی تعظیم کرے۔ یہ اِس لیے کہ اُس کے ساتھ محبت کرنا اُس کی تعظیم کرنے کو مستلزم ہے

(۱) البقرہ، 135۔

Marfat.com

کیوں کہ جہاں محبت ہوتی ہے وہاں تعظیم کا ہونا ضروری ہے۔

❼ اللہ تعالیٰ پر فی الواقع ایمان لانے کے ساتھ یعنی اُس کے احکام کی حقانیت پر اقرار باللسان وتصدیق بالقلب کرنے کے ساتھ اُس کے مخالف ودشمن کے احکام کو بھی تسلیم کرے اور اُس پر راضی ہو یہ اِس لیے کہ اُس کے ساتھ محبت کرنا اُس کے کردار اور اُس کے احکام کو تسلیم کرنے اور پسند کرنے کو مستلزم ہے۔

❽ آخرت پر واقعی ایمان لانے کے ساتھ اُس کے منکر ومخالف کے احکام کو بھی تسلیم کرے اور اُس پر راضی ہو جائے۔ یہ اِس لیے کہ اُس کے ساتھ محبت کرنا اُس کے کردار، اُس کے احکام اور اُسکی باتوں کو تسلیم کرنے اور اُن پر راضی ہونے کو مستلزم ہے کیوں کہ تقاضائے فطرت ہے کہ "حُبُ الشئی یُعمِی ویُصِمُ" یعنی کسی چیز کے ساتھ محبت انسان کو اندھا و بہرا بنا دیتی ہے کہ اُس کے غلط کردار کو دیکھنے سے نابینا اور اُس کی غلط باتوں کو سننے سے بہرا ہونے کے ساتھ اُس کا ہر ناجائز کردار بھی اِسے جائز نظر آنے لگتا ہے اور ہر ناجائز بات کو بھی سن سکتا ہے جس کے منحوس اثرات سے اہل ایمان کو بچانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے کسی بھی غیر مسلم کے ساتھ موالات ومودت اور محبت کرنے کو حرام قرار دیا ہے اور فرمایا؛

"لَا یَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْکٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ" (۱)

یعنی مومن کافروں کے ساتھ محبت نہ کریں۔

قربان جاؤں رب کریم کی شانِ عنایت اور انداز تفہیم پر کہ صرف اِس امتناعی حکم پر ہی اکتفا نہیں فرمایا بلکہ کسی بھی غیر مسلم کے ساتھ موالات ومودت اور محبت کرنے سے متعلق اِس امتناعی حکم کے فلسفہ سے بھی آگاہ فرمایا، ارشاد خداوندی ہے؛

"وَمَنْ یَّتَوَلَّهُمْ مِّنْکُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ" (۲)

(۱) آلِ عمران، 28۔

(۲) المائدہ، 51۔

Marfat.com

یعنی تم میں سے جو اُن کے ساتھ محبت کرے گا وہ اُن ہی میں سے ہو کے رہے گا۔

9 اللہ کے رسول سیدِ عالم ﷺ پر ایمان لانے یعنی آپ ﷺ کے مِن عند اللہ لائے ہوئے جملہ احکامِ ضروریہ پر واقعی ایمان لانے کے ساتھ اُن کے کسی منکر و مخالف کی باتوں کو اور اُس کے احکام کو بھی تسلیم کرے اور اُس پر راضی ہو جائے یہ اِس لیے کہ اُس کے ساتھ مؤدت و محبت کرنا اُس کی باتوں کو تسلیم کرنے اور اُس پر راضی ہونے کو مستلزم ہے کیوں کہ ''حُبُ الشئی یُعمِی و یُصِمُ'' کی فطرت یہاں پر بھی متوجہ ہے ایسے میں حقیقت ایمان بالرسول کی موجودگی کا کوئی تصور ہی نہیں رہتا۔

10 اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے یعنی اُس کے احکام کی حقانیت کا فی الواقع اقرار باللسان وتصدیق بالقلب کرنے کیساتھ اُس کے مخالف اور کسی عدو اللہ کے احکام پر بھی جذبہ عمل پایا جائے، یہ بھی اِس لیے کہ اُس کیساتھ محبت کرنا اُسکی باتوں پر اور اُس کی طرف سے ملنے والے احکام پر جذبہ عمل کو مستلزم ہے کیوں کہ ''حُبُ الشئی یُعمِی و یُصِمُ'' کی فطرت یہاں پر بھی کارفرما ہے۔

11 یومِ آخرت کے ساتھ واقعی ایمان رکھتے ہوئے اُس کے کسی منکر و مخالف کی باتوں پر عمل کرنے کا جذبہ بھی پایا جائے اِس کی بھی وہی وجہ ہے کہ اُس کے ساتھ محبت کرنا اُس کی باتوں کے ساتھ یا اُس کی طرف سے ملنے والے احکام پر عمل کرنے کے جذبے کو مستلزم ہے کیوں کہ یہ اُس کے ساتھ محبت کرنے کا فطری تقاضا ہے۔

12 اللہ کے رسول سیدِ عالم ﷺ پر یعنی آپ ﷺ کے مِن عند اللہ لائے ہوئے احکام کی حقانیت کیساتھ فی الواقع اقرار باللسان وتصدیق بالقلب کرنے کیساتھ آپ ﷺ کے کسی دشمن کی باتوں پر عمل کرنے کا جذبہ بھی پایا جائے۔ اِس کی بھی وہی وجہ ہے کہ ''حُبُ الشئی یُعمِی و یُصِمُ'' یعنی ایسا ہونا عادتاً ممکن ہی نہیں ہے کہ دشمن رسول کے ساتھ مودّت و محبت ہو اور اُس کی باتوں پر یا اُس کی طرف سے ملنے والے احکام پر عمل کرنے کا جذبہ اس محبّ کے

Marfat.com

دل میں پیدا نہ ہو۔

۱۳ اللہ تعالیٰ پر فی الحقیقت ایمان لانے کے ساتھ کسی عدو اللہ سے کراہت و نفرت نہ کرے یہ اِس لیے کہ اُس کے ساتھ محبت کرنا آپ ہی عدم کراہت کی دلیل ہے جس کے بعد عدم کراہت و نفرت پر کوئی اور دلیل تلاش کرنے کی قطعاً ضرورت نہیں ہے کیوں کہ محبت کا تقاضا اُس کی طرف میلان، تعظیم و رضا اور پسند کرنے سے عبارت ہے جو کراہت و نفرت کی ضد ہے اور ضدین میں سے ایک کا وجود آپ ہی دوسری کے عدم پر دلیل ہے جس کے بعد کوئی اور دلیل تلاش کرنے کی ضرورت نہیں رہتی۔

۱۴ آخرت پر حقیقی ایمان کے ہوتے ہوئے اُس کے کسی منکر و مخالف سے کراہت و نفرت نہ کرے کیوں کہ اُس کیساتھ محبت کرنا آپ ہی عدم کراہت کی دلیل ہے جسکے بعد کسی اور دلیل کی ضرورت نہیں رہتی، لان وجود احد الضدین دلیل عدم الآخر کا قضیہ بدیہیات میں سے ہے۔

۱۵ اللہ کے رسول سیدِ عالم ﷺ پر حقیقی ایمان رکھتے ہوئے اُن کے کسی منکر و مخالف سے نفرت و کراہت نہ کرے کیوں کہ دشمنِ رسول کے ساتھ مودّت و محبت کرنا آپ ہی عدم نفرت و کراہت پر دلیل ہے جس کے بعد کوئی اور دلیل تلاش کرنے کی ضرورت نہیں رہتی کیوں کہ ''وجود احد الضدین عدم الآخر'' بجائے خود اجلاء بدیہیات کے قبیل سے ہے جس کے بعد کسی اور دلیل کی ضرورت نہیں ہے۔

الغرض سورۃ المجادلہ شریف کی آخری آیت کے اِس حصہ میں جن چیزوں کو حقیقی ایمان کے منافی قرار دے کر اُن کے ساتھ ایمان کے اجتماع کو ناپید و ناممکن ہونے کا ناقابل نسخ ارشاد جو فرمایا گیا ہے یہ محض اِن پندرہ مثالوں میں منحصر نہیں ہے بلکہ یہ حقیقی ایمان اور عنداللہ و عند الشرع معتبر و قابلِ قبول ایمان کی چند مثالیں ہیں۔ جن کو بیان کرنے میں آیت کریمہ سے اصل مقصد حقیقی ایمان کی پہچان کرانا ہے، التزام ایمان کا معیار بتانا ہے اور اہل ایمان کو اُس کی حقیقت کا شعور دلانا ہے کہ حقیقی ایمان کے لیے اُس کے اِن پانچوں لوازمات کا ہونا ضروری

Marfat.com

ہے کہ اِن کے بغیر دعویٰ ایمان فضول ہے، نا قابل قبول ہے اور محض جھوٹ ہے معیاری ایمان کا اپنے اِن لوازمات کے بغیر پایا جانا غیر ممکن ہونے کی طرح اِن کی ضد کے ساتھ جمع ہونا بھی ناممکن ہے۔ آیت کریمہ میں جن تین مُومَن بِہ کے لوازمات کے بغیر اور اُن کی اضداد کے ساتھ معیاری ایمان کے اجتماع کو ناپیدو ناممکن قرار دیا گیا ہے اِس سے ایمان کے ان لوازمات کا لازم بیّن ہونا معلوم ہونے کی طرح ہر مُومَن بِہ کے ساتھ حقیقی ایمان کے لیے ان کا لازم بیّن ہونا بھی معلوم ہو رہا ہے۔ آیت کریمہ کی عبارۃ النص کے اِن حصوں کو سمجھنے کے بعد ایمان کے لوازمات خمسہ کا اِس آیت کریمہ کے مدلول ہونے میں کس کو شک ہو سکتا ہے۔ یہاں پر ان کا اجتماعی طور پر آیت کریمہ سے ثابت ہونے کے علاوہ انفرادی طور پر اور متعدد نصوص سے بھی ثابت ہیں جن کے حوالہ جات گزشتہ صفحات میں ہم بیان کر آئے ہیں۔ مثال کے طور پر؛

❶ مُومَن بِہ کے ساتھ محبت کا لازمہ ایمان ہونے سے متعلق فرمایا؛

''قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَ اَمْوَالُ نِاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ''(۱)

❷ مُومَن بِہ کی تعظیم کا لازمہ ایمان ہونے سے متعلق فرمایا؛

''وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ''(۲)

قرآن شناس حضرات سے مخفی نہیں ہے کہ دل کا تقویٰ ایمان کے سوا اور کچھ نہیں ہے جس کی پہچان کے لیے اِس آیت کریمہ میں شعائر اللہ کی تعظیم کو یقینی علامت قرار دیا گیا ہے اور سب

---

(۱) التوبہ،24۔

(۲) الحج،32۔

Marfat.com

جانتے ہیں کہ ضروریاتِ دین کی فہرست میں موجود ہر مُومَن بہ شعائر اللہ کے قبیل سے ہے۔

❸ مُومَن بہ کو تسلیم کرنا اور اُس پر راضی ہونا لازمہ ایمان ہونے سے متعلق فرمایا:

''فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا''(۱)

❹ مُومَن بہ کے ساتھ جذبہ عمل کا لازمہ ایمان ہونے پر سب سے آسان اور سب سے زیادہ واضح دلیل آیت کریمہ ''اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ'' ہے جس کا حاصل مفہوم اور ماہو المقصود اہل ایمان کا ہر دم اللہ تعالیٰ سے صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق کا سوال کرنا ہے۔ اہل علم جانتے ہیں کہ صراطِ مستقیم کا مفہوم ملتِ اسلام کو بالاجمال شامل ہونے کی طرح جملہ ضروریاتِ دین کو بھی بالتفصیل شامل ہے۔ جیسے ایمان مجمل اور ایمان مفصل میں ہوتا ہے جس کے مطابق ہر ضرورتِ دینی، ہر مُومَن بہ اور شریعت مقدسہ کا ہر حکم صراطِ مستقیم کہلاتا ہے جس پر چلنے سے مقصد اُس پر عمل کرنے کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ اِن حقائق کی روشنی میں آیت کریمہ دو باتوں پر واضح دلالت کر رہی ہے جن میں سے ایک اہل ایمان کا اللہ تعالیٰ سے صراطِ مستقیم پر عمل کرنے کی توفیق کا سوال ہے جو اِس کی عبارۃ النص ہے اور دوسری بات اِس سوال کے لیے اُن کے دلوں میں موجود جذبہ عمل کی موجودگی ہے جو توفیق عمل کا سوال کرنے کے لیے علتِ باعثہ ومحرک ہے اور یہ آیت کریمہ کا مدلول اقتضائی ہے یعنی اقتضاء النص کے طور پر مفہوم ہو رہا ہے۔ یہ اِس لیے کہ جب تک کسی عمل کے لیے جذبہ دل میں موجود نہ ہو اُس وقت تک اُس کی توفیق کا سوال نہیں کیا جا سکتا۔

❺ مُومَن بہ کی ضد ونقیض اور اُس کے ہر منافی کردار سے نفرت وکراہت کا لازمہ ایمان ہونے کے ساتھ محبت کا بھی لازمہ ایمان ہونے سے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ إِلَيْكُمُ الْإِيمَانَ وَزَيَّنَهُ فِي قُلُوبِكُمْ وَكَرَّهَ إِلَيْكُمُ الْكُفْرَ

(۱) النساء، 65۔

Marfat.com

وَالۡفُسُوۡقَ وَالۡعِصۡیَانَ''(۱)

لوازماتِ خمسہ ایمان کا قرآن شریف کی اِن متعدد آیات سے ثابت ہونے کی طرح متعدد احادیث طیبہ سے بھی ثابت ہیں لیکن قرآن شریف کی اِن قطعی الثبوت والدلالۃ دلائل کے بعد افادہ ظن پر مشتمل ہونیوالے اخبارِ آحاد کی طویل فہرست کھولنے کی کوئی تُک ہی نہیں رہتی۔

ایک ضروری وضاحت اور تنبیہ:۔ لوازماتِ خمسہ ایمان کے ثبوت پر مشتمل جن نصوص میں مخصوص مُومَن بہ کا ذکر آیا ہے اُنہیں دیکھ کر بعض حضرات کو تخصیص کا مغالطہ لگتا ہے۔ مثال کے طور پر حدیث شریف ''لَا یُؤۡمِنُ اَحَدُکُمۡ حَتّٰی اَکُوۡنَ اَحَبَّ اِلَیۡهِ مِنۡ وَالِدِہٖ وَوَلَدِہٖ وَالنَّاسِ اَجۡمَعِیۡنَ'' میں اپنے والدین اور بچوں اور تمام انسانوں سے زیادہ محبت رسول اللہ ﷺ کیساتھ ہونے کو لازمہ ایمان قرار دیا گیا ہے کہ اگر ایسا نہیں ہے تو پھر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ دعویٰ ایمان سچا نہیں ہے۔ یہ صرف مشتے نمونہ از خروارے ہے ورنہ ہر ضرورت دینی کے ساتھ ایمان کا یہی حال ہے کہ اُس کے مُومَن بہ کو یہ سب کے سب لازم ہوتے ہیں۔ باقی رہا یہ سوال کہ ایمان کے اِن لوازمات کے ثبوت پر مشتمل نُصوص میں بطورِ مثال اِن پر کیوں اکتفا کیا گیا ہے۔

اِس کا جواب یہ ہے کہ یہ اکتفاء باصل افراد الشئی کے قبیل سے ہے۔ مثلاً سورۃ التوبہ، آیت نمبر 24 میں اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ کے ساتھ محبت کو سب سے مقدم، سب سے اہم اور سب سے زیادہ ہونے کو جو لازم قرار دیا گیا ہے اُس کا فلسفہ اِس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ ایمان کے اصل الاُصول ہیں، بنیادِ ایمان ہیں اور ضرورتِ دین کے حوالہ سے ہر مُومَن بہ کی اصل اور سب کے لیے موقوف علیہ ہیں۔ یہ اس لیے کہ جب تک اللہ تعالیٰ کی ذات نہ ہو اُس کے رسول ہوگا نہ اُس کا تصور، اِسی طرح جب تک رسول اللہ ﷺ اور اُن کی رسالت پر ایمان نہ ہوگا اُس وقت تک اللہ تعالیٰ کی درست پہچان ممکن ہوگی

---

(۱) الحجرات، 7۔

Marfat.com

نہ اُس کی ذات، صفات، افعال و اسماء اور احکام پر ایمان کیوں کہ رسول اللہ ﷺ کی ذات و صفات کا وجود اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کے وجود پر موقوف ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات سے لے کر احکام تک کی درست پہچان رسول اللہ ﷺ کی ذات وصفات اور وصف رسالت کی حقانیت پر ایمان لانے پر موقوف ہے، ایسے میں ذات اللہ، صفات اللہ، افعال اللہ، اسماء اللہ اور احکام اللہ کو ضروریاتِ دین کے زمرہ میں اصل الاصول نہ کہنے کا کوئی جواز ہی نہیں ہے۔

یہی حال ذاتِ نبوی ﷺ من حیث الرسول کو بعد اللہ سبحانہ وتعالیٰ اصل الایمانیات اور تمام ضروریاتِ دین ومُومَن بہ کے زمرہ میں سب سے اہم، سب سے مقدم اور سب کی بنیاد سمجھنا عین مقتضائے فطرت ہے۔ اِس فلسفہ کی روشنی میں یقین سے کہا جاسکتا ہے کہ اگر بالفرض ضروریاتِ دین کی طویل فہرست میں سے مُومَن بہ کے طور پر کسی اور کا ذکر کہیں نہ بھی آیا ہوا ہوتا پھر بھی اِن دو کے واسطہ سے اُن سب کو سمجھا جاتا، اِن کی پہچان اُن کے لیے کافی ہوتی کیوں کہ وہ سب کے سب اِن ہی کے فروع وثمرات ہیں لیکن رب کریم کے بے شمار کرم ہیں کہ اکثر مقامات پر اِن دو کو بطور اَصل الاصول ذکر کرنے کے ساتھ بعض مقامات پر دوسرے ضروریاتِ دین کو بھی مُومَن بہ کے طور پر ذکر فرمایا اور بعض مقامات پر ایک ہی لفظ میں سب کو اکٹھا کر کے اُن سب کی اہمیت کا اشارہ دیا۔ جیسے سورۃ الفاتحہ، آیت ''اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ'' کے اندر لفظ ''الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ'' تمام ضروریاتِ دین کو شامل ہے۔ اِسی طرح سورۃ الحج کی آیت نمبر 32 میں مذکور ''شَعَآئِرَ اللّٰهِ'' کا لفظ سلسلہ ایمانیات کے ایک ایک مُومَن بہ کو شامل ہے۔

لوازماتِ خمسہ پر عقلی دلائل:۔ شعبۂ ایمانیات کا کوئی زاویہ ایسا نہیں ہے جو نصوص شرعیہ سے ثابت ہونے کے ساتھ عقلی دلیل سے بھی ممکن الفہم نہ ہو جس کو سمجھنے کے لیے حتی المقدور تذکر وتدبر کی ضرورت ہے یہ اِس لیے کہ اِدراک عقل کی نوعیت ہر جگہ یکساں نہیں ہوتی بلکہ

Marfat.com

بعض مؤمَن بہ سے متعلقہ ایمانیات کا اِدراک از قبیل بدیہیات اور بعض کا از قبیل نظریات ہوتا ہے۔ اِسی طرح ایمان کے لوازماتِ خمسہ کا اِدراک بھی نظر وفکر کے بغیر ممکن نہیں ہوتا۔ مثال کے طور پر لازمہ محبت کے بغیر وجود ایمان کے ناممکن ہونے پر اِس طرح کا عقلی استدلال کیا جا سکتا ہے کہ؛

لو امكن وجود الايمان بدون محبت المُومَن به.

لا مكن اجتماع النقيضين اعنى تسليم الشئى وعدم تسليمه لكن اجتماع النقيضين لا يمكن.

فوجود الايمان بدون محبة المُومَن به لا يمكن.

یعنی ایمان کا وجود مُومَن بہ کے ساتھ محبت کے بغیر اگر ممکن ہو تو بالیقین اجتماعِ نقیضین بھی ممکن ہوگا جو یہاں پر مُومَن بہ کو تسلیم کرنے اور نہ کرنے سے عبارت ہے لیکن اجتماعِ نقیضین ممکن نہیں ہے تو پھر ایمان کا وجود بھی مُومَن بہ کی محبت کے بغیر ممکن نہیں ہے۔

اِس کی وضاحت اِس طرح ہے کہ ایمان کے دونوں ارکان یعنی مُومَن بہ کے ساتھ اقرار باللسان وتصدیق بالقلب کا مجموعہ اُسے تسلیم کرنے سے عبارت ہے اِس کے ساتھ اگر محبت نہ ہو تو پھر کراہت ونفرت کا ہونا ممکن ہے اور کراہت ونفرت عدم تسلیم سے عبارت ہے ایسے میں مُومَن بہ کی محبت کے بغیر وہ ممکن التسلیم ہونے کی طرح کراہت ونفرت کے ساتھ عدم ممکن التسلیم بھی ہے جس کا حاصل ایک ہی چیز کا ایک ہی وقت میں، ایک ہی جہت سے ممکن وناممکن ہونے کے سوا اور کچھ نہیں ہے جو خلافِ عقل ومحال ہے۔ لازمہ تعظیم کے بغیر کسی مُومَن بہ پر ایمان کی موجودگی ناممکن ہونے کا عقلی ثبوت بھی اِسی طرح دیا جا سکتا ہے کہ؛

لو امكن وجود الايمان بدون تعظيم المُومَن به.

لا مكن اجتماع النقيضين اعنى تسليم المُومَن به.

وعدم تسليمه لكن اجتماع النقيضين لا يمكن.

Marfat.com

فامکان وجود الایمان بدون تعظیم المُومَن به لا یمکن

اِس کی تشریح بھی سابقہ کی طرح ہے جس کی فہم میں کوئی مشکل نہیں ہے اور خالصتاً مقتضاء عقل ہونے کی وجہ سے ہر عقلمند معمولی غور وفکر سے اِس پر یقین حاصل کرسکتا ہے ہاں البتہ اپنی قوت فکری اور حرکتِ عقل کی صلاحیتوں کو عمل میں لانے سے فراری حضرات کی دنیا ہی جدا ہے جن سے اِن حقائق کو سمجھنے کی توقع ہی نہیں کی جاسکتی۔ اُن کے لیے یہ سب کچھ ممنوع عن غیر اھلہ کے قبیل سے ہیں۔

یہی حال لازمہ جذبہ عمل کے بغیر کسی مُومَن بہ پر ایمان کی موجودگی ناممکن ہونے کا بھی ہے کہ:

لَوْاَمْکَنَ وجود الْاِیْمَان بِدُوْن جَذْبَۃ الْعَمل بِالْمُؤْمَنْ بِہٖ.

لامکن طلب الایمان بہ بدون العَمل بِہٖ.

لٰکِن لَایُمْکِنُ طَلَب الْاِیْمَان بِہٖ بِدُوْن الْعَمل بِہٖ.

فَلَا یُمْکِنُ وُجُودالْاِیْمَان بِدُوْن جذبۃ العمل بالمومن بہ.

اِس کی وضاحت یہ ہے کہ قال اللہ وقال الرسول سے قطع نظر محض دنیائے عقل کی روشنی میں دیکھنے والا ہر شخص سمجھتا ہے کہ جہاں پر بھی کوئی بالادست اپنے زیردست سے کسی بات کو تسلیم کرانے کا مطالبہ کرتا ہے وہیں پر اُس کا مقصد اُس پر عمل کرانا ہوتا ہے ورنہ بغیر عمل محض زبانی تصدیق واقرار کی اُس کی نگاہ میں کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ شریعت مقدسہ کے اوامر واحکام بھی مقتضائے فطرت کے اِس فلسفہ کے عین مطابق ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جہاں پر جذبہ عمل کے بغیر محض زبانی طور پر اقرار باللسان وتصدیق بالقلب کا اظہار ہوتا ہے اُسے کالعدم قرار دیا گیا ہے، غیر ممکن الوجود کہا گیا ہے اور اُس کے وجود لسانی کو وجود واقعی کے منافی بتایا گیا ہے، جیسے آیت کریمہ ''وَمَا هُم بِمُؤْمِنِينَ ''(۱)، ''وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنَافِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ''(۲)

---

(۱) البقرہ، 8۔

(۲) المنافقون، 1۔

Marfat.com

جیسے نصوص سے ہو رہا ہے۔

یہی حال ایمان کے تسلیم و رضا والا لازمہ کا بھی ہے کہ اس کے بغیر بھی ایمان کا وجود عنداللہ ہو سکتا ہے نہ عندالشرع اِس پر عقلی دلیل اِس طرح بیان کی جا سکتی ہے کہ؛

لو امکن وجودالایمان بدون الرضابِالمُؤمَن به.

لا مکن وجودالشئی بدون سببه الخاص

لکن وجودالشئی بدون سببه الخاص

لا یمکن فوجود الایمان بدون الرضابِالمُومَن به لا یمکن.

اِس کی وضاحت اِس طرح ہے کہ شریعت مقدسہ سے قطع نظر بھی محض دنیائے عقل کے معروضی حالات ایسے ہیں کہ جب تک کسی چیز کو اپنانے میں انسان کی رضامندی نہ ہو اُس وقت تک اُسے قبول نہیں کرتا کیوں کہ ہر شخص سمجھتا ہے کہ کسی بھی چیز کو تسلیم کرنے کے لیے اُس پر راضی ہونا خاص سبب ہے اور اپنے خاص سبب کے بغیر کسی شے کا وجود میں آنا یعنی اُسے تسلیم کیا جانا اور قبول کیا جانا عادتاً محال ہے کہ کسی جبر و اکراہ کے بغیر حالتِ اختیار میں ایسی چیز کو تسلیم کرے جس میں اُس کی رضامندی نہ ہو۔ اُصولِ فطرت کے اِس کلیہ میں مُومَن بہ کے ساتھ رضامندی کے بغیر ایمان کا وجود ناممکن ہونا بھی شامل ہے۔ مُومَن بہ کے منافی اور اُس کی جملہ اضداد سے کراہت و نفرت کا لازمہ ایمان ہونے پر عقلی استدلال اِس طرح کیا جا سکتا ہے کہ؛

لو امکن وجودالایمان بدون الکراهت عن جمیع اضدادالمُومَن به لا مکن الجمع بین الضدین.

لکن الجمع بین الضدین لا یمکن.

فوجودالایمان بدون الکراهت عن جمیع اضدادالمُومَن به لا یمکن۔

اِس کی توضیح اِس طرح ہے کہ ایمان کسی بھی مُومَن بہ کو دل و جان سے تعلیم کرنے سے

Marfat.com

عبارت ہے جس کے لیے محرک اور خاص سبب اُس کے ساتھ رضامندی ہے یعنی رضامندی کی صورت میں اُسے تسلیم کرنا عادتاً ضروری ہے کیوں کہ اپنے خاص سبب کے موجود ہونے پر شے کے موجود ہونے کی عمومی عادت پر پوری دنیا کا نظام چل رہا ہے۔

نیز ضدین کا اجتماع محال ہے۔

نیز محبت و کراہت باہمی ضدین ہیں۔

جن میں سے ایک کا وجود آپ ہی دوسرے کے عدم پر دلیل ہے۔

ایسے میں کسی مُومَن بہ یعنی کسی ضرورت دینی کو تسلیم کرنا یعنی اُس پر ایمان لانا آپ ہی دو چیزوں کے وجود پر دلالت کرتا ہے جن میں سے ایک اُس کے ساتھ محبت کرنا ہے اور دوسری چیز اُس کی تمام اضداد سے کراہت و نفرت کرنا ہے لیکن قضیہ مفروضہ کی شکل میں بداہت عقل کے اِس مقتضاء سے برعکس مُومَن بہ کی تمام اضداد سے کراہت کے بغیر ایمان کے وجود کو ممکن کہا جائے تو اِس کا نتیجہ اجتماع ضدین کے ممکن ہونے کے سوا اور کچھ نہیں نکلتا کہ بیک وقت مُومَن بہ کو تسلیم کرنا بھی ممکن ہو اور اُس کی ضد کو تسلیم کرنا بھی ممکن ہو اور اُس کے ساتھ محبت کرنا بھی ممکن ہو اور کراہت کرنا بھی ممکن ہو۔ قرآن و سنت سے قطع نظر ہر عقلمند سمجھتا ہے کہ اجتماع الضدین ممکن نہیں ہے تو پھر مُومَن بہ کی تمام اضداد کے ساتھ کراہت کے بغیر ایمان و تسلیم کے ممکن الوجود ہونے کا بھی عند العقل کوئی جواز نہیں رہتا۔ شاید مقتضائے عقل کی اِس بداہت کی طرف آیت کریمہ "مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ" (۱) میں اشارہ کیا گیا ہے۔

یعنی کوئی ایسا شخص نہیں ہے جس کے اندر اللہ تعالیٰ نے دو دل پیدا کیے ہوں جو بیک وقت ایک میں محبت دوسرے میں کراہت اور ایک میں ایک چیز کو ماننا دوسرے میں اُس کی ضد کو ماننا ممکن ہو۔

---

(۱) الاحزاب، 4۔

Marfat.com

حقیقت یہ ہے کہ التزام ایمان کا اِن چیزوں کو مقتضی ہونا جو حتمی اور نا قابل انفکاک ہے لازم و ملزوم ہونے کا ہی نتیجہ ہے اور عین مقتضائے عقل ہے جس پر جتنا غور و فکر کیا جائے گا اُسی شرح تناسب سے شرح صدر کی توفیق بھی میسر ہو سکتی ہے۔

لوازمات خمسہ ایمان کے ثبوت عقلی کے سلسلہ میں قیاس استثنائی اتصالی کی ان صورتوں کے علاوہ قیاس اقترانی کی شکل اول سے بھی ان سب کو ثابت کیا جا سکتا ہے جو بیّن الانتاج ہونے کی بناء پر ہر صاحب فکر و نظر شخص کے لیے سہل الفہم ہے۔ مثال کے طور پر لازمہ محبت کے ثبوت کے لیے کہا جا سکتا ہے کہ:

مدعیٰ:۔ الایمان لا یوجدبدون محبة المُومَن به

صغریٰ:۔ لانه مقتضی المحبت

کبریٰ:۔ ولا شیئی مِنَ المُقتَضٰی یُوجَدُ بِدُونِ مُقتَضِیه

نتیجہ:۔ فالایمان لا یوجدبدون محبة المُومَن به

اِس کی توضیح یہ ہے کہ ایمان یعنی مُومَن بہ کو تسلیم کرنے اور اُس کے لازمہ محبت، لازمہ تعظیم اور لازمہ رضا اِن تینوں کی لزوم والی حیثیت کے علاوہ ایمان کے ساتھ مناسبت کے حوالہ سے بھی کچھ حیثیات قابل فہم ہیں۔ جن میں سے؛

ایک:۔ یہ تینوں ایمان بمعنی تسلیم کی طرف مُفضِی اور اُس کے مقتضِی ہیں۔

دوسری:۔ یہ تینوں ایمان لانے کے اسباب ہیں کہ مُومَن بہ کے ساتھ محبت اُس کی تعظیم و رضا کے موجب اور اُس کے لیے محرّک و سبب قرار پانے کے بعد ہی ایمان لانے کی توفیق میسر ہوتی ہے جس کے مطابق محبت کو سبب اول اور سبب بعید بھی کہا جا سکتا ہے جبکہ تعظیم و رضا رتبۃً اُس سے مؤخر ہونے کی بناء پر سبب قریب کہلانے کے زیادہ مستحق ہیں۔

تیسری:۔ یہ تینوں ذی علامت ہیں جبکہ ایمان بمعنی مجموعہ اقرار باللسان و تصدیق بالقلب

Marfat.com

یعنی تسلیم کرنا اِن تینوں کی یکساں علامت ہے۔

اِن حقائق کی روشنی میں اِن تینوں کی لزُوم والی حیثیت کو ثابت کرنے کے لیے مذکورہ تینوں حیثیات میں سے ہر ایک کو حد اوسط قرار لے کر قیاس اقترانی کی شکل اول بنائی جاسکتی ہے۔ مثال کے طور پر لازمہ تعظیم کے ثبوت کے لیے کہا جاسکتا ہے کہ؛

مدعیٰ:۔الایمان لا یوجدبدون تعظیم المُومَن به۔

صغریٰ:۔لانه علامة التعظیم۔

کبریٰ:۔ولا شیئی من علامة التعظیم یوجدبدون ذی العلامة۔

نتیجہ:۔فالایمان لا یوجدبدون الرضا بالمُومَن به۔

لازمہ جذبہ عمل بالمُومَن بہ کو ثابت کرنے کے لیے کہا جاسکتا ہے کہ؛

مدعا:۔الایمان لا یوجدبدون جذبةالعمل بالمُومَن به۔

صغریٰ:۔لانه مطلوب مع جذبة العمل۔

کبریٰ:۔ولا شیئی من المطلوب مع جذبةالعمل یوجدبدون جذبة العمل۔

نتیجہ:۔فالایمان لا یوجدبدون جذبة العمل بالمُومَن به۔

اِس کی وضاحت اِس طرح ہے کہ قرآن وسنت سے قطع نظر محض عقل کی دنیا میں آمر، مامور اور مامور بہ کے حوالہ سے دیکھا جائے تو جس کسی کو بھی کسی کام سے متعلق امر کیا جاتا ہے یعنی مامور بہ کو وجود میں لانے کا مطالبہ کیا جاتا ہے وہیں پر ہمیشہ اُس کے مطابق عمل کرانا ہی مقصود ہوتا ہے چاہے یہ عمل ظاہر کا ہو یا باطن کا یعنی جوارح کا عمل ہو یا دل کا اور ظاہر ہے کہ ہر عمل سے قبل اُس کے متعلق جذبہ، شوق اور میلان قلب کا ہونا ناگزیر ہوتا ہے ورنہ مطلوبہ عمل ہرگز وجود میں نہیں لایا جاسکتا۔ ایسے میں ایمان مطلوب مع جذبۃ العمل نہ ہوگا تو اور کیا ہوگا۔ مُومَن بہ کی ضد سے کراہت کو محض تقاضائے عقل سے لازمہ ایمان ثابت کرنے کے لیے کہا جاسکتا ہے کہ؛

Marfat.com

مدعا:۔الایمان لا یوجدبدون کراھت ضدالمُومَن به۔

صغریٰ:۔لا نه یدل علیھاالتزاماً۔

کبریٰ:۔ولا شیئی من الدال الالتزامی یوجدبدون المدلول الالتزامی۔

نتیجہ:۔فالایمان لا یوجدبدون کراھت ضدالمُومَن به۔

الغرض ایمان کا کوئی شعبہ اور التزام ایمان کی کوئی قسم یا لوازمات خمسہ ایمان میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہیں ہے جو خلافِ عقل ہو البتہ بداہت عقل سے ماوراء ہونے کی بناء پر اُس تک انسانوں کی رسائی فہم توجہ طلب ضرور ہے۔جس کے لیے درسِ نظامی کے فنون سمجھ کر پڑھنے کے بعد فکرِ عملی میں اُنہیں پیش نظر رکھنے کے سوا کسی اور چیز کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔تاہم توفیق الٰہی کے بغیر کچھ بھی نہیں ہوسکتا۔(اللّٰھُمَّ وَفِّقْ لَنَالِمَاتُحِبُّ وَتَرضٰی)

مزید وضاحت:۔ایمان کے یہ لوازمات جو لازم الماہیت اور لازم بین بالمفہوم الاخص ہیں تقاضاء عقل سے ثابت ہونے کے بعد قرآن وسنت کے مذکورہ نصوص سے تائید وتبرک حاصل کر کے بزرگانِ دین کے دستاویزات میں بھی مذکور ہوئے ہیں۔یہ الگ با[illegible] ہے کہ بعض اسلاف نے اِن کا محض اشارہ دیا ہے، جیسے ابن ہمام نے المسایرہ میں [illegible] الفاظ میں لکھا ہے؛

''والمقطوع به ان الایمان وضع الھی اَمَرَ بِه عِبادَه وَرَتَّبَ علٰی فعله لازمًا ھو ماشاء من خیر بلا انقضاء وعلی ترکه ضده بلا انقضاء و ھذا لازم الکفر شرعاً وان التصدیق بما اخبر به النبی من انفراد الله تعالیٰ بالالوھیة وغیره انما کان علی سبیل القطع من مفھومه و انه اعتبر فی ترتیب لازم الفعل وجود امور عدمھا مترتب ضده کتعظیم الله تعالیٰ و انبیائه وکتبه وبیته وترک السجود للصنم و نحوه والانقیاد ھو الاستسلام الی قبول او امره ونواھیه الذی ھو معنی الاسلام. وقد اتفق

Marfat.com

اهل الحق وهم فریقا الا شاعرة والحنفیة علی انه لاایمان بلااسلام و عکسه......فیمکن اعتبار هذه الاموراجزاء لمفهوم الایمان فیکون انتفاء ذلک اللازم عند انتفائها لانتفا الایمان وان وجدالتصدیق وغایة مافیه انه نقل عن مفهومه اللغوی الذی هومجردالتصدیق الی مجموع هو منهاولاباس به فانا قاطعون بانه لم یبق علی حاله الاول اذ قداعتبر الایمان شرعاً تصدیقاًخاصاًوهومایکون باموراخاصة وان یکون بالغاً الی حدالعلم ان منعناایمان المقلدوالا فالجزم الذی لایجوزمعه ثبوت النقیض وهوفی اللغة اعم من ذلک ویمکن اعتبارهاشروطاً لاعتباره شرعاًفینبغی ایضاً لانتفائهاالایمان مع وجود التصدیق بمحلیه ولایمکن اعتبارها شروطاً لثبوت اللازم الشرعی فقط فینتفی عندانتفائهامع قیام الایمان لان الفرض ان عندانتفا ئهایثبت ضدلازم الایمان وهولازم الکفر.علی ماذکرنا فیثبت ملزومه وهوالکفر"(۱)

حضرت ابن ہمام نے اِس جاندار عبارت کے اندر جن معارف وحقائق کو جمع کیا ہے۔ ہماری اِس پوری تحریر کو اُس کی حقیقی تشریح قرار دیا جائے تو بے محل نہیں ہوگا۔ بعض اسلاف نے اِس سے بھی زیادہ مختصر کرکے ایمان کے صرف دو (2) لوازم کو ذکر کرکے باقی کا اشارہ دیا ہے۔

جیسے امام احمد رضا خان محدث بریلوی نے تمہید ایمان میں کیا ہے، بعض نے اِس سے بھی مختصر اور باریک اشارہ میں "الایمان هو التصدیق بالقلب مع الثقةو طمنینة النفس علیه" کہہ کر ان میں سے بعض لوازمات کا اشارہ دیا ہے، جیسے تفسیر الفتوحات الالٰہیہ، جلد 4، صفحہ 186 میں ہے۔

حضرت امام فخر الدین الرازی نے بھی صرف لازمہ محبت کو اصل الاصول اور باقی چاروں کے

(۱) المسایرہ، ص 281 تا 285۔

Marfat.com

لیے بنیاد قرار دیتے ہوئے لکھا ہے ''وقد دللنا انّ الحُبَّ مِن لوازِم العرفان ''(۱) تحت آیت ''وَالَّذِیْنَ آمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّالِلّٰهِ '' جبکہ بعض نے پوری تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ جیسے حافظ ابن تیمیہ نے کتاب الایمان اور فتاویٰ کبریٰ میں کیا ہے۔ کتاب الایمان اول سے آخر تک اِسی موضوع سے متعلق ہے جبکہ فتاویٰ کبریٰ کی جلد 7، صفحہ 122 تا 655 اِس موضوع سے متعلق ہے۔ اور نہ سہی ابن ہمام کی مذکورہ عبارت کی طرح حافظ ابن تیمیہ کی مندرجہ ذیل عبارت ہی تکفیر کے لیے شرعی معیار کو سمجھنے کے لیے کافی ہے۔ جس میں موصوف نے سورۃ المجادلہ کی آیت نمبر 22 کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے؛

''بین سبحانه ان الایمان له لوازم وله اضداد موجودة یستلزم ثبوت لوازمه وانتفاء اضداده ومن اضداده موادة من حاد الله و رسوله''(۲)

لیکن اُن کا انداز بیان چونکہ محدثانہ ہے جس وجہ سے مختصر مقاصد کے لیے بھی طویل کلام کرتے ہیں جس وجہ سے اُن کی عبارۃ النص اور ماسیق لہ الکلام تک رسائی ہر قاری کے لیے آسان نہیں ہوتی جبکہ ہم نے اِس تحریر میں فقہاء کرام سے لے کر محدثین عظام اور مفسرین قرآن سے لے کر متکلمین اسلام تک سب کے مقاصد کا خلاصہ ضوابط کی شکل میں آسان انداز سے پیش کیا اور بتا دیا کہ تکفیر کے لیے قرآن وسنت اور بزرگانِ دین کی روشنی میں چند اُصول وضوابط مقرر ہیں۔ جن کے بغیر کسی کو کافر قرار دینے کا جواز ہرگز نہیں ہے۔ ہم نے اِس تحریر میں فقہاء کرام کی اُن قابل تشریح عبارات کا حقیقی مفہوم بھی واضح کیا جہاں پر اُنہوں نے لکھا ہے کہ؛

''شریعت نے بعض اقوال وافعال کو کفر کی علامت قرار دیا ہے، جنکے قائل وعامل کو دل میں تصدیق بالقلب اقرار باللسان کی موجودگی کے باوجود بالیقین کافر قرار دیا جائے گا۔''

(۱) التفسیر الکبیر، ج3، ص234۔

(۲) الفتاویٰ کبریٰ، ج7، ص161۔

(۲)

Marfat.com

یا لکھا ہے کہ: ''سلف صالحین نے بعض اعمال و اقوال کو تصدیق قلبی و اقرار لسانی کی موجودگی کے باوجود کفر قرار دیا ہے''۔

مثال کے طور پر فقہاء کرام اور متکلمین اسلام کا:

❶ استحلال معصیت کو یا استحلال وطی الحائض کو کفر قرار دینا فقہی اجتہاد پر مبنی نہیں ہے بلکہ یہ ضرورتِ دینی کی ضد کے ارتکاب کی بناء پر ہے کیوں کہ اِن دونوں کا ممنوع فی الاسلام وحرام ہونے کا جو اسلامی حکم ہے وہ ضرورتِ دینی ہے جبکہ اِن کو حلال سمجھنے والے نے اسلامی عقیدہ کی ضد کا ارتکاب کیا ہے۔

❷ اِسی طرح عدم حرمۃ الزنا یا عدم حرمۃ قتل النفس بغیر الحق کی تمنا کرنے والے کو جو کافر قرار دیا گیا ہے وہ اِس اُصول کے تحت آیا ہے کہ حرمۃ زنا اور حرمۃ قتل النفس بغیر حق کی حقانیت کو ماننے اور اُس کے ساتھ ایمان لانے کے لوازمات کی ضد کا ارتکاب کیا گیا ہے جس کے مطابق اِن ضروری احکام کے ساتھ محبت، جذبہ عمل تسلیم ورضا، تعظیم اور کراہت ونفرت وبیزاری کی ضد کا ارتکاب ہوا ہے جو ''وجود احدالضدین دلیل عدم الآخر اور انتفاء اللازم دلیل انتفاء الملزوم'' کے بدیہیات کے قبیل سے ہے۔ یہی حال شریعت کے کسی ضرورت دینی والے حکم کے ساتھ اسماء اللہ، صفات اللہ، افعال اللہ، کے ساتھ استہزاء کرنے والے کا ہے اور پیغمبر کی ذات یا صفات کی توہین کرنے کی بھی یہی نوعیت ہے کہ لوازمات ایمان کی ضد کا ارتکاب کیا گیا ہے، اِس لیے مرتد قرار دیا جا رہا ہے۔

علیٰ ہٰذا القیاس مذکورہ اُصولوں میں سے کسی ایک یا ایک سے زیادہ کے ماتحت آنے پر 100% یقین حاصل ہوئے بغیر فتویٰ کفر جاری کرنا ہرگز جائز نہیں ہے۔ (فَلِلّٰہِ الْحَمْدُ اَوَّلًا وَّآخِرًا ظَاھِرًا وَّ بَاطِنًا)

☆☆☆☆☆☆

Marfat.com

خلاصة الکتاب

’’اُصولِ تکفیر‘‘ پر مشتمل اِس کتاب میں ایمان اور کفر کا تقابل بتانے کیساتھ کفر کی چاروں قسموں؛

1. کافر عنداللہ لاعندالشرع ولاعندالناس۔
2. کافر عنداللہ وعندالشرع لاعندالناس۔
3. کافر عندالناس لاعندالشرع ولاعنداللہ۔
4. کافر عنداللہ،عندالشرع وعندالناس۔

کو پیش نظر رکھ کر دنیا بھر میں پائے جانے والے جملہ کفار کی حقیقت اور ہر ایک میں بناء تفریق کی نشان دہی کرنے کے ساتھ ہم نے اِس کتاب میں عارضی کفر کی بنیاد واضح کی ہے کہ کسی بھی مدعی اسلام کو خارج از اسلام قرار دینے کی وجوہات کیا ہو سکتی ہیں۔قرآن وسنت کے مطابق کسی مومن مسلمان کو کافر قرار دینا جرم عظیم ہونے کی طرح اسلام سے پھر کر مرتد قرار پانے والے کو مسلمان جاننا بھی نہ صرف جرم عظیم بلکہ بجائے خود کفر وارتداد ہے۔اِن دونوں حقیقتوں اور اِن کے فلسفہ کو سمجھنا جملہ مسلمانوں پر فرض کفایہ اور دارالافتاء کے ذمہ داروں پر فرض عین ہے۔جس سے بے خبری وغفلت کی بناء پر علماء کرام اور غیر معیاری مشائخ کا ایک طبقہ بات بات پر مسلمانوں کی تکفیر کرتا چلا آ رہا ہے،اپنے مخصوص نظریات کے خلاف ہر ایک کو کافر کہتا جا رہا ہے اور جس کو بھی اپنی مذہبی ترجیحات کا معارض سمجھتا ہے اُس پر کفر وشرک کی مشین چلاتا نظر آ رہا ہے۔کفر بازی کی اِس بے اعتدالی کے خلاف ردعمل کا اظہار کرتے ہوئے تاریخ کے مختلف ادوار میں علماء کرام ومفتیان عظام نے کہہ دیا تھا کہ؛

Marfat.com

"لَا یَجُوْزُ تَکْفِیْرُ اَھْلِ الْقِبْلَه" یعنی اہل قبلہ میں سے کسی شخص کو کافر کہنا جائز نہیں ہے۔

بعض نے کہہ دیا تھا: "لَا یَجُوْزُ التَّکْفِیْرُ اِلَّا بِاِنْکَارِ الْقَطْعِی"

یعنی اسلام کے کسی قطعی الثبوت والدلالۃ حکم سے انکار کے بغیر کسی مدعی اسلام کو کافر قرار دینا جائز نہیں ہے۔

بعض نے کہا تھا کہ: "لَا یَجُوْزُ تَکْفِیْرُ الْمُتَاوِّلِ"

یعنی تاویل کا سہارا لے کر انکار کرنے والے کو کافر کہنا جائز نہیں ہے۔

بعض نے کہہ دیا تھا کہ: "لَا یَجُوْزُ التَّکْفِیْرُ اِلَّا بِاِنْکَارِ الحکم الاجماعی"

یعنی اجماعی حکم سے انکار کیے بغیر کسی کو کافر قرار دینا جائز نہیں ہے۔

اور سب نے بیک آواز کہا تھا کہ: "لَا یَجُوْزُ التَّکْفِیْرُ اِلَّا بِالْاِلْتِزَامِ"

یعنی التزام کفر کرنے والوں کے سوا کسی کو کافر قرار دینا جائز نہیں ہے۔

پیشروانِ اسلام کے اِن اقوال کے مطابق علم کلام اور کتب فتاویٰ میں بھی تکفیر کے حوالہ سے متضاد آراء کا پایا جانا بے اطمینانی کا سامان تھا۔ جس کے نتیجے میں دارالافتاء کے بعض حضرات بے محل تکفیر مسلم کے گناہ میں مبتلا ہو رہے تھے تو بعض صریح کفر وارتداد میں مبتلا ہونے والوں کو مسلمان قرار دے کر انجانے میں خود اپنا ایمان خطرہ میں ڈال رہے تھے۔ اِن دونوں بے اعتدالیوں کی اصل وجہ اسلاف سے منقول مذکورہ پانچ اُصولوں کا غیر واضح ہونے کے ساتھ اس موضوع پر جامع و مانع اور واضح کتاب کی عدم موجودگی بھی تھی جس وجہ سے ہم نے سلف صالحین سے منقول مذکورہ اُصولوں کی تشریح کرنے کے ساتھ اِس کتاب میں قرآن وسنت اور اسلاف کی روشنی میں جامع و مانع ضابطہ تکفیر پیش کیا ہے۔ جو مذکورہ اُصولوں کی مکمل تشریح کیے بغیر ناممکن تھا۔ اِس لیے ہم نے سب سے پہلے اِن کی تشریح کی کہ اہل قبلہ کی تکفیر ناجائز ہونے

Marfat.com

سے اسلاف کی مراد کیا ہے، اِس اُصول میں مذکور قبلہ سے مراد کیا ہے اور اہل قبلہ کے شرعی مفہوم کی اُس کے لُغوی مفہوم کے ساتھ مناسبت وعلاقہ کیا ہے؟

اِسی طرح اسلاف سے منقول **دوسرے اُصول** میں قطعی والثبوت والدلالۃ حکم کی تفصیل کیے بغیر مطلق رکھ کر قطعی کی ہر قسم سے انکار کو مدار تکفیر قرار دینے والے بعض فقہاء کرام کے سوا اور کوئی نہیں ہیں جبکہ جمہور فقہاء کرام اور متکلمین اسلام کے نزدیک اِس قطعی سے مراد وہ قسم ہے جس کا حصہ اسلام ہونے کا علم ضرورت دینی کی حد تک مشہور اور ناقابل خفاء ہو۔

اِسی طرح **تیسرے اُصول** یعنی اہل تاویل کی تکفیر ناجائز ہونے سے اسلاف کی مراد یہ ہے کہ اسلام کے کسی غیر ضرورت دینی حکم سے کسی تاویل کی بنیاد پر انکار کرنے والوں کی تکفیر جائز نہیں ہے، اِسی طرح کسی ضرورتِ دینی سے غیر صریح اور قابلِ تاویل اندازِ انکار پر تکفیر جائز نہیں ہوسکتی۔

نیز کسی بھی شرعی حکم کی ایسی تاویل جو مفضیٔ الی الکفر ہو اور کسی ضرورتِ دینی کی تکذیب کو مستلزم ہو رہی ہو۔ اُس کے قائل کی تکفیر کر کے مرتد قرار دینا جائز نہیں ہے۔ بلکہ اس صورت میں لُزُوم کفر ہوتا ہے۔ جس کا حکم التزامِ کفر سے جدا ہے۔ جس کو ہم نے اِس کتاب میں مثالوں کے ساتھ واضح کر کے بے غبار کر دیا ہے۔

چوتھے اُصول یعنی اجماعی حکم سے انکار کو مدار تکفیر قرار دینے کا مطلب اِس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ شروع سے لے کر اب تک جملہ مکاتب فکر اہل اسلام کے نزدیک تاریخ کے ہر دور میں مسلّم اور ضرورتِ دینی کی حد تک مشہور حکم سے جب تک صراحتاً و بداہۃً انکار نہ ہو اُس وقت تک کسی مدعی اسلام کی تکفیر جائز نہیں ہے۔

Marfat.com

پانچویں اُصول یعنی التزام کفر کے بغیر کسی کی تکفیر نا جائز ہونے کا مطلب یہ ہے کہ لزُوم کفر کی بناء پر یا غیر صریح اور قابل توجیہہ و تاویل کلام کی بناء پر تکفیر جائز نہیں ہے بلکہ جواز تکفیر کا مدار صرف اِس بات پر ہے کہ کوئی مدعی اسلام کسی جبر و اکراہ کے بغیر اپنی رضا و اختیار کے ساتھ ملت اسلام کی صراحتاً تکذیب کرے یا اُس کے کسی ضرورت دینی والے حکم سے صراحتاً انکار کرے یا اِن میں سے کسی کی ضد یا نقیض کا صراحتاً ارتکاب کرے یا ان میں سے کسی کے ساتھ ایمان کے لازمہ کی ضد یا نقیض کا صراحتاً ارتکاب کرے جس میں تاویل کی گنجائش نہ ہو۔

ایمان کے لوازماتِ خمسہ یعنی مُومَن بہ کے ساتھ جذبہ عمل، تعظیم، محبت، تسلیم ورضا اور اُس کے ساتھ متصادم ہر مذہب و کردار سے کراہت و نفرت میں سے کسی کی ضد یا نقیض کا پایا جانا۔ آپ ہی اِن کی نفی ہے جس کے بعد اِن کی نفی کے لیے کوئی اور دلیل تلاش کرنے کی ضرورت نہیں رہتی اور لازم کی نفی بھی آپ ہی ملزوم کی نفی پر دلیل ہوتی ہے جس کے بعد کسی اور دلیل کی ضرورت نہیں ہوتی اس طرح سے التزام کفر کی بنیادی طور پر 14 قسمیں بنتی ہیں۔ پھر ان میں سے ہر ایک کی دو، دو قسمیں ہیں: (۱) **ارادی** (۲) **غیر ارادی۔**

کیوں کہ اِن میں سے جس شکل میں بھی التزامِ کفر کیا جاتا ہے وہ شعوری بھی ہوسکتا ہے، لاشعوری بھی اِس لیے کہ ثبوت کفر کے لیے اُس کلام کا شعوری و اختیاری ہونا کافی ہے جو ضرورتِ دینی کی تکذیب پر صراحتاً دلالت کررہا ہے، اُس کے مفہوم و مدلول کا مرادِ متکلم ہونا ضروری نہیں ہے۔ اِس طرح سے التزام کفر کی 28 صورتیں وجود میں آ رہی ہیں اور سلف صالحین کا ''لَایَجُوزُ التَّکفِیرُ اِلَّا بِالْتِزَامِ الْکُفر'' کہنے سے مراد اِن قسموں میں سے ہر ایک ہوسکتی ہے جو لزُومِ کفر کے مقابلہ میں ہیں کیوں کہ لزُومِ کفر میں ملازمہ بیّن نہیں ہوتا جبکہ التزامِ کفر کی اِن تمام صورتوں میں کفر کا لزُوم بین ہوتا ہے۔ جس کے مطابق جامع و مانع ضابطہ

Marfat.com

تکفیر کے لیے درج ذیل اُصول قرار پارہے ہیں۔

1 ملتِ اسلام سے انکار کیا جائے (العیاذ باللہ) چاہے شعوری ہو یا لاشعوری میں۔

2 ملتِ اسلام کے مدمقابل کسی اور مذہب کو اختیار کیا جائے۔

3 ملتِ اسلام کے کسی ایسے حکم کی تکذیب وانکار کیا جائے جس کو ضرورت دینی کہا جاتا ہے یعنی اول سے لے کر آج تک ہر دور تاریخ میں جملہ اہل اسلام کے مابین متفقہ ہونے کی بناء پر اسلام کا حصہ ہونے میں اتنا مشہور ہو کہ اسلامی ماحول میں اُس کو حصہ اسلام ثابت کرنے کیلئے کوئی دلیل تلاش کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی جاتی۔ چاہے ابتدائی ثبوت اُس کا دلیل ظنی سے ہو یا دلیل قطعی سے۔ اِسی طرح اِس انکار پر صراحتاً دلالت کرنے والے کلام کے متکلم کا اُس کے مفہوم کے ساتھ عقیدہ وشعور ہو یا نہ ہو۔

4 ملتِ اسلام کے کسی ضرورت دینی والے حکم کی ضد یا نقیض کا صراحتاً ارتکاب کیا جائے۔

5 ملتِ اسلام پر ایمان لانے کے شرعی لوازمات خمسہ میں سے کسی ایک کی ضد یا نقیض کا ارتکاب کیا جائے۔مثلاً دل میں جذبہ عمل کا فقدان ہو یا اُس پر عمل نہ کرنے کا ارادہ ہو۔

6 دل میں محبت کا فقدان ہو یا کراہت ونفرت موجود ہو۔

7 دل میں تعظیم کا فقدان ہو یا حقیر جانتا ہو۔

8 دل میں تسلیم ورضا کا فقدان ہو یا ناپسندیدگی کا مادہ موجود ہو۔

9 اُس کے مدمقابل مذاہب باطلہ سے نفرت وکراہت کا فقدان ہو یا اُس کے ساتھ قلبی میلان وجھکاؤ موجود ہو۔

10 ملت اسلام کے کسی ضرورت دینی والے حکم پر ایمان کے اِن لوازمات خمسہ میں سے کسی ایک کی ضد یا نقیض کا صراحتاً ارتکاب ہو۔مثلاً دل میں جذبہ عمل کا فقدان ہو یا اُس پر

Marfat.com

عمل نہ کرنے کا عزم ہو۔

11 تصدیق بالقلب اور اقرارِ لسانی کے اظہار کے باوجود دل میں محبت کا فقدان ہو یا کراہت ونفرت موجود ہو۔

12 تعظیم کا فقدان ہو یا دل میں تحقیر وتخفیف موجود ہو۔

13 تسلیم ورضا کا فقدان ہو یا ناپسندیدگی اور تنگدلی موجود ہو۔

14 تصدیق قلبی واقرارِ لسانی کے اظہار کے باوجود اُس کے ساتھ کسی متصادم عمل سے نفرت وکراہت کا فقدان ہو یا اُس کی طرف میلان وجھکاؤ ہو۔

یہ تمام قسمیں التزامِ کفر میں صریح اور ناقابل تاویل ہونے میں یکساں ہونے کے باوجود اِن میں اگر فرق ہے تو صرف اِس بات میں ہے کہ پہلی اور تیسری قسم خود کفر وارتداد ہیں جبکہ باقی بارہ قِسمیں بالیقین علامت کفر ہیں جن کی موجودگی میں ایمان کا وجود ممکن نہیں ہے کیوں کہ ایمان اور کفر باہمی ضدین ہیں اور ضدین میں سے ایک کا وجود آپ ہی دوسرے کی نفی اور اُس کے عدم پر یقینی علامت ہے جس کے بعد اُس کے عدم پر کوئی اور دلیل تلاش کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ یہ التزامِ کفر کی مذکورہ فہرست کے مطابق دوسری اور چوتھی قسموں میں ہوتا ہے جبکہ باقی دس قسموں کا کفر وارتداد پر صریح الدلالۃ اور یقینی علامت ہونا بھی بدیہی امر ہے کیوں کہ ''وجود احد الضدين دليل عدم الآخر'' کا قضیہ بدیہی بلکہ بدیہ اولی ہونے کی طرح ''انتفاء الازم دليل انتفاء الملزوم'' کا قضیہ بھی اولیات کے قبیل سے ہے۔

اِس کے علاوہ یہ بھی ہے کہ التزام کفر کی اِن دسوں قسموں میں سے ہر ایک لازم بیّن ہے۔ جس وجہ سے اِس کی نفی یقینی ہونے کے بعد ایمان کی نفی یا کفر وارتداد کے ثبوت کے لیے کسی اور دلیل کی قطعاً ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ بخلاف لزُوم کفر کے کہ اُس میں لازم غیر بیّن ہوتا ہے

Marfat.com

جس وجہ سے اثبات کفر کے لیے مستقل دلیل کی ضرورت ہوتی ہے۔اِس کتاب میں ہم نے لزُومِ کفراورالتزامِ کفرکی تعریفوں کو بیان کرنے ،اُن کے شرعی احکام کوواضح کرنے کے ساتھ التزامِ کفرکی مذکورہ فہرست کے مطابق ایک ایک قسم کومثالی صورتوں میں ایک دوسرے سے جداجدابیان کیا ہے۔جس کو سمجھنے کے بعد دارالافتاء کے ذمہ داروں کو نہ صرف لزُومِ کفراور التزامِ کفرکی حقیقتیں اوران کےاحکام کی پہچان آسان ہوجاتی ہے بلکہ لزُومِ کفرکا کفرنہ ہونے اورالتزامِ کفرکاصریح کفرہونےکافلسفہ بھی واضح ہوجاتا ہے۔

(اَلْحَمْدُلِلّٰہِ اَوَّلاً وَّ آخِرًاظَاهِرًاوَّبَاطِنًا)

هٰذَا ختَامُ مَاکَتَبتُهُ تفْرِیْقًا بین الایمان وضِده وَاَرْجُو اَنْ یَکُوْنَ کَفَّارةٌ لِسَیَّاتِی فِی الْحَیاتِ وَبَعْد الْمَمَات وَصَلَّی اللّٰهُ تَعالٰی عَلٰی سَیِدِنَاسَیِّدُ الْاَوَّلِیْن وَالْآخِرِیْن رَحْمَةً لِّلعٰلَمِیْنَ

مَوْلٰی صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًااَبَدًا

عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیرِالْخَلْقِ کُلِّهِمِ

وَاَنَاالْعَبْدُالضَّعِیْفُ

پیرمحمدچشتی طَرِیْقَةً وَالْحَنفِی مَسْلَکًا وَالْمُسْلِم مَذْهَبًاوَ الْچِتْرَالِی مَوْلِدًا

☆☆☆☆☆☆

Marfat.com

﴿کتاب کی نمایاں خصوصیات﴾

مسئلہ تکفیر کو کل مکاتب فکر اہل اسلام تاریخ کے ہر دور میں مشکل سمجھتے آئے ہیں۔ اور سب نے اس کو عام فہم بنانے کے سلسلہ میں کچھ نہ کچھ لکھا ہے۔ اس کے باوجود تا حال اس حوالہ سے کوئی ایسی تحریر نایاب تھی جو جملہ مکاتب فکر کے لیے اطمینان کا سامان فراہم کرتی۔ اس کتاب کے مصنف پیر طریقت، رہبر شریعت، مر[illegible]یت شیخ الحدیث حضرت مولانا پیر محمد چشتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس موضوع سے متعلق اہل اسلام کے تمام مکاتب فکر کی اس ضرورت کی تکمیل فرمائی ہے۔ اس کی چند نمایاں خصوصیات مندرجہ ذیل ہیں:

لزوم کفر اور التزام کفر کے مابین حد فاصل اور ان کے جدا جدا احکام کی مثالی وضاحت اس کے سوا کہیں اور نہیں ملتی۔

لزوم کفر اور التزام کفر میں سے ہر ایک کا تعلق ضروریات دین کے ساتھ ہونے کا فلسفہ جملہ مسلمانوں کے لیے اس کا خاص تحفہ ہے۔

ضروریات دینیہ اور ضروریات مذہبیہ کے مابین حد فاصل اور ان کے شرعی احکام کی تفصیل کے ساتھ مزین ہے۔

لزوم کفر اور التزام کفر کا تعلق ضروریات مذہبیہ کے ساتھ نہ ہونے کے فلسفہ کی وضاحت اس کی خصوصی زینت ہے۔

فقہائے کرام کی مشہور عبارت "من شک فی کفرہ وعذابہ فقد کفر" کا فلسفہ اس کے علاوہ کہیں اور ناپید ہے۔

اہل قبلہ کے شرعی مفہوم کی اس کے لغوی مفہوم کے ساتھ مناسبت کی وضاحت اسکے سوا کہیں اور نظر نہیں آتی۔

التزام کفر کی چودہ اور اس کی تین قسموں کی جدا جدا مثالی وضاحتیں صرف اسی کتاب کا طرہ امتیاز ہے۔

لزوم کفر کا ارتداد نہ ہونے اور التزام کفر کا ارتداد ہونے کا فلسفہ اس کے علاوہ کہیں اور نہیں ملتا۔

کسی قول کا کفریہ ہونا اس کے قائل کے کافر ہونے کو مستلزم نہ ہونے کے فلسفہ کی وضاحت اس کے علاوہ کہیں اور نہیں ملتی۔

ہر اجماع کے منکر کا کافر نہ ہونے کے فلسفہ کے علاوہ ضرورت دینی اور ضرورت بمعنی حاجت کے مابین فرق و مناسبت کے فلسفہ کی وضاحت جیسے درجنوں ایسے مسائل کی وضاحت بھی اس کتاب میں پیش کی گئی ہے جو آج تک تشنۂ تکمیل تھے۔

مکتبہ آوازِ حق
دارالعلوم جامعہ غوثیہ معینیہ بیرون یکہ توت پشاور شہر
091-2560759 - 0316-9567661

Marfat.com

﴿کتاب کی نمایاں خصوصیات﴾

مسئلہ تکفیر و کلمات کفر اہل اسلام تاریخ کے ہر دور میں مشکل سمجھتے آئے ہیں۔ اور سب نے اس کو عام فہم بنانے کے سلسلہ میں بہت کچھ لکھا ہے۔ اس کے باوجود تا حال اس حوالہ سے کوئی ایسی تحریر نایاب تھی جو جملہ کلمات کفر کے لیے اطمینان کا سامان فراہم کرتی۔ اس کتاب کے مصنف پیر طریقت، رہبر شریعت، مرجعیت شیخ الحدیث حضرت مولانا پیر محمد چشتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس موضوع سے متعلق اہل اسلام کے تمام کلمات کفر کی جس ضرورت کی تکمیل فرمائی ہے اس کی چند نمایاں خصوصیات مندرجہ ذیل ہیں:

- لزوم کفر اور التزام کفر کے مابین حد فاصل اور ان کے جدا جدا احکام کی مثالی وضاحت اس کے سوا کہیں اور نہیں ملتی۔
- لزوم کفر اور التزام کفر میں سے ہر ایک کا تعلق ضروریات دین کے ساتھ ہونے کا فلسفہ جملہ مسلمانوں کے لیے اس کا خاص تحفہ ہے۔
- ضروریات دینیہ اور ضروریات مذہبیہ کے مابین حد فاصل اور انکے شرعی احکام کی تفصیل کیساتھ مزین ہے۔
- لزوم کفر اور التزام کفر کا تعلق ضروریات مذہبیہ کے ساتھ نہ ہونے کے فلسفہ کی وضاحت اس کی خصوصی زینت ہے۔
- فقہائے کرام کی مشہور عبارت "من شک فی کفرہ وعذابہ فقد کفر" کا فلسفہ اس کے علاوہ کہیں اور ناپید ہے۔
- اہل قبلہ کے شرعی مفہوم کی اس کے لغوی مفہوم کے ساتھ مناسبت کی وضاحت اسکے سوا کہیں اور نظر نہیں آتی۔
- التزام کفر کی چودہ اور اکیس قسموں کی جدا جدا مثالی وضاحتیں صرف اسی کتاب کا طرہ امتیاز ہے۔
- لزوم کفر کا ارتداد نہ ہونے اور التزام کفر کا ارتداد ہونے کا فلسفہ اس کے علاوہ کہیں اور نہیں ملتا۔
- کسی قول کا کفریہ ہونا اس کے قائل کے کافر ہونے کو مستلزم نہ ہونے کے فلسفہ کی وضاحت اس کے علاوہ کہیں اور نہیں ملتی۔
- اجماع کے منکر کا کافر نہ ہونے کے فلسفہ کے علاوہ ضرورت دینی اور ضرورت بمعنی حاجت کے مابین فرق و مناسبت کے فلسفہ کی وضاحت جیسے درجنوں ایسے مسائل کی وضاحت بھی اس کتاب میں پیش کی گئی ہے جو آج تک تشنہ تکمیل تھے۔

مکتبہ آوازِ حق
دارالعلوم جامعہ غوثیہ معینیہ بیرون یکہ توت پشاور شہر
091-2560759 - 0316-9567661

Marfat.com